احسن الہدایہ

ترجمہ و شرح اردو

ہدایہ

از باب عتق احد العبدین
تا
باب قطع الطریق

تصنیف

مترجم و شارح

مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی معین مفتی دارالعلوم دیوبند

تسہیل عنوانات و تخریج

مولانا صہیب اشفاق صاحب

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37221395

احسن الہدایہ جلد ۱۶

ترجمہ وشرح اردو

ھدایہ

احسن الہدایہ جلد ۱۶

ترجمہ وشرح اردو

ہدایہ

از باب القسامہ تا کتاب الخنثیٰ

تصنیف

شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر فرغانی مرغینانی

المتوفی ۵۹۳ ہجری

مترجم وشارح

مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی

معین مفتی دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب: ---------------- احسن الہدایہ (جلد شانزدہم)

مصنف: ---------------- شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی مرغینانی

ناشر: ---------------- مکتبہ رحمانیہ

مطبع: ---------------- لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

كِتَابُ الْمَعَاقِلِ ۶۰

یہ کتاب اہلِ معاقل کے بیان میں ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ الْقَسَامَةِ
یہ باب قسم لینے کے بیان میں ہے

اس سے پہلے قتل، جنایت اور دیت وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ابواب بیان کئے گئے ہیں اور چونکہ کبھی مقتوں کے قاتل کا صحیح اور قطعی علم نہیں ہو پاتا اور وجوبِ دیت میں پریشانی ہوتی ہے جس کا ازالہ قسامت کے ذریعے ہوتا ہے، اس لیے صاحب کتاب نے کتاب الدیات کوختم کرتے کرتے باب القسامة کو بھی بیان کردیا ہے، تاکہ کتاب الدیات ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہوجائے اور قاریٔ ہدایہ کسی تشنگی اور تنگ دامنی کا شکار نہ ہو۔

قسامة کے لغوی معنی: قسم کھانا۔

قسامة کے شرعی معنی اور اصطلاحی معنی: أیمان تقسم بها أهل محلة او دار وجد فیها قتیل به جراحة أو أثر ضرب ولایعلم من قتله یعنی اگر کسی محلے یا دار میں کوئی ایسا قاتل پایا جائے جس پر زخم یا ضرب کا نشان ہو اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو تو جس محلے یا دار میں قاتل پایا جائے اس کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے، اور وہ لوگ ان الفاظ میں قسم کھائیں "باللّٰه ماقتلناه ولا نعلم له قاتلا" بخدا نہ ہم نے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ہم اس کے قاتل سے واقف ہیں۔

قسامة کا سبب: وجود القتیل یعنی مقتول کا پایا جانا ہے۔

قسامة کا رکن: پچاس لوگوں سے انفرادی طور پر قسم لینا ہے۔

قسامة کی شرط: قسم کھانے والے افراد کا عاقل، بالغ اور آزاد ہونا ہے۔

قَالَ وَ إِذَا وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِيْ مَحَلَّةٍ وَلَا يُعْلَمُ مَنْ قَتَلَهُ اُسْتُحْلِفَ خَمْسُوْنَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ، بِاللّٰهِ مَاقَتَلْنَاهُ وَمَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِذَا كَانَ هُنَاكَ لَوْثٌ اُسْتُحْلِفَ الْأَوْلِيَاءُ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا وَيُقْضٰى لَهُمْ بِالدِّيَةِ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَمَدًا كَانَتِ الدَّعْوٰى أَوْ خَطَأً، وَقَالَ مَالِكٌ يُقْضٰى بِالْقَوَدِ إِذَا كَانَتِ الدَّعْوٰى فِي الْقَتْلِ الْعَمَدِ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی محلے میں کوئی مقتول پایا جائے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو تو محلے کے ایسے پچاس لوگوں سے قسم لی جائے جنہیں مقتول کا ولی منتخب کرے۔ (اور وہ لوگ اس طرح قسم کھائیں کہ) بخدا نہ تو ہم نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اس کے قاتل سے واقف ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہاں کوئی قرینہ موجود ہو تو اولیائے مقتول سے پچاس قسم لی جائیں گی اور (قسم کے بعد) ان کے لیے مدعیٰ علیہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا خواہ قتل عمد کا دعویٰ ہو یا قتلِ خطأ کا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعویٰ ہو تو قصاص کا فیصلہ کر دیا جائے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔

اللغات:

﴿قتیل﴾ مقتول۔ ﴿أستحلف﴾ قسم لی جائے گی۔ ﴿لوث﴾ آلودگی، ملوث ہونا، نشان، قرینہ، علامت۔

﴿قود﴾ قصاص۔

"قسامة" کے وقوع کی صورت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی محلے یا گلی اور کوچے میں کوئی ایسا مقتول پایا جائے جس کے قاتل کا علم نہ ہو اور اس کے مقتول پر قتل کے آثار موجود ہوں یعنی اس کے جسم پر زخم یا مار کے نشانات ہوں اور مقتول کا ولی اہل محلّہ میں سے کچھ لوگوں پر قتل کا دعویٰ کرے تو ہمارے یہاں ولیٔ مقتول کو یہ حق ہوگا کہ وہ اہل محلّہ سے پچاس لوگوں کو منتخب کر کے ان سے قسم لے اور وہ لوگ اِن الفاظ میں قسم کھائیں. باللّٰہ ماقتلناہ ولا علمنا لہ قاتلا یعنی نہ تو ہم نے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ اہل محلّہ کے قسم کھانے کے بعد ان کے ذمے سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور ان کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی خواہ قتلِ عمد کا دعویٰ ہو یا قتلِ خطأ کا بہر دو صورت ہمارے یہاں حکم یہی ہے۔

اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اس مقتول پر قتل کا کوئی قرینہ موجود ہو تو پھر اہل محلّہ سے پہلے اولیائے مقتول سے پچاس قسم لی جائیں گی چنانچہ وہ لوگ یوں قسم کھائیں گے کہ بخدا اہل محلّہ ہی نے اسے قتل کیا ہے۔ یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اہل محلّہ کی قسم اولیائے مقتول کی قسم سے مؤخر ہوگی، اور اگر اولیائے مقتول قسم کھا لیتے ہیں تو پھر اہل محلّہ پر ان کے لیے دیت واجب ہوگی خواہ قتلِ عمد کا معاملہ ہو یا خطأ کا۔

وقال مالك رحمۃ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر دعویٰ قتلِ عمد میں ہو تو مقتول کے اولیاء اور اہل محلّہ میں سے جس پر دعویٰ ثابت ہوگا اس سے قصاص لیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ قدیم بھی یہی ہے۔

وَاللَّوْثُ عِنْدَهُمَا أَنْ يَكُوْنَ هُنَاكَ عَلَامَةُ الْقَتْلِ عَلٰى وَاحِدٍ بِعَيْنِهٖ أَوْ ظَاهِرٌ يَشْهَدُ لِلْمُدَّعِي مِنْ عَدَاوَةٍ ظَاهِرَةٍ أَوْ شَهَادَةِ عَدْلٍ أَوْ جَمَاعَةٍ غَيْرِ عُدُوْلٍ أَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَتَلُوْهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لَهٗ فَمَذْهَبُهٗ مِثْلُ مَذْهَبِنَا غَيْرَ أَنَّهٗ لَايُكَرِّرُ الْيَمِيْنَ بَلْ يَرُدُّهَا عَلَى الْوَلِيِّ فَإِنْ حَلَفُوْا لَا دِيَةَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لوث یہ ہے کہ وہاں کسی معین شخص پر قتل کی علامت موجود ہو یا ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد ہو یعنی (قاتل ومقتول میں) ظاہری عداوت ہو یا ایک عادل مرد کی شہادت ہو یا ایک غیر عادل جماعت کی اس بات پر شہادت ہو کہ اہل محلہ ہی نے اسے قتل کیا ہے، اور اگر ظاہر حال مدعی کے لیے شاہد نہ ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہمارے مذہب کے مطابق ہے۔ علاوہ ازیں کہ وہ یمین کو مکرر نہیں کرتے بلکہ اسے ولی پر لوٹاتے ہیں، چنانچہ اگر اہل محلہ نے قسم کھالی تو ان پر دیت نہیں ہے۔

اللغات:

﴿عداوۃ﴾ دشمنی۔

''قرینہ'' کی وضاحت:

ماقبل میں جو لفظ ''لوث'' آیا ہے یہاں سے اسی کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لوث کی تشریح وتوضیح یہ ہے کہ اہل محلہ میں سے کسی معین شخص پر قتل کی علامت موجود ہو بایں طور کہ اس کی تلوار خون آلود ہو یا اس کے بندوق کی گولی مقتول کے بدن سے نکلی ہو۔ یا مقتول اور قاتل کے درمیان کسی وجہ سے عداوت اور دشمنی چل رہی ہو اور اس حوالے سے ظاہر حال مدعی کے لیے شاہد ہو کہ مقتول کا دشمن ہی اس کا قاتل ہے۔ یا کسی عادل شخص نے اہل محلہ کے خلاف قتل کی گواہی دی ہو یا ایک غیر عادل جماعت نے اس امر پر شہادت دی ہو کہ اہل محلہ ہی اس مقتول کے قاتل ہیں تو یہ صورتیں لوث میں داخل ہیں اور ان تمام صورتوں میں اولیائے مقتول ہی سے پہلے قسم لی جائے گی۔

وإن لم یکن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مقتول کے قتل پر لوث اور قرینہ موجود نہ ہو اور ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد بھی نہ ہو تو اس صورت میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی پہلے اہل محلہ سے قسم لی جائے گی جیسا کہ ہمارے یہاں بھی یہی حکم ہے، لیکن ہمارے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فرق یہ ہے کہ اگر اہل محلہ کی تعداد پچاس نہ ہو تو ہمارے یہاں ان سے مکرر قسم لی جائے گی، لیکن شوافع کے یہاں اہل محلہ سے دوبارہ قسم نہیں لی جائے گی، بلکہ پچاس کی تعداد کو اولیائے مقتول سے پورا کیا جائے گا چنانچہ اگر اہل محلہ ۳۵/ ہوں تو ۱۵/ اولیائے مقتول کو ملا کر پچاس کی تعداد پوری کی جائے گی اور اس کے بعد ہمارے یہاں اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیت ساقط ہو جائے گی۔

لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الْبِدَايَةِ بِيَمِيْنِ الْوَلِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❶ لِلْأَوْلِيَاءِ فَيُقْسِمُ مِنْكُمْ خَمْسُوْنَ أَنَّهُمْ قَتَلُوْهُ، وَلِأَنَّ الْيَمِيْنَ تَجِبُ عَلٰى مَنْ يَشْهَدُ لَهُ الظَّاهِرُ وَلِهٰذَا تَجِبُ عَلٰى صَاحِبِ الْيَدِ فَإِذَا كَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لِلْوَلِيِّ يُبْدَأُ بِيَمِيْنِهِ، وَرَدُّ الْيَمِيْنِ عَلَى الْمُدَّعِيْ أَصْلٌ لَهُ كَمَا فِي النُّكُوْلِ غَيْرَ أَنَّ هٰذِهِ دَلَالَةٌ فِيْهَا نَوْعُ شُبْهَةٍ، وَالْقِصَاصُ لَايُجَامِعُهَا وَالْمَالُ يَجِبُ مَعَهَا فَلِهٰذَا وَجَبَتِ الدِّيَةُ، وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ❷ اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ، وَ رَوٰى سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ❸ بَدَأَ بِالْيَهُوْدِ

بِالْقَسَامَةِ وَجَعَلَ الدِيَةَ عَلَيْهِمْ لِوُجُوْدِ الْقَتِيْلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، وَلِأَنَّ الْيَمِيْنَ حُجَّةٌ لِلدَّفْعِ دُوْنَ الْإِسْتِحْقَاقِ وَحَاجَةُ الْوَلِيِّ إِلَى الْإِسْتِحْقَاقِ وَلِهٰذَا لَا يَسْتَحِقُّ بِيَمِيْنِهِ الْمَالَ الْمُبْتَذَلَ فَأُوْلَى أَنْ لَا يَسْتَحِقَّ بِهِ النَّفْسَ الْمُحْتَرَمَةَ.

ترجمه: ولیٔ یمین سے آغاز کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اولیائے مقتول سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے ''تم میں سے پچاس لوگ اس بات پر قسم کھائیں کہ اہل محلّہ نے اسے قتل کیا ہے'' اور اس لیے کہ قسم اس پر واجب ہوتی ہے جس کے حق میں ظاہر حال شاہد ہوتا ہے، اسی وجہ سے قابض پر قسم واجب ہوتی ہے، پھر جب ظاہر حال ولی کے لیے شاہد ہوتو اس کی قسم سے ابتداء کی جائے گی اور مدعی پر قسم لوٹانا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل ہے جیسا کہ انکار کی صورت میں ہے تاہم یہ ایسی دلالت ہے جس میں ایک گونہ شبہہ ہے اور شبہے کے ساتھ قصاص جمع نہیں ہوتا جب کہ مال شبہہ کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ اسی لیے دیت واجب ہوگی۔

ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے ''مدعی پر بینہ ہے اور منکر پر قسم واجب ہے''۔ اور ایک روایت میں مدعیٰ علیہ پر ہے۔ اور حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے قسامت کی ابتداء کی ہے اور ان کے مابین مقتول پائے جانے کی وجہ سے ان پر دیت لازم فرمائی ہے۔ اور اس لیے کہ یمین دفع کے لیے حجت ہے نہ کہ استحقاق کے لیے اور ولی کو استحقاق کی ضرورت ہے اسی لیے مدعی اپنی یمین سے مالِ مبتذل کا مستحق نہیں ہوتا، لہٰذا یمین سے وہ نفسِ محترم کا بدرجۂ اولیٰ مستحق نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿بدایة﴾ شروع کرنا، ابتداء۔ ﴿نکول﴾ قسم اٹھانے سے انکار کرنا۔ ﴿بیّنة﴾ گواہی۔ ﴿یمین﴾ قسم۔ ﴿اظهر﴾ واحد ظهر؛ کمر، پیٹ۔ ﴿بین أظهر﴾ درمیان، بیچ۔ ﴿مبتذل﴾ خرچ کیا ہوا۔

تخریج:

❶ اخرجه الائمة الستة فی کتبهم والبیهقی فی السنن الکبری فی کتاب القسامة باب اصل القسامة، حدیث رقم: ١٦٤٣٦.

❷ اخرجه الترمذی فی کتاب الأحکام باب ما جاء فی ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه، حدیث رقم: ١٣٤١.

❸ اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه باب ما جاء فی القسامة، حدیث رقم: ٢٧٨٠٦ فی معناهٗ.

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتول کے قتل پر کوئی قرینہ موجود ہوتو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اولیائے مقتول سے قسم کی ابتداء کی جائے گی۔ اس سلسلے میں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحاحِ ستہ میں موجود ہے اور اس کا کچھ حصہ یہاں درج ہے۔ اصل مضمون یہ

ہے کہ خیبر کے گڈھوں میں سے ایک گڈھے میں کسی مسلمان کو مقتول پڑا دیکھ کر لوگوں نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی اس پر آپ ﷺ نے اولیائے مقتول سے فرمایا کہ بھائی تم پچاس قسمیں کھالو اور اپنے مقتول بھائی کے خون کے مستحق ہو جاؤ، اس پر اولیائے مقتول نے عرض کیا اے اللہ کے رسول جس چیز کا ہمیں قطعی علم نہیں ہے اس کے متعلق ہم کیسے قسم کھالیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل قلیب یہودی ہیں اور وہ پچاس قسم کھا کر بری الذمہ ہونے کا دعویٰ کر دیں گے، اولیائے مقتول نے کہا کہ وہ کافر ہیں اور ہم ان کی قسم سے مطمئن نہیں ہیں اس پر آپ ﷺ نے اولیائے مقتول کو صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ بطور فدیہ عنایت فرمایا۔ اس واقعے سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال بایں معنیٰ ہے کہ آپ ﷺ نے یہاں اولیائے مقتول کی قسم کو مقدم کیا ہے لہٰذا ہمارے یہاں بھی اولیائے مقتول کی قسم اہل محلہ کی قسم سے مقدم ہوگی۔

ولأن اليمين الخ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جس کے حق میں ظاہر حال شاہد ہوتا ہے اسی پر یمین واجب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قابض کے حق میں ظاہر حال شاہد ہوتا ہے لہٰذا قابض پر قسم بھی واجب ہوتی ہے اور قسامت میں ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد ہوتا ہے اور مدعی مقتول کے اولیاء ہیں، لہٰذا انھی پر قسم واجب ہوگی اور انھی کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔

وردّ اليمين الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اہل محلہ قسم سے انکار کر دیں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مدعی سے قسم لے کر وجوبِ دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اسی طرح اگر اہل محلّہ کی تعداد پچاس سے کم ہو تو اس صورت میں بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اولیائے مقتول سے قسم لے کر پچاس کی تعداد پوری کی جائے گی اور اہل محلّہ سے مکرّر قسم نہیں لی جائے گی۔

غير أن هذه دلالة الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ یمین سے قتل پر جو دلالت اور علامت قائم ہوئی ہے وہ اس درجے کی نہیں ہے کہ اس سے قصاص ثابت ہو سکے، اسی لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قتل عمد کی صورت میں بھی دیت ہی واجب کی ہے، قصاص نہیں واجب کیا ہے، کیونکہ یمین سے ثابت ہونے والے حکم میں کچھ نہ کچھ شبہہ رہتا ہے اور شبہہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔

ولنا قوله عليه السلام الخ: ہمارے یہاں چوں کہ اہل محلّہ اور مدعیٰ علیہم سے قسم کی ابتداء کی جائے گی، اس لیے ہماری دلیل یہ روایتیں ہیں: (۱) **البينة على المدعي واليمين على من أنكر۔** (۲) حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ کی روایت **أن النبي ﷺ بدأ باليهود بالقسامة الخ۔** ان میں سے پہلی روایت میں **واليمين على من أنكر** کے فرمان سے قولی طور پر اور دوسری روایت میں **بدأ باليهود بالقسامة الخ۔** کے ذریعے فعلی طور پر آپ ﷺ نے مدعیٰ علیہ ہی سے قسم کا آغاز فرمایا ہے جو اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ قسم کی ابتداء مدعیٰ علیہ سے ہوگی۔

ولأن اليمين الخ: یہ ہماری عقلی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یمین حجتِ دافعہ ہے نہ کہ حجتِ مُثبِتہ اور صورت مسئلہ میں ولی حجت مثبتہ کا مدعی ہے کیوں وہ استحقاقِ حق یعنی قصاص یا دیت کا طالب ہے جب کہ مدعیٰ علیہ اپنے اوپر سے دفع حق یعنی قصاص یا دیت کے عدم وجوب کا مدعی ہے لہٰذا اس حوالے سے بھی یمین مدعیٰ علیہ ہی پر اصلاً لازم ہوگی اور اسی سے قسم لینا مفید بھی ہوگا۔ اور مدعی کی قسم سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ جب مدعی اپنے یمین سے صرف کیے جانے والے مال کا مستحق نہیں ہوتا تو پھر نفسِ محترم یعنی قصاص کا تو وہ بدرجۂ اولیٰ مستحق نہیں ہوگا، کیونکہ نفس کا مقام ومرتبہ قصاص سے بہت بلند تر ہے۔

وَقَوْلُهُ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ خِيَارَ تَعْيِيْنِ الْخَمْسِيْنَ إِلَى الْوَلِيِّ، لِأَنَّ الْيَمِيْنَ حَقُّهُ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يَخْتَارُ مَنْ يَتَّهِمُهُ بِالْقَتْلِ أَوْ صَالِحِيْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ لِمَا أَنَّ تَحَرُّزَهُمْ عَنِ الْيَمِيْنِ الْكَاذِبَةِ أَبْلَغُ التَّحَرُّزِ فَيَظْهَرُ الْقَاتِلُ، وَ فَائِدَةُ الْيَمِيْنِ النُّكُوْلُ، فَإِنْ كَانُوْا لَايُبَاشِرُوْنَ وَيَعْلَمُوْنَ يُفِيْدُ يَمِيْنَ الصَّالِحِ عَلَى الْعِلْمِ بِأَبْلَغَ مِمَّا يُفِيْدُ يَمِيْنُ الطَّالِحِ، وَلَوْ اِخْتَارُوْا أَعْمٰى أَوْ مَحْدُوْدًا فِيْ قَذْفٍ جَازَ، لِأَنَّهُ يَمِيْنٌ وَلَيْسَ بِشَهَادَةٍ.

ترجمہ: اور امام قدوری ؒ کے قول "يتخيرهم الولي" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پچاس افراد کی تعیین کا اختیار ولی کو ہے، کیونکہ یمین اسی کا حق ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ولی اسی کو منتخب کرے گا، جسے قتل کے ساتھ متہم پائے گا یا محلّہ کے نیک لوگوں کو منتخب کرے گا، اس لیے کہ وہ لوگ کما حقہ جھوٹی قسم سے بچنے والے ہوں گے، لہٰذا قاتل ظاہر ہوجائے گا۔ اور قسم کا فائدہ انکار ہے۔ پھر اگر اہل محلہ قاتل نہ ہوں اور وہ قاتل کو جانتے ہوں تو اس علم پر نیک آدمی کی قسم بدکار کی قسم سے زیادہ مفید ہوگی۔ اور اگر اولیاء نے اندھے یا محدود فی القذف کو منتخب کیا تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ یہ یمین ہے اور شہادت نہیں ہے۔

اللغات:

﴿یتخیّر﴾ چن لے۔ ﴿یمین﴾ قسم۔ ﴿تحرز﴾ بچنا، احتیاط کرنا۔ ﴿نکول﴾ قسم اٹھانے سے انکار کرنا۔ ﴿طالح﴾ بدکار۔ ﴿أعمٰی﴾ نابینا۔ ﴿قذف﴾ زنا کی تہمت لگانا۔ ﴿شهادة﴾ گواہی۔

اہل قسامت کی تعیین کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اہل محلّہ میں سے جن پچاس لوگوں کو قسم کے لیے منتخب کیا جائے گا ان کی تعیین اور ان کے انتخاب کا حق اولیائے مقتول کو ہوگا، کیونکہ یمین انھی کا حق ہے، اس لیے کہ اس سے ان کا حقِ قصاص یا دیت وابستہ ہے، لہٰذا اس سلسلے میں جملہ امور کی تعیین کا حق بھی انھی ہوگا۔ اس لیے کہ اولیاء اپنے حق کی حفاظت اور اس کی وصولیابی کے لیے ایسے ہی افراد کو منتخب کریں گے جو قتل کے ساتھ متہم ہوں گے جیسے فاسق اور غنڈہ قسم کے لوگ، کیونکہ اکثر و بیشتر یہی لوگ قتل کی واردات انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کو منتخب کر کے قسم لینے میں بہ آسانی قاتل کا پتہ لگ جائے گا، یا پھر اولیائے مقتول محلّہ کے نیک اور دیندار لوگوں کو قسم کے لیے منتخب کریں، اس لیے کہ یہ لوگ جھوٹی قسم کھانے سے سختی کے ساتھ گریز کریں گے اور مبنی برحقیقت صورت حال بتا کر قاتل کی تعیین و تشخیص میں ہر ممکن تعاون کریں گے اور اس طرح جلد از جلد قاتل اور مجرم کی شناخت ہوجائے گی۔ اور قسم لینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اہل محلّہ قسم کھالیں یا قسم سے انکار کردیں بہر دو صورت معاملہ جلدی سے نمٹ جائے گا اور مسئلہ حل ہوجائے گا۔

فإن کانوا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر اہل محلّہ نے قتل نہ کیا ہو لیکن وہ قاتل کو جانتے ہوں تو اس صورت میں بھی محلّہ کے نیک لوگوں سے قسم لینا زیادہ مفید ہوگا، اس لیے کہ نیک لوگوں کی قسم بہر حال بدکاروں کی قسم سے زیادہ پاک صاف ہوگی اور اس سے قاتل کی معلومات حاصل کرنے پر تقویت ملے گی۔

ولو اختاروا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اولیائے مقتول نے کسی اندھے یا محدود فی القذف کو قسم کے لیے منتخب کیا تو

بھی درست اور جائز ہے، کیونکہ یہ قسم ہے شہادت نہیں ہے اور اعمیٰ اور محدود فی القذف شہادت کے اہل تو نہیں ہیں، لیکن قسم اور ادائے قسم کے اہل ہیں۔

قَالَ فَإِذَا حَلَفُوْا قُضِيَ عَلٰى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِالدِّيَةِ وَلَايُسْتَحْلَفُ الْوَلِيُّ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ لَاتَجِبُ الدِّيَةُ لِقَوْلِهِ عَلَیْہِ السَّلَامُ [1] فِيْ حَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَهْلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تُبَرِّئُكُمُ الْيَهُوْدُ بِأَيْمَانِهَا، وَلِأَنَّ الْيَمِيْنَ عُهِدَتْ فِي الشَّرْعِ مُبْرِئًا لِلْمُدَّعٰى عَلَيْهِ لَا مُلْزِمًا كَمَا فِيْ سَائِرِ الدَّعَاوِى، وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ [2] عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَمَعَ بَيْنَ الدِّيَةِ وَالْقَسَامَةِ فِيْ حَدِيْثِ سَهْلٍ وَفِيْ حَدِيْثِ زِيَادِ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ وَكَذَا جَمَعَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بَيْنَهُمَا عَلٰى وَادِعَةَ، وَقَوْلُهُ عَلَیْہِ السَّلَامُ تُبَرِّئُكُمُ الْيَهُوْدُ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْإِبْرَاءِ عَنِ الْقِصَاصِ وَالْحَبْسِ وَكَذَا الْيَمِيْنُ مُبْرِئَةٌ عَمَّا وَجَبَ لَهُ الْيَمِيْنُ، وَالْقَسَامَةُ مَاشُرِعَتْ لِتَجِبَ الدِّيَةُ إِذَا نَكَلُوْا، بَلْ شُرِعَتْ لِيَظْهَرَ الْقِصَاصُ بِتَحَرُّزِهِمْ عَنِ الْيَمِيْنِ الْكَاذِبَةِ فَيُقِرُّوْا بِالْقَتْلِ فَإِذَا حَلَفُوْا حَصَلَتِ الْبَرَاءَةُ عَنِ الْقِصَاصِ، ثُمَّ الدِّيَةُ تَجِبُ بِالْقَتْلِ الْمَوْجُوْدِ مِنْهُمْ ظَاهِرًا لِوُجُوْدِ الْقَتِيْلِ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَابِنُكُوْلِهِمْ أَوْ وَجَبَتْ بِتَقْصِيْرِهِمْ فِي الْمُحَافَظَةِ كَمَا فِي الْقَتْلِ الْخَطَاءِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب اہل محلّہ نے قسم کھالی تو ان پر دیت کا فیصلہ کردیا جائے گا اور ولی سے قسم نہیں لی جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیت نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ حضرت عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''یہود اپنی قسموں کے ذریعے تم سے بری ہوجائیں گے، اور اس لیے کہ شریعت میں قسم مدعیٰ علیہ کو بری کرنے والی بن کر مشروع ہے، اس پر کوئی چیز لازم کرنے والی بن کر مشروع نہیں ہوئی ہے جیسا کہ تمام دعاوی میں یہی حال ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ اور حضرت زیاد بن ابومریم رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں قبیلۂ وادعہ پر دیت اور قسامت کے مابین جمع فرمادیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تبرئکم الیہود قصاص اور قید سے بری کرنے پر محمول ہے۔

نیز یمین تو ماوجب لہ الیمین کو بری کردیتی ہے جب کہ قسامت اس لیے مشروع نہیں ہوئی ہے کہ اہل محلّہ کے انکار کے بعد دیت واجب ہو بلکہ وہ اس وجہ سے مشروع ہوئی ہے تاکہ اہل محلّہ کے جھوٹی قسم سے احتراز کے سبب قصاص ظاہر ہوجائے اور وہ قتل کا اقرار کرلیں پھر جب انہوں نے قسم کھالی تو قصاص سے براءت ظاہر ہوگئی۔

پھر دیت اس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے جو ظاہراً ان کی طرف سے پایا گیا ہے مقتول کے ان کے مابین پائے جانے کی وجہ سے، نہ کہ ان کے انکار کی وجہ سے، یا ان کی طرف سے حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے دیت واجب ہوئی ہے جیسے قتل خطأ میں (ہوتا ہے)۔

اللغات:

﴿حلفوا﴾ قسم کھالیں۔ ﴿لا یُستحلَفُ﴾ قسم نہیں لی جائے گی۔ ﴿عُهِدت﴾ معروف ہے۔ ﴿حبس﴾ قید۔

﴿نکلوا﴾ قسم اٹھانے سے انکار کردیا۔

تخریج:

❶ اخرجه البخاری فی كتاب الادب باب اكرام الكبير، حديث رقم: ٦١٤٢.
و مسلم فی كتاب القسامة، حديث رقم: ٤،٢،١.

❷ اخرجه البيهقی فی السنن الكبرى كتاب القسامة باب اصل القسامة، حديث رقم: ١٦٤٥١ بمعناهٗ.

قسامت کے بعد دیت کا وجوب:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ جس محلے میں مقتول پایا گیا ہے اگر اس محلے کے پچاس آدمیوں نے قسم کھالی اور یہ کہہ دیا کہ **باللہ ماقتلناہ ولا نعلم له قاتلا** تو اب ہمارے یہاں ان کے ذمے سے قصاص ساقط ہوجائے گا اور ان پر دیت واجب ہوگی اور اولیاء سے قسم نہیں لی جائے گی جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اہل محلہ کے قسم کھانے کے بعد ان سے قصاص بھی ساقط ہوجائے گا اور دیت بھی ساقط ہوجائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا وہ حصہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے **تبرئكم اليهود بأيمانها** کہ اگر تم یہود سے قسم لوگے تو وہ لوگ قسم کھا کر تم سے بری ہوجائیں گے، اور ظاہر ہے کہ براءت اسی صورت میں حاصل اور متحقق ہوگی جب وہ قصاص اور دیت دونوں سے بری ہوجائیں، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ہمارے (شوافع) یہاں نہ تو قصاص واجب ہوگا اور نہ ہی دیت واجب ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری اور عقلی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں جن مواقع پر مدعیٰ علیہ سے قسم لی گئی ہے وہاں قسم کے بعد مدعیٰ علیہ کو بری کردیا جاتا ہے اور قسم کے بعد مدعیٰ علیہ پر کوئی چیز لازم نہیں کی جاتی، لہٰذا قسامت میں بھی مدعیٰ علیہ کو قسم کے بعد مدعی کے دعوے اور مطالبے سے بری کردیا جائے گا اور اس پر دیت وغیرہ نہیں واجب ہوگی۔

ولنا الخ: ہمارے نزدیک اہل محلہ کی قسم کے بعد ان سے قصاص تو ساقط ہوجائے گا، لیکن دیت ان پر واجب رہے گی، اس سلسلے میں ہماری نقلی دلیلیں یہ احادیث ہیں:

❶ حضرت عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے **أتحلفون خمسين يمينا وتستحقون دم صاحبكم** اور پھر اسی حدیث کے اخیر میں ہے **فوداه رسول الله صلی الله بمائة من إبل الصدقة** کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے بعد اولیائے مقتول کو صدقہ کے سو اونٹ عنایت فرمائے۔

❷ دوسری دلیل حدیث حضرت زیاد بن ابومریم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت اور قسامت کو جمع فرمایا ہے۔

❸ تیسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جو قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ وادعہ میں پیش آیا تھا اور اس میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیت اور قسامت کو جمع فرمایا تھا۔ ان تینوں دلیلوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قسامت اور دیت کا اجتماع ممکن ہے اور عہد نبوت میں ایسا ہوا ہے، لہٰذا قسم کے بعد بھی اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی۔

وقولہ علیہ السلام الخ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث تبرئکم الیہود سے براءت عن الدیۃ بھی مراد لیا ہے اس کا جواب دیتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس سے براءت عن الدیۃ مراد لینا صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ حدیث قصاص اور حبس سے بری ہونے پر محمول ہے اور دیت سے بری کرنے کے حوالے سے حدیث ساکت ہے، للہٰذا قسم کے بعد بھی اہل محلّہ دیت سے بری نہیں ہوں گے۔

وکذا الیمین مبرئۃ الخ: یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیلِ عقلی کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یمین کا مدعیٰ علیہ کو بری کرنے کے لیے مشروع ہونا ہمیں بھی تسلیم ہے، لیکن یمین مدعیٰ علیہ کو صرف اسی چیز سے بری کرے گی جسے وہ شامل ہوگی اور جس مقصد سے مدعیٰ علیہ سے حلف لیا جائے گا۔ اور یمین جس مقصد اور جس چیز کو شامل نہیں ہوگی اس سے مدعیٰ علیہ کو بری نہیں کرے گی اور صورتِ مسئلہ میں یمین کا مقصد یہ تھا کہ اہل محلّہ جھوٹی قسم سے گریز کر کے قتل کا اقرار کرلیں اور قصاص ثابت ہوجائے، لیکن جب انھوں نے قسم کھالی تو ان کے ذمے سے قصاص ساقط ہوگیا، لیکن چوں کہ مقتول ان کے محلے میں پایا گیا ہے، اس لیے ظاہراً اس کا قتل انھی کی طرف منسوب ہوگا اور اگر چہ وہ قصاص سے بچ جائیں گے مگر دیت سے نہیں بچ سکیں گے اور ان پر دیت لامحالہ واجب ہوگی۔

اہل محلّہ پر دیت واجب ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب ایک پردیسی اور مسافر ان کے محلے میں گیا تھا تو اس کی حفاظت کرنا اہل محلّہ کا اخلاقی فریضہ تھا لیکن اس کے قتل نے محلے والوں کی پول کھول دی اور یہ واضح کردیا کہ ان لوگوں نے اس کی حفاظت میں کوئی دل چسپی نہیں لی ہے، للہٰذا جس طرح قتل خطأ میں حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے اہل محلّہ پر دیت واجب ہوگی۔

وَمَنْ أَبٰى مِنْهُمُ الْيَمِيْنَ حُبِسَ حَتّٰى يَحْلِفَ، لِأَنَّ الْيَمِيْنَ فِيْهِ مُسْتَحَقَّةٌ لِذَاتِهَا تَعْظِيْمًا لِأَمْرِ الدَّمِ، وَلِهٰذَا يُجْمَعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الدِّيَةِ، بِخِلَافِ النُّكُوْلِ فِي الْأَمْوَالِ، لِأَنَّ الْيَمِيْنَ بَدَلٌ عَنْ أَصْلِ حَقِّهِ وَلِهٰذَا يَسْقُطُ بِبَذْلِ الْمُدَّعٰى وَفِيْمَا نَحْنُ فِيْهِ لَايَسْقُطُ بِبَذْلِ الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور اہل محلّہ میں سے جو قسم سے انکار کرے گا اسے قید کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ قسم کھالے، اس لیے کہ امرِ دم کی تعظیم کی وجہ سے اس میں بذات خود یمین واجب ہے، اسی وجہ سے قسم اور دیت کے مابین جمع کیا جائے گا۔ برخلاف اموال میں انکار کرنے کے، کیونکہ (ان میں) یمین اس کے اصل حق کا بدل ہے، اسی لیے مال مدعیٰ صرف کرنے سے یمین ساقط ہوجاتی ہے اور جس مسئلے میں ہماری گفتگو ہے اس میں صرفِ دیت سے یمین ساقط نہیں ہوتی۔

اللغات:

﴿أبٰی﴾ انکار کیا۔ ﴿حُبِس﴾ قید کیا جائے گا۔ ﴿دم﴾ خون، مراد قتل۔ ﴿بذل﴾ خرچ کرنا۔

قسامت سے انکار کرنے والے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر محلّہ میں سے کوئی ایک یا چند قسم سے انکار کردیں تو منکرین کو قید کردیا جائے گا اور قسم کھانے تک وہ

جیل کی ہوا کھاتے رہیں گے، کیونکہ باب قسامت میں یمین اصل اور مقصود ہے اور حفاظتِ دم اور تعظیمِ دم کے پیش نظر بذاتِ خود واجب ہے، اسی لیے تو قسم اور دیت دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے، لہٰذا قسم سے انکار کرنے والوں کو آزاد نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ انہیں قید وبند کی سزا دی جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر مال پر قسم کھانے کا معاملہ ہو اور مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کر دے تو اسے قید نہیں کیا جائے اور اس پر مالِ مدعیٰ کو واجب کر دیا جائے گا، کیوں کہ اموال میں یمین مدعی کے حق یعنی مال کا بدل ہوتی ہے، اصل نہیں ہوتی لہٰذا جب مدعی کو اس کا مدعیٰ یعنی مال دے دیا جائے گا تو یمین ساقط ہو جائے گی، لیکن صورتِ مسئلہ میں یمین چونکہ اصل ہے، بدل نہیں ہے، اس لیے اولیائے مقتول کو مال یعنی دیت دینے کے باوجود اہل محلّہ سے یمین ساقط نہیں ہوگی۔

هٰذَا الَّذِيْ ذَكَرْنَا إِذَا ادَّعَى الْوَلِيُّ عَلٰى جَمِيْعِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، وَكَذَا إِذَا ادَّعٰى عَلَى الْبَعْضِ لَا بِأَعْيَانِهِمْ، وَالدَّعْوٰى فِي الْعَمَدِ أَوِ الْخَطَاءِ لِأَنَّهُمْ لَايَتَمَيَّزُوْنَ عَنِ الْبَاقِيْ، وَلَوِ ادَّعٰى عَلَى الْبَعْضِ بِأَعْيَانِهِمْ أَنَّهُ قَتَلَ وَلِيَّهُ عَمَدًا أَوْ خَطأً فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ يَدُلُّ عَلَيْهِ إِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ وَهٰكَذَا الْجَوَابُ فِي الْمَبْسُوْطِ.

ترجمہ: یہ تفصیل جو ہم نے بیان کی ہے اس صورت میں ہے جب ولی نے تمام محلے والوں پر دعویٰ کیا ہو۔ ایسے ہی جب ان میں سے بعض غیر معین پر دعویٰ کیا ہو خواہ عمد کا دعویٰ ہو یا خطأ کا، کیونکہ بعض غیر معین دوسروں سے ممتاز نہیں ہوسکیں گے، اور اگر ولی نے بعض معین پر یہ دعویٰ کیا ہو کہ اس نے اس کے ولی کو عمداً یا خطأً قتل کیا ہے تو بھی یہی حکم ہے اور قدوری کا اطلاق اس پر دلالت کر رہا ہے اور مبسوط میں بھی یہی حکم ہے۔

اللغات:

﴿ادّعی﴾ دعویٰ کیا۔ ﴿لا یتمیّزون﴾ نہیں جدا ہوتے۔

اہل قسامت کے چناؤ میں مدعی کے دعویٰ کا اثر:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولیِ مقتول نے تمام محلے والوں پر قتل کا دعویٰ کیا ہو یا بعض غیر معین اہل محلّہ پر دعویٰ کیا ہو یا بعض معین پر قتل کا دعویٰ کیا ہو بہر صورت تینوں حالتوں میں حکم وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے یعنی مدعیٰ علیہم پر قسامت اور دیت دونوں واجب ہیں خواہ قتلِ عمد کا دعویٰ ہو یا قتلِ خطأ کا۔ چنانچہ تمام اہلِ محلّہ پر دعویٰ کرنے کا مسئلہ تو ظاہر وباہر ہے، اسی طرح بعض غیر معین پر جب دعویٰ ہوگا تو وہ لوگ دوسرے لوگوں سے ممتاز اور الگ نہ ہوسکیں گے، اس لیے ہر ایک پر دیت اور قسامت واجب ہوگی۔

ولو ادّعٰی الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ولی نے اہل محلّہ میں سے کسی معین شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے تو اس صورت میں بھی اہل محلّہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی اور خاص کر مدعیٰ علیہ ہی پر یہ چیزیں واجب نہیں ہوں گی، کیونکہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے شروع باب میں **وإذا وجد القتيل في محلة لايعلم من قتله استحلف خمسون رجلا منهم** مطلق بیان کیا ہے اور اس میں تمام یا بعض غیر معین یا بعض معین پر دعویٰ کی کوئی قید اور تفصیل نہیں ہے، اس لیے یہ بات واضح ہوگئی کہ بہر سہ صورت اہل محلّہ پر قسامت اور دیت دونوں واجب ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مبسوط میں یہی حکم بیان فرمایا ہے۔ البتہ امام

ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت اس کے علاوہ منقول ہے جو یہ ہے۔

وَعَنْ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي غَيْرِ رِوَايَةِ الْأُصُوْلِ أَنَّ فِي الْقِيَاسِ تَسْقُطُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَنِ الْبَاقِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ وَيُقَالُ لِلْوَلِيِّ أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ فَإِنْ قَالَ لَا، يُسْتَحْلَفُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَلٰى قَتْلِهٖ يَمِيْنًا وَاحِدَةً، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهُ لِاحْتِمَالِ وُجُوْدِ الْقَتْلِ مِنْ غَيْرِهِمْ، وَإِنَّمَا عُرِفَ بِالنَّصِّ فِيْمَا إِذَا كَانَ فِيْ مَكَانٍ يُنْسَبُ إِلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِمْ، وَالْمُدَّعِيْ يَدَّعِي الْقَتْلَ عَلَيْهِمْ، وَفِيْمَا رَوَاهُ بَقِيَ عَلٰى أَصْلِ الْقِيَاسِ وَصَارَ كَمَا إِذَا ادَّعٰى عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ.

ترجمہ: حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت الاصول کے علاوہ میں منقول ہے کہ قیاساً باقی اہل محلّہ سے قسامت اور دیت ساقط ہوجائے گی اور ولی سے کہا جائے گا کیا تیرے پاس بینہ ہے؟ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ نہیں ہے تو مدعیٰ علیہ سے اس کے قتل پر ایک قسم لی جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قیاس استحلاف کا منکر ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ قتل دوسرے کی طرف سے پایا گیا ہو اور استحلاف کو نص سے جانا گیا ہو اس صورت میں جب مقتول ایسی جگہ ہو جو مدعیٰ علیہم کی طرف منسوب ہو اور مدعی ان پر قتل کا دعویٰ کررہا ہو۔ اور اس کے علاوہ میں نص اصل قیاس پر باقی رہے گی اور یہ ایسا ہوگیا جیسے مدعی نے اہل محلّہ کے علاوہ کسی پر دعویٰ کیا ہو۔

اللغات:

﴿تسقط﴾ ساقط ہوجائے گی۔ ﴿بينة﴾ گواہی، شواہد۔ ﴿يستحلف﴾ قسم لی جائے گی۔ ﴿يأباه﴾ اس کے مخالف ہے۔

بعض معین کے مدعا علیہ ہونے کی صورت میں قسامت کا حکم:

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیر ظاہر الروایہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ اگر مدعی اور ولی مقتول نے بعض معین پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اس صورت میں قیاساً تمام اہل محلّہ پر قسامت اور دیت کا وجوب نہیں ہوگا، بلکہ مدعیٰ علیہ کے علاوہ باقی اہل محلّہ سے دیت ساقط ہوجائے گی۔ اور ولی سے کہا جائے گا کہ اگر تمہارے پاس بعض معین مدعیٰ علیہ کے خلاف بینہ ہو تو پیش کردو اور اگر بینہ نہ ہو تو بتاؤ چنانچہ اگر ولی بینہ نہ ہونے کی بات کہے تو مدعیٰ علیہ سے اس قتل کے متعلق قسم لی جائے گی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جب مدعی نے بعض معین پر قتل کا دعویٰ کیا ہے تو تمام اہل محلّہ سے قسم اور دیت لینا خلاف قیاس ہے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے اسی معین شخص نے اسے قتل کیا ہو یا کسی اور نے قتل کرکے اسے پھینک دیا ہو، لہٰذا سب کو مجرم گردان کر سب پر قسامت اور دیت واجب کرنا خلاف قیاس ہے اور جو نص موجب دیت وقسامت ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب مقتول مدعیٰ علیہم کے محلے میں پایا جائے اور مدعی ان پر قتل کا دعویٰ بھی کررہا ہو اور صورتِ مسئلہ میں چوں کہ مدعی کا دعویٰ برسبیلِ عموم سب پر نہیں ہے، بلکہ بعض معین پر ہے اس لیے یہ صورت موردِ نص سے خارج ہوگی اور یہاں حکم اصل قیاس پر باقی رہے گا، یعنی قیاس کے مطابق صورتِ مسئلہ میں تمام اہل محلّہ پر قسامت اور دیت واجب نہیں ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر مدعی نے اہل محلّہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اس صورت میں بھی اہلِ محلّہ پر قسامت اور دیت نہیں واجب ہوتی، اسی طرح

صورتِ مسئلہ میں بھی اہل محلہ پر قسامت اور دیت نہیں واجب ہوگی۔

وَفِي الْإِسْتِحْسَانِ تَجِبُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّهُ لَافَصْلَ فِي إِطْلَاقِ النُّصُوْصِ بَيْنَ دَعْوَى وَدَعْوَى فَنُوْجِبُهُ بِالنَّصِ، لَا بِالْقِيَاسِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا ادَّعٰى عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْهِ نَصٌّ فَلَوْ أَوْجَبْنَاهُمَا لَأَوْجَبْنَاهُمَا بِالْقِيَاسِ وَهُوَ مُمْتَنِعٌ.

ترجمه: اور از روئے استحسان اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی، کیونکہ نصوص کے اطلاق میں ایک دعویٰ اور دوسرے دعویٰ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا ہم اسے نص سے واجب کریں گے، نہ کہ قیاس سے۔ برخلاف اس صورت کے جب ولی نے ان کے علاوہ میں سے کسی ایک پر دعویٰ کیا ہو، اس لیے کہ اس سلسلے میں کوئی نص نہیں ہے، سو اگر ہم قسامت و دیت کو واجب کریں تو بذریعۂ قیاس انھیں واجب کریں گے حالانکہ یہ ممنوع ہے۔

للغات:

﴿فصل﴾ فرق، علیحدگی۔ ﴿نوجبه﴾ ہم اس کو واجب کرتے ہیں۔

بعض معین کے مدعا علیہ ہونے کی صورت میں قسامت کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ استحساناً تینوں صورتوں میں اہل محلہ پر قسامت اور دیت دونوں چیزیں واجب ہوں گی، کیوں کہ جن نصوص میں قسامت و دیت کو جمع کیا گیا ہے وہ سب مطلق ہیں اور ان میں یہ قید اور تفصیل نہیں ہے کہ اگر تمام اہل محلہ پر دعویٰ ہو تو یہ حکم ہے اور بعض اہل محلہ پر دعویٰ ہو تو یہ حکم ہے بلکہ علی الاطلاق ایک ہی حکم ہے یعنی دیت اور قسامت کا وجوب، لہٰذا جب نصوص میں علی الاطلاق قسامت و دیت کو واجب کیا گیا ہے تو ہم نے بھی ہر ایک صورت میں دونوں کو واجب کر دیا ہے۔

اس کے برخلاف اگر ولیِ مقتول نے اہل محلہ کے علاوہ کسی دوسرے پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اس صورت میں اہل محلہ پر قسامت و دیت کے عدم وجوب کے ہم بھی قائل ہیں، کیونکہ اس صورت میں اہل محلہ پر وجوب قسامت و دیت کے متعلق کوئی نص نہیں ہے، اب ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں بھی اہل محلہ پر قسامت و دیت واجب کی جائے گی تو اس کا ایجاب قیاس سے ہوگا اور قیاس کے ذریعے ان چیزوں کا ایجاب ممنوع ہے، لہٰذا اس صورت کو لے کر ہم استحسان اختیار کرنے والوں پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

ثُمَّ حُكْمُ ذٰلِكَ أَنْ يَثْبُتَ مَا ادَّعَاهُ إِذَا كَانَ لَهُ بَيِّنَةٌ، وَ إِنْ لَمْ تَكُنْ اسْتَحْلَفَهُ يَمِيْنًا وَاحِدَةً، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَسَامَةٍ لِانْعِدَامِ النَّصِ وَامْتِنَاعِ الْقِيَاسِ، ثُمَّ إِنْ حَلَفَ بَرِئَ، وَإِنْ نَكَلَ وَالدَّعْوٰى فِي الْمَالِ تَثْبُتُ بِهٖ وَإِنْ كَانَ فِي الْقِصَاصِ فَهُوَ عَلٰى اِخْتِلَافٍ مَضٰى فِيْ كِتَابِ الدَّعْوٰى.

ترجمه: پھر اس کا حکم یہ ہے کہ مدعی نے جس چیز کا دعویٰ کیا ہے وہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ اس کے پاس بینہ ہو۔ اور گر بینہ نہ ہو تو مدعیٰ علیہ سے ایک قسم لی جائے، کیونکہ نص معدوم ہونے اور قیاس ممتنع ہونے کی وجہ سے یہ قسامت نہیں ہے۔ پھر اگر مدعیٰ علیہ

نے قسم کھالی تو وہ بری ہوجائے گا اور اگر اس نے نکار کردیا اور مال کا دعویٰ ہو تو انکار کی وجہ سے دعویٰ ثابت ہوجائے گا۔ اور اگر قصاص کا دعویٰ ہو تو وہ اسی اختلاف پر ہے جو کتاب الدعویٰ میں گذر چکا ہے۔

اللغاتُ:

﴿استحلفه﴾ اس سے قسم لی جائے گی۔ ﴿نکل﴾ قسم سے انکار کیا۔ ﴿مضی﴾ گزر گیا۔

اہل محلہ کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرنے کی صورت میں قسامت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولیِ مقتول نے اہل محلہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر قتل کا دعویٰ کیا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) مدعی کے پاس بینہ ہوگا (۲) یا بینہ نہیں ہوگا۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی مدعی کے پاس بینہ ہو تو اس بینہ سے اس کا دعویٰ ثابت ہوجائے گا۔ اور اگر بینہ نہ ہو تو مدعی مدعیٰ علیہ سے ایک قسم لے گا اور ایک ہی قسم پر اکتفاء کیا جائے گا، کیونکہ یہ قسامت نہیں ہے، اس لیے کہ قسامت کے لیے نص کی ضرورت ہے اور نص یہاں معدوم ہے اور قیاس سے قسامت کا ثبوت ممتنع اور محال ہے۔

ثم إن حلف الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مدعیٰ علیہ نے قسم کھالی تو وہ قصاص اور دیت دونوں سے بری ہوجائے گا اور اس پر کسی بھی طرح کا کوئی ضمان نہیں عائد ہوگا۔ اور اگر وہ قسم سے انکار کردیتا ہے تو اس کی دو شکلیں ہیں (۱) اگر مال کا دعویٰ ہو اور مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کردے تو اس کے انکار کی وجہ سے مال ثابت ہوجائے گا (۲) اور اگر قصاص کا دعویٰ ہو تو اس میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف ہے چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قصاص ثابت ہوجائے گا اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں قصاص تو ثابت نہیں ہوگا، البتہ دیت واجب ہوگی جیسا کہ کتاب الدعویٰ میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

قَالَ وَ إِنْ لَمْ تَكْمِلْ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ كُرِّرَتِ الْأَيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتّٰى تَتِمَّ خَمْسِيْنَ لِمَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا قَضٰى فِي الْقَسَامَةِ وَافٰى إِلَيْهِ تِسْعَةٌ وَأَرْبَعُوْنَ رَجُلًا فَكَرَّرَ الْيَمِيْنَ عَلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ حَتّٰى تَمَّتْ خَمْسِيْنَ ثُمَّ قَضٰى بِالدِّيَةِ، وَعَنْ شُرَيْحٍ وَالنَّخَعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ مِثْلُ ذٰلِكَ، وَلِأَنَّ الْخَمْسِيْنَ وَاجِبٌ بِالسُّنَّةِ فَيَجِبُ إِتْمَامُهَا مَا أَمْكَنَ، وَلَا يُطْلَبُ فِيْهِ الْوُقُوْفُ عَلَى الْفَائِدَةِ لِثُبُوْتِهَا بِالسُّنَّةِ ثُمَّ فِيْهِ اِسْتِعْظَامُ أَمْرِ الدَّمِ، فَإِنْ كَانَ الْعَدَدُ كَامِلًا فَأَرَادَ الْوَلِيُّ أَنْ يُكَرِّرَ عَلٰى أَحَدِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ ذٰلِكَ، لِأَنَّ الْمَصِيْرَ إِلَى التَّكْرَارِ ضَرُوْرَةُ الْإِكْمَالِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر اہلِ محلہ پورے (پچاس) نہ ہوں تو ان پر ایمان کو مکرر کیا جائے گا یہاں تک کہ پچاس پورے ہوجائیں اس دلیل کی وجہ سے جو مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسامت کا فیصلہ کیا تو ان کے پاس اُنچاس ۴۹ آدمی آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص پر یمین مکرر کردی یہاں تک کہ پچاس پورے ہوگئے، پھر آپؓ نے دیت کا فیصلہ فرمایا۔ اور حضرت شریحؒ اور حضرت نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ اور اس کے لیے پچاس کی تعداد حدیث سے ثابت ہے، لہٰذا حتی الامکان اسے پورا کرنا واجب ہے۔ اور اس میں فائدہ پر مطلع ہونے کو نہیں طلب کیا جائے گا، کیونکہ پچاس حدیث سے ثابت ہے۔ پھر اس میں امرِ دم کی تعظیم بھی ہے، سو اگر عدد کامل ہو اور ولی ان میں سے کسی پر یمین مکرر کرنا چاہے تو ولی کو یہ حق نہیں ہے، کیونکہ تکرار کی طرف لوٹنا

اکمال کی ضرورت کی وجہ سے ہے۔

اللغات:

﴿کُرِّرَت﴾ لوٹائی جائے گی، دہرائی جائے گی۔ ﴿وافی﴾ پورے ہوئے۔ ﴿استعظام﴾ بڑا سمجھنا۔

اہل محلہ کی تعداد پچاس سے کم ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر اہل محلہ کی تعداد پچاس سے کم ہو تو پچاس کی تعداد پوری کرنے کے لیے اہل محلہ سے دوبارہ قسم لی جائے گی، اس سلسلے کی پہلی دلیل سیدنا فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا وہ طرزِ عمل ہے جب انہوں نے قسامت کے ایک معاملے میں ایک آدمی کے کم ہونے پر اہل محلہ میں سے ایک شخص سے دوبارہ قسم لی تھی، اسی طرح قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی قسم کے تکرار کے واقعات منقول ہیں۔ چنانچہ قاضی شریح کے متعلق منقول ہے: **جاء ت قسامة فلم یوفوا خمسین فرد علیهم القسامة حتی أوفوا** کہ ان کے پاس قسامت کا معاملہ آیا اور اہل قسامت کی تعداد پوری پچاس نہیں تھی، اس پر قاضی شریح نے انھی لوگوں پر قسامت لوٹا کر یہ تعداد مکمل کرائی۔ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے۔ **قال إذا لم تبلغ القسامة کروا حتی یحلفوا خمسین یمینا** یعنی اگر قسامت کی تعداد پوری نہ ہو تو پچاس کی تعداد پوری کرنے کے لیے وہ لوگ دوبارہ قسم کھائیں گے۔ (بنایہ: ۱۲/۴۲۱)

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ پچاس کی تعداد سنت سے ثابت ہے لہٰذا حتی الامکان اس کی تکمیل ضروری ہے تاکہ سنت پر عمل ہو سکے اور سنت پر عمل کرنے ہی کی وجہ سے اس طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی جائے گی کہ تکرار یمین سے تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس کا سب سے اہم فائدہ سنت کی اتباع ہے اور امر دم کی تعظیم ہے اور ان چیزوں سے بڑھ کر کوئی دوسرا فائدہ اور نہیں ہو سکتا۔

فإن کان العدد کاملا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اہل محلہ پچاس کی تعداد میں ہوں اور مقتول کا ولی ان میں سے کسی پر قسم مکرر کرنا چاہے تو اسے یہ حق اور اختیار نہیں ہوگا، اس لیے کہ تکرار قسم بر بنائے ضرورت ثابت ہے اور جو چیز بر بنائے ضرورت ثابت ہوتی ہے اس کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ وہ بقدر ضرورت تک محدود رہتی ہے اور جب پچاس کی تعداد مکمل ہے تو بلا وجہ یمین کو مکرر نہیں کیا جائے گا۔

قَالَ وَلَا قَسَامَةَ عَلٰى صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُوْنٍ لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ أَهْلِ الْقَوْلِ الصَّحِيْحِ وَالْيَمِيْنُ قَوْلٌ صَحِيْحٌ، قَالَ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا عَبْدٍ لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ أَهْلِ النُّصْرَةِ، وَالْيَمِيْنُ عَلٰى أَهْلِهَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ بچہ اور مجنون پر قسامت نہیں ہے، کیونکہ وہ دونوں قول صحیح کے اہل نہیں ہیں جب کہ یمین قول صحیح ہے۔ فرماتے ہیں کہ عورت اور غلام پر بھی قسامت نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں اہل نصرت میں سے نہیں ہیں جب کہ یمین اہل نصرت پر ہے۔

اللغات:

﴿صبیّ﴾ بچہ۔ ﴿امرأة﴾ عورت۔ ﴿عبد﴾ غلام۔

قسامت کے لیے نا اہل لوگ:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ بچہ، مجنون، عورت اور غلام پر قسم اور قسامت نہیں ہے یعنی ان لوگوں کی قسامت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ قسم قول صحیح ہوتی ہے اور بچے اور پاگل صحیح بات کا تکلم ہی نہیں کر سکتے نیز عورت اور غلام کسی کی نصرت نہیں کر سکتے جب کہ یمین اہل نصرت سے متعلق ہے اس لیے عورت اور غلام کی یمین کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

قَالَ وَ إِنْ وُجِدَ مَيِّتاً لَا أَثْرَ بِهِ فَلَاقَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَتِيْلٍ، إِذِ الْقَتِيْلُ فِي الْعُرْفِ مَنْ فَاتَتْ حَيَاتُهُ بِسَبَبٍ يُبَاشِرُهُ حَيٌّ وَهٰذَا مَيِّتٌ حَتْفَ أَنْفِهٖ، وَالْغَرَامَةُ تَتْبَعُ فِعْلَ الْعَبْدِ وَالْقَسَامَةُ تَتْبَعُ إِحْتِمَالَ الْقَتْلِ ثُمَّ يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْقَسْمُ فَلَابُدَّ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ بِهٖ أَثْرٌ يُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلٰى كَوْنِهٖ قَتِيْلًا، وَ ذٰلِكَ بِأَنْ يَكُوْنَ بِهٖ جَرَاحَةٌ أَوْ أَثْرُ ضَرْبٍ أَوْخَنْقٍ، وَكَذَا إِذَا كَانَ خَرَجَ الدَّمُ مِنْ عَيْنِهٖ أَوْ أُذُنِهٖ، لِأَنَّهُ لَايَخْرُجُ مِنْهُمَا إِلَّا بِفِعْلٍ مِنْ جِهَةِ الْحَيِّ عَادَةً، بِخِلَافِ مَا إِذَا خَرَجَ مِنْ فِيْهِ أَوْ دُبُرِهٖ أَوْ ذَكَرِهٖ، لِأَنَّ الدَّمَ يَخْرُجُ مِنْ هٰذِهِ الْمَخَارِجِ عَادَةً بِغَيْرِ فِعْلٍ وَاحِدٍ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الشَّهِيْدِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مردہ شخص پایا جائے اور اس پر (قتل کا) اثر نہ ہو تو نہ تو قسامت ہے اور نہ ہی دیت، کیونکہ وہ مقتول نہیں ہے، اس لیے کہ عرف عام میں مقتول وہ شخص ہے جس کی زندگی ایسے سبب سے فوت ہوئی ہو جسے کسی زندہ شخص نے انجام دیا ہو اور یہ شخص اپنی موت مرا ہے اور تاوان فعلِ عبد کے تابع ہے اور قسامت احتمالِ قتل کے تابع ہوتی ہے پھر ان پر قسم واجب ہوتی ہے، لہٰذا کسی ایسے اثر کا وجود ضروری ہے جس کی وجہ سے میت کے مقتول ہونے پر استدلال کیا جاسکے اور وہ اثر یہ ہے کہ میت پر زخم ہو یا چوٹ کا اثر ہو یا گلا گھوٹنے کا اثر ہو اور ایسے ہی جب اس کی آنکھ یا اس کے کان سے خون نکلا ہو، کیونکہ عام طور پر زندہ شخص کی جانب سے فعل کے بغیر ان سے خون نہیں نکلتا۔

برخلاف اس صورت کے جب میت کے منہ یا اس کی دبر یا اس کے ذکر سے خون نکلا ہو، کیونکہ ان مخارج سے بدون فعل عامۃً خون نکل جاتا ہے اور باب الشهيد میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿قتيل﴾ مقتول۔ ﴿حتف انفه﴾ اپنی طبعی موت۔ ﴿غرامة﴾ جرمانہ، تاوان۔ ﴿جراحة﴾ زخم۔ ﴿خنق﴾ گلا گھونٹنا۔
﴿عين﴾ آنکھ۔ ﴿أذن﴾ کان۔ ﴿فيه﴾ اس کا منہ۔ ﴿دبر﴾ مقعد۔

قسامت کس میت پر ہوگی:

صورتِ مسئلہ تو بالکل واضح اور آسان ہے جس کی مختصر سی تشریح یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں کوئی ایسا مرا ہوا شخص پایا جائے جس کے بدن پر قتل، ضرب اور خنق کا اثر نہ ہو تو اہل محلہ پر نہ تو دیت واجب ہوگی اور نہ ہی قسامت، کیونکہ قسامت اور دیت کا تعلق مقتول

سے ہے اور یہ شخص مقتول نہیں ہے، اس لیے کہ مقتول وہ میت ہے جو زندہ شخص کی طرف سے سببِ موت مہیا کرنے کی وجہ سے مرا ہو اور صورت مسئلہ میں یہ شخص اپنی موت مرا ہے اور اپنی موت مرنے والا نہ تو کسی پر تاوان کا مستحق ہوتا ہے اور نہ ہی قسامت کا، کیوں کہ تاوان بندے کے فعل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ اور یہاں فعل عبد معدوم ہے، اسی طرح قسامت احتمالِ قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے اور احتمالِ قتل کے لیے میت پر علامات قتل (یعنی زخم یا مار کے اثر یا گلا گھونٹنے) میں سے کسی علامت کا ہونا ضروری ہے یا میت کے آنکھ یا ناک میں سے خون نکلنا ضروری ہے، کیونکہ یہ چیزیں فعلِ عبد کے بغیر معرضِ وجود میں نہیں آتیں، اس لیے اگر ان علامتوں میں سے کوئی علامت ہوگی تو قسامت و دیت واجب ہوگی ورنہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر میت کے منہ یا اس کی دبر اور ذکر سے خون نکلا ہو تو بھی اہل محلہ پر قسامت نہیں ہے، کیونکہ ان مقامات سے حرکت اور فعل کے بغیر بھی خون خارج ہوتا رہتا ہے، لہٰذا ان جگہوں سے نکلنے والا خون قتل کی علامت نہیں ہوگا اور اس سے میت کو مقتول نہیں قرار دیا جائے گا اور جب میت مقتول نہیں ہوگا تو اہل محلہ پر نہ قسامت واجب ہوگی اور نہ ہی دیت۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ باب الشہید میں ہم اس پر سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں۔

وَلَوْ وُجِدَ بَدَنُ الْقَتِيْلِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِ الْبَدَنِ أَوِ النِّصْفُ وَمَعَهُ الرَّأْسُ فِيْ مَحَلَّةٍ فَعَلٰى أَهْلِهَا الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ، وَ إِنْ وُجِدَ نِصْفُهُ مَشْقُوْقًا بِالطُّوْلِ أَوْ وُجِدَ أَقَلُّ مِنَ النِّصْفِ وَمَعَهُ الرَّأْسُ أَوْ وُجِدَ يَدُهُ أَوْ رِجْلُهُ أَوْ رَأْسُهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّ هٰذَا حُكْمٌ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَقَدْ وَرَدَ بِهِ فِي الْبَدَنِ إِلَّا أَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ تَعْظِيْمًا لِلْآدَمِيِّ.

ترجمہ: اگر مقتول کا بدن یا نصف بدن سے اکثر یا نصف حصہ سر کے ساتھ کسی محلے میں پایا جائے تو اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہے۔ اور اگر بدن کا نصف حصہ جو لمبائی میں پھاڑا ہوا ہو پایا جائے یا نصف سے کم مع سر کے پایا جائے یا ہاتھ یا پیر یا سر پایا جائے تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہے، اس لیے کہ یہ ایسا حکم ہے جسے ہم نے نص سے پہچانا ہے اور نص بدن کے متعلق وارد ہوئی ہے تاہم آدمیت کی تعظیم کے پیشِ نظر اکثر کو کل کا حکم حاصل ہے۔

اللغات:

﴿قتیل﴾ مقتول۔ ﴿رأس﴾ سر۔ ﴿مشقوق﴾ چیرا ہوا، پھاڑا ہوا۔ ﴿طول﴾ لمبائی۔

بدن کا کچھ حصہ ملنے کی صورت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں مقتول کا پورا بدن ملے یا بدن کے نصف حصے سے زائد حصہ ملے یا سر کے ساتھ بدن کا نصف حصہ ملے تو ان تمام صورتوں میں اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہے، اس کے برخلاف اگر لمبائی میں کٹا ہوا بدن کا نصف حصہ پایا جائے یا نصف سے کم مع سر کے پایا جائے یا مقتول کا ہاتھ یا پیر یا اس کا سر پایا جائے تو ان صورتوں میں اہل محلہ پر قسامت اور دیت نہیں ہے، کیونکہ قسامت و دیت کا ثبوت و وجوب خلاف قیاس نص سے ثابت ہے اور خلاف قیاس ثابت ہونے والی چیز موردِ نص سے متجاوز نہیں ہوتی اور موردِ نص چوں کہ پورا بدن ہے، اس لیے نصف اور بعض اور جزء والی صورتوں میں اہل محلہ پر قسامت و دیت نہیں

واجب ہوگی، البتہ اکثر بدن کی صورت میں اہل محلّہ پر قسامت واجب ہوگی، کیونکہ تعظیم آدمیت کے پیش نظر للأکثر حکم الکل کے تحت اکثر بدن کو کل کا درجہ دے دیا گیا ہے اور جس طرح مقتول کا پورا بدن کسی محلے میں پائے جانے سے اہل محلّہ پر قسامت ودیت واجب ہوتی ہے، اسی طرح اکثر بدن کے پائے جانے سے بھی اہل محلّہ پر قسامت ودیت واجب ہوگی۔

بِخِلَافِ الْأَقَلِّ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِبَدَنٍ وَلَا مُلْحَقٍ بِهٖ فَلَا تَجْرِي فِيْهِ الْقَسَامَةُ وَلِأَنَّا لَوْ اِعْتَبَرْنَاهُ تَتَكَرَّرُ الْقَسَامَتَانِ وَالدِّيَتَانِ بِمُقَابَلَةِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَلَا تَتَوَالَيَانِ، وَالْأَصْلُ فِيْهِ أَنَّ الْمَوْجُوْدَ الْأَوَّلَ إِنْ كَانَ بِحَالٍ لَوْ وُجِدَ الْبَاقِي تَجْرِيْ فِيْهِ الْقَسَامَةُ لَاتَجِبُ فِيْهِ، وَإِنْ كَانَ بِحَالٍ لَوْ وُجِدَ الْبَاقِي لَاتَجْرِي فِيْهِ الْقَسَامَةُ تَجِبُ، وَالْمَعْنٰى مَا أَشَرْنَا إِلَيْهِ، وَصَلَاةُ الْجَنَازَةِ فِيْ هٰذَا تَنْسَحِبُ عَلٰى هٰذَا الْأَصْلِ، لِأَنَّهَا لَا تَتَكَرَّرُ.

ترجمه: برخلاف اقل کے، اس لیے کہ اقل نہ تو بدن ہے اور نہ ہی بدن کے ساتھ ملحق ہے لہٰذا اس میں قسامت جاری نہیں ہوگی، اور اس لیے کہ اگر ہم اقل کا اعتبار کریں گے تو ایک نفس کے مقابلے میں دو قسامت اور دو دیتیں واجب ہوں گی، حالانکہ یہ دونوں پے در پے نہیں ہوتیں۔ اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ موجود اول اگر اس حال میں ہو کہ اگر باقی پایا جائے تو اس میں قسامت جاری نہ ہو تو اس میں قسامت واجب نہیں ہوگی۔ اور اگر اس حال میں ہو کہ اگر باقی پایا جائے تو اس میں قسامت جاری ہو تو موجود اول میں قسامت واجب ہوگی۔ اور معنی وہ ہے جس کی طرف ہم اسارہ کر چکے ہیں اور اس میں نمازِ جنازہ اسی اصل پر متفرع ہے، کیونکہ نمازِ جنازہ مکرر نہیں ہوتی۔

اللغات:

﴿لا تتوالیان﴾ یہ دونوں پے در پے نہیں ہوتیں۔ ﴿تنسحب﴾ جاری ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ کا اصول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں مقتول کے بدن کا اقل حصہ پایا گیا ہے تو اہل محلّہ پر قسامت اور دیت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اقل حصہ نہ تو بدن ہے اور نہ ہی بدن کے ساتھ ملحق ہے اور قسامت بدن میں جاری ہوتی ہے، لہٰذا جو بدن نہیں ہے اس میں قسامت بھی جاری نہیں ہوگی۔ اس اقل میں قسامت واجب اور جاری نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ہم اقل میں قسامت ودیت کو واجب کریں اور پھر بدن کا اکثر حصہ ملنے پر اس میں بھی قسامت ودیت کو واجب کریں تو نفسِ واحدہ کے مقابلے میں دو قسامتیں اور دو دیتیں واجب ہوں گی۔ حالانکہ لگاتار دو قسامتوں اور دو دیتوں کا وجوب خلاف نص ہے، اس لیے اقل میں ان کا نفاذ نہیں ہوگا۔

والأصل الخ: یہاں سے صاحب کتاب ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مقتول کے بدن کا جو حصہ ملا ہے اگر وہ اس پوزیشن میں ہو کہ باقی حصہ ملنے کے بعد اس باقی میں قسامت جاری ہوسکتی ہو تو اول ملے ہوئے حصے میں قسامت جاری نہیں ہوگی۔ اور اگر اول حصہ اس حال میں ہو کہ باقی ملنے کے بعد اس میں قسامت جاری نہ ہوسکتی ہو تو اول حصے میں قسامت جاری ہوگی۔

اس ضابطے کا حاصل یہ ہے کہ قسامت بہر صورت ایک ہی حصے میں جاری ہوگی اور اس میں ہرگز تکرار نہیں ہوگا۔ **والمعنی ما أشرنا إلیه الخ** سے صاحب کتاب نے اسی عدم تکرار کی جانب اسارہ کیا ہے۔

وصلاۃ الجنازۃ الخ: فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ بھی اسی اصل پر متفرع ہے چنانچہ میت کے بدن کا جو حصہ ملا ہے اس پر نظر رہے اور جو حصہ بعد میں ملے اس پر بھی نگاہ رہے اگر بعد والا حصہ قابل نماز ہو تو اول حصہ پر نماز نہیں ہوگی اور اگر بعد والے حصے پر نماز ممکن نہ ہو تو اول ملے ہوئے حصے پر نماز ہوگی۔

وَلَوْ وُجِدَ فِيهِمْ جَنِينٌ أَوْ سِقْطٌ لَيْسَ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ فَلَا شَيْءَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّهُ لَا يَفُوْقُ الْكَبِيْرَ حَالًا، وَإِنْ كَانَ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ وَهُوَ تَامُّ الْخَلْقِ وَجَبَتِ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ تَامَّ الْخَلْقِ يَنْفَصِلُ حَيًّا، وَ إِنْ كَانَ نَاقِصَ الْخَلْقِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّهُ يَنْفَصِلُ مَيِّتًا لَا حَيًّا.

ترجمه: اور اگر اہل محلہ میں کوئی جنین یا کوئی ناتمام گرا ہوا بچہ پایا جائے اور اس پر مار کا نشان نہ ہو تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہے، اس لیے کہ جنین بڑے بچے کی حالت سے فائق نہیں ہوگا۔ اور اگر بچے پر مار کا نشان ہو اور وہ تام الخلقت ہو تو اہل محلہ پر قسامت و دیت واجب ہوگی، کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ تام الخلقت زندہ جدا ہو جاتا ہے، اور اگر بچہ ناقص الخلقت ہو تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہے، اس لیے کہ ناقص الخلقت مردہ جدا ہوتا ہے، نہ کہ زندہ۔

اللغاتُ:

﴿جنین﴾ غیر واضح الخلقت حمل۔ ﴿سقط﴾ حمل ساقط کر کے گرانے والا بچہ۔ ﴿لایفوق﴾ نہیں بڑھتا۔ ﴿تامّ الخلق﴾ مکمل جسم والا۔ ﴿ینفصل﴾ جدا ہوتا ہے۔

جنین یا مردہ بچہ ملنے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں کوئی جنین مردہ ملا یا کوئی ناتمام بچہ گرا ہوا مردہ ملا لیکن اس پر زخم اور مار کا نشان وغیرہ نہیں تھا تو اہل محلہ پر قسامت وغیرہ نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ جنین اور سقط کی حالت بڑے بچے یا بڑے آدمی کی حالت سے اچھی نہیں ہوتی اور بڑے کی بہ نسبت ان کے اپنی موت سے مرنے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر بڑا بچہ یا بڑا آدمی مردہ پایا جائے اور اس پر زخم یا ضرب کا نشان نہ ہو تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہوتا، لہٰذا جنین اور سقط کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ ان پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

ہاں اگر جنین پر ضرب کا نشان ہو اور وہ تام الخلقت ہو تو اس صورت میں اہل محلہ پر قسامت و دیت واجب ہوگی، کیونکہ اب ظاہر یہی ہے کہ وہ تام الخلقت بچہ اپنی ماں سے زندہ الگ ہوا ہوگا اور کسی کے ضرب اور وار سے اس کی موت ہوئی ہوگی اور چوں کہ اس پر زخم کا نشان لگا ہوا ہے اس لیے اہل محلہ پر اس کی دیت واجب ہوگی۔

اور اگر وہ جنین ناقص الخلقت ہو تو اہل محلہ پر کچھ نہیں واجب ہوگا اگر چہ اس پر زخم کا نشان موجود ہو، کیونکہ ناقص الخلقت

ہونے کی وجہ سے غالب گمان یہی ہے کہ وہ بچہ ماں کے پیٹ سے مردہ پیدا ہوا ہے اور اہل محلّہ میں سے کسی نے اسے نہیں مارا ہے۔

قَالَ وَ إِذَا وُجِدَ الْقَتِيْلُ عَلٰى دَابَّةٍ يَسُوْقُهَا رَجُلٌ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ دُوْنَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّهٗ فِيْ يَدِهٖ فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ فِيْ دَارِهٖ، وَكَذَا إِذَا كَانَ قَائِدَهَا أَوْ رَاكِبَهَا فَإِنِ اجْتَمَعُوْا فَعَلَيْهِمْ، لِأَنَّ الْقَتِيْلَ فِيْ أَيْدِيْهِمْ فَصَارَ كَمَا إِذَا وُجِدَ فِيْ دَارِهِمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مقتول کسی ایسی سواری پر پایا جائے جسے کوئی شخص ہانک رہا ہو تو دیت سائق کے عاقلہ پر ہوگی نہ کہ اہل محلّہ پر، کیونکہ مقتول اس کے قبضے میں ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ مقتول اس کے گھر میں ہو اور ایسے ہی جب چوپائے کا قائد یا اس کا راکب ہو پھر اگر یہ لوگ جمع ہو جائیں تو ان سب پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ مقتول ان کے قبضے میں ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے مقتول ان کے گھر میں پایا جائے۔

اللغاتُ:

﴿دابّة﴾ سواری۔ ﴿یسوق﴾ ہانکتا ہو، پیچھے سے سواری کے جانور کو چلاتا ہو۔ ﴿عاقلة﴾ قریبی رشتہ دار، تعلق دار۔ ﴿قائد﴾ کھینچنے والا، جانور کو آگے سے چلانے والا۔

کسی سواری پر مقتول ملنے کی مختلف صورتیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چوپایہ لئے جا رہا تھا اور اس پر کوئی مقتول ملا تو مقتول کی دیت سائق کے عاقلہ پر ہوگی اور اہل محلّہ پر نہیں ہوگی، کیونکہ یہ مقتول سائق کے قبضے میں ہے، لہٰذا اس کی دیت سائق کے عاقلہ ادا کریں گے، اور اہل محلّہ نہیں دیں گے جیسے اگر سائق کے گھر میں کوئی مقتول ملے تو اس صورت میں بھی سائق کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور اہل محلّہ پر نہیں واجب ہوگی۔

و کذا إذا کان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر سواری کے قائد، سائق اور راکب تینوں لوگ ہوں اور وہ سب سواری پر جمع ہوں پھر سواری پر کوئی مقتول ملے تو ان تینوں پر اس کی دیت واجب ہوگی، کیونکہ مقتول ان کے قبضے میں ہے، لہٰذا جس طرح ان کے مکانوں میں مقتول ملنے سے ان پر مقتول کی دیت واجب ہے اسی طرح ان کے قبضے میں مقتول ملنے سے بھی انھی پر مقتول کی دیت واجب ہوگی۔

قَالَ وَ إِنْ مَرَّتْ دَابَّةٌ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ وَعَلَيْهَا قَتِيْلٌ فَهُوَ عَلٰى أَقْرَبِهِمَا لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ [1] أُتِيَ بِقَتِيْلٍ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ فَأَمَرَ أَنْ يُذْرَعَ، وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهٗ لَمَّا كُتِبَ إِلَيْهِ فِي الْقَتِيْلِ الَّذِيْ وُجِدَ بَيْنَ وَادِعَةَ وَأَرْحَبَ كَتَبَ بِأَنْ يَقِيْسَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ فَوُجِدَ الْقَتِيْلُ إِلٰى وَادِعَةَ أَقْرَبَ فَقَضٰى عَلَيْهِمْ بِالْقَسَامَةِ، قِيْلَ هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰى مَا إِذَا كَانَ بِحَيْثُ يَبْلُغُ أَهْلَهُ الصَّوْتُ، لِأَنَّهٗ إِذَا كَانَ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ فَتُمْكِنُهُمُ النُّصْرُ وَقَدْ قَصَّرُوْا.

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر دو گاؤں کے درمیان کوئی چوپایہ گذرے اور اس پر کوئی مقتول ہو تو اس کی دیت ان میں قریب ترین گاؤں والوں پر ہوگی اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مقتول لایا گیا جو دو گاؤں کے مابین ملا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیائش کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب ان کے پاس اس مقتول کے متعلق لکھا گیا جو وادعہ اور ارحب کے درمیان ملا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ دونوں گاؤں کے درمیان پیائش کرلی جائے چنانچہ مقتول وادعہ کے زیادہ قریب پایا گیا، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل وادعہ پر قسامت کا فیصلہ فرمایا۔ کہا گیا کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب مقتول ایسی جگہ ہو کہ اہل اقرب کو آواز پہنچ سکتی ہو، کیونکہ جب وہ اس صفت پر ہوگا تو اسے مدد مل سکے گی، لہٰذا اہل اقرب لیے مدد کرنا ممکن تھا لیکن انھوں نے اس میں کوتاہی کی ہے۔

اللغاتُ:

﴿مرّت﴾ گذری۔ ﴿دابّة﴾ جانور، سواری۔ ﴿یذرع﴾ پیائش کی جائے گی۔ ﴿یقیس﴾ اندازہ کیا جائے، جانا جائے۔ ﴿غوث﴾ فریادرس، مدد کی پکار کو پہنچنے والا۔ ﴿قصروا﴾ انھوں نے کوتاہی کی۔

تخریج:

❶ اخرجه البیهقی فی السنن الکبری کتاب القسامة باب ما روی فی القتیل یوجد بین قریتین، حدیث رقم: ۱٦٥٣.

دو بستیوں کے درمیان پائے جانے والے مقتول کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گاؤں کے بیچ سے کوئی سواری جارہی ہو اور اس کا سائق یا راکب نہ ہو پھر اس پر کوئی مقتول ملے تو مقتول کی دیت کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ جس گاؤں اور محلے سے اس کا گذر ہوگا اس کے قریب ترین باشندوں پر اس کی دیت واجب ہوگی۔ چنانچہ اگر سواری کسی گاؤں سے ایک کیلومیٹر دور ہو اور دوسرے گاؤں سے آدھا کیلومیٹر دور ہو تو آدھا کیلومیٹر کے فاصلے پر جو گاؤں واقع ہے اس کے باشندوں پر مقتول کی دیت واجب ہوگی، اس سلسلے کی پہلی دلیل وہ حدیث ہے جو کتاب میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسا مقتول لایا گیا جو دو گاؤں کے درمیان ملا تھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گاؤں کے فاصلے کی پیائش کرائی اور جو اقرب تھا اس کے باشندوں پر دیت واجب فرمائی۔

اس کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مکتوب گرامی ہے جو انھوں نے وادعہ اور ارحب کے مابین پائے جانے والے مقتول کے متعلق تحریر فرمایا تھا اور یہ لکھا تھا جو گاؤں مقتول کے زیادہ قریب ہو اس کے اہل پر دیت واجب کی جائے، چنانچہ پیائش کے بعد معلوم ہوا کہ قریہ وادعہ مقتول سے زیادہ قریب ہے لہٰذا اس کے باشندوں پر دیت واجب قرار دی گئی تھی۔ ان دونوں دلیلوں سے یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ مقتول جس کے گاؤں سے زیادہ قریب ہوگا اس کے باشندوں پر دیت واجب کی جائے گی۔

قیل هذا الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اہل قریہ پر دیت واجب کرنے کے لیے ضروری یہ ہے کہ وہ گاؤں مقتول کو لے کر گذرنے والی سواری سے اتنے قریب ہو کہ وہاں سے مقتول کی آواز گاؤں والوں تک پہنچ سکتی ہو، اس

لیے کہ اسی صورت میں اہل قریہ کے لیے مقتول کی اعانت ممکن ہو سکے گی اور ان پر عدم اعانت ونصرت کا الزام عائد ہوگا جس کی بنا پر انہیں دیت اداء کرنی ہوگی۔ لیکن اگر اقرب گاؤں تک آواز نہ پہنچ سکتی ہو تو پھر اہل قریہ پر دیت نہیں واجب ہوگی، لیکن یہ بعض حضرات کی رائے ہے، اسی لیے صاحب کتاب نے اسے صیغۂ تمریض یعنی قیل سے بیان کیا ہے اور ظاہر الروایہ قول اول ہے۔

قَالَ وَ إِنْ وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِيْ دَارِ إِنْسَانٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الدَّارَ فِيْ يَدِهٖ وَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ، لِأَنَّ نُصْرَتَهٗ مِنْهُمْ وَقُوَّتَهٗ بِهِمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی انسان کے گھر میں مقتول پایا جائے تو اسی پر قسامت واجب ہوگی، اس لیے کہ گھر اسی کے قبضے میں ہے اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی، اس لیے کہ عاقلہ ہی اس کی نصرت کرتے ہیں اور انھی سے اسے قوت حاصل ہوتی ہے۔

کسی کے گھر میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے گھر میں کوئی مقتول ملے تو صاحب دار پر اس کی دیت واجب ہوگی اور اس کے عاقلہ اس کو اداء کریں گے، صاحبِ دار پر اس لیے دیت واجب ہوگی کہ گھر اس کے قبضے اور اس کی ملکیت میں ہے لہٰذا مقتول کا قتل بھی اس کی ملکیت میں واقع ہوگا اور وہی اس کا ضامن ہوگا، لیکن اس ضمان کی ادائیگی صاحبِ دار کے عاقلہ پر ہوگی، اس لیے کہ عاقلہ ہی اس کے معاون ومددگار رہوتے ہیں اور انھی کے دست وباز و پر اسے فخر ہوتا ہے۔ اور انھی کے دم پر وہ شخص اپنے آپ کو مضبوط اور طاقت ور سمجھتا ہے۔

قَالَ وَلَاتَدْخُلُ السُّكَّانُ فِي الْقَسَامَةِ مَعَ الْمُلَّاكِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ هُوَ عَلَيْهِمْ جَمِيْعًا، لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّدْبِيْرِ كَمَا تَكُوْنُ بِالْمِلْكِ تَكُوْنُ بِالسُّكْنٰى، أَلَا تَرٰى أَنَّهٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ ❶ جَعَلَ الْقَسَامَةَ وَالدِّيَةَ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ إِنَّهٗ كَانُوْا سُكَّانًا بِخَيْبَرَ، وَلَهُمَا أَنَّ الْمَالِكَ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِنُصْرَةِ الْبُقْعَةِ دُوْنَ السُّكَّانِ، لِأَنَّ سُكْنَى الْمُلَّاكِ أَلْزَمُ وَقَرَارُهُمْ أَدْوَمُ فَكَانَتْ وِلَايَةُ التَّدْبِيْرِ إِلَيْهِمْ فَيَتَحَقَّقُ التَّقْصِيْرُ مِنْهُمْ، وَأَمَّا أَهْلُ خَيْبَرَ فَالنَّبِيُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ أَقَرَّهُمْ عَلٰى أَمْلَاكِهِمْ وَكَانَ يَأْخُذُ مِنْهُمْ عَلٰى وَجْهِ الْخَرَاجِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مالکان کے ساتھ سُکّان قسامت میں داخل نہیں ہوں گے، یہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالکان وسکان سب پر قسامت ہوگی، کیونکہ ولایتِ تدبیر جس طرح ملک سے ہوتی ہے اسی طرح سکنی سے بھی ہوتی ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر قسامت ودیت لازم فرمایا تھا حالانکہ وہ لوگ خیبر کے باشندے تھے۔

حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بقعہ کی نصرت کے ساتھ مالک ہی مختص ہے نہ کہ باشندے، اس لیے کہ مالکان کا سکنیٰ زیادہ پائیدار اور ان کا قرار زیادہ دائمی ہے، لہٰذا مالکان ہی کو ولایتِ تدبیر حاصل ہوگی اور انھی کی جانب سے کوتاہی متحقق ہوگی۔

رہے اہل خیبر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کی املاک پر برقرار رکھا تھا اور ان سے بطور خراج آپ لیا کرتے تھے۔

اللغات:

﴿سکّان﴾ واحد ساکن؛ رہائشی، باشندے۔ ﴿ملاك﴾ واحد مالک؛ مالکان۔ ﴿سکنٰی﴾ رہائش۔ ﴿بقعة﴾ زمین کا ٹکڑا۔ ﴿أدوم﴾ زیادہ رہنے والا۔ ﴿تقصیر﴾ کوتاہی۔ ﴿أقرّهم﴾ اُن کو وہاں ٹھہرایا۔

تخریج:

❶ اخرجه البیهقی فی السنن الکبری کتاب القسامة باب اصل القسامة. حدیث رقم: ١٦٤٥٠.

مالکان اور آباد کاروں میں سے قسامت کس پر واجب ہوگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گاؤں اور محلے میں زمینوں و مکانوں کے مالک بھی رہتے ہوں اور کچھ کرایہ دار بھی مقیم ہوں پھر اس گاؤں یا محلے میں کوئی مقتول پایا جائے تو حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں صرف مالکان پر قسامت و دیت واجب ہوگی اور باشندوں اور کرایہ داروں پر دیت نہیں واجب ہوگی جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مالکان اور سکان دونوں پر قسامت و دیت کا وجوب ہوگا، کیونکہ قسامت کا تعلق تدبیر کی ولایت سے ہے اور ولایتِ تدبیر ملکیت سے بھی حاصل ہوتی ہے اور سکنٰی سے بھی، لہٰذا جس طرح مالکان پر قسامت و دیت واجب ہوگی، اسی طرح سکان پر بھی یہ چیزیں واجب ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود پر قسامت و دیت کو واجب فرمایا تھا حالانکہ وہ لوگ مکانات خیبر کے مالک نہیں تھے، بلکہ باشندے تھے اگر سکان پر قسامت و دیت واجب نہ ہوتی تو یہودِ خیبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واجب نہ فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سکّان پر بھی یہ چیزیں واجب ہیں۔

ولهما الخ: حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بقعۂ ارض کی حمایت و نصرت کرنا مالکان کے ساتھ خاص ہے اور باشندوں کا اس سے کچھ نہیں لینا دینا ہے، کیونکہ سکان اور کرایہ داروں کے سکنٰی اور رہائش میں پختگی اور پائیداری نہیں ہوتی اور موسمی پرندوں کی طرح وہ لوگ بھی در اور گھر بدلتے رہتے ہیں، ان کے برخلاف جو مالکان ہوتے ہیں ان کی رہائش میں دوام اور ابدیت ہوتی ہے اور ان میں بہت کم تبدیلی ہوتی ہے، لہٰذا حقیقی تدبیر اور نصرت و حفاظت انھی مالکان سے متعلق ہوگی اور مقتول کی حفاظت میں کمی کوتاہی کا تحقق بھی انھی کی طرف سے ہوگا اس لیے دیت و قسامت میں یہی ماخوذ بھی ہوں گے اور سکّان سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

وأمّا أهل خيبر الخ: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اہل خیبر کے واقعے سے اپنے قول پر استدلال کیا تھا یہاں سے صاحب کتاب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل خیبر کو سکّان قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ وہ لوگ سکان نہیں تھے، بلکہ مالکان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کی املاک پر برقرار رکھا تھا اور بطور خراج ان سے وصول فرمایا کرتے تھے، لہٰذا اہل خیبر کے واقعے سے استدلال کر کے سکان پر بھی قسامت و دیت کو واجب قرار دینا درست نہیں ہے۔

قَالَ وَهُوَ عَلَى أَهْلِ الْخُطَّةِ دُوْنَ الْمُشْتَرِيْنَ، وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ

رحمۃ اللہ علیہ اَلْکُلُّ مُشْتَرِکُوْنَ، لِأَنَّ الضَّمَانَ إِنَّمَا یَجِبُ بِتَرْکِ الْحِفْظِ مِمَّنْ لَہٗ وِلَایَۃُ الْحِفْظِ، وَبِہٰذَا الطَّرِیْقِ یُجْعَلُ جَانِیًا مُقَصِّرًا، وَالْوِلَایَۃُ بِاعْتِبَارِ الْمِلْکِ وَقَدِ اسْتَوَوْا فِیْہِ، وَلَہُمَا أَنَّ صَاحِبَ الْخُطَّۃِ ہُوَ الْمُخْتَصُّ بِنُصْرَۃِ الْبُقْعَۃِ ہُوَ الْمُتَعَارَفُ، وَلِأَنَّہٗ أَصِیْلٌ وَالْمُشْتَرِيْ دَخِیْلٌ، وَوِلَایَۃُ التَّدْبِیْرِ إِلَی الْأَصِیْلِ، وَقِیْلَ أَبُوْحَنِیْفَۃَ رحمۃ اللہ علیہ بَنٰی ذٰلِکَ عَلٰی مَا شَاہَدَ بِالْکُوْفَۃِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ دیت وقسامت اہل خطہ پر واجب ہے نہ کہ خریداروں پر اور یہ حضرات طرفین عِیَالِیَا کا قول ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب لوگ اس میں مشترک ہیں، کیوں کہ جسے ولایتِ حفظ حاصل ہو اس کی طرف سے ترکِ حفاظت کی وجہ سے ضمان واجب ہوتا ہے اور اسی طریقے سے وہ شخص (من لہ ولایۃ الحفظ) مجرم اور مقصر قرار پا جائے گا اور ولایتِ حفظ ملکیت کے اعتبار سے ہے اور ملکیت میں سب لوگ برابر ہیں۔

حضرات طرفین عِیَالِیَا کی دلیل یہ ہے کہ صاحب خطہ ہی نصرتِ بقعہ کے سلسلے میں مختص ہے یہی متعارف ہے اور اس لیے کہ صاحبِ خطہ اصیل ہے اور مشتری دخیل ہے اور ولایتِ تدبیر اصیل کو حاصل ہوتی ہے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں جو دیکھا اسی پر مسئلے کی بنیاد رکھ دی ہے۔

اللغات:

﴿أهل الخُطّة﴾ الاٹی۔ ﴿جانی﴾ مجرم، گناہ گار۔ ﴿مقصّر﴾ کوتاہی کرنے والا۔ ﴿استووا﴾ سب برابر ہیں۔ ﴿بنٰی﴾ بنیاد رکھی ہے۔

اہل خطہ اور خریداروں پر قسامت کے وجوب کا اختلاف:

حل عبارت سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اہل خطہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جنہیں کوئی علاقہ فتح کرتے وقت امام المسلمین زمین اور جائداد الاٹ کردے اور اس سے پہلے وہ علاقہ کسی کو نہ دیا گیا ہو۔ اور مشترین وہ لوگ ہیں جو کسی زمین اور مکان کو خرید کر اس کے مالک ہوئے ہوں اور امام المسلمین کی طرف سے انہیں ابتداء میں وہ جگہ نہ دی گئی ہو۔ (بنایہ: ۱۲/ ۴۲۹)

مسئلہ یہ ہے کہ حضرات طرفین عِیَالِیَا کے یہاں قسامت و دیت صرف اہل خطہ پر واجب ہے، مشترین پر نہیں جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اہل خطہ اور مشترین سب پر دیت وقسامت واجب ہے، اس لیے کہ دیت وقسامت کا وجوب من لہ ولایۃ الحفظ کی جانب سے ترکِ حفاظت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ولایتِ حفظ اہل خطہ اور مشترین کو یکساں طور پر حاصل ہے، لہٰذا حفاظت کا ترک دونوں کی طرف سے ہوگا اور دونوں طرف سے کوتاہی متحقق ہوگی، اس لیے دونوں فریق پر ضمان واجب ہوگا۔

حضرات طرفین عِیَالِیَا کی دلیل یہ ہے کہ اہل خطہ ہی علاقے کے محافظ اور معاون ہوتے ہیں نیز اہل خطہ اصیل ہوتے ہیں اور مشترین دخیل ہوتے ہیں اور ولایتِ تدبیر اصیل کو حاصل ہوتی ہے، نہ کہ دخیل کو، لہٰذا ترکِ حفاظت کی کوتاہی اہل خطہ ہی کی طرف سے متحقق ہوگی اور انھی پر قسامت و دیت واجب ہوگی۔

وقیل أبو حنیفة رحمۃ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں یہ مشاہدہ فرمایا تھا کہ اہل کوفہ اصحاب خطہ ہی کو ولایتِ تدبیر کا مالک ومتولی سمجھتے تھے اور مشترین کو اس سے بری سمجھتے تھے اس لیے آپ نے اپنے مشاہدہ کے مطابق مسئلے کو وضع فرمایا اور مشترین کو قسامت ودیت سے بری کردیا۔

قَالَ وَ إِنْ بَقِيَ وَاحِدٌ مِنهُمْ فَكَذٰلِكَ يَعْنِي مِنْ أَهْلِ الْخِطَّةِ لِمَا بَيَّنَّا، وَإِنْ لَمْ يَبْقَ وَاحِدٌ مِنهُمْ بِأَنْ بَاعُوْا كُلُّهُمْ فَهُوَ عَلَى الْمُشْتَرِيْنَ، لِأَنَّ الْوِلَايَةَ انْتَقَلَتْ إِلَيْهِمْ أَوْ خَلَصَتْ لَهُمْ لِزَوَالِ مَنْ يَتَقَدَّمُهُمْ أَوْ يُزَاحِمُهُمْ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر اہل خطہ میں سے ایک ہی باقی ہو تو بھی یہی حکم ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی باقی نہ ہو بایں طور کہ ان سب نے فروخت کردیا تو قسامت ودیت مشترین پر ہوگی، اس لیے کہ ولایت ان کی طرف منتقل ہو چکی ہے یا ان کے لیے خالص ہوگئی ہے ان کے متقدمین اور مزاحمین کے ختم ہونے کی وجہ سے۔

اللغات:

﴿خلصت﴾ خالص ہوگئی ہے۔

اہل خطہ اور خریداروں پر قسامت کے وجوب کا اختلاف:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گاؤں یا محلے میں اہل خطہ میں سے صرف ایک ہی شخص بقید حیات ہو اور باقی لوگ نہ ہو پھر وہاں کوئی مقتول ملے تو بھی حضرات طرفین کے یہاں اسی پر دیت وقسامت واجب ہوگی۔ ہاں اگر اہل خطہ میں سے کوئی بھی باقی نہ ہوں بایں طور کہ سب لوگوں نے اپنی اپنی جائداد فروخت کردی ہو تو اس صورت میں خریداروں پر دیت وقسامت واجب ہوگی، اس لیے کہ اہل خطہ یہاں سے چلے گئے ہیں اور ان کے جانے سے مشترین کے حق میں مزاحمت بھی معدوم ہو چکی ہے اور تقدمیت بھی ختم ہو چکی ہے اور اہل خطہ کو جو ولایتِ تدبیر حاصل تھی وہ اب مشترین کی جانب سرایت کرگئی ہے، اس لیے وہی مشترین اب دیت وقسامت کے ذمے دار ہوں گے۔

وَ إِذَا وُجِدَ قَتِيْلٌ فِيْ دَارٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى رَبِّ الدَّارِ وَعَلٰى قَوْمِهِ وَتَدْخُلُ الْعَاقِلَةُ فِي الْقَسَامَةِ إِنْ كَانُوْا حُضُوْرًا، وَ إِنْ كَانُوْا غُيَّبًا فَالْقَسَامَةُ عَلٰى رَبِّ الدَّارِ يُكَرَّرُ عَلَيْهِ الْأَيْمَانُ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ لَاقَسَامَةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ، لِأَنَّ رَبَّ الدَّارِ أَخَصُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ فَلَايُشَارِكُهُ غَيْرُهُ فِيْهَا كَأَهْلِ الْمَحَلَّةِ لَايُشَارِكُهُمْ فِيْهَا عَوَاقِلُهُمْ، وَلَهُمَا أَنَّ الْحُضُوْرَ لَزِمَتْهُمْ نُصْرَةُ الْبُقْعَةِ كَمَا تَلْزَمُ صَاحِبَ الدَّارِ فَيُشَارِكُوْنَهُ فِي الْقَسَامَةِ.

ترجمه: اگر کسی گھر میں کوئی مقتول پایا جائے تو قسامت گھر والے پر ہوگی اور اس کی قوم پر ہوگی اور عاقلہ اگر موجود ہوں تو قسامت

میں داخل ہوں گے۔ اور اگر موجود نہ ہوں تو رب الدار پر قسامت ہوگی اور اس پر ایمان کو مکرر کیا جائے گا۔ یہ حکم حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاقلہ پر قسامت نہیں ہے، کیونکہ مالکِ دار اپنے غیر سے اس مکان کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا قسامت میں اس کا غیر اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا جیسے اہل محلّہ کی قسامت میں ان کے عاقلہ شریک نہیں ہوتے۔

حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حاضرین پر بقعہ کی نُصرت لازم ہے جیسا کہ صاحب دار پر لازم ہے لہٰذا موجود عواقل صاحب دار کے ساتھ قسامت میں شریک ہوں گے۔

اللغات:

﴿حضور﴾ واحد حاضر؛ موجود۔ ﴿غیّب﴾ واحد غائب؛ غیر موجود۔ ﴿یکرّر﴾ دہرائی جائے گی۔ ﴿أیمان﴾ واحد یمین؛ قسمیں۔

قسامت کی ایک مخصوص صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گھر میں کوئی مقتول ملے اور مقتول کا ولی صاحب دار پر قتل کا دعویٰ کرے تو صاحب دار پر بالاتفاق قسامت واجب ہے، لیکن اس کی قوم اور اس کے عاقلہ پر قسامت کے وجوب میں حضرات فقہائے احناف کے الگ الگ نظریے ہیں۔ حضرات طرفین رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر صاحب دار کی قوم اور اس کے عاقلہ اس گاؤں یا شہر میں موجود ہوں تو صاحب دار کے ساتھ ساتھ ان پر بھی قسامت واجب ہے، لیکن اگر وہ لوگ موجود نہ ہوں تو پھر صرف صاحب دار پر قسامت ہے اور صاحب دار پر ایمان مکرر کرکے اسی سے پچاس قسم لی جائیں گی۔

ان کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسامت صرف مالکِ دار پر واجب ہے، عاقلہ پر نہیں ہے، کیوں کہ گھر کی ملکیت میں صاحب دار منفرد ہے اور اس کی قوم یا معاونِ برادری کا فرد اس میں شریک نہیں ہے، لہٰذا گھر کی حفاظت کا بھی مالکِ مکان تنہا ذمہ دار ہوگا اور اس میں کوتاہی برتنے پر اسی کا مواخذہ ہوگا۔ جیسے اہل محلّہ پر جو قسامت واجب ہوتی ہے اس میں ان کے عواقل شریک نہیں ہوتے، اسی طرح صاحب دار پر واجب ہونے والی قسامت میں بھی اس کی قوم اور معاون برادری شریک نہیں ہوگی۔

ولھما أن الحضور الخ: حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عواقل میں سے جو لوگ شہر میں موجود ہیں ان پر پورے بقعہ کی حفاظت ونصرت لازم ہے، اور بقعہ میں صاحب دار کا دار بھی شامل ہے، لہٰذا دار میں مقتول ملنے سے ان کی طرف سے بھی کوتاہی متحقق ہوئی ہے، اس لیے وہ لوگ بھی صاحبِ دار کے ساتھ قسامت میں شریک ہوں گے۔

قَالَ فَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِيْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ نِصْفُهَا لِرَجُلٍ وَعُشْرُهَا لِرَجُلٍ وَ لِآخَرَ مَا بَقِيَ فَهُوَ عَلٰى رُؤُسِ الرِّجَالِ، لِأَنَّ صَاحِبَ الْقَلِيْلِ يُزَاحِمُ صَاحِبَ الْكَثِيْرِ فِي التَّدْبِيْرِ فَكَانُوْا سَوَآءً فِي الْحِفْظِ وَالتَّقْصِيْرِ فَيَكُوْنُ عَلٰى عَدَدِ الرُّؤُسِ بِمَنْزِلَةِ الشُّفْعَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مقتول ایسے مشترک گھر میں پایا جائے جس کا نصف ایک شخص کا ہو، اس کا عشر دوسرے کا ہو اور باقی کسی تیسرے کا ہو تو ضمان آدمیوں کے رؤس کے مطابق ہوگا، کیونکہ صاحب قلیل تدبیر میں صاحب کثیر کا مزاحم ہے، لہٰذا حفاظت وتقصیر میں یہ سب برابر ہوں گے، تو شفعہ کی طرح ضمان بھی عدد رؤس پر ہوگا۔

اللغات:

﴿قتیل﴾ مقتول۔ ﴿عشر﴾ دسواں حصہ۔ ﴿رؤس﴾ افراد کی تعداد۔ ﴿تقصیر﴾ کوتاہی۔

ایک سے زائد مالکوں میں مشترک گھر میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتول کسی ایسے دار میں ملا جو چند لوگوں کے مابین مشترک ہے اور اُن شرکاء کی ملکیت الگ الگ ہے یعنی کوئی نصف دار کا مالک ہے کوئی ثلث کا اور کوئی ربع کا تو دیت ان تینوں کے عدد رؤس کے مطابق واجب ہوگی یعنی ان سب پر مشترکہ طور پر دیت واجب ہوگی اور دیت کا وجوب ان کی املاک کے اعتبار سے نہیں ہوگا کہ نصف دار کا مالک دیت کی رقم کا نصف دے اور ثلث والا ثلث دے، ربع والا ربع دے، بلکہ جس طرح اشتراک کی وجہ سے ہر ہر شریک کو عدد رؤس کے مطابق حق شفعہ ملتا ہے اسی طرح عدد رؤس کے اعتبار سے یہاں ہر ہر شریک پر دیت واجب ہوگی، اور املاک کا تفاوت وجوبِ دیت میں مؤثر نہیں ہوگا۔

قَالَ وَمَنِ اشْتَرَىٰ دَارًا وَلَمْ يَقْبِضْهَا حَتّٰى وُجِدَ فِيْهَا قَتِيْلٌ فَهُوَ عَلٰى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ، وَإِنْ كَانَ فِي الْبَيْعِ خِيَارٌ لِأَحَدِهِمَا فَهُوَ عَلٰى عَاقِلَةِ الَّذِيْ فِيْ يَدِهٖ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَا إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ خِيَارٌ فَهُوَ عَلٰى عَاقِلَةِ الْمُشْتَرِيْ وَإِنْ كَانَ فِيْهِ خِيَارٌ فَهُوَ عَلٰى عَاقِلَةِ الَّذِيْ تَصِيْرُ لَهٗ، لِأَنَّهٗ إِنَّمَا أُنْزِلَ قَاتِلًا بِاعْتِبَارِ التَّقْصِيْرِ فِي الْحِفْظِ وَلَايَجِبُ إِلَّا عَلٰى مَنْ لَهٗ وِلَايَةُ الْحِفْظِ، وَالْوِلَايَةُ تُسْتَفَادُ بِالْمِلْكِ وَلِهٰذَا كَانَتِ الدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَةِ صَاحِبِ الدَّارِ دُوْنَ الْمُوْدَعِ، وَالْمِلْكُ لِلْمُشْتَرِيْ قَبْلَ الْقَبْضِ فِي الْبَيْعِ الْبَاتِّ، وَفِي الْمَشْرُوْطِ فِيْهِ الْخِيَارُ يُعْتَبَرُ قَرَارُ الْمِلْكِ كَمَا فِيْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے گھر خریدا اور اس پر قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ اس میں کوئی مقتول ملا تو دیت بائع کے عاقلہ پر ہوگی۔ اور اگر بیع عاقدین میں سے کسی کا خیار ہو تو دیت قابض کے عاقلہ پر ہوگی۔ اور یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اگر بیع میں خیار نہ ہو تو دیت مشتری کے عاقلہ پر ہوگی۔ اور اگر بیع میں خیار ہو تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی جس کے لیے یہ گھر ہوگا، کیونکہ حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے اسے مالک کے درجے میں اتار لیا جائے گا اور ضمان تو اسی پر واجب ہوتا ہے جسے ولایتِ حفظ حاصل ہے، اور ولایتِ حفظ ملکیت سے مستفاد ہوتی ہے اسی لیے دیت صاحب دار کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے نہ کہ مودع کے۔ اور بیع قطعی میں قبضہ سے پہلے ہی مشتری کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور بیع مشروط فیہ الخیار میں قرارِ ملک کا اعتبار کیا جائے گا جیسے صدقۂ فطر میں (قرار ملکیت معتبر ہے)۔

اللغات:

﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿تصیر﴾ ہوجائے گا۔ ﴿تقصیر﴾ کوتاہی۔ ﴿تستفاد﴾ حاصل کی جاتی ہے۔ ﴿مودع﴾ امانت دار۔ ﴿باتّ﴾ پختہ، قطعی، فوری۔

دارمبیعہ میں قبضے کا قسامت پراثر:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی مکان خریدا اور اس پر قبضہ نہیں کیا پھر اس میں کوئی مقتول ملا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس مقتول کی دیت بائع کے عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں ضمان کا دارومدار قبضہ پر ہے اور یہاں مشتری نے ابھی اس مکان پر قبضہ نہیں کیا ہے، اس لیے جو قابض ہے یعنی بائع اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں صورتِ مسئلہ میں مشتری کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ ان حضرات کے یہاں وجوبِ دیت کا مدار ملکیت پر ہے اور شراء سے مشتری کو ملکیت حاصل ہو چکی ہے۔

اور اگر بیع میں عاقدین کے لیے کسی کو اختیار حاصل ہو تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس شخص کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی جو فی الوقت مکان پر قابض ہوگا، جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں دیت کا معاملہ موقوف رہے گا اور آئندہ مکان جس کی ملکیت میں ہوگا اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وجوبِ ضمان کا تعلق حفاظت میں کوتاہی سے ہے کیونکہ حفاظت میں کوتاہی کرنے سے ہی من لہ الولایۃ کو قاتل شمار کیا جائے گا۔ اور ولایتِ حفاظت کا حصول ملکیت سے متعلق ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ بیع بدون الشرط کی صورت میں چوں کہ شراء سے مشتری دار کا مالک ہوجاتا ہے، اس لیے اسی کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور بیع بشرط الخیار والی صورت میں چوں کہ ملکیت کا معاملہ گول مول رہتا ہے اور وہ حتمی طور پر کسی کو نہیں حاصل ہوتی، لہٰذا ہم نے اس میں قرار ملک کا اعتبار کر کے دیت کے معاملے کو موقوف رکھا ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ آئندہ جو مالک ہوگا اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مکان ودیعت پر ہو اور اس میں اس طرح کا واقعہ پیش آجائے تو ضمان مالکِ مکان پر ہوگا مودع پر نہیں ہوگا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے صدقۂ فطر میں ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے عید کے دن خیارِ شرط کے ساتھ اپنا غلام فروخت کیا تو ابھی کسی پر اس غلام کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہوگا، بلکہ خیار کے بعد غلام جس کی ملکیت میں جائے گا، اسی پر اس کا صدقۂ فطر واجب ہوگا، اسی طرح یہاں بھی اگر بیع بشرط الخیار ہو تو خیار کے بعد گھر جس کی ملکیت میں جائے گا اسی کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

وَلَهُ أَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى الْحِفْظِ بِالْيَدِ لَا بِالْمِلْكِ أَلَا يَرَى أَنَّهُ يَقْتَدِرُ عَلَى الْحِفْظِ بِالْيَدِ بِدُوْنِ الْمِلْكِ وَلَايَقْتَدِرُ بِالْمِلْكِ بِدُوْنِ الْيَدِ، وَفِي الْبَاتِّ الْيَدُ لِلْبَائِعِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَكَذَا فِيْمَا فِيْهِ الْخِيَارُ لِأَحَدِهِمَا قَبْلَ الْقَبْضِ، لِأَنَّهُ دُوْنَ الْبَاتِّ، وَلَوْ كَانَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِ الْمُشْتَرِيْ وَالْخِيَارُ لَهُ فَهُوَ أَخَصُّ النَّاسِ بِهِ تَصَرُّفًا، وَلَوْ كَانَ الْخِيَارُ لِلْبَائِعِ فَهُوَ فِيْ يَدِهِ مَضْمُوْنٌ عَلَيْهِ بِالْقِيْمَةِ كَالْمَغْصُوْبِ فَتُعْتَبَرُ يَدُهُ، إِذْبِهَا يَقْدِرُ عَلَى الْحِفْظِ.

ترجمہ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قدرت علی الحفظ قبضہ سے حاصل ہوگی نہ کہ ملکیت سے۔ کیا دکھتا نہیں کہ انسان بدون ملک قبضہ سے حفاظت پر قادر ہوتا ہے اور قبضہ کے بغیر ملکیت سے قادر نہیں ہوتا۔ اور بیع قطعی میں قبضۂ مشتری سے پہلے بائع کا قبضہ ہوتا ہے اور ایسے ہی جس مسئلے میں ہم ہیں اس میں قبضہ سے پہلے ایک کو خیار حاصل ہے، اس لیے کہ یہ بیع بیع قطعی سے کم تر ہے۔ اور اگر مبیع مشتری کے قبضے میں ہو اور خیار بھی اسی کو حاصل ہو تو وہ تصرف کے حوالے سے لوگوں میں سب سے زیادہ خاص ہوگا۔ اور اگر خیار بائع کے لیے ہو تو بیع اس کے قبضہ میں مضمون علیہ بالقیمت ہوگی جیسے مغصوب، لہٰذا مشتری کا قبضہ معتبر ہوگا، اس لیے کہ قبضہ ہی کی وجہ سے مشتری حفاظت پر قادر ہوگا۔

اللغات:

﴿ید﴾ ہاتھ، مراد: قبضہ۔ ﴿باتّ﴾ پختہ، قطعی، فوری۔ ﴿أخصّ﴾ زیادہ خصوصیت رکھنے والا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

یہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر انسان کسی چیز پر قابض ہو اور وہ اس کا مالک نہ ہو تو بھی اس کے لیے حفاظت کرنا ممکن ہوگا اور قبضہ کی وجہ سے انسان حفاظت پر قادر ہوگا، لیکن اگر قبضہ نہ ہو اور ملکیت ہو تو انسان حفاظت پر قادر نہیں ہوگا اور صورت مسئلہ میں جب بیع قطعی اور یقینی میں مشتری کے قبضے سے پہلے بائع مبیع پر قابض ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں تو دیت بائع کے عاقلہ ہی پر ہوگی، اور جس صورت میں بیع تام اور مکمل نہیں ہے اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک کو خیار شرط حاصل ہو تو اس میں بدرجۂ اولیٰ مبیع پر بائع کا قبضہ ہوگا اور بائع ہی مضمون ہوگا، کیونکہ بیع بشرط الخیار بیع قطعی سے کم تر ہے۔

ولو كان المبيع في يد المشتري الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو اور خیار بھی انھی کو حاصل ہو تو مشتری اس مبیع میں تصرف کا سب سے زیادہ حق دار ہوگا، کیونکہ قبضہ اور ملکیت دونوں چیزیں اس کے حق میں جمع ہیں، لہٰذا مبیع کے حوالے سے عائد ہونے والے جملہ امور کا جواب دہ وہی ہوگا اور اس سلسلے میں وہی ضامن بھی ہوگا۔

ولو كان الخيار للبائع الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مبیع مشتری کے قبضے میں ہو اور خیار بائع کو حاصل ہو تو حضرت الامامؒ کے یہاں چوں کہ ضمان کا مدار قبضہ پر ہے اس لیے مبیع مشتری کے پاس مضمون بالقیمت ہوگی جیسے شئ مغصوب غاصب کے قبضے میں مضمون بالقیمت ہوتی ہے، بہرحال قبضہ کی وجہ سے مشتری کو حفاظت پر قادر شمار کیا جائے گا اور مشتری ہی اس کے نفع اور نقصان کا ذمہ دار ہوگا، خلاصۂ کلام حضرت امام عالی مقامؒ کے یہاں وجوب ضمن کا دار و مدار قبضہ پر ہے اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں ملک پر ہے۔

قَالَ وَمَنْ كَانَ فِيْ يَدِهٖ دَارٌ فَوُجِدَ فِيْهَا قَتِيْلٌ لَمْ تَعْقِلْهُ الْعَاقِلَةُ حَتّٰى تَشْهَدَ الشُّهُوْدُ أَنَّهَا لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهٖ، لِأَنَّهٗ لَابُدَّ مِنَ الْمِلْكِ لِصَاحِبِ الْيَدِ حَتّٰى تَعْقِلَ الْعَوَاقِلُ عَنْهُ، وَالْيَدُ وَإِنْ كَانَتْ دَلِيْلًا عَلَى الْمِلْكِ وَلٰكِنَّهَا مُحْتَمِلَةٌ فَلَا تَكْفِيْ لِإِيْجَابِ الدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ كَمَا لَاتَكْفِيْ لِاسْتِحْقَاقِ الشُّفْعَةِ بِهٖ فِي الدَّارِ الْمَشْفُوْعَةِ، فَلَابُدَّ مِنْ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے قبضے میں کوئی گھر ہو اور اس میں کوئی مقتول ملے تو عاقلہ اس کی دیت نہیں دیں گے، یہاں تک کہ گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ مکان اسی شخص کا ہے جس کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ قابض کے لیے ملکیت ضروری ہے تاکہ عواقل اس کی طرف سے دیت اداء کرسکیں۔ اور ہر چند کہ قبضہ ملکیت کی دلیل ہے لیکن وہ محتمل ہے لہٰذا عاقلہ پر دیت واجب کرنے کے لیے قبضہ کافی نہیں ہوگا جیسے دار مشفوعہ میں استحقاقِ شفعہ کے لیے قبضہ کافی نہیں ہے، لہٰذا بینہ پیش کرنا ضروری ہے۔

اللغات:

﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿لم تعقلہ﴾ اس کی دیت نہیں دیں گے۔ ﴿شہود﴾ واحد شاھد؛ گواہ۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مکان کسی شخص کے قبضے میں ہو اور اس میں کوئی مقتول ملے تو جب تک گواہ لوگ اس بات کی گواہی نہیں دیں گے کہ جو شخص اس مکان پر قابض ہے وہی اس کا مالک بھی ہے اس وقت تک قابض کے عاقلہ پر اس مکان میں ملے ہوئے مقتول کی دیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ قابض کے عواقل کے لیے اس کی طرف سے دیت دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قابض اس مکان کا مالک ہو اور ملکیت کا علم بینہ اور شہادت سے ہوگا، اس لیے بدون بینہ عواقل قابض کی طرف سے دیت نہیں اداء کریں گے۔

اور رہا قابض کا قبضہ تو اگرچہ وہ ملکیت کی دلیل ہے، لیکن یہ دلیل خالص نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ قابض عاریتاً اس کا مالک ہو اور جب قبضۂ قابض ملکیت کے حوالے سے محتمل ہے تو وہ عاقلہ پر دیت واجب کرنے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ جیسے محض قبضہ سے کوئی شخص دار مشفوعہ میں شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا یعنی نعمان اگر کسی مکان پر قابض ہو اور اس کے برابر میں کوئی دوسرا مکان فروخت ہوا اور نعمان نے اس پر شفعہ کا دعویٰ کیا لیکن مشتری نے انکار کردیا اور کہنے لگا کہ نعمان اس گھر کا مالک نہیں ہے جس پر وہ قابض ہے تو جب تک نعمان اپنی ملکیت پر بینہ نہیں پیش کردیتا اس وقت تک وہ محض قبضہ سے شفعہ کا مستحق نہیں ہوگا۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی محض قبضہ سے قابض کے عواقل اس کے مقبوضہ گھر میں ملے ہوئے مقتول کی دیت نہیں اداء کریں گے، اور عاقلہ کے دیت اداء کرنے کے لیے ملکیتِ دار پر بینہ پیش کرنا ضروری ہوگا۔

قَالَ وَ إِنْ وُجِدَ قَتِيْلٌ فِيْ سَفِيْنَةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى مَنْ فِيْهَا مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِيْنَ، لِأَنَّهَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ وَاللَّفْظُ يَشْمُلُ أَرْبَابَهَا حَتّٰى تَجِبَ عَلَى الْأَرْبَابِ الَّذِيْنَ فِيْهَا وَعَلَى السُّكَّانِ وَكَذَا عَلٰى مَنْ يَمُدُّهَا، وَالْمَالِكُ فِيْ ذٰلِكَ وَغَيْرُ الْمَالِكِ سَوَاءٌ، وَكَذَا الْعَجَلَةُ، وَهٰذَا عَلٰى مَا رُوِيَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ظَاهِرٌ، وَالْفَرْقُ لَهُمَا أَنَّ السَّفِيْنَةَ تَنْقُلُ وَتُحَوَّلُ فَيُعْتَبَرُ فِيْهَا الْيَدُ دُوْنَ الْمِلْكِ كَمَا فِي الدَّابَّةِ، بِخِلَافِ الْمَحَلَّةِ وَالدَّارِ لِأَنَّهَا لَا تَنْقُلُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مقتول کسی کشتی میں پایا جائے تو ان لوگوں پر قسامت واجب ہے جو کشتی میں موجود ہیں، یعنی سوار اور ملاح، کیونکہ کشتی انھی کے قبضے میں ہے۔ اور لفظ (مَنْ فِيْهَا) مالکان کشتی کو شامل ہے، یہاں تک کہ قسامت ان مالکان پر بھی واجب

ہے جو کشتی میں ہیں، سکّان پر واجب ہے نیز کشتی کھینچنے والوں پر بھی واجب ہے اور مالک وغیرہ مالک سب اس میں برابر ہیں اور بیل گاڑی کا بھی یہی حکم ہے۔ اور یہ (یعنی مالک اور غیر مالک کا قسامت میں برابر ہونا) حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق تو ظاہر ہے۔ اور حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے لیے وجہ فرق یہ ہے کہ کشتی منتقل ہوتی ہے اور محوّل ہوتی ہے، لہٰذا اس میں قبضہ کا اعتبار ہوگا نہ کہ ملکیت کا جیسے دابہ میں ہوتا ہے۔ برخلاف محلّہ اور دار کے، اس لیے کہ یہ منتقل نہیں ہوتے۔

اللغاتُ:

﴿سفینة﴾ کشتی۔ ﴿رکّاب﴾ واحد راکب؛ سوار ہونے والا۔ ﴿ملاح﴾ کشتی بان۔ ﴿سکّان﴾ واحد ساکن؛ رہائشی، باشندے۔ ﴿عجلة﴾ چھکڑا، بیل گاڑی۔ ﴿دابّة﴾ جانور، سواری۔

کسی کشتی میں مقتول ملنے کی صورت کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کشتی میں کوئی مقتول پایا جائے تو کشتی میں جتنے لوگ ہیں ان سب پر قسامت ودیت واجب ہوگی خواہ وہ راکبین ہوں یا ملاحین ومالکان ہوں، قسامت ودیت کا وجوب یکساں طور پر سب پر ہوگا اور اس وجوب میں مالک ومسافر برابر کے شریک ہوں گے، صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالکان اور راکبین دونوں پر وجوبِ قسامت ودیت کا حکم امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق تو سمجھ میں آرہا ہے، کیونکہ ماقبل میں انھوں نے سکان پر دیت وقسامت واجب کی ہے، لیکن حضرات طرفین صرف مالکان پر قسامت ودیت واجب قرار دیتے ہیں، اس لیے ان حضرات کے قول پر یہ وجوب بعید از فہم ہے؟

صاحب کتابؒ والفرق لهما الخ سے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں سکان پر عدم وجوب دیت وقسامت کا جو ضابطہ ہے وہ دار اور غیر منقولہ اشیاء میں جاری ہے اور کشتی چوں کہ اشیائے منقولہ اور محوّلہ میں سے ہے، اس لیے اس میں یہ ضابطہ جاری نہیں ہوگا، اور صرف ظاہری قبضہ وجوبِ دیت کے لیے کافی ہوگا، اور ظاہری قبضہ میں مالکان وسکان اور راکبین سب برابر ہیں، لہٰذا ان سب پر قسامت ودیت کا وجوب ہوگا۔ اس کے برخلاف محلّہ اور دار وغیرہ چوں کہ اشیائے غیر منقولہ ہیں، لہٰذا ان میں حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کا فارمولہ جاری رہے گا اور ان چیزوں میں مقتول ملنے سے صرف مالکان ہی پر قسامت ودیت واجب ہوگی۔

وکذا العجلة الخ: فرماتے ہیں کہ جو حکم کشتی کا ہے وہی بیل گاڑی اور پرائیویٹ گاڑی کا بھی ہے۔

قَالَ وَ إِنْ وُجِدَ فِيْ مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى أَهْلِهَا، لِأَنَّ التَّدْبِيْرَ فِيْهِ إِلَيْهِمْ وَإِنْ وُجِدَ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ أَو الشَّارِعِ الْأَعْظَمِ فَلَا قَسَامَةَ فِيْهِ، وَالدِّيَةُ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ لِلْعَامَةِ لَايَخْتَصُّ بِهِ وَاحِدٌ مِنْهُمْ، وَكَذَا الْجُسُوْرُ لِلْعَامَةِ وَمَالُ بَيْتِ الْمَالِ مَالُ عَامَةِ الْمُسْلِمِيْنَ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر محلّہ کی مسجد میں مقتول پایا جائے تو اہل محلّہ پر قسامت واجب ہوگی، کیونکہ مسجد کا نظم وانتظام اہل محلّہ کی طرف سپرد ہے۔ اور اگر جامع مسجد یا عام راستے میں مقتول پایا جائے تو اس میں قسامت نہیں ہے اور بیت المال پر دیت واجب ہوگی،

کیونکہ یہ عام لوگوں کے لیے ہیں۔ اور کوئی شخص ان میں سے مختص نہیں ہے، ایسے ہی پل بھی عوام کے لیے ہے اور بیت المال کا مال عامۃ المسلمین کے لیے ہے۔

اللغات:

﴿جسور﴾ واحد جسر؛ پل۔

کسی محلے کی مسجد میں ملنے والے مقتول کی قسامت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر محلے کی مسجد میں کوئی مقتول پایا جائے تو اس کی دیت اہل محلّہ پر واجب ہوگی، کیونکہ محلے کی مسجد کا نظم وانتظام اہل محلّہ کے سپرد ہے، لہٰذا مسجدِ محلّہ کے مقتول کی دیت بھی اہل محلّہ پر واجب ہوگی۔

وإن وجد الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر جامع مسجد میں یا شاہ راہ عام پر کوئی مقتول پایا جائے یا پل پر کوئی مقتول ملے تو اس مقتول کے بارے میں قسامت نہیں ہے، البتہ بیت المال پر اس کی دیت واجب ہوگی، کیونکہ جامع مسجد، یا عام راستہ یا پل کسی مخصوص آدمی کی ملکیت میں نہیں ہوتے، بلکہ ہر خاص وعام کو ان چیزوں سے استفادہ کرنے کا حق ہوتا ہے، اور چوں کہ بیت المال بھی عامۃ المسلمین کا ہوتا ہے اس لیے بیت المال ہی سے اس مقتول کی دیت اداء کی جائے گی۔ اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان بھی متدل ہے جو انہوں نے عرفہ میں ملے ہوئے ایک مقتول شخص کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا **یا أمیر المؤمنین لایبطل دم امرء مسلم إن علمت قاتله وإلاّ فأعط دیته من بیت المال** یعنی اے امیر المؤمنین کسی مردِ مسلم کا خون رائیگاں نہیں ہے، اگر آپ اس کے قاتل کو جانتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ بیت المال سے اس کی دیت ادا کیے جانے کا حکم صادر فرمائے۔ (بنایہ: ۱۲/ ۴۳۷)

وَلَوْ وُجِدَ فِي السُّوْقِ إِنْ كَانَ مَمْلُوْكًا فَعِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ تَجِبُ عَلَى السُّكَّانِ وَعِنْدَهُمَا عَلَى الْمَالِكِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَمْلُوْكًا كَالشَّوَارِعِ الْعَامَّةِ الَّتِي بُنِيَتْ فِيْهَا فَعَلَى بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ.

ترجمه: اور اگر بازار میں مقتول پایا جائے اور وہ بازار (کسی کی) مملوک ہو تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سکان پر دیت واجب ہے اور حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں مالک پر۔ اور اگر بازار مملوک نہ ہو جیسے وہ عام راستے میں جن میں بازار بنائے جاتے ہیں تو بیت المال پر دیت واجب ہوگی، اس لیے کہ یہ بازار جماعت المسلمین کا ہے۔

اللغات:

﴿سوق﴾ بازار۔ ﴿سکّان﴾ واحد ساکن؛ رہائش رکھنے والے۔ ﴿شوارع﴾ واحد شارع؛ سڑکیں۔ ﴿بنیت﴾ تعمیر کیا گیا ہو۔

بازار میں پائے جانے والے مقتول کی قسامت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی بازار میں کوئی مقتول ملے تو یہ دیکھا جائے گا کہ وہ بازار کسی کی مملوک ہے یا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی وہ بازار کسی کی مملوک ہو تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بازار کے باشندوں پر دیت واجب ہوگی۔ خواہ وہ اس کے مالک ہوں یا نہ

ہوں اور حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں مالکان پر دیت واجب ہوگی۔ اور اگر دوسری صورت ہو یعنی وہ بازار کسی کی مملوک نہ ہو جیسے عام راستوں کے کنارے کنارے بنائے جانے والے بازار تو اس صورت میں مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی، اس لیے کہ یہ بازار بھی عام مسلمانوں کا ہے اور بیت المال بھی عام مسلمانوں کا ہے، لہٰذا عوام پر واجب ہونے والی دیت اسی بیت المال سے ادا کی جائے گی۔

قَالَ وَ إِنْ وُجِدَ فِي بَرِيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدْرٌ، وَتَفْسِيْرُ الْقُرْبِ مَا ذَكَرْنَا مِنْ اِسْتِمَاعِ الصَّوْتِ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ بِهٰذِهِ الْحَالَةِ لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْثُ مِنْ غَيْرِهِ فَلَا يُوْصَفُ أَحَدٌ بِالتَّقْصِيْرِ، وَهٰذَا إِذَا لَمْ تَكُنْ مَمْلُوْكَةً لِأَحَدٍ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ فَالدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی جنگل میں مقتول ملے اور اس جنگل کے قریب کوئی آبادی نہ ہو تو وہ معاف ہے اور قرب کی تفسیر وہی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں، یعنی آواز کو سُننا، اس لیے کہ جب مقتول اس حالت پر ہوگا تو اسے دوسرے کی مدد لاحق نہیں ہو سکے گی اور کوئی شخص تقصیر سے متصف نہیں ہوگا۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ جنگل کسی کا مملوک نہ ہو، لیکن اگر وہ جنگل کسی کا مملوک ہو تو مالکِ جنگل کے عاقلہ پر دیت وقسامت واجب ہوگی۔

اللغات:

﴿بریّة﴾ جنگل۔ ﴿عمارة﴾ آبادی۔ ﴿هدر﴾ بے بدلہ، ضائع۔ ﴿قرب﴾ نزدیکی۔ ﴿استماع﴾ سننا۔ ﴿صوت﴾ آواز۔ ﴿غوث﴾ فریادرس، مددگار۔

جنگل کا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی جنگل میں کوئی مقتول ملے اور وہ جنگل کسی کا مملوک نہ ہو اور نہ ہی اس سے قریب کوئی آبادی ہو جہاں سے مقتول کی آواز اس آبادی تک پہنچ سکے تو اس صورت میں مقتول کا خون ہدر اور رائیگاں ہوگا اور کسی بھی شخص پر اس کی دیت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ جنگل کے قریب آبادی نہ ہونے سے اس مقتول کو فریادرس نہیں مل پائے گا اور کسی شخص پر عدم نصرت کا الزام عائد نہیں ہوگا اور اس کا خون ہدر ہو جائے گا۔ لیکن اگر جنگل کسی کا مملوک ہو اور پھر اس میں کوئی مقتول ملے تو دیت وقسامت کا وجوب جنگل والے کے عاقلہ پر ہوگا۔

وَلَوْ وُجِدَ فِي السِّجْنِ فَالدِّيَةُ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ، وَعَلٰى قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ عَلٰى أَهْلِ السِّجْنِ، لِأَنَّهُمْ سُكَّانٌ، وَوِلَايَةُ التَّدْبِيْرِ إِلَيْهِمْ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْقَتْلَ حَصَلَ مِنْهُمْ، وَهُمَا يَقُوْلَانِ إِنَّ أَهْلَ السِّجْنِ مَقْهُوْرُوْنَ فَلَايَتَنَاصَرُوْنَ فَلَايَتَعَلَّقُ بِهِمْ مَايَجِبُ لِأَجْلِ النُّصْرَةِ، وَلِأَنَّهُ بُنِيَ لِاسْتِيْفَاءِ حُقُوْقِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَإِذَا كَانَ غُنْمُهُ يَعُوْدُ إِلَيْهِمْ فَغُرْمُهُ يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ، قَالُوْا وَهٰذِهِ فَرِيْعَةُ الْمَالِكِ وَالسَّاكِنِ وَهِيَ مُخْتَلَفٌ فِيْهَا بَيْنَ أَبِيْ

حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَأَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر قید خانے میں مقتول ملے تو بیت المال پر دیت واجب ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق دیت وقسامت قید خانے والوں پر ہوگی، اس لیے کہ وہ باشندے ہیں۔ اور ولایتِ تدبیر انھی کو حاصل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ قتل انھی کی طرف سے واقع ہوا ہے۔ حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ قید خانہ والے مقہور ہیں، اس لیے وہ مدد نہیں کر سکتے، لہٰذا نصرت کی وجہ سے جو حکم واجب ہوتا ہے وہ ان کے ساتھ متعلق نہیں ہوگا، اور اس لیے کہ قید خانہ مسلمانوں کے حقوق کی وصولیابی کے لیے بنایا گیا ہے، لہٰذا جب اس کی منفعت مسلمانوں کی طرف عود کرتی ہے تو اس کا تاوان بھی انھی کی طرف راجع ہوگا۔

حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مالک اور ساکن کی فرع ہے اور مالک وساکن والا مسئلہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مابین مختلف فیہ ہے۔

اللغات:

﴿سجن﴾ قید خانہ، جیل۔ ﴿سکّان﴾ واحد ساکن؛ رہائشی، باشندے۔ ﴿غنم﴾ منفعت، سہولت۔ ﴿غرم﴾ تاوان، مضرت، ادائیگی۔

قید خانہ کا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قید خانے میں کوئی قیدی ملے تو حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں اس کی دیت بیت المال پر ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قسامت ودیت قیدیوں پر واجب ہوگی، کیوں کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس طرح کی صورتِ حال میں سکان پر دیت واجب ہوتی ہے اور قید خانے کے سُکّان قیدی ہیں اور وہاں کی ولایتِ تدبیر انھی کو حاصل ہے۔ لہٰذا قید خانے کے مقتول کی دیت بھی قیدیوں ہی پر واجب ہوگی اور پھر قید خانے میں صرف قیدی رہتے ہیں، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ یہ قتل انھی کی طرف سے انجام دیا گیا ہے، اس لیے اس کا ضمان اور تاوان بھی انھی پر واجب ہوگا۔

وهما يقولان الخ: حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ قید خانے میں محصور ومحبوس قیدی خود ہی مغلوب اور محتاج مدد ہوتے ہیں اور وہ کسی کی مدد نہیں کر سکتے، لہٰذا ترکِ نصرت کی وجہ سے جو تاوان واجب ہوتا ہے وہ ان قیدیوں پر واجب نہیں ہوگا اور قید خانے کے مقتول کا تاوان بیت المال پر واجب ہوگا، اس لیے کہ قید خانہ مسلمانوں کے حقوق کی وصولیابی کے لیے بنایا جاتا ہے اور اس سے مسلمانوں کا نفع متعلق ہے، لہٰذا قید خانے سے متعلق جو ضمان اور تاوان ہوگا وہ بھی مسلمانوں سے متعلق ہوگا اور مسلمانوں کے بینک سے ہی (بیت المال سے) اس کی ادائیگی ہوگی۔

قالوا وهذه الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات مشائخ رحمہم اللہ نے قید خانے والے مسئلے کو مالک اور ساکن والے مسئلے کی فرع قرار دیا ہے اور مالک وساکن والے مسئلے میں حضرات شیخین کا اختلاف ہے چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اُس مسئلے میں ساکن پر ضمان واجب ہے، اس لیے یہاں بھی ان کے یہاں سُکانِ سجن یعنی قیدیوں پر ضمان واجب ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اُس مسئلے میں چوں کہ مالک پر ضمان واجب ہے اس لیے یہاں بھی ان کے یہاں مالکانِ قید خانہ یعنی عامۃ المسلمین پر

ضمان واجب ہے اور اس ضمان کی ادائیگی مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔

وَإِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلٰى أَقْرَبِهِمَا وَقَدْ بَيَّنَّاهُ، وَإِنْ وُجِدَ فِيْ وَسَطِ الْفُرَاتِ يَمُرُّ بِهِ الْمَاءُ فَهُوَ هَدْرٌ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْ يَدِ أَحَدٍ وَلَا فِيْ مِلْكِهٖ.

ترجمه: اور اگر مقتول دو بستیوں کے مابین ملے تو ضمان قریب ترین بستی والوں پر ہوگا اور اگر مقتول دریائے فرات کے بیچ و بیچ ملے اور اسے پانی بہائے لے جارہا ہو تو وہ ہدر ہے، کیونکہ فرات نہ تو کسی کے قبضے میں ہے اور نہ ہی کسی کی ملکیت میں ہے۔

اللغاتُ:

﴿فرات﴾ عراق کا ایک مشہور دریا۔ ﴿هدر﴾ بے بدلہ، معاف۔ ﴿يد﴾ قبضہ۔

دریا کا مقتول:

یہ مسئلہ تو ماقبل میں بھی آچکا ہے کہ اگر مقتول دو گاؤں کے درمیان ملے تو اس کا ضمان قریبی گاؤں والوں پر ہوگا جس کی دلیل بیان کی جاچکی ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر دریائے فرات کے بیچ میں کوئی مقتول ملے اور پانی اسے بہا لے جارہا ہو تو اس مقتول کا خون ہدر اور معاف ہوگا اور کسی پر بھی اس کی دیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ دریائے فرات نہ تو کسی کے قبضے میں ہے اور نہ ہی اس پر کسی کی ملکیت ہے اور انھی دو چیزوں سے ضمان اور دیت دونوں واجب ہوتے ہیں، لہٰذا جب یہ دونوں چیزیں (قبضہ اور ملکیت) معدوم ہیں تو وجوب ضمان کا حکم بھی معدوم ہوگا۔

وَإِنْ كَانَ مُحْتَبَسًا بِالشَّاطِئِ فَهُوَ عَلٰى أَقْرَبِ الْقُرٰى مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ عَلَى التَّفْسِيْرِ الَّذِيْ تَقَدَّمَ، لِأَنَّهُ أَخَصُّ بِنُصْرَةِ هٰذَا الْمَوْضِعِ فَهُوَ كَالْمَوْضُوْعِ عَلَى الشَّطِّ وَالشَّطُّ فِيْ يَدِ مَنْ هُوَ بِقُرْبٍ مِنْهُ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُمْ يَسْتَقُوْنَ مِنْهُ الْمَاءَ وَيُوْرِدُوْنَ بَهَائِمَهُمْ فِيْهَا، بِخِلَافِ النَّهْرِ الَّذِيْ يَسْتَحِقُّ بِهِ الشُّفْعَةَ لِاخْتِصَاصِ أَهْلِهَا بِهٖ لِقِيَامِ يَدِهِمْ عَلَيْهِ فَتَكُوْنُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَيْهِمْ.

ترجمه: اور اگر مقتول دریا کے کنارے پھنسا ہوا ہو تو ضمان اس جگہ سے قریب ترین گاؤں پر ہوگا اس تفسیر کے مطابق جو گذر چکی ہے، اس لیے کہ وہی مقام اس جگہ کی نصرت کے ساتھ مخصوص ہے تو وہ کنارے پر رکھے ہوئے کی طرح ہے، اور کنارہ ان لوگوں کے قبضے میں ہے جو اس سے قریب ہیں۔ کیا دیکھتے نہیں کہ وہ لوگ اس جگہ سے پانی بھرتے ہیں اور وہاں اپنے چوپایوں کو لاتے ہیں۔ برخلاف اس نہر کے جس کے ذریعے شفعہ کا استحقاق ہوتا ہے، اس لیے کہ اہلِ شفعہ اس کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، کیونکہ اس پر ان کا قبضہ ہوتا ہے، لہٰذا قسامت و دیت بھی انھی پر واجب ہوگی۔

اللغاتُ:

﴿محتبس﴾ رُکا ہوا۔ ﴿شاطئ﴾ کنارا، دریا کا کنارا۔ ﴿قرىٰ﴾ واحد قرية؛ بستیاں۔ ﴿شطّ﴾ دریا سے متصل خشکی۔

﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿یستقون﴾ پانی حاصل کرتے ہیں۔ ﴿یوردون﴾ لے کر آتے ہیں۔ ﴿بھائم﴾ واحد بھیمۃ؛ چوپائے، جانور۔

دریا کے کنارے کا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مقتول کسی بڑے دریا کے کنارے پھنسا ہوا ہو تو جو گاؤں اس کنارے سے سب سے زیادہ قریب ہوگا اسی کے باشندوں پر اس مقتول کی دیت وقسامت واجب ہوگی بشرطیکہ وہ گاؤں اتنے فاصلے پر ہو جہاں تک مقتول کی آواز پہنچ سکتی ہو۔ صاحب کتاب نے علی التفسیر الذي تقدم سے اسی آواز پہنچنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہر حال اگر وہ گاؤں اس تفسیر کے مطابق ہو تو وہ مقتول کنارے پر پڑے ہوئے مقتول کی طرح ہوگا اور چوں کہ کنارے پر اسی گاؤں والوں کا قبضہ ہے، لہٰذا اسی کے باشندوں پر مذکورہ مقتول کی دیت واجب ہوگی، اس لیے کہ یہی لوگ اس مقتول کی نصرت کے سب سے زیادہ مستحق تھے، لیکن انھوں نے اس سلسلے میں کوتاہی کی ہے، لہٰذا اس کا خمیازہ یہی لوگ بھگتیں گے، اس کنارے پر اہل محلّہ کے قابض ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ لوگ وہاں سے پانی بھرتے ہیں اور وہاں اپنے جانور اور چوپائے لے کر جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ کنارہ ان کے قبضے میں نہ ہوتا تو انھیں پانی بھرنے اور جانوروں کو پانی پلانے کی اتنی آزادی نہ ہوتی اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہی لوگ اس کنارے کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہاں ملنے والے مقتول کی دیت بھی انھی پر واجب ہے۔

بخلاف النهر الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی چھوٹی نہر میں کوئی مقتول ملے اور اس نہر کی وجہ سے ارباب نہر مستحق شفعہ ہوں تو اب اس میں ملنے والے مقتول کا خون ہدر اور معاف نہیں ہوگا، بلکہ اربابِ نہر کے عاقلہ پر اس کی دیت واجب ہوگی، کیونکہ نہر صغیر پر ارباب نہر کا قبضہ ہے اور وہی لوگ اس کے ساتھ مختص ہیں، لہٰذا وہاں ملنے والے مقتول کی قسامت ودیت بھی انھی لوگوں پر واجب ہوگی۔

قَالَ وَ إِنْ ادَّعَى الْوَلِيُّ عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَيْنِهِ لَمْ تَسْقُطِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ وَذَكَرْنَا فِيْهِ الْقِيَاسَ وَالْاِسْتِحْسَانَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر ولیِ مقتول نے اہل محلّہ میں سے کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کیا تو بھی اہل محلّہ سے قسامت ساقط نہیں ہوگی اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں اور اس میں قیاس واستحسان کو بھی ذکر کر چکے ہیں۔

کسی معین آدمی پر دعویٰ کرنے سے قسامت ساقط نہ ہونے کا حکم:

صورتِ مسئلہ بالکل واضح ہے اور ۶-۵ صفحہ پہلے اس کی پوری تفصیل گذر چکی ہے۔

قَالَ وَ إِنْ ادَّعٰى عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمْ، وَوَجْهُ الْفَرْقِ قَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ، وَهُوَ أَنَّ وُجُوْبَ الْقَسَامَةِ عَلَيْهِمْ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ الْقَاتِلَ مِنْهُمْ فَتَعْيِيْنُهُ وَاحِدًا مِنْهُمْ لَايُنَافِيْ اِبْتِدَاءَ الْأَمْرِ، لِأَنَّهُ مِنْهُمْ، بِخِلَافِ مَا إِذَا عَيَّنَ مِنْ غَيْرِهِمْ، لِأَنَّ ذٰلِكَ بَيَانُ أَنَّ الْقَاتِلَ لَيْسَ مِنْهُمْ وَهُمْ إِنَّمَا يَغْرَمُوْنَ إِذَا كَانَ الْقَاتِلُ مِنْهُمْ لِكَوْنِهِمْ قَتَلَةً تَقْدِيْرًا حَيْثُ لَمْ يَأْخُذُوْا عَلٰى يَدِ الظَّالِمِ، وَ لِأَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ لَايَغْرَمُوْنَ بِمُجَرَّدِ ظُهُوْرِ الْقَتِيْلِ بَيْنَ

أَظْهُرِهِمْ إِلَّا بِدَعْوَى الْوَلِيِّ، فَإِذَا ادَّعَى الْقَتْلَ عَلَى غَيْرِهِمْ اِمْتَنَعَ دَعْوَاهُ عَلَيْهِمْ وَسَقَطَ لِفَقْدِ شَرْطِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر اہل حلہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر ولیٔ مقتول نے دعویٰ کیا تو اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی۔ اور وجہ فرق ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اہل محلّہ پر قسامت کا وجوب اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل انھی میں سے ہے لہٰذا ان میں سے ایک کی تعیین ابتدائے امر کے منافی نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک (متعین کردہ) انھی میں سے ہے، برخلاف اس صورت کے جب ولی نے ان کے علاوہ میں سے کسی کو متعین کیا ہو، کیونکہ یہ اس بات کی وضاحت ہوگی کہ قاتل ان میں سے نہیں ہے اور اہل محلّہ اسی وقت ضامن ہوتے جب قاتل ان میں سے ہوتا۔ اس لیے کہ (اس وقت) وہ لوگ ظالم کی گرفت نہ کرنے کی وجہ سے تقدیراً قاتل ہوتے اور اس لیے کہ اہل محلّہ ولیٔ مقتول کے دعوے کے بغیر محض اپنے درمیان مقتول ظاہر ہونے سے تاوان نہیں دیتے، لہٰذا جب ولی نے ان کے علاوہ پر قتل کا دعویٰ کیا تو اہل محلّہ پر اس کا دعویٰ ممتنع ہوگیا اور شرطِ تاوان مفقود ہونے کی وجہ سے تاوان ساقط ہوگیا۔

اللغاتُ:

﴿یغرمون﴾ تاوان دیتے ہیں۔ ﴿قتلة﴾ واحد قاتل؛ قاتلین۔ ﴿قتیل﴾ مقتول۔

کسی معین آدمی پر دعویٰ کرنے سے قسامت ساقط نہ ہونے کا حکم:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولیٔ مقتول نے اہل محلّہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر مقتول کے قتل کا دعویٰ کیا تو اب اہل محلّہ سے قسامت اور دیت دونوں چیزیں ساقط ہو جائیں گی، کیونکہ جب اہل محلّہ کے علاوہ پر قتل کا دعویٰ کیا گیا ہے تو اہل محلّہ کا ہر ہر فرد اس دعوے سے خارج ہے، لہٰذا محلے کے کسی بھی فرد پر قسامت اور دیت کا وجوب نہیں ہوگا۔ ہاں اگر ولی اہل محلّہ میں سے کسی پر قتل کا دعویٰ کرتا تو پھر تمام محلے والے اس کی زد میں آتے اور ہر ایک پر قسامت و دیت واجب ہوتی، اس لیے کہ اہل محلّہ پر قسامت کا وجوب اس بات کی علامت ہے کہ قاتل ان میں سے ایک شخص ہے، لہٰذا ولیٔ مقتول خواہ اہل محلّہ پر قتل کا دعویٰ کرے یا ان میں سے کسی خاص شخص پر دعویٰ کرے بہر دو صورت اہل محلّہ پر ضمان ہوگا۔ اسی کو صاحب کتاب نے **فتعیینه واحد منهم الخ** سے بیان کیا ہے اور یہی فرق ہے اہل محلّہ پر یا ان میں سے کسی ایک پر دعویٰ کرنے میں اور اہل محلّہ کے علاوہ پر دعویٰ کرنے میں۔

بخلاف ما إذا عیّن الخ: فرماتے ہیں کہ اگر ولیٔ مقتول نے اہل محلّہ کے علاوہ کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کیا تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اہلِ محلّہ پر نہ تو قسامت واجب ہوگی اور نہ ہی دیت، کیونکہ اس صورت میں اہل محلّہ نہ تو حقیقتاً اس مقتول کے قاتل ہیں اور نہ ہی تقدیراً، اس لیے کہ اہل محلّہ کے علاوہ پر قتل کا دعویٰ ہونے سے یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ قاتل ان میں سے نہیں ہے اور ولیٔ مقتول کے علاوہ کے اہل محلّہ پر دعویٰ کیے بغیر محض محلّہ میں مقتول ملنے سے وہ لوگ دیت وغیرہ بھی نہیں ادا کرتے، لہٰذا اس حوالے سے بھی اہل محلّہ قسامت و دیت سے بری رہیں گے اور ان پر وجوبِ قسامت و دیت کی جو شرط ہے چوں کہ وہ فوت ہوگئی ہے اس لیے اس مقتول کے ضمان اور تاوان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔

قَالَ وَ إِذَا الْتَقَى قَوْمٌ بِالسُّيُوْفِ فَأَجْلَوْا عَنْ قَتِيْلٍ فَهُوَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّ الْقَتِيْلَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، وَالْحِفْظُ

عَلَيْهِمْ إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَ الْأَوْلِيَاءُ عَلٰى أُولٰئِكَ أَوْ عَلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ بِعَيْنِهٖ فَلَمْ يَكُنْ عَلٰى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ شَيْءٌ، لِأَنَّ هٰذِهِ الدَّعْوٰى تَضَمَّنَتْ بَرَاءَةَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَنِ الْقَسَامَةِ، قَالَ وَلَا عَلٰى أُولٰئِكَ حَتّٰى يُقِيْمُوا الْبَيِّنَةَ، لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوٰى لَايَثْبُتُ الْحَقُّ لِلْحَدِيْثِ الَّذِيْ رَوَيْنَاهُ، أَمَّا يَسْقُطُ بِهِ الْحَقُّ عَنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، لِأَنَّ قَوْلَهٗ حُجَّةٌ عَلٰى نَفْسِهٖ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر کسی قوم کے افراد آپس میں تلواروں سے بھڑے پھر وہ لوگ ایک مقتول چھوڑ کر جدا ہو گئے تو وہ (وجوبِ دیت) اہل محلہ پر ہے، اس لیے کہ مقتول ان کے مابین پایا گیا ہے اور اس کی حفاظت انھی پر تھی الّا یہ کہ اولیاء مڈبھیڑ کرنے والوں پر یا ان میں سے کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کریں تو اہل محلہ پر کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دعویٰ قسامت سے اہلِ محلہ کی براءت کو متضمن ہے۔

فرماتے ہیں کہ اور نہ ہی مقاتلین پر قسامت و دیت ہے حتی کے اولیائے مقتول بینہ پیش کریں کیونکہ محض دعویٰ سے حق ثابت نہیں ہوتا اس حدیث کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں تاہم اس سے اہل محلّہ کے ذمے سے حق ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ مدعی کا قول اپنے اوپر حجت ہے۔

اللغات:

﴿التقی﴾ ملے۔ ﴿أجلوا﴾ ہٹ گئے، واضح کیا۔ ﴿تضمنت﴾ ضمناً مشتمل ہے۔

کسی محلے میں ہونے والے معرکے کا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی قوم اور جماعت کے افراد نے آپس میں تلواریں گھمائیں اور جب وہ لوگ میدان مقابلہ سے الگ ہوئے تو وہاں ایک مقتول ملا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اولیائے مقتول مقاتلین پر یا ان میں سے کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ نہ کریں تو اس مقتول کی دیت اہل محلّہ پر ہوگی، کیونکہ وہ انھی کے درمیان ملا ہے اور انھی پر اس کی حفاظت ضروری تھی مگر ان لوگوں نے حفاظت میں کوتاہی کی ہے، اس لیے وہی لوگ اس کے ضامن ہوں گے۔ لیکن اگر اولیائے مقتول نے مقاتلین پر یا ان میں سے کسی شخص پر قتل کا دعویٰ کیا تو پھر اہل محلّہ پر قسامت و دیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ مقاتلین پر قتل کا دعویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل اہل محلّہ میں سے نہیں ہے، اور اہل محلّہ کا اس قتل سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ اس لیے اہل محلّہ پر تو قسامت و دیت کا وجوب نہیں ہوگا، لیکن جب تک اولیائے مقتول مقاتلین کے خلاف بینہ نہیں پیش کر دیتے اس وقت تک مقاتلین پر بھی قسامت و دیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ بدون بینہ محض دعویٰ سے حق ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ حدیث پاک میں صاف طور پر فرما دیا گیا ہے "البينة على المدعي واليمين علي من أنكر" یعنی مدعی پر بینہ پیش کرنا لازم ہے اور منکر پر قسم کھانا ہے، لہٰذا جب تک مدعی یعنی اولیائے مقتول مقاتلین کے خلاف قتل پر بینہ نہیں پیش کر دیتے اس وقت تک ان پر قسامت و دیت کا وجوب نہیں ہوگا، لیکن مقاتلین پر دعویٰ کرنے سے اہل محلّہ سے قسامت و دیت ساقط ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ سقوط مدعی کے دعوے سے ہوا ہے اور مدعی کا قول اس کے اپنے حق کے اسقاط میں حجت ہے لہٰذا یہ دعویٰ کسی بینہ کا محتاج نہیں ہوگا اور بینہ کے بغیر بھی ساقط ہو جائے گا۔

وَلَوْ وُجِدَ قَتِيْلٌ فِيْ مُعَسْكَرٍ أَقَامُوْا بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ لَا مِلْكَ لِأَحَدٍ فِيْهَا فَإِنْ وُجِدَ فِيْ خِبَاءٍ أَوْ فُسْطَاطٍ فَعَلٰى مَنْ

يَسْكُنُهَا الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ، وَإِنْ كَانَ خَارِجًا مِنَ الْفُسْطَاطِ فَعَلَى أَقْرَبِ الْأَخْبِيَةِ اِعْتِبَارًا لِلْيَدِ عِنْدَ اِنْعِدَامِ الْمِلْكِ.

ترجمہ: اور اگر مقتول کسی لشکر میں پایا جائے اور لشکر کسی ایسے میدان میں پناہ گزیں ہو جو کسی کی ملکیت نہ ہو تو اگر مقتول کسی ڈیرے یا خیمے میں ملے تو اس کے باشندوں پر دیت وقسامت واجب ہے اور اگر وہ ڈیرے سے باہر ہو تو قریب ترین خیمے پر وجوب ہوگا ملکیت نہ ہونے کی صورت میں قبضہ کا اعتبار کرتے ہوئے۔

اللغات:

﴿معسکر﴾ لشکر گاہ۔ ﴿فلاۃ﴾ میدان۔ ﴿خباء﴾ سر چھپانے کی جگہ۔ ﴿فسطاط﴾ بڑا خیمہ۔ ﴿أخبیۃ﴾ واحد خباء؛ چھوٹے خیمے۔

بیابان میں ٹھہرے ہوئے لشکر میں پایا جانے والا مقتول:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی لشکر کسی میدان میں ٹھہرا ہو اور وہ میدان کسی کی ملک نہ ہو پھر کسی ڈیرے یا خیمے میں کوئی مقتول ملے تو جس جگہ مقتول ملے گا اس کے باشندوں پر قسامت ودیت واجب ہوگی۔ اور اگر خیمے سے باہر مقتول ملے تو جو خیمہ سب سے زیادہ قریب ہوگا اس کے باشندوں پر قسامت ودیت کا وجوب ہوگا، کیونکہ ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ دیت وقسامت کا وجوب ملکیت سے متعلق ہوتا ہے اور جہاں ملکیت معدوم ہوتی ہے وہاں قبضہ کو اس کے قائم مقام مان کر قابض سے قسامت ودیت متعلق کردی جاتی ہے، اور صورت مسئلہ میں چوں کہ اہل خیمہ ہی اس جگہ قابض ہیں اس لیے انھی پر قسامت ودیت واجب کردی گئی ہے۔

وَإِنْ كَانَ الْقَوْمُ لَقُوْا قِتَالًا وَوُجِدَ قَتِيْلٌ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْعَدُوَّ قَتَلَهُ فَكَانَ هَدَرًا، وَإِنْ لَمْ يَلْقَوْا عَدُوًّا فَعَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَإِنْ كَانَ لِلْأَرْضِ مَالِكٌ فَالْعَسْكَرُ كَالسُّكَّانِ فَيَجِبُ عَلَى الْمَالِكِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ، خِلَافًا لِأَبِيْ يُوْسُفَ رَحمۃ اللہ علیہ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ.

ترجمہ: اور اگر لشکر نے دشمن سے قتال کیا اور ان کے مابین کوئی مقتول ملا تو قسامت ودیت نہیں ہے، اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ اسے دشمن نے قتل کیا ہے۔ لہٰذا یہ رائیگاں ہوگا، اور اگر لشکر نے دشمن سے قتال نہ کیا ہو تو اس کی وہی تفصیل ہے جسے ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور اگر زمین کا کوئی مالک ہو تو لشکر سُکّان کے مثل ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مالک پر دیت واجب ہوگی۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور اسے ہم بیان کرچکے ہیں۔

اللغات:

﴿قتال﴾ جنگ۔ ﴿هدر﴾ ضائع، بے فائدہ۔ ﴿عدوّ﴾ دشمن۔ ﴿عسکر﴾ لشکر۔ ﴿سکّان﴾ باشندے، رہائشی۔

دشمن کے ساتھ ہونے والے معرکے کا مقتول:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر اسلامی فوج نے کفار اور اسلام دشمنوں سے مڈبھیڑ کی اور وہاں کوئی مقتول ملا تو فوج پر قسامت ودیت نہیں

واجب ہوگی؛ کیونکہ جب کفار ومشرکین کا مقابلہ ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو کافروں اور دشمنوں نے ہی مارا ہوگا اور مسلمان اس کے قاتل نہیں ہیں، اس لیے مسلمانوں پر اس کی قسامت ودیت واجب نہیں ہوگی اور کفار پر بھی نہیں واجب ہوگی، کیونکہ کفار احکامِ شرع کے مکلف نہیں ہیں اس لیے اس مقتول کا خون ہدر اور معاف ہوگا، ہاں اگر اسلامی فوج میدان کارزار میں گئی ہو لیکن کفار سے نبرد آزما نہ ہوئی ہو محض قیام کر کے واپس آ گئی ہو پھر وہاں کوئی مقتول ملے تو اس کا حکم وہی ہے جو ابھی بیان ہوا ہے یعنی مقتول کسی خیمے یا ڈیرے میں ملے تو سکان خیمہ پر اس کی دیت ہے اور اگر خیمے سے باہر ملے تو جو خیمہ سب سے زیادہ قریب ہو اس کے باشندوں پر اس کی دیت واجب ہے۔ اور اگر وہ جگہ جہاں لشکر اسلامی مقیم ہو کسی کی مملوک ہو تو اس صورت میں اہل لشکر باشندوں کے حکم میں ہوں گے، اور اس میں حضرات شیخین کا اختلاف جاری ہوگا، یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صرف مالک پر ضمان واجب ہوگا جب کہ حضرات شیخینؒ کے یہاں مالک اور باشندے دونوں پر ضمان ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا قَالَ الْمُسْتَحْلِفُ قَتَلَهُ فُلَانٌ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ مَاقَتَلْتُ وَلَا عَرَفْتُ لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ فُلَانٍ، لِأَنَّهُ يُرِيْدُ إِسْقَاطَ الْخُصُوْمَةِ عَنْ نَفْسِهٖ بِقَوْلِهٖ فَلَايُقْبَلُ فَيَحْلِفَ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا، لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَرَّ بِالْقَتْلِ عَلٰى وَاحِدٍ صَارَ مُسْتَثْنٰى عَنِ الْيَمِيْنِ فَبَقِيَ حُكْمُ مَنْ سِوَاهُ فَيَحْلِفُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مُستحلف کہے کہ مقتول کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو اس سے اس طرح قسم لی جائے، بخدا میں نے اسے قتل نہیں کیا ہے اور فلاں کے علاوہ میں اس کا کوئی قاتل نہیں جانتا'' کیونکہ مستحلف اپنے اس قول سے اپنے نفس سے خصومت ساقط کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس کا قول مقبول نہیں ہوگا اور ہماری بیان کردہ قسم کے مطابق وہ قسم کھائے گا، کیونکہ جب اس نے ایک شخص کے خلاف قتل کا اقرار کیا ہے تو مُقَرّ علیہ یمین سے مستثنیٰ ہو گیا اور اس کے علاوہ کا حکم باقی رہ گیا اس لیے ماقبی پر وہ قسم کھائے گا۔

اللغات:

﴿مستحلف﴾ جس سے قسم لی جا رہی ہے۔ ﴿إسقاط﴾ گرانا، ساقط کرنا۔ ﴿خصومة﴾ جھگڑا، مخاصمت۔

مستحلف کے کسی اور پر قتل کے الزام لگانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مقتول کی تحقیق وتفتیش کے وقت کسی شخص سے قسم لی گئی اور اس نے قسم کھا کر یہ کہہ دیا کہ اس مقتول کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو محض اتنا کہہ دینے سے اس کا دامن نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ اس حوالے سے اس کی قسم کو مکمل اور موکد بنانے کے لیے اس سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی ''**باللّٰہ ماقتلت ولا عرفت له قاتلا غیر فلان**'' یعنی بخدا نہ تو میں نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی فلاں کے علاوہ میں اس کا کوئی قاتل جانتا ہوں'' اس طرح قسم لینے سے فلاں کے ساتھ قتل میں کوئی شریک ہوگا تو یہ شخص یا تو قسم سے باز رہے گا یا پھر اقرار کر لے گا اور قسم کا فائدہ جلد از جلد ظاہر ہو جائے گا اور قتل کے سارے مجرم کیفر کردار تک پہنچ جائیں گے۔

لأنه لمّا أقرّ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اس قسم میں فلاں پر اگرچہ اقرار نہیں ہے لیکن چوں کہ حالف پہلے ہی اس فلاں

پر قتل کا اقرار کر چکا ہے اس لیے اب وہ فلاں یمین سے مستثنیٰ ہوگا اور اس کے علاوہ پر یمین کا حکم باقی رہے گا، لہٰذا مُستحلَف غیر فلان کی بھی قسم کھائے گا اور مابقی لوگوں کو قسم میں شامل کرلے گا۔

قَالَ وَ إِذَا شَهِدَ اِثْنَانِ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلٰى رَجُلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ أَنَّهُ قَتَلَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، وَقَالَا تُقْبَلُ لِأَنَّهُمْ كَانُوْا بِعُرْضَةِ أَنْ يَكُوْنُوْا خُصَمَاءَ وَقَدْ بَطَلَتِ الْعُرْضَةُ بِدَعْوَى الْوَلِيِّ الْقَتْلَ عَلٰى غَيْرِهِمْ فَتُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ كَالْوَكِيْلِ بِالْخُصُوْمَةِ إِذَا عُزِلَ قَبْلَ الْخُصُوْمَةِ، وَلَهُ أَنَّهُمْ خُصَمَاءُ بِإِنْزَالِهِمْ قَاتِلِيْنَ لِلتَّقْصِيْرِ الصَّادِرِ مِنْهُمْ فَلَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ وَ إِنْ خَرَجُوْا مِنْ جُمْلَةِ الْخُصُوْمِ كَالْوَصِيِّ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْوَصَايَةِ بَعْدَ مَاقَبِلَهَا ثُمَّ شَهِدَ، قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَلَى الْأَصْلَيْنِ هٰذَيْنِ يَتَخَرَّجُ كَثِيْرٌ مِنَ الْمَسَائِلِ مِنْ هٰذَا الْجِنْسِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر اہل محلّہ میں سے اگر دولوگوں نے اپنے علاوہ میں سے کسی شخص پر گواہی دی کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے تو ان کی گواہی مقبول نہیں ہوگی اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ ان کی شہادت مقبول ہوگی کیونکہ وہ خصم بننے کا نشانہ تھے لیکن ولی کے اُن کے علاوہ پر قتل کا دعویٰ کرنے سے ان کا نشانہ بننا باطل ہوگیا، لہٰذا ان کی شہادت مقبول ہوگی، جیسے وکیل بالخصومت جب خصومت سے پہلے معزول کردیا جائے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ خصم ہیں کیونکہ ان سے صادر ہونے والی تقصیر کی وجہ سے انھیں قاتلین کے درجے میں اتار لیا گیا ہے، لہٰذا ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی اگرچہ یہ خصوم کی فہرست سے خارج ہوگئے ہیں، جیسے وصی جب وصایت قبول کرنے کے بعد اس سے خارج ہوجائے پھر شہادت دے۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں اصلوں پر اس جنس کے بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

اللغات:

﴿عُرضة﴾ نشانہ۔ ﴿خصماء﴾ واحد خصم: فریق مخالف۔ ﴿عزِل﴾ معزول کیا گیا۔

اہل محلّہ کے کسے اور پر الزام قتل کی شنوائی:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر اہلِ محلّہ میں سے دولوگوں نے کسی ایسے شخص کے خلاف گواہی دی کہ اس نے فلاں مقتول کو قتل کیا ہے اور وہ ہمارے محلّے کا نہیں ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں ان کی شہادت مقبول ہوگی۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ اہل محلّہ پر اس مقتول کے قاتل ہونے کا شبہہ تھا اور اس شبہے کی وجہ سے وہ لوگ خصم ہونے کے نشانے پر تھے اور ان کے خصم ہونے کا احتمال تھا لیکن جب ولیِّ مقتول نے ان کے علاوہ دوسرے پر قتل کا دعویٰ کردیا تو اب ان کے خصم ہونے کا احتمال ختم ہوگیا اور ان کی یہ شہادت ایک تیسرے اور ایسے شخص کے متعلق ہے جو ان کے محلے کا نہیں ہے، لہٰذا اس کے متعلق ان کی شہادت مقبول ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے کسی کو وکیل بالخصومت بنایا اور

خصومت سے پہلے ہی موکل نے اسے معزول کردیا تو اب اس موکل کے خلاف اس وکیل کی گواہی مقبول ہوگی، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی جب اہل محلّہ خصم نہیں رہے تو دوسرے کے خلاف ان کی شہادت مقبول ہوگی۔

وله أنهم خصماء الخ: اس سلسلے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب مقتول اہلِ محلّہ کے درمیان ملا تو یہ واضح ہوگیا کہ اہل محلّہ پر اس کی حفاظت واجب تھی مگر ان لوگوں نے اس سلسلے میں کوتاہی کی ہے، لہٰذا یہ لوگ قاتلین کے درجے میں اتار لیے گئے اور اس حوالے سے یہ خصم بن گئے، لہٰذا اسی معاملے کو بذریعۂ شہادت یہ لوگ دوسرے پر ڈال رہے ہیں اس لیے ان کی یہ شہادت مقبول نہیں ہوگی، اگرچہ ولیِ مقتول کے دوسرے پر قتل کا دعویٰ کرنے سے یہ لوگ خصماء کی فہرست سے خارج ہوگئے تاہم ابتداء میں جو چیز ان کی شہادت کی مقبولیت سے مانع تھی وہ اب بھی باقی رہے گی اور ان کی شہادت کو باطل قرار دے گی۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بچے کا وصی تھا اور بچے کے بالغ ہونے کے بعد اس کی وصایت ختم ہوگئی، اب اگر وہ بچہ اس شخص کے خلاف یا اس کے حق میں گواہی دیتا ہے تو اس بچے کی شہادت بھی مقبول نہیں ہوگی، کیونکہ ابتداء میں یعنی اس کے وصی ہونے کی حالت میں اس بچے کی شہادت مقبول نہیں تھی، لہٰذا بعد میں بھی اس کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی جب ابتداءً ان لوگوں کی شہادت مقبول نہیں تھی تو بعد میں بھی عدم قبولیت کا یہ معاملہ برقرار رہے گا۔

قال رضي الله عنه الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں اصلوں پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں، دونوں اصلوں میں سے پہلی اصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی معاملے میں خصم ہو تو اس معاملے اور مقدمے میں بالاجماع اس کی شہادت کبھی بھی مقبول نہیں ہوگی (۲) دوسری اصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خصم بننے کے نشانے پر ہو پھر اس کا نشانہ بننا باطل ہوجائے پھر وہ گواہی دے تو اس کی گواہی بالاجماع مقبول ہوگی، ان اصلوں میں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اصل اول کو اختیار کیا ہے، اس لیے انھوں نے گواہی کو یکسر غیر مقبول قرار دے دیا ہے اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ نے اصل ثانی کو اختیار کرکے ان کی گواہی کو معتبر مانا ہے۔ (عنایہ شرح عربی ہدایہ)

قَالَ وَلَوِ ادَّعٰى عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَيْنِهٖ فَشَهِدَ شَاهِدَانِ مِنْ أَهْلِهَا عَلَيْهِ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ، لِأَنَّ الْخُصُوْمَةَ قَائِمَةٌ مَعَ الْكُلِّ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، وَالشَّاهِدُ يَقْطَعُهَا عَنْ نَفْسِهٖ فَكَانَ مُتَّهَمًا، وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ أَنَّ الشُّهُوْدَ يُحَلَّفُوْنَ "بِاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ" وَلَايَزْدَادُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ، لِأَنَّهُمْ أَخْبَرُوْا أَنَّهُمْ عَرَفُوا الْقَاتِلَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر ولیِ مقتول نے اہل محلّہ میں سے کسی متعین شخص پر دعویٰ کیا پھر اہل محلّہ کے دو گواہوں نے اس پر گواہی دی تو گواہی مقبول نہیں ہوگی، کیونکہ خصومت ہر ایک کے ساتھ قائم ہے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اور گواہ اپنے نفس سے خصومت ختم کرتا ہے، لہٰذا وہ متہم ہوگا۔ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ گواہوں سے یہ قسم لی جائے گی باللّٰہ ماقتلناہ۔ بخدا ہم نے اسے نہیں قتل کیا ہے، اور وہ لوگ اس پر اضافہ نہیں کریں گے، کیونکہ انھوں نے اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ قاتل کو پہچانتے ہیں۔

اہل محلّہ کے کسے اور پر الزام قتل کی شنوائی:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولیِ مقتول نے اہل محلّہ میں سے کسی متعین شخص پر قتل کا دعویٰ کیا پھر اہل محلّہ میں سے دو لوگوں نے

اس شخص کے خلاف قتل کرنے کی شہادت دی تو ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، کیونکہ جب اہل محلہ میں سے کسی پر قتل کا دعویٰ ہے تو گویا پورے محلے والے متہم ہیں اور خصومت سب کے ساتھ قائم ہیں اور یہ دو گواہ اپنے نفس سے خصومت کو دور کرنا چاہ رہے ہیں، لہٰذا یہ لوگ اپنی گواہی میں متہم ہوں گے اور متہم کی شہادت مقبول نہیں ہوتی۔

وعن أبي يوسف رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب اہل محلہ قسم کھائیں گے تو ان کے ساتھ یہ گواہ بھی قسم کھائیں گے، لیکن اہل محلہ تو اپنی قسم میں **لاعرفنا له قاتلا غير فلان** کا اضافہ کریں گے، لیکن یہ دونوں گواہ صرف **باللّٰه ماقتلناه** کہنے پر اکتفاء کریں گے اور مزید اضافہ نہیں کریں گے، کیونکہ ان لوگوں نے تو پہلے ہی قاتل کی خبر دے دی ہے اور وہ یہ اقرار کر چکے ہیں کہ اس کا قاتل فلاں ہے، لہٰذا قسم میں صرف اپنی طرف سے قتل کی نفی کریں اور اضافہ نہ کریں۔

قَالَ وَمَنْ جُرِحَ فِي قَبِيْلَةٍ فَنُقِلَ إِلَى أَهْلِهِ فَمَاتَ مِنْ تِلْكَ الْجَرَاحَةِ، فَإِنْ كَانَ صَاحِبُ فِرَاشٍ حَتّٰى مَاتَ فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْقَبِيْلَةِ، وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَاقَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ، لِأَنَّ الَّذِيْ حَصَلَ فِي الْقَبِيْلَةِ أَوِ الْمَحَلَّةِ مَادُوْنَ النَّفْسِ وَلَا قَسَامَةَ فِيْهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا لَمْ يَكُنْ صَاحِبَ فِرَاشٍ، وَلَهُ أَنَّ الْجُرْحَ إِذَا اتَّصَلَ بِهِ الْمَوْتُ صَارَ قَتْلًا، وَلِهٰذَا وَجَبَ الْقِصَاصُ، فَإِنْ كَانَ صَاحِبُ فِرَاشٍ أُضِيْفَ إِلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ احْتَمَلَ أَنْ يَكُوْنَ الْمَوْتُ مِنْ غَيْرِ الْجُرْحِ فَلَا يَلْزَمُ بِالشَّكِّ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی قبیلے میں زخمی کیا گیا پھر اپنے اہل کی طرف منتقل کیا گیا اور اسی زخم سے مر گیا تو اگر وہ مرنے تک صاحبِ فراش تھا تو اہل قبیلہ پر قسامت و دیت واجب ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسامت و دیت نہیں ہے، کیونکہ قبیلہ یا محلّہ میں جو فعل حاصل ہوا ہے وہ مادون النفس ہے اور مادون النفس میں قسامت نہیں ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے وہ شخص صاحبِ فراش نہیں تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر زخم کے ساتھ موت متصل ہو تو وہ زخم قتل بن جاتا ہے، اسی لیے قصاص واجب ہوتا ہے، سو اگر وہ صاحبِ فراش ہو تو قتل زخم لگانے کی طرف مضاف ہوگا اور اگر وہ صاحب فراش نہ ہو تو یہ احتمال ہے کہ موت زخم کے علاوہ سے ہوئی ہو، لہٰذا شک کی وجہ سے قسامت و دیت لازم نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿جُرِحَ﴾ زخمی کیا گیا۔ ﴿صاحب فراش﴾ مریض، بستر سے نہ اٹھ سکنے والا۔

کسی جگہ پر زخمی ہونے والا بعد میں مر جائے تو قسامت کس پر ہوگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی علاقے یا قبیلے میں زخمی کر دیا گیا پھر اس کے اہل خانہ اسے اپنے گھر اٹھا لے گئے اور گھر جا کر اس نے بستر پکڑ لیا اور مرتے دم تک وہ صاحب فراش ہی رہا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جس قبیلے میں اسے زخمی کیا گیا تھا اس کے باشندوں پر اس مرحوم کی دیت و قسامت واجب ہوگی۔ لیکن حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں

اہل قبیلہ پر نہ تو قسامت واجب ہوگی اور نہ ہی دیت۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت ودیت کا وجوب قتل سے متعلق ہے اور صورت مسئلہ میں مرحوم کو کسی قبیلے میں صرف زخمی کیا گیا ہے، قتل نہیں کیا گیا ہے لہٰذا اہل قبیلہ پر قسامت ودیت کے وجوب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور جس طرح اگر وہ شخص صاحبِ فراش نہ ہوتا اور مرجاتا تو اہل قبیلہ پر قسامت ودیت واجب نہیں ہوتی، اسی طرح قبیلے میں زخمی ہونے سے بھی اہل قبیلہ پر قسامت ودیت واجب نہیں ہوگی۔

وله أن الجرح الخ: یہاں سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وقوعِ قتل کے لیے انسان کا فوراً کسی زخم سے مرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ زخم لگنے کے بعد اگر کوئی شخص موت تک صاحبِ فراش رہے اور پھر اسی زخم سے اس کی موت ہوجائے تو اس زخم کو قتل شمار کیا جاتا ہے، اسی لیے تو اس زخم کی وجہ سے قاتل پر قصاص واجب ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی قبیلے میں زخمی کیا گیا اور پھر مرتے دم تک صاحب فراش رہا تو اہل محلّہ پر قسامت ودیت واجب ہوگی اور یہ موت زخم سابق کی طرف منسوب ہوگی۔ ہاں اگر مجروح صاحب فراش نہیں رہا اور پھر اسی زخم سے اس کی موت ہوجائے تو اس زخم کو قتل شمار کیا جاتا ہے، اسی لیے تو اس زخم کی وجہ سے قاتل پر قصاص واجب ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی قبیلے میں زخمی کیا گیا اور پھر مرتے دم تک صاحبِ فراش رہا تو اہل محلہ پر قسامت ودیت واجب ہوگی اور یہ موت زخم سابق کی طرف منسوب ہوگی۔ ہاں اگر مجروح صاحب فراش نہیں رہا اور زخم لگنے کے بعد اسے افاقہ ہوگیا پھر اس کی موت ہوئی تو اب اہل قبیلہ پر قسامت ودیت نہیں واجب ہوگی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کی موت زخم سابق کے علاوہ کسی دوسرے عارض سے ہوئی ہو اور اس میں زخم سابق کا ہاتھ نہ ہو، لہٰذا شک کی وجہ سے قسامت اور دیت کا وجوب نہیں ہوگا۔

وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا مَعَهُ جَرِحٌ بِهِ رَمَقٌ حَمَلَهُ إِنْسَانٌ إِلَى أَهْلِهِ فَمَكَثَ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ ثُمَّ مَاتَ لَمْ يَضْمَنِ الَّذِيْ حَمَلَهُ إِلَى أَهْلِهِ فِيْ قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَفِيْ قِيَاسِ قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَضْمَنُ، لِأَنَّ يَدَهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَحَلَّةِ فَوُجُوْدُهُ جَرِيْحًا فِيْ يَدِهِ كَوُجُوْدِهِ فِيْهَا وَقَدْ ذَكَرْنَا وَجْهَيِ الْقَوْلَيْنِ فِيْمَا قَبْلَهُ مِنْ مَسْأَلَةِ الْقَبِيْلَةِ.

ترجمه: اور اگر کوئی شخص ایسا زخمی ہو کہ اس میں زندگی کی رَمَق باقی ہو اور کوئی شخص اسے اٹھا کر اس کے گھر لے گیا پھر وہ شخص ایک یا دو دن تک زندہ رہ کر مرگیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں اسے اٹھا کر اس کے گھر تک لے جانے والا شخص ضامن نہیں ہوگا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس کے مطابق وہ شخص ضامن ہوگا، کیونکہ حامل کا قبضہ محلے کے درجے میں ہے، لہٰذا اس شخص کا حامل کے قبضے میں مجروح محلے میں مجروح ہونے کی طرح ہے اور ماقبل کے مسئلۂ قبیلہ میں ہم نے دونوں قولوں کی دلیل بیان کردی ہے۔

اللغات:

﴿جرحٌ﴾ زخم۔ ﴿رمق﴾ زندگی۔ ﴿جریح﴾ زخمی۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔

کسی جگہ پر زخمی ہونے والا بعد میں مرجائے تو قسامت کس پر ہوگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ زخمی حالت میں پڑا تھا اور اس میں جان باقی تھی پھر کوئی شخص اس پر رحم کھا کر

اسے اس کے گھر اٹھا لے گیا اور وہ شخص ایک یا دو دن زندہ رہا پھر مر گیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اٹھانے والا ضامن نہیں ہوگا اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس کے مطابق اٹھانے والا شخص ضامن ہوگا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حامل کا قبضہ محلے کے قائم مقام ہے اور مجروح کا حامل کے قبضے میں ہونا اس کے محلے میں ہونے کی طرح ہے اور چوں کہ محلے میں مجروح کیے جانے کی صورت میں موت تک صاحبِ فراش رہنے سے اہل محلّہ پر دیت واجب ہوتی ہے، لہٰذا صورت مسئلہ میں حامل پر بھی دیت واجب ہوگی، کیونکہ اس موت میں حامل کا حال اہل محلّہ جیسا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی دلیل ماقبل میں بیان کردہ مسئلہ قبیلہ کے تحت ہم نے بیان کردی ہے، لہٰذا یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَلَوْ وُجِدَ الرَّجُلُ قَتِيْلًا فِيْ دَارِ نَفْسِهٖ فَدِيَتُهٗ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ لِوَرَثَتِهٖ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَزُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا شَيْءَ فِيْهِ، لِأَنَّ الدَّارَ فِيْ يَدِهٖ حِيْنَ وُجِدَ الْجَرِيْحُ فَيُجْعَلُ كَأَنَّهٗ قَتَلَ نَفْسَهٗ فَيَكُوْنُ هَدَرًا، وَلَهٗ أَنَّ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ بِنَاءً عَلٰى ظُهُوْرِ الْقَتْلِ وَلِهٰذَا لَايَدْخُلُ فِي الدِّيَةِ مَنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ وَحَالَ ظُهُوْرِ الْقَتْلِ اَلدَّارُ لِلْوَرَثَةِ فَتَجِبُ عَلٰى عَاقِلَتِهِمْ، بِخِلَافِ الْمُكَاتَبِ إِذَا وُجِدَ قَتِيْلًا فِيْ دَارِ نَفْسِهٖ، لِأَنَّ حَالَ ظُهُوْرِ قَتْلِهٖ بَقِيَتِ الدَّارُ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِهٖ فَيَصِيْرُ كَأَنَّهٗ قَتَلَ نَفْسَهٗ فَيُهْدَرُ دَمُهٗ.

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص اپنے گھر میں مقتول پایا جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کی دیت اس کے عاقلہ پر واجب ہوگی جو اس کے ورثاء کو ملے گی۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس میں کچھ نہیں واجب ہوگا، کیونکہ وجودِ زخم کے وقت وہ گھر اسی شخص کے قبضے میں ہے، تو ایسا ہو جائے گا گویا کہ اس نے خودکشی کی ہے، لہٰذا اس کا خون معاف ہوگا۔

حضرت امام عالی مقام رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت ظہورِ قتل پر بناء کرتے ہوئے واجب ہوتی ہے اسی لیے وہ شخص دیت میں داخل نہیں ہوتا جو ظہورِ قتل سے پہلے مر جاتا ہے اور ظہورِ قتل کے وقت گھر ورثاء کا ہے لہٰذا انھی کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

برخلاف مکاتب کے جب وہ اپنے گھر میں مقتول پایا جائے، کیونکہ ظہورِ قتل کے وقت گھر اس کی ملکیت کے حکم پر باقی ہے تو ایسا ہو جائے گا گویا کہ اس نے خودکشی کی ہے لہٰذا اس کا خون معاف ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿هدر﴾ بے فائدہ، بے بدلہ۔

اپنے ہی گھر میں پایا جانے والا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں مقتول پایا گیا تو اس کی دیت واجب ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی دیت اس کے عاقلہ (معاون برادری) پر واجب ہوگی اور مقتول کے ورثاء اس دیت کے مستحق ہوں گے، جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ علیہما اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اس مقتول کی دیت ہی نہیں واجب ہوگی اور اس

کا خون معاف ہوگا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے (بنایہ) ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت اس شخص کو زخمی کیا گیا ہے اس وقت گھر اسی کی ملکیت میں تھا تو گویا زخم اس کی ذات کی طرف مضاف ہوا اور یہ شخص خودکشی کرنے والا ہوا اور خودکشی کرنے والے کا خون رائیگاں ہوتا ہے، لہٰذا اس کا خون بھی رائیگاں ہوگا اور دیت وغیرہ واجب نہیں ہوگی۔

وله أن القسامة: صورت مسئلہ میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مقتول کے عاقلہ پر دیت واجب ہے اور اس وجوب کی دلیل یہ ہے کہ قسامت ودیت کا وجوب قتل کے وجود اور ظہور پر مبنی اور مرتب ہوتا ہے اور اس سے پہلے جو حالت رہتی ہے اس حالت سے یہ وجوب متعلق نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ظہور قتل سے پہلے اگر عاقلہ میں سے کوئی شخص مرجائے تو وہ شخص ادائے دیت سے بری ہوجاتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ قسامت ودیت کا وجوب قتل کے وجود اور ظہور پر مبنی ہوتا ہے اور صورت مسئلہ میں ظہورِ قتل کے وقت وہ دار ورثاء کا ہوچکا ہے، کیونکہ موت کے بعد انسان کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے اور وہ ملکیت ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، لہٰذا اس مقتول کی دیت ورثاء کے عاقلہ پر واجب ہوگی اور ورثاء کو ملے گی۔

اس کے برخلاف اگر کوئی مکاتب اپنے مکان میں مقتول ملے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی اس کا خون ہدر اور معاف ہوگا اور اس کے عاقلہ پر اس کی دیت واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ ظہورِ قتل کے وقت بھی مکاتب ہی اس مکان کا مالک ہے اور اس کی موت سے عقد کتابت باطل نہیں ہوا ہے، لہٰذا یہ شخص خودکشی کرنے والا ہے اور خودکشی کرنے والے کا خون ہدر ہوتا ہے، اس لیے اس کا خون بھی ہدر ہوگا۔

وَلَوْ أَنَّ رَجُلَيْنِ كَانَا فِيْ بَيْتٍ وَلَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَوُجِدَ أَحَدُهُمَا مَذْبُوْحًا قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَضْمَنُ الْاٰخَرُ الدِّيَةَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايَضْمَنُهُ، لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ قَتَلَهُ الْاٰخَرُ فَلَا يَضْمَنُهُ بِالشَّكِّ، وَلِأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَايَقْتُلُ نَفْسَهُ فَكَانَ التَّوَهُّمُ سَاقِطًا كَمَا إِذَا وُجِدَ قَتِيْلٌ فِيْ مَحَلَّةٍ.

ترجمہ: اور اگر دو لوگ ایک گھر میں ہوں اور ان کے ساتھ کوئی تیسرا نہ ہو اور ان میں سے ایک شخص مذبوح پایا جائے تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسرا شخص دیت کا ضامن ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسرا شخص ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے خودکشی کی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے نے اسے قتل کیا ہو، لہٰذا شک کی وجہ سے دوسرا ضامن نہیں ہوگا، حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ انسان خود کو قتل نہیں کرے گا، لہٰذا توہم ساقط ہوگیا جیسے اگر کسی محلے میں مقتول پایا جائے۔

اللغات:

﴿مذبوح﴾ ذبح کیا ہوا۔

اپنے ہی گھر میں پایا جانے والا مقتول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گھر میں دو لوگ ہوں اور تیسرا کوئی نہ ہو پھر ان میں سے ایک شخص مذبوح یا مقتول ملے تو

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرا شخص دیت کا ضامن ہوگا جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرا شخص دیت کا ضامن نہیں ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وجوبِ دیت کے لیے قاتل کا معلوم ومتعین ہونا ضروری ہے، اور یہاں قاتل معلوم نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے اس شخص نے خودکشی کی ہو یا ہوسکتا ہے اسے اس کے ساتھی نے قتل کیا ہو تو جب قاتل متعین نہیں ہے تو ظاہر ہے شک کی وجہ سے دوسرے شخص پر ضمان اور دیت کو واجب نہیں کیا جاسکتا۔

ولأبي یوسف رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایک مومن کا ظاہر حال یہی ہے کہ وہ خودکشی کرنے اور حرام موت اپنانے سے گریز کرے گا لہٰذا اس کے حق میں خودکشی کرنے کا احتمال اور وہم ساقط ہوجائے گا اور اس کے ساتھی کا قاتل ہونا متعین ہوجائے گا، لہٰذا اس پر دیت واجب ہوگی، جیسے اگر محلہ میں کوئی شخص مقتول پایا جائے تو اگرچہ اس کے خودکشی کرنے کا بھی احتمال ہے، مگر مومن کے ظاہر حال پر نظر کرتے ہوئے یہ احتمال ساقط ہے اور اہل محلہ پر اس مقتول کی دیت واجب ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مذبوح کے ساتھی پر اس کی دیت واجب ہے۔

وَلَوْ وُجِدَ قَتِيْلٌ فِيْ قَرْيَةٍ لِإِمْرَأَةٍ فَعِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ اَلْقَسَامَةُ عَلَيْهَا تُكَرَّرُ عَلَيْهَا الْأَيْمَانُ، وَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهَا أَقْرَبِ الْقَبَائِلِ إِلَيْهَا فِي النَّسَبِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ اَلْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ أَيْضًا، لِأَنَّ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ عَلٰى مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النُّصْرَةِ، وَالْمَرْأَةُ لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِهَا فَأَشْبَهَتِ الصَّبِيَّ، وَلَهُمَا أَنَّ الْقَسَامَةَ لِنَفْيِ التُّهْمَةِ، وَتُهْمَةُ الْقَتْلِ مِنَ الْمَرْأَةِ مُتَحَقِّقَةٌ، قَالَ الْمُتَأَخِّرُوْنَ إِنَّ الْمَرْأَةَ تَدْخُلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فِي التَّحَمُّلِ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ، لِأَنَّا أَنْزَلْنَاهَا قَاتِلَةً وَالْقَاتِلُ يُشَارِكُ الْعَاقِلَةَ.

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کے گاؤں میں کوئی مقتول پایا جائے تو حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں قسامت عورت پر واجب ہوگی اور اسی پر قسمیں مکرر کی جائیں گی اور دیت عورت کے عاقلہ پر واجب ہوگی جو عورت کے نسب کے اعتبار سے قریبی قبیلے کے ہوں، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاقلہ پر بھی قسامت واجب ہوگی، اس لیے کہ قسامت اسی پر واجب ہوتی ہے جو اہل نصرت میں سے ہو اور عورت اہل نصرت میں سے نہیں ہے، لہٰذا یہ بچے کے مشابہ ہوگئی۔

حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ قسامت تہمت دور کرنے کے لیے ہوتی ہے اور عورت کی جانب سے تہمتِ قتل متحقق ہے۔

متاخرین نے فرمایا کہ اس مسئلے میں تحملِ دیت کے حوالے سے عورت عاقلہ کے ساتھ شامل ہوگی، کیونکہ ہم نے اسے قاتل مانا ہے اور قاتل عاقلہ کے ساتھ شامل ہوتا ہے (دیت ادا کرنے میں)۔

اللغات:

﴿قریة﴾ گاؤں۔ ﴿تکرّر﴾ دہرائی جائے گی۔ ﴿أیمان﴾ واحد یمین؛ قسم۔ ﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔

کسی عورت کی جاگیر سے ملنے والا مقتول:

صورت مسئلہ عام نہیں ہے بلکہ اس عورت کے ساتھ خاص ہے جو کسی گاؤں کی ذمے دار یا پردھان ہو اور اس کی ماتحتی والے

گاؤں میں کوئی مقتول پایا جائے تو حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں اس ذمے دار عورت پر قسامت واجب ہوگی اور اس عورت کے قریب ترین نسب والوں پر اس مقتول کی دیت واجب ہوگی۔

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان یہ ہے کہ عورت پر کچھ نہیں واجب ہوگا بلکہ دیت کی طرح قسامت بھی اس کے عاقلہ پر واجب ہوگی، کیونکہ قسامت اسی شخص پر واجب ہوتی ہے جو نصرت واعانت کا اہل ہو اور ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ عورت نصرت کی اہل نہیں ہے، لہٰذا اس پر قسامت بھی واجب نہیں ہوگی اور جیسے نصرت کی اہل نہ ہونے کی وجہ سے بچہ پر قسامت نہیں ہے اسی طرح عورت پر بھی قسامت نہیں ہے، اس لیے کہ عورت بھی نصرت کی اہل نہیں ہے۔

ولهما أن القسامة الخ: یہ حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قسامت کا وجوب نصرت کا اہل ہونے سے متعلق نہیں ہے، بلکہ قتل کی تہمت دور کرنے سے متعلق ہے اور عورت کی طرف سے چوں کہ قتل کی تہمت موجود ہے، کیونکہ وہ گاؤں کی ذمے دار ہے، اس لیے اس کی ذات سے تہمتِ قتل دور کرنے کے لیے اس پر قسامت واجب ہوگی اور فقہائے متاخرین نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ صورتِ مسئلہ میں عورت پر دیت بھی واجب ہوگی اور دیت کی ادائیگی میں وہ اپنے عاقلہ کی شریک ہوگی، کیونکہ یہاں اسے قاتل شمار کیا گیا ہے اور قاتل ادائیگیٔ دیت میں عاقلہ کا شریک وسہیم ہوتا ہے لہٰذا یہ عورت بھی اپنے عاقلہ کی شریک ہوگی۔

وَلَوْ وُجِدَ رَجُلٌ قَتِيْلٌ فِيْ أَرْضِ رَجُلٍ إِلٰى جَانِبِ قَرْيَةٍ لَيْسَ صَاحِبُ الْأَرْضِ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ هُوَ عَلٰى صَاحِبِ الْأَرْضِ، لِأَنَّهٗ أَحَقُّ بِنُصْرَةِ أَرْضِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقَرْيَةِ.

ترجمه: اور اگر کوئی شخص کسی گاؤں کے کنارے واقع کسی شخص کی زمین میں مقتول پایا گیا اور زمین والا اس گاؤں کا باشندہ نہیں ہے تو فرماتے ہیں کہ زمین والے پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ اہلِ قریہ کی بہ نسبت زمین والا اپنی زمین کی نصرت کا زیادہ مستحق ہے۔

اللغاتُ:

﴿قتیل﴾ مقتول۔ ﴿نصرت﴾ امداد، مدافعت۔ ﴿قریة﴾ بستی، گاؤں۔

کسی آدمی کی جاگیر سے ملنے والا مقتول:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی گاؤں کے کنارے کسی شخص کی زمین ہو لیکن مالک زمین اس گاؤں میں رہائش پذیر نہ ہو، بلکہ کسی دوسری جگہ رہتا ہو اور پھر اس زمین میں کوئی مقتول ملے تو اس مقتول کی دیت مالکِ زمین پر ہوگی اور اہل قریہ پر نہیں ہوگی، کیونکہ اہل قریہ کی بہ نسبت مالکِ زمین اپنی زمین کی حفاظت ونصرت کا زیادہ حق دار ہے، لہٰذا اس کی زمین میں ہونے والے جرائم کا ضمان اسی پر عائد ہوگا۔

اس سے پہلے دیات کو بیان کیا گیا ہے اور اب یہاں سے من علیہم الدیات کو بیان کیا جارہا ہے، معاقل کی مزید وضاحت خود صاحب کتاب نے کردی ہے جسے آپ عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔

اَلْمَعَاقِلُ جَمْعُ مَعْقَلَةٍ وَهِيَ الدِّيَةُ، وَتُسَمَّى الدِّيَةُ عَقْلًا، لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسْفَكَ أَيْ تُمْسِكُ.

ترجمہ: معاقل معقلة کی جمع ہے اور وہ دیت ہے اور دیت کو عقل اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ خون کو بہائے جانے سے روک دیتی ہے۔

اللغات:

﴿معاقل﴾ واحد معقلة؛ دیات۔ ﴿تعقل﴾ روک دیتی ہے۔ ﴿دماء﴾ واحد دم؛ خون۔ ﴿تسفك﴾ بہایا جائے۔

معاقل کی لغوی تحقیق:

صاحب کتاب معاقل کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ معقلة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں دیت اور دیت کو عقل اس لیے کہتے ہیں کہ دیت کی وجہ سے ناحق خون نہیں بہنے پاتا اور دم محفوظ ہوجاتا ہے۔ اور عقل کی مشابہت اور مناسبت سے دیت ادا کرنے والوں کو عاقلہ کہا جاتا ہے۔

قَالَ وَالدِّيَةُ فِي شِبْهِ الْعَمَدِ وَالْخَطَاءِ، وَكُلُّ دِيَةٍ تَجِبُ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَالْعَاقِلَةُ الَّذِيْنَ يَعْقِلُوْنَ يَعْنِيْ يُؤَدُّوْنَ الْعَقْلَ وَهُوَ الدِّيَةُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الدِّيَاتِ، وَالْأَصْلُ فِيْ وُجُوْبِهَا عَلَى الْعَاقِلَةِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ حَمَلِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِلْأَوْلِيَاءِ قُوْمُوْا فَدُوْهُ، وَلِأَنَّ النَّفْسَ مُحْتَرَمَةٌ لَا وَجْهَ إِلَى الْإِهْدَارِ، وَالْخَاطِيُّ مَعْذُوْرٌ،

وَكَذَا الَّذِي تَوَلّٰى شِبْهَ الْعَمَدِ نَظَرًا إِلَى الْآلَةِ، فَلَاوَجْهَ إِلَى إِيْجَابِ الْعُقُوْبَةِ عَلَيْهِ، وَفِيْ إِيْجَابِ مَالٍ عَظِيْمٍ إِجْحَافُهُ وَاسْتِيْصَالُهُ فَيَصِيْرُ عُقُوْبَةً فَضَمَّ إِلَيْهِ الْعَاقِلَةَ تَحْقِيْقًا لِلتَّخْفِيْفِ، وَإِنَّمَا خُصُّوْا بِالضَّمِّ لِأَنَّهُ إِنَّمَا قَصَّرَ لِقُوَّةٍ فِيْهِ وَتِلْكَ بِأَنْصَارِهِ وَهُمُ الْعَاقِلَةُ فَكَانُوْا هُمُ الْمُقَصِّرِيْنَ فِيْ تَرْكِهِمْ مُرَاقَبَتَهُ فَخُصُّوْا بِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ شبہ عمد، خطأ اور نفسِ قتل سے واجب ہونے والی ہر دیت عاقلہ پر واجب ہے، اور عاقلہ وہی لوگ ہیں جو دیت ادا کرتے ہیں۔ اور کتاب الدیات میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور عاقلہ پر وجوبِ دیت میں آپ ﷺ کا وہ فرمانِ گرامی اصل ہے، جو آپ ﷺ نے حضرت حمل بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ان کے اولیاء سے فرمایا تھا ''جاؤ اور اس کی دیت ادا کرو'' اور اس لیے کہ نفس محترم ہے جسے ضائع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور خاطی معذور ہے نیز آلہ کا اعتبار کرتے ہوئے شبہ عمد کا مرتکب بھی معذور ہے۔ لہٰذا اس پر عقوبت واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور زیادہ مال واجب کرنے میں اسے پریشانی میں مبتلا کرنا ہے اور اسے ہلاک کرنا ہے اس لیے یہ سزاء ہو جائے گی، لہٰذا تخفیف ثابت کرنے کے لیے اس کے ساتھ عاقلہ کو ملا دیا جائے گا۔ اور عاقلہ کو ملانے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، کیونکہ قاتل نے اپنی قوت کی بنا پر کوتاہی کی ہے اور یہ قوت اسے اپنے معاونین سے حاصل ہوئی ہے اور معاونین عاقلہ ہیں، لہٰذا عاقلہ ہی اس کی نگہداشت ترک کر کے کوتاہی کرنے والے ہوئے، اس لیے یہی لوگ ضم کے ساتھ مختص کیے گئے ہیں۔

اللغات:

﴿عمد﴾ جان بوجھ کر۔ ﴿یعقلون﴾ دیت دیتے ہیں، روکتے ہیں۔ ﴿إحجاف﴾ پریشان کرنا۔ ﴿استیصال﴾ ہلاک کرنا۔ ﴿ضم﴾ ساتھ ملانا۔ ﴿قصر﴾ کوتاہی کی۔ ﴿مراقبة﴾ نگہداری۔

دیت کا وجوب کس پر ہوگا اور کب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نفسِ قتل سے ابتداءً جو دیت واجب ہوتی ہے، اس کا وجوب قاتل کے عاقلہ پر ہوتا ہے۔ نفسِ قتل سے ابتداءً کا مطلب یہ ہے کہ قتل خطأ ہو یا قتل شبہ عمد ہو اور قتل عمد سے صلح نہ ہو اسی طرح قاتل باپ نہ ہو یعنی قتل عمد سے صلح اور قاتل کے مقتول کا باپ ہونے کی صورت میں واجب ہونے والی دیت خود قاتل کے مال میں واجب اور لازم ہوگی۔ البتہ ابتداءً یعنی قتلِ خطأ اور شبہ عمد کی دیت قاتل کی معاون برادری پر واجب ہوگی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کا اہم جزء کتاب میں مذکور ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حمل بن مالک بن نابغہ رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں جن میں سے ایک حاملہ تھی، کسی بات پر حاملہ کو دوسری بیوی نے خیمے کی لکڑی سے مار دیا جس سے حاملہ کا حمل ساقط ہو گیا، اس پر آپ ﷺ نے ضاربہ کے اولیاء سے فرمایا: **قُوْمُوْا فَدُوْهُ** یعنی جاؤ اور اس کی دیت اداء کرو۔ اس فرمان گرامی سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ قتل خطأ اور قتل شبہ عمد کی دیت قاتل پر نہیں ہے، بلکہ اس کے عاقلہ پر ہے۔

ولأن النفس الخ: اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ انسان کا نفس باعزت اور محترم ہے اور اس نفس کے قتل کو اور اس خون کو

رائیگاں اور ہدر نہیں کیا جا سکتا، لیکن دوسری طرف قتل خطأ اور قتل شبہ عمد میں قاتل بھی معذور ہوتا ہے اور وہ قتل کی نیت سے مقتول پر حملہ اور وار نہیں کرتا، اب ظاہر ہے کہ اگر ہم قاتل پر دیت واجب کریں گے تو اس کا دیوالیہ ہو جائے گا اور وہ قلاش وکنگال ہو جائے گا، لہٰذا قاتل خاطی کو ہلاکت اور موت سے بچانے کے لیے ہم نے یہ دیت اس کے عاقلہ پر واجب کردی تا کہ اس سے قاتل کو راحت مل جائے اور وہ سڑک کی زندگی گذارنے سے بچ جائے۔

وإنما خصوا الخ: رہا یہ سوال کہ عاقلہ کے علاوہ کسی اور پر بھی دیت واجب کر کے قاتل کو راحت بہم پہنچائی جا سکتی تھی، صرف عاقلہ ہی کو اس کام کے لیے خاص کیوں کیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل نے جو قتل خطأ کا ارتکاب کیا ہے وہ اندورنی طاقت اور قوت کی بنیاد پر کیا گیا ہے اور اسے یہ طاقت اپنے عاقلہ اور اپنی برادری کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، لہٰذا خود عاقلہ اس قتل کے ذمے دار ہیں کہ انھوں نے اپنے ایک آدمی کو آزاد چھوڑ دیا اور اس کی حفاظت ونگہداشت سے غافل ہو گئے، اس لیے ان کے اپنے قبیلے اور اپنی جماعت کے آدمی کا جرم خود ان کا جرم شمار ہوگا اور دیت کی شکل میں ان پر اس کا ضمان واجب ہوگا۔

قَالَ وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيْوَانِ إِنْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ أَهْلِ الدِّيْوَانِ يُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلَاثِ سِنِيْنَ، وَأَهْلُ الدِّيْوَانِ أَهْلُ الرَّايَاتِ وَهُمُ الْجَيْشُ الَّذِيْنَ كُتِبَتْ أَسَامِيْهِمْ فِي الدِّيْوَانِ وَهٰذَا عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الدِّيَةُ عَلٰى أَهْلِ الْعَشِيْرَةِ، لِأَنَّهُ كَانَ كَذٰلِكَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَانَسْخَ بَعْدَهُ، وَلِأَنَّهُ صِلَةٌ وَالْأَوْلٰى بِهَا الْأَقَارِبُ، وَلَنَا قَضِيَّةُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ لَمَّا دَوَّنَ الدَّوَاوِيْنَ جَعَلَ الْعَقْلَ عَلٰى أَهْلِ الدِّيْوَانِ، وَكَانَ ذٰلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ مِنْهُمْ، بَلْ هُوَ تَقْرِيْرٌ مَعْنًى، لِأَنَّ الْعَقْلَ كَانَ عَلٰى أَهْلِ النُّصْرَةِ وَقَدْ كَانَتْ بِأَنْوَاعٍ بِالْقَرَابَةِ وَالْحِلْفِ وَالْوَلَاءِ وَالْعَهْدِ، وَفِي عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَدْ صَارَتْ بِالدِّيْوَانِ فَجَعَلَهَا عَلٰى أَهْلِهِ اِتِّبَاعًا لِلْمَعْنٰى.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ عاقلہ اہل دیوان ہیں اگر قاتل اہل دیوان سے ہو چنانچہ ان کے عطایا میں سے تین سالوں میں دیت وصول کی جائے گی۔ اور اہل دیوان جھنڈے والے ہیں اور وہ لشکری ہیں جن کے نام رجسٹروں میں درج ہیں اور یہ (تفصیل اور حکم) ہمارے یہاں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیت خاندان والوں پر واجب ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا ہی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نسخ کا احتمال نہیں ہے، اور اس لیے کہ دیت صلہ ہے اور اقارب صلہ کے زیادہ لائق ہیں۔

ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے چنانچہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے رجسٹر مدون کیا تو دیت کو اہل دیوان پر مقرر فرما دیا اور یہ حضرات صحابۂ کرام کی موجودگی میں ہوا تھا اور ان حضرات کی جانب سے اس پر نکیر نہیں کی گئی تھی۔ اور یہ نسخ نہیں ہے، بلکہ معناً اثبات ہے، اس لیے کہ دیت اہل نصرت پر واجب ہے اور نصرت کی مختلف صورتیں ہیں۔ قرابت کی وجہ سے، معاہدہ کی وجہ سے، ولاء کی وجہ سے، شمار کر لینے کی وجہ سے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں نصرت بالدیوان ہو گئی تھی، لہٰذا معنی کی اتباع کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے

اہل دیوان پر دیت لازم فرمادی تھی۔

اللغات:

﴿أهل الديوان﴾ باضابطہ سرکاری ملازم۔ ﴿رايات﴾ واحد راية؛ جھنڈے۔ ﴿جيش﴾ فوج۔ ﴿أسامي﴾ واحد اسم؛ اسماء، نام۔ ﴿عشيرة﴾ خاندان۔ ﴿نكير﴾ انکار۔ ﴿قرابة﴾ رشتہ داری۔ ﴿حلف﴾ حلیف ہونا۔ ﴿ولاء﴾ موالات۔ ﴿عهد﴾ معاہدہ۔

عاقلہ کی تعریف:

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ قتل خطأ اور قتل شبہ عمد میں قاتل کے عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے۔ صاحب کتاب نے اس عبارت میں یہی واضح کیا ہے کہ عاقلہ کون لوگ ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں عاقلہ سے اہل دیوان یعنی وہ لوگ مراد ہیں جن کے نام سرکاری رجسٹروں میں درج ہوتے ہیں اور یہ رجسٹر قبیلے اور خاندان کے حساب اور ترتیب سے بنائے جاتے ہیں اور جس شخص کا نام جس رجسٹر اور جس لسٹ میں ہوتا ہے اس میں درج شدہ نام والے ممبران اس کے عاقلہ ہوتے ہیں اور اس رجسٹر کے ممبران میں سے اگر کوئی ممبر قتلِ خطأ یا قتلِ شبہ عمد کا ارتکاب کرتا ہے تو بقیہ ممبران پر اس کی دیت ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قاتل کی دیت اس کے خاندان والوں پر واجب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہی طریقہ رائج تھا چنانچہ حضرت شعبی نے یہ حدیث نقل کی ہے **جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم عقل قريش على قريش وعقل الأنصار على الأنصار** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی دیت قریش پر اور انصار کی دیت انصار پر متعین فرمائی ہے اور چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہے، اس لیے اس میں نسخ وغیرہ کا احتمال بھی نہیں ہے اور یہ بات طے ہے کہ قاتل کی دیت اس کے خاندان والوں پر واجب ہے۔

ولأنه صلة الخ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ دیت صلہ رحمی کے طور پر عاقلہ ادا کرتے ہیں اور صلہ رحمی کے زیادہ لائق اور حق دار انسان کے اقارب ہوتے ہیں اور اقارب میں خاندان کے لوگ سب سے مقدم ہیں، لہٰذا اس حوالے سے بھی دیت انھی پر واجب ہوگی اور وہی لوگ اسے ادا کریں گے۔

ولنا قضية عمر الخ: ہمارے یہاں عاقلہ سے اہل دیوان مراد ہیں، اس پر ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ ہے جو آپ نے صحابۂ کرام کی موجودگی میں صادر فرمایا تھا اور رجسٹر مدون ومرتب کراکے اہل دیوان پر دیت مقرر فرمادی تھی اور چوں کہ یہ کام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں انجام پذیر ہوا تھا اس لیے اس نے اجماع کی شکل اختیار کرلی تھی اور اجماع حجج شرعیہ میں سے ایک حجت ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ عہد نبوی کے فرمان کے لیے نسخ نہیں تھا، بلکہ معناً اس کا اثبات تھا، کیونکہ وجوب دیت کا دار ومدار اہل نصرت ہونے پر ہے اور نصرت کی کئی قسمیں ہیں (۱) نصرت بالقرابۃ (۲) نصرت بالحلف جو نصرت کا معاہدہ کرلینے سے ثابت ہوتی ہے (۳) نصرت بالولاء یعنی اعتاق اور آزادی کے ذریعے حاصل ہونے والی نصرت (۴) نصرت بالعد یعنی ایک ساتھ کسی قوم میں رہنے کی وجہ سے ثابت ہونے والی نصرت اور چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نصرت بالدیوان

محقق تھی، اس لیے انھوں نے اہلِ دیوان پر نصرت واجب ولازم کردی، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل فرمانِ نبوی کے لیے نسخ نہیں ہے، بلکہ اس کی تمام اقسام وانواع کو شامل اور جامع ہے اور ارشاد نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم مبارک کا معناً اتباع ہے۔

وَلِهٰذَا قَالُوْا لَوْ كَانَ الْيَوْمَ قَوْمٌ تَنَاصُرُهُمْ بِالْحِرَفِ فَعَاقِلَتُهُمْ أَهْلُ الْحِرْفَةِ، وَإِنْ كَانَ بِالْحِلْفِ فَأَهْلُهُ، وَالدِّيَةُ صِلَةٌ لٰكِنْ إِيْجَابُهَا فِيْمَا هُوَ صِلَةٌ وَهُوَ الْعَطَاءُ أَوْلٰى مِنْهُ فِيْ أُصُوْلِ أَمْوَالِهِمْ، وَالتَّقْدِيْرُ بِثَلَاثِ سِنِيْنَ مَرْوِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَحْكِيٌّ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَلِأَنَّ الْأَخْذَ مِنَ الْعَطَاءِ لِلتَّخْفِيْفِ، وَالْعَطَاءُ يَخْرُجُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً وَاحِدَةً.

ترجمہ: اسی لیے حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر آج کوئی ایسی قوم ہو جس کا تناصر پیشے کی بنیاد پر ہو تو اہل پیشہ اس کے عاقلہ ہوں گے۔ اور اگر معاہدہ کی بنیاد پر تناصر ہو تو اہل معاہدہ اس کے عاقلہ ہوں گے۔ اور دیت صلہ تو ہے، لیکن اسے اس مال میں واجب کرنا جو صلہ ہے یعنی عطاء، اس مال میں واجب کرنے سے زیادہ بہتر ہے جو ان کے اصل اموال ہیں۔

اور تین سالوں کا اندازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور اس لیے کہ عطایا لینا تخفیف کی وجہ سے ہے اور عطاء سال میں ایک مرتبہ نکالی جاتی ہے۔

اللغات:

﴿تناصر﴾ باہمی امداد، آپس کی مدافعت، باہمی تقویت۔ ﴿حرف﴾ پیشے۔ ﴿حلف﴾ حلیف ہونا۔ ﴿تقدیر﴾ مقرر کرنا۔ ﴿تخفیف﴾ آسانی کرنے کے لیے۔

عاقلہ کی تعریف:

صاحب کتاب رحمۃ اللہ علیہ احناف کے مسلک ومذہب کو مزید تقویت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ماقبل میں بیان کردہ صورِ اربعہ کے علاوہ باہمی تعاون اور نصرت کی اور بھی شکلیں اور صورتیں ہو سکتی ہیں، چنانچہ اگر کچھ لوگوں کے درمیان حرفت اور پیشہ کی بنیاد پر نصرت وحمایت کا رواج ہو تو وہ لوگ اسی پیشے کی وجہ سے ایک دوسرے کے معاون ومددگار ہوں گے، یا معاہدے اور ولاء کی بنیاد پر باہمی تعاون کا عہد ہو تو اس وجہ سے معاہدہ کرنے والے ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔ اور دیت ادا کرنا یقیناً صلہ ہے، لیکن اس صلہ کو اس مال میں واجب کرنا جو صلہ کے قابل ہو زیادہ بہتر ہے، لہٰذا ہم نے اسے عاقلہ کے اصل مال میں واجب کرنے کے بجائے عطایا میں واجب کیا ہے اور چوں کہ عطایا سال میں ایک مرتبہ نکالے جاتے ہیں، لہٰذا صلہ کو اس میں واجب کرنا زیادہ بہتر ہے۔

والتقدير بثلاث سنين الخ: فرماتے ہیں کہ ہم نے عاقلہ پر جو تین سالوں میں قسط وار دیت واجب کی ہے تین سالوں کی یہ تقدیر اور تقسیط حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور چوں کہ عطایا میں سے دیت کا وجوب تخفیف ثابت کرنے کے لیے ہے اور تخفیف اسی صورت میں متحقق ہوگی جب دیت تین سالوں میں ادا کی جائے، اس لیے اس حوالے سے بھی قسط وار دیت واجب کی گئی ہے۔

فَإِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِي أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةٍ أَوْ أَقَلَّ أُخِذَ مِنْهَا لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ وَتَأْوِيْلُهُ إِذَا كَانَتِ الْعَطَايَا لِلسِّنِيْنَ الْمُسْتَقْبِلَةِ بَعْدَ الْقَضَاءِ، حَتَّى لَوِ اجْتَمَعَتْ فِي السِّنِيْنَ الْمَاضِيَةِ قَبْلَ الْقَضَاءِ ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ الْقَضَاءِ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا، لِأَنَّ الْوُجُوْبَ بِالْقَضَاءِ عَلٰى مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمه: پھر اگر عطایا تین سالوں میں سے زائد میں یا اس کے کم میں نکلے تو بھی مقصود حاصل کرنے کے لیے دیت عطایا میں سے ہی وصول کی جائے گی۔ اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تاویل یہ ہے کہ جب قضائے قاضی کے بعد آئندہ سالوں کی عطایا ہو یہاں تک کہ اگر قضائے قاضی سے پہلے گذشتہ سالوں کی عطایا جمع ہو جائیں پھر قضائے قاضی کے بعد نکلیں تو ان میں سے دیت نہیں لی جائے گی، کیونکہ وجوب قضا کی وجہ سے ہے اس تفصیل کے مطابق جسے ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

اللغات:

﴿عطایا﴾ تنخواہیں۔ ﴿ماضیة﴾ گزرے ہوئے۔

تین سال کی مدت کی حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دیت بہر حال عطایا سے وصول کی جائے گی خواہ عاقلہ کے عطایا تین سالوں سے زائد میں نکلیں یا اس سے کم میں، چنانچہ اگر تین کے بجائے پانچ سالوں میں عطایا نکلیں تو اسی تناسب سے دیت کی قسط لگے گی اور اگر عطایا تین سالوں سے کم میں نکل گئے تو پھر کم میں دیت وصول کی جائے گی، کیونکہ مقصود اصلی تو دیت کا حصول اور وصول ہے لہٰذا اصل مقصود یعنی حصولِ دیت پر نظر رکھی جائے اور قسط کی تعداد کے کم یا زیادہ ہونے کی پرواہ نہ کی جائے۔

وتأويله الخ: فرماتے ہیں کہ ماقبل میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے **يؤخذ من عطاياهم في ثلاث سنين** کی عبارت میں **ثلاث سنين** مطلق ذکر کیا ہے اور سنینِ ماضیہ یا سنینِ مستقبلہ کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ اسی مطلق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ **ثلاث سنين** سے قضائے قاضی کے بعد والے تین سال مراد ہیں یعنی جب قاضی عاقلہ اور اہل دیوان پر دیت کی ادائیگی کا فیصلہ صادر فرمادے تو اس فیصلے کے بعد تین سالوں میں ان سے دیت وصول کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر قضائے قاضی سے پہلے کئی سالوں کے عطایا جمع ہوں اور پھر قضائے قاضی کے بعد عطایا نکلے تو اب ان میں سے دیت نہیں نکالی جائے گی، کیونکہ وجوبِ دیت کا انحصار اور مدار قضائے قاضی پر ہے اور ان عطایا میں قضائے قاضی مفقود ہے۔

وَلَوْ خَرَجَ لِلْقَاتِلِ ثَلَاثُ عَطَايَا فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ مَعْنَاهُ فِي الْمُسْتَقْبِلِ يُؤْخَذُ مِنْهَا كُلُّ الدِّيَةِ لِمَا ذَكَرْنَا، وَإِذَا كَانَ جَمِيْعُ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِيْنَ فَكُلُّ ثُلُثٍ مِنْهَا فِي سَنَةٍ وَإِنْ كَانَ الْوَاجِبُ بِالْفِعْلِ ثُلُثَ دِيَةِ النَّفْسِ أَوْ أَقَلَّ كَانَ فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ وَمَازَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلٰى تَمَامِ الثُّلُثَيْنِ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ وَمَازَادَ عَلٰى ذٰلِكَ إِلٰى تَمَامِ الدِّيَةِ فِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ.

ترجمہ: اور اگر قاتل کے لیے ایک ہی سال میں تین عطایا نکل جائیں یعنی مستقبل میں تو ان میں سے پوری دیت لی جائے گی، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر پوری دیت تین سالوں میں ہو تو دیت کا ثلث ایک سال میں ہوگا۔ اور اگر واجب بالفعل نفس کی ثلث دیت ہو یا اس سے کم ہو تو وہ ایک سال میں ہوگا اور ایک ثلث سے دو ثلث مکمل ہونے تک جو مقدار زائد ہو وہ دوسرے سال میں ہوگی اور جو اس سے زائد ہو دیت پوری ہونے تک وہ تیسرے سال میں ہوگی۔

تین تنخواہوں کے جلدی وصول ہونے کی صورت:

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر اہل دیوان نے قضائے قاضی کے بعد پیشگی تین سالوں کے عطایا نکال لیے تو اب انھی عطایا سے پوری دیت وصول کر لی جائے گی اور تین سالوں میں اس کی وصولیابی محیط نہیں ہوگی، کیونکہ مقصود اصلی دیت کا حصول ہے اور وہ یکمشت حاصل ہو گیا ہے اور اگر یکمشت اداء کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ صاحب شریعت حضرت محمد ﷺ نے عاقلہ کو تین سالوں میں دیت ادا کرنے کا اختیار دیا ہے۔

وإذا کان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قاتل پر ارش واجب ہو یعنی مادون النفس سے کم کو ہلاک کرنے کا ضمان ہو اور اس ارش کی مقدار دیت کا ایک تہائی یا اس سے زائد ہو تو وہ ایک سال میں اداء کرنا ہوگا اور جو مقدار اس سے زائد ہو اور دیت کے دو ثلث تک ہو اس کی ادائیگی دوسرے سال میں ہوگی اور جو اس سے زائد ہو اور دیت کے تین ثلث تک ہو اس کی ادائیگی تیسرے سال میں ہوگی جیسا کہ یہی دیت کا اصول ہے۔

وَمَا وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ مِنَ الدِّيَةِ أَوْ عَلَى الْقَاتِلِ بِأَنْ قَتَلَ الْأَبُ ابْنَهُ عَمَدًا فِيْ مَالِهِ فَهُوَ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ مَا وَجَبَ عَلَى الْقَاتِلِ فِيْ مَالِهِ فَهُوَ حَالٌ، لِأَنَّ التَّأْجِيْلَ لِلتَّخْفِيْفِ لِتَحَمُّلِ الْعَاقِلَةِ فَلَا يَلْحَقُ بِهِ الْعَمَدُ الْمَحْضُ، وَلَنَا أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهُ وَالشَّرْعُ وَرَدَ بِهِ مُؤَجَّلًا فَلَا يَتَعَدَّاهُ.

ترجمہ: اور وہ دیت جو عاقلہ پر واجب ہے یا قاتل پر واجب ہے بایں طور کہ باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کیا ہو تو وہ (ہمارے یہاں) قاتل کے مال میں تین سالوں میں واجب ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاتل کے مال میں واجب ہونے والی دیت فی الحال واجب ہوگی، کیونکہ عاقلہ کے تحمل کرنے کی وجہ سے بر بنائے تخفیف تعجیل ثابت ہے لہٰذا عمدِ محض کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قیاس وجوبِ مال کا منکر ہے اور شریعت مال کو مؤجل واجب کرنے کے ساتھ وارد ہوئی ہے لہٰذا یہ ایجاب ماورد به الشرع سے متعدی نہیں ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿حالّ﴾ فوری۔ ﴿تاجیل﴾ مؤخر کرنا، مدت مقرر کرنا۔ ﴿یأباہ﴾ اس کی مخالفت کرتا ہے۔ ﴿مؤجل﴾ ایک مدت پر موقوف۔

قاتل کے ذمے واجب ہونے والی دیت کی مدت ادائیگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں دیت کی ادائیگی تین سالوں میں ہے خواہ دیت عاقل پر ہو یا قاتل پر مثلاً اگر باپ جان بوجھ کر اپنے بیٹے کو قتل کردے تو اب اس قتل کی دیت خود قاتل باپ پر واجب ہوگی اور عاقلہ پر واجب ہونے والی دیت کی طرح اس کی ادائیگی بھی تین سالوں میں ہوگی۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاتل کے مال میں واجب ہونے والی دیت فی الحال اور فی الفور واجب ولازم ہوگی اور اس میں تاجیل وتاخیر متحقق نہیں ہوگی، کیونکہ عاقلہ کے حق میں بر بنائے تخفیف تاخیر ثابت ہے کہ عاقلہ مجرم نہیں ہوتے اور صلہ رحمی کے طور پر دیت ادا کرتے ہیں جب کہ قاتل خود مجرم ہوتا ہے اس لیے اسے آئندہ جرم سے باز رکھنے کے لیے عمدِ محض کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس پر فی الحال اور فوری دیت واجب کی جائے گی اور اس میں تاخیر نہیں روا رکھی جائے گی۔

ولنا أن القیاس الخ: اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ قتلِ نفس کے بدلے مال کا وجوب خلاف قیاس ہے، کیونکہ نفس اور مال میں کوئی مناسبت اور مطابقت نہیں ہے، لیکن نفسِ محترم کو ضیاع سے بچانے کے لیے اس کے عوض مال واجب کیا گیا ہے اور چوں کہ یہ مال قتل خطأ میں موجل بن کر واجب ہوا ہے، اس لیے قتل عمد میں بھی یہ موجل ہی واجب ہوگا اور معجّل نہیں ہوگا، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ **ماثبت علی خلاف القیاس لایتعدی إلی غیرہ۔**

وَلَوْ قَتَلَ عَشَرَةٌ رَجُلًا خَطَأً فَعَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ عُشْرُ الدِّيَةِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ اِعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ إِذْ هُوَ بَدَلُ النَّفْسِ، وَ إِنَّمَا يُعْتَبَرُ مُدَّةُ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ بِالدِّيَةِ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ الْمِثْلُ وَالتَّحَوُّلُ إِلَى الْقِيْمَةِ بِالْقَضَاءِ فَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِهٖ كَمَا فِيْ وَلَدِ الْمَغْرُوْرِ.

ترجمه: اور اگر دس لوگوں نے ایک شخص کو خطأً قتل کیا تو ان میں سے ہر ایک پر تین سالوں میں دیت کا دسواں حصہ واجب ہے جزء کو کل پر قیاس کرتے ہوئے، اس لیے کہ یہ نفس کا بدل ہے، اور تین سالوں کی مدت قضاء بالدیت کے وقت سے معتبر ہوگی، کیونکہ واجبِ اصلی مثل ہے اور قیمت کی طرف منتقل ہونا بذریعہ قضاء ہوتا ہے لہٰذا مدت کی ابتداء وقتِ قضاء سے معتبر ہوگی جیسے مغرور کے بچے میں ہے۔

اللغات:

﴿عُشر﴾ دسواں حصہ۔ ﴿تحوّل﴾ پھرنا، بدلنا۔ ﴿مغرور﴾ دھوکہ دیا گیا۔

قاتلین کی کثرت کی صورت میں دیت کی مدت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر دس لوگوں نے خطأً کسی شخص کو قتل کردیا تو ان سب پر دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا اور اس حصے کی ادائیگی بھی قسط وار تین سالوں میں ہوگی، کیونکہ عشر دیت بھی کل دیت کی طرح نفس کا بدل ہے اور کل دیت تین سالوں میں ادا کی جاتی ہے، لہٰذا کل پر جزء کو قیاس کرتے ہوئے عشر دیت کی ادائیگی بھی تین سالوں میں ہوگی۔

وإنما یعتبر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کل دیت کی طرح عشر دیت کے وقت کی ابتداء بھی قاضی کے فیصلۂ دیت کے بعد ہی ہوگا یعنی جب قاضی تمام مجرمین پر دیت کا فیصلہ کردے گا اس کے بعد سے تین سالوں کی مدت میں مذکورہ دیت کا ادا کرنا معتبر ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کے عوض اصل واجب تو مثل یعنی نفس ہے، لیکن قتل خطأ میں نفس کے عوض دیت کی شکل میں مال واجب کیا گیا ہے اور مال کا وجوب قضائے قاضی سے ہوگا، لہٰذا اس وجوب کی مدت بھی قضائے قاضی کے بعد سے معتبر ہوگی۔

کما في ولد المغرور الخ: صاحب کتاب اس مسئلے کو ایک مثال سے واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسے کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کیا اور خود کو آزاد بتلایا اور اس مرد سے اس کے بچے بھی ہوئے پھر دوسرے شخص نے اس پر اپنی باندی ہونے کا دعوی کرکے اسے واپس لے لیا تو اس کے بچے ولد المغرور دھوکہ دیئے ہوئے شخص کے بچے ہوں گے اور وہ آزاد ہوں گے، لیکن اس مغرور کو ان بچوں کی قیمت دینی پڑے گی اور اسی دن کی قیمت معتبر ہوگی جس دن اس شخص کے مغرور ہونے اور ان بچوں کے ولد المغرور ہونے کا فیصلہ ہوگا تو جس طرح ولد المغرور میں یوم القضاء والی قیمت معتبر ہے اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی یوم القضاء سے تین سال کی مدت کا آغاز ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الدِّيْوَانِ فَعَاقِلَتُهُ قَبِيْلَتُهُ، لِأَنَّهُ نُصْرَتُهُ بِهِمْ وَهِيَ الْمُعْتَبَرَةُ فِي التَّعَاقُلِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جو شخص اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کا قبیلہ اس کا عاقلہ ہے، کیونکہ اس کی نصرت انھی کی وجہ سے ہے اور عاقلہ ہونے میں نصرت ہی معتبر ہے۔

اللغات:

﴿تعاقل﴾ آپس میں دیتوں کی ادائیگی۔

غیر اہل دیوان کا عاقلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کے قبیلے اور برادری والے اس کے عاقلہ ہوں گے، کیونکہ اہل قبیلہ ہی پر ان کی نصرت کا مدار ہے اور عاقلہ ہونے میں یہی نصرت معتبر ہے لہٰذا یہی انصار اس کے عاقلہ ہوں گے۔

قَالَ وَتُقْسَمُ عَلَيْهِمْ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ لَايُزَادُ الْوَاحِدُ عَلٰى أَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ وَيَنْقُصُ مِنْهَا، قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُوْرِيُ فِيْ مُخْتَصَرِهٖ، وَهٰذَا إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهُ يُزَادُ عَلٰى أَرْبَعَةٍ مِنْ جَمِيْعِ الدِّيَةِ وَقَدْ نَصَّ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلٰى أَنَّهُ لَايُزَادُ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ جَمِيْعِ الدِّيَةِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ عَلٰى ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ فَلَا يُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ إِلَّا دِرْهَمًا أَوْ دِرْهَمًا وَثُلُثَ دِرْهَمٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اہل قبیلہ پر تین سالوں میں دیت تقسیم کی جائے گی، ہر سال ایک شخص سے چار دراہم سے زائد نہیں لیا جائے گا۔ اور چار سے کم کیا جاسکتا ہے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مختصر میں ایسا ہی بیان کیا ہے اور یہ اس

بات کی طرف اشارہ ہے کہ پوری دیت میں سے چار درہموں پر اضافہ کیا جاسکتا ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی صراحت فرمادی ہے کہ پوری دیت میں سے ایک شخص پر تین سالوں میں تین یا چار درہم پر اضافہ نہیں کیا جائے گا، لہٰذا ہر ایک سے ہر سال صرف ایک درہم یا ایک درہم اور تہائی درہم ہی لیا جائے گا اور یہی اصح ہے۔

دیت میں وصول کی جانے والی سالانہ مقدار:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ جب اہل قبیلہ پر دیت تقسیم کی جائے گی تو اس بات کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ ان میں سے ہر شخص سے سالانہ چار درہم یا اس سے کم ہی وصول کیا جائے اور چار دراہم سے زیادہ کی وصولیابی نہ کی جائے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں امام قدوری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں یونہی بیان کیا ہے اور اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ تین سالوں میں سے کسی سال میں ہر ایک سے چار سے زائد دراہم لئے جاسکتے ہیں، اس لیے کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے سنۃ واحدۃ میں اضافے کی نفی کی ہے نہ کہ سنین ثلاثہ میں، حالانکہ یہ نفی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تصریح کے خلاف ہے، کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ ہر ممبر سے تینوں سالوں میں تین یا چار درہم سے زیادہ نہیں وصول کیا جاسکتا۔ اس حوالے سے ہر ممبر سے ہر سال صرف ایک درہم یا ایک درہم اور ⅓ ہی وصول کیا جاسکتا ہے، حضرات فقہاء نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس صراحت اور وضاحت کو اصح فرمایا ہے اور اسی کو پسند بھی کیا ہے۔

قَالَ وَ إِنْ لَمْ تَكُنْ تَتَّسِعُ الْقَبِيْلَةُ لِذٰلِكَ ضُمَّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ، مَعْنَاهُ نَسَبًا، كُلُّ ذٰلِكَ لِمَعْنَى التَّخْفِيْفِ وَيُضَمُّ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ عَلٰى تَرْتِيْبِ عَصَبَاتِ الْإِخْوَةُ ثُمَّ بَنُوْهُمْ ثُمَّ الْأَعْمَامُ ثُمَّ بَنُوْهُمْ. وَأَمَّا الْآبَاءُ وَالْأَبْنَاءُ فَقِيْلَ يَدْخُلُوْنَ لِقُرْبِهِمْ، وَقِيْلَ لَايَدْخُلُوْنَ، لِأَنَّ الضَّمَّ لِنَفْيِ الْحَرَجِ حَتّٰى لَا يُصِيْبَ كُلَّ وَاحِدٍ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ، وَهٰذَا الْمَعْنَى إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ عِنْدَ الْكَثْرَةِ، وَالْآبَاءُ وَالْأَبْنَاءُ لَايَكْثُرُوْنَ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر قبیلہ (ادائے دیت کے لیے) وسیع نہ ہو تو ان کے ساتھ قریب ترین قبائل کو شامل کر دیا جائے گا، یعنی وہ قبیلہ جو نسب کے اعتبار سے اقرب ہو۔ یہ چیزیں تخفیف کی وجہ سے ہیں، اور اس میں عصبات کی ترتیب کے مطابق اقرب فالأقرب کو ملایا جائے گا، چنانچہ سب سے پہلے بھائی ہیں پھر بھتیجے ہیں پھر چچا ہیں پھر چچا کے لڑکے ہیں۔

رہے باپ اور بیٹے تو ایک قول یہ ہے کہ قرابت کی وجہ سے وہ عاقلہ میں داخل ہوں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ داخل نہیں ہوں گے، اس لیے کہ ملانا حرج دور کرنے کے لیے ہے تاکہ ہر ایک کو تین یا چار سے زائد نہ پہنچے۔ اور یہ معنی کثرت کے وقت متحقق ہوتے ہیں اور آباء وابناء کثیر نہیں ہوتے۔

اللغات:

﴿تتسع﴾ وسعت نہ رکھتا ہو۔ ﴿ضُمّ﴾ ملایا جائے گا۔ ﴿تخفیف﴾ آسانی پیدا کرنے کے لیے۔ ﴿یُضمّ﴾ ملایا جائے گا۔ ﴿اخوۃ﴾ بھائی۔ ﴿اعمام﴾ چچے۔ ﴿آباء﴾ والد دادا وغیرہ۔ ﴿ابناء﴾ بیٹے، پوتے وغیرہ۔ ﴿ضمّ﴾ ساتھ ملانا، شریک کرنا۔ ﴿حرج﴾ تکلیف۔

قاتل کے غیر قریبی تعلق داروں سے دیت کی وصولی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل کا قبیلہ اور خاندان چھوٹا ہو اور امام محمد علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق ادائے دیت کے لیے ناکافی ہو تو قبیلہ والوں کے ساتھ اس کے قریب ترین نسب والوں کو شامل کیا جائے گا تا کہ ان کی شمولیت سے اہل قبیلہ کو راحت ہو اور تخفیف کا معنی متحقق ہو جائے اور نسبی قرابت داروں کی شمولیت اسی ترتیب کے مطابق ہوگی جو عصبات میں ذکر کی جا چکی ہے یعنی پہلے اس کے بھائی شامل ہوں گے پھر بھتیجے شامل ہوں گے پھر چچا اور چچا زاد بھائیوں کا نمبر آئے گا۔

وأما الأباء الخ: فرماتے ہیں کہ قاتل کے باپ اور بیٹوں کے عاقلہ کی فہرست اور لسٹ میں شامل ہونے کے متعلق دو قول ہیں (۱) پہلا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عاقلہ کے ساتھ شامل ہوں گے، کیونکہ دیت کا مدار قربت ونصرت پر ہے اور یہ لوگ قاتل کے سب سے زیادہ قریبی ہیں اور سب سے اہم ستون ہیں (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ قاتل کا باپ اور اس کے بیٹے عاقلہ کی فہرست میں شامل نہیں ہوں گے، اس لیے کہ قبیلے کے ساتھ دوسروں کو اس لیے ملایا گیا ہے تا کہ ان سب کی تعداد کثیر ہو جائے اور کسی پر سالانہ تین یا چار درہم سے زائد بار نہ پڑے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوگا جب عاقلہ کی تعداد کثیر ہوگی اور آباء اور ابناء کثیر ہوتے نہیں، اس لیے ان سے یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا انھیں عاقلہ کے ساتھ لاحق کرنا اور ملانا بھی بیکار ہوگا۔

وَعَلٰى هٰذَا حُكْمُ الرَّايَاتِ إِذَا لَمْ يَتَّسِعْ لِذٰلِكَ أَهْلُ رَايَةٍ ضُمَّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الرَّايَاتِ يَعْنِي أَقْرَبُهُمْ نُصْرَةً إِذَا حَزَبَهُمْ أَمْرٌ اَلْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ، وَيُفَوَّضُ ذٰلِكَ إِلَى الْإِمَامِ لِأَنَّهُ هُوَ الْعَالِمُ بِهِ، ثُمَّ هٰذَا كُلُّهُ عِنْدَنَا، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَجِبُ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ نِصْفُ دِيْنَارٍ فَيُسَوّٰى بَيْنَ الْكُلِّ، لِأَنَّهُ صِلَةٌ فَيُعْتَبَرُ بِالزَّكٰوةِ وَأَدْنَاهَا ذٰلِكَ إِذْ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ عِنْدَهُمْ نِصْفُ دِيْنَارٍ، وَلٰكِنَّا نَقُوْلُ هِيَ أَحَطُّ رُتْبَةً مِنْهَا أَلَا تَرٰى أَنَّهُ لَا تُؤْخَذُ مِنْ أَصْلِ الْمَالِ فَيَنْتَقِصُ مِنْهَا تَحْقِيْقًا لِزِيَادَةِ التَّخْفِيْفِ.

ترجمہ: اور اسی پر اہل رایات کا حکم ہے بشرطیکہ ایک جھنڈے والے ادائیگی دیت کے لیے ناکافی ہوں تو ان کے ساتھ قریب ترین جھنڈے والوں کو ملا دیا جائے یعنی جو ان میں سے نصرت کے اعتبار سے سب سے اقرب ہوں گے جب انھیں کوئی معاملہ درپیش ہوگا تو اقرب فالأ قرب کے اعتبار سے (یہ ضم ہوگا) اور اسے امام کے حوالے کر دیا جائے کیونکہ امام اس سے باخبر ہوتا ہے اور یہ تمام تفصیل ہمارے یہاں ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہر ایک پر نصف دینار واجب ہوگا، پھر تمام کے مابین برابری کر دی جائے گی اس لیے کہ یہ صلۃ ہے لہٰذا اسے زکوۃ پر قیاس کیا جائے گا اور زکوۃ کی ادنیٰ مقدار نصف دینار ہے، کیونکہ حضرات صحابہ کرام کے یہاں پانچ درہم نصف دینار رہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ دیت زکوۃ سے کم رتبے والی ہے کیا دیکھتے نہیں کہ دیت اصل مال سے نہیں لی جاتی، لہٰذا زیادتیٔ تخفیف کو ثابت کرنے کے لیے دیت زکوۃ سے کم ہوگی۔

اللغات:

﴿رأیات﴾ واحد رأیۃ؛ جھنڈے، مجموعے، یونٹس۔ ﴿لم یتسع﴾ نہ کرسکیں، وسعت نہ رکھیں۔ ﴿ضمّ﴾ ملایا جائے۔ ﴿حَزَبَ﴾ پیش آئے۔ ﴿یفوّضُ﴾ سپرد کیا جائے گا۔ ﴿یسوّیٰ﴾ برابری کی جائے گی۔ ﴿احطّ﴾ زیادہ کم رتبے والی۔ ﴿ینتقص﴾ کم ہوتی ہے۔

قاتل کے غیر قریبی تعلق داروں سے دیت کی وصولی:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ادائیگیٔ دیت کا جو معاملہ اور جو طریقہ عاقلہ اور ان کے ساتھ قریب ترین قبیلے کے ضم کا ہے وہی طریقہ فوجیوں اور سپاہیوں میں بھی جاری وساری ہوگا چنانچہ اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہو اور ایک محلے کے فوجی ادائے دیت کے لیے ناکافی ہوں تو جو محکمہ نصرت ومدد اور تعاون کے اعتبار سے ان سے زیادہ قریب ہوگا اسی کو ان کی دیت ادا کرنے کے لیے ان کے ساتھ شامل اور داخل کیا جائے گا اور عصبات کی طرح ان میں بھی اقرب فالأ قرب کی ترتیب ملحوظ رکھی جائے گی۔

ویفوض ذلك الخ: فرماتے ہیں کہ اقرب فالأ قرب کی تقدیم اور ان کے ضم کا معاملہ امام کے حوالے کردینا چاہئے، کیونکہ امام ہر کسی کے حسب نسب سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے اور وہ اپنی صواب دید کے مطابق دیت کی ادائیگی کو آسان تر بنانے کی کوشش کرے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام احکام وتفصیلات حضرت امام اعظم رالٹیلیہ کے مسلک ومذہب کے عین مطابق ہیں۔

امام شافعی رالٹیلیہ کے یہاں عاقلہ پر دیت کی جو مقدار واجب کی جائے گی وہ نصف دینار یعنی پانچ درہم ہوگی اور اس میں عاقلہ کے ساتھ قاتل کے آباء وابناء سب شریک ہوں گے۔ امام شافعی رالٹیلیہ کی دلیل یہ ہے کہ دیت ایک صلہ ہے لہٰذا اسے زکوۃ پر قیاس کیا جائے گا اور زکوۃ کے اقل نصاب یعنی دوسو دراہم میں سے پانچ دراہم صاحب نصاب پر واجب ہیں، لہٰذا دیت میں سے بھی ہر ہر ممبر پر پانچ پانچ دراہم واجب کیے جائیں گے یا نصف دینار واجب کیا جائے گا اور حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں نصف دینار اور پانچ دراہم کی مالیت برابر تھی۔

ولکنا نقول الخ: صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ امام شافعی رالٹیلیہ کی دلیل اور دیت کو زکوۃ پر ان کے قیاس کرنے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیت کا مقام ومرتبہ زکوۃ سے کم تر اور گھٹا ہوا ہے، اس لیے کہ زکوۃ اصل مال میں واجب ہوتی ہے جب کہ دیت زائد مال اور صلات میں واجب ہوتی ہے، اس لیے دیت کی کمزوری کو ظاہر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی مقدار مقدار زکوۃ سے کم ہو، اسی لیے ہم نے دیت کی مقدار پانچ سے کم کرکے تین اور چار مقرر کردی ہے تاکہ اس کا زکوۃ سے کم رتبہ ہونا بھی واضح ہوجائے اور اس میں ادا کرنے والوں پر تخفیف بھی ثابت ہوجائے۔

وَلَوْ كَانَتْ عَاقِلَةُ الرَّجُلِ أَصْحَابَ الرِّزْقِ يُقْضٰى بِالدِّيَةِ فِيْ أَرْزَاقِهِمْ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ الثُّلُثُ، لِأَنَّ الرِّزْقَ فِيْ حَقِّهِمْ بِمَنْزِلَةِ الْعَطَاءِ قَائِمٌ مَقَامَهُ، إِذْ كُلٌّ مِنْهُمَا صِلَةٌ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِنْ كَانَتْ أَرْزَاقُهُمْ

تَخْرُجُ فِي كُلِّ سَنَةٍ فَكَمَا يَخْرُجُ رِزْقٌ يُؤْخَذُ مِنْهُ الثُّلُثُ بِمَنْزِلَةِ الْعَطَاءِ، وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ فِي كُلِّ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَخَرَجَ بَعْدَ الْقَضَاءِ يُؤْخَذُ مِنْهُ سُدُسُ الدِّيَةِ، وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ فِي كُلِّ شَهْرٍ يُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ رِزْقٍ بِحِصَّتِهِ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى يَكُوْنَ الْمُسْتَوْفٰى فِي كُلِّ سَنَةٍ مِقْدَارُ الثُّلُثِ، وَإِنْ خَرَجَ بَعْدَ الْقَضَاءِ بِيَوْمٍ أَوْ أَكْثَرَ أُخِذَ مِنْ رِزْقِ ذٰلِكَ الشَّهْرِ بِحِصَّةِ الشَّهْرِ.

ترجمه: اور اگر قاتل کے عاقلہ اصحابِ رزق میں سے ہوں تو ان کے رزق میں تین سالوں کے دوران دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور ہر سال ایک ثُلث لیا جائے گا، کیونکہ ان کے حق میں رزق عطاء کے درجے میں ہے اور عطاء کے قائم مقام ہے اس لیے کہ دونوں میں سے ہر ایک بیت المال سے صلہ ہے۔ پھر دیکھا جائے گا اگر ان کے ارزاق سالانہ نکلتے ہوں تو جیسے ہی رزق نکلے اس میں سے عطاء کی طرح ثلث لے لیا جائے گا، اور اگر رزق چھے ماہی نکلتا ہو اور قضائے قاضی کے بعد نکلے تو اس میں سے دیت کا سُدس لیا جائے گا اور اگر ماہانہ نکلتا ہو تو ہر رزق سے مہینے کے حصے کے بقدر لے لیا جائے گا تا کہ ہر سال وصول کئے ہوئے رزق کی مقدار ثلث ہو جائے گا۔

اور اگر قضائے قاضی کے ایک یا زیادہ دن بعد رزق نکلا تو اس ماہ کے رزق سے مہینے کے حصے کے بقدر لے لیا جائے گا۔

اللغات:

﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿رزق﴾ لفظاً: روزی۔ اصطلاحاً: بیت المال سے فقراء کو بلاعوض ملنے والا مال۔ ﴿عطیه﴾ لفظاً: پیش کش۔ اصطلاحاً: مسلمان فوجیوں کو خدمات کے عوض ملنے والا مال۔ ﴿سدس﴾ چھٹا حصہ۔ ﴿مستوفی﴾ وصول ہونے والا مال۔

دیت کی وصولی کی مدت:

عبارت کا مطلب سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ عطایا اور اَرزاق دونوں جمع ہیں عطایا عطیہ کی جمع ہے اور اَرزاق رزق کی جمع ہے عطیہ اور رزق میں ایک فرق تو یہ ہے کہ عطیہ وہ مال ہے جو فوجیوں کو دیا جاتا ہے اور رزق وہ مال ہے جو فقراء کو بیت المال سے دیا جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عطیہ وہ مال ہے جو فوجیوں کو سالانہ دیا جاتا ہے اور رزق وہ مال ہے جو انھیں ماہانہ یا روزانہ دیا جاتا ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل کے عاقلہ اور اصحاب العطایا نہ ہوں بل کہ اصحاب الأرزاق ہوں تو ان کے ارزاق میں سے تین سالوں میں مقتول کی دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور ہر سال تہائی دیت ان سے وصول کی جائے گی، اس لیے کہ ان کے حق میں رزق عطاء کے قائم مقام ہے اور عطاء میں سے تین سالوں میں دیت وصول کی جاتی ہے لہٰذا رزق میں سے بھی تین سالوں میں دیت کی وصولیابی ہوگی۔

ثم ینظر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عاقلہ کو سالانہ رزق ملتا ہو تو سال میں ایک مرتبہ ان سے ثلث لیا جائے گا، اور اگر

انھیں ششماہی ارزاق ملتے ہوں تو ہر چھے ماہ پر ان سے سدس لیا جائے گا، بشرطیکہ قضائے قاضی کے بعد رزق نکلا ہو۔ اور اگر عاقلہ کو ماہانہ رزق ملتا ہو تو ہر مہینے میں دیت کا جو حساب بنے گا اسی کے مطابق ماہانہ رزق سے وصول کیا جائے گا اور اس اندازے اور تخمینے سے وصول کیا جائے گا کہ وہ سالانہ دیت کا ثلث بن جائے۔

وَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ أَرْزَاقٌ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ وَأَعْطِيَةٍ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ فُرِضَتِ الدِّيَةُ فِي الْأَعْطِيَةِ دُوْنَ الْأَرْزَاقِ، لِأَنَّهُ أَيْسَرُ، إِمَّا لِأَنَّ الْأَعْطِيَةَ أَكْثَرُ أَوْ لِأَنَّ الرِّزْقَ لِكِفَايَةِ الْوَقْتِ فَيَتَعَسَّرُ الْأَدَاءُ مِنْهُ، وَالْعَطِيَاتُ لِيَكُوْنُوْا فِي الدِّيْوَانِ قَائِمِيْنَ بِالنُّصْرَةِ فَيَتَيَسَّرُ عَلَيْهِمْ.

ترجمه: اور اگر عاقلہ کو ماہانہ ارزاق اور سالانہ عطیات ملتے ہوں تو عطایا میں دیت مقرر کی جائے گی، ارزاق میں نہیں، اس لیے کہ یہ آسان ہے، یا تو اس وجہ سے کہ عطایا زیادہ ہیں یا اس وجہ سے کہ رزق وقت کی کفایت کے لیے ہے لہٰذا اس میں سے دیت نکالنا مشکل ہے۔ اور عطیات اس لیے ہیں تاکہ وہ لوگ دیوان میں نصرت پر برقرار رہیں لہٰذا (عطیات میں سے دینا) ان کے لیے آسان ہوگا۔

اللغات:

﴿ارزاق﴾ واحد رزق؛ وظیفے۔ ﴿أعطية﴾ واحد عطاء؛ تنخواہیں۔ ﴿أيسر﴾ زیادہ سہولت والا۔ ﴿يتعسّر﴾ دشوار ہو جائے گا۔

دیت کی وصولی کی مدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل کے عاقلہ کو ماہانہ رزق بھی ملتا ہو اور سالانہ عطایا بھی ملتے ہوں تو مقتول کی دیت عطایا میں مقرر کی جائے گی، کیونکہ عاقلہ کے حق میں شریعت نے تخفیف ملحوظ کر رکھی ہے اور عطایا کی مقدار رزق سے زیادہ ہے اس لیے عطایا میں سے دیت نکالنا آسان اور باعث تخفیف ہے جب کہ رزق کی مقدار بھی کم ہے اور وہ کفایتِ وقت اور روزمرہ کی حاجت وضرورت کے لیے ملتا ہے اس لیے اس میں سے دیت نکالنا مشکل ہے، لہٰذا عاقلہ پر تخفیف کے پیش نظر ہم نے اسی میں دیت مقرر فرمادی ہے۔

والعطايات الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ افواج کے لیے عطایا اسی وجہ سے مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ بوقتِ ضرورت وہ دوسروں کے کام آسکیں اور ان میں سے کچھ ''دان پُن'' کرنا ان کے لیے آسان ہو۔

قَالَ وَأُدْخِلَ الْقَاتِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فَيَكُوْنُ فِيْمَا يُؤَدِّي كَأَحَدِهِمْ، لِأَنَّهُ هُوَ الْفَاعِلُ فَلَا مَعْنَى لِإِخْرَاجِهِ وَمُؤَاخَذَةِ غَيْرِهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجِبُ عَلَى الْقَاتِلِ شَيْءٌ مِنَ الدِّيَةِ اِعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ فِي النَّفْيِ عَنْهُ، وَالْجَامِعُ كَوْنُهُ مَعْذُوْرًا، قُلْنَا إِيْجَابُ الْكُلِّ إِجْحَافٌ بِهِ، وَلَا كَذٰلِكَ إِيْجَابُ الْجُزْءِ، وَلَوْ كَانَ الْخَاطِئُ مَعْذُوْرًا فَالْبَرِيْءُ عَنْهُ أَوْلٰى قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى﴾

ترجمه: فرماتے ہیں کہ قاتل کو عاقلہ کے ساتھ شامل کیا جائے گا اور اداء کی جانے والی دیت میں قاتل عاقلہ کے فردِ واحد کی طرح

ہوگا، کیونکہ قاتل ہی مباشر ہے، لہذا اسے نکال کر دوسرے کو پکڑنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاتل پر کچھ بھی دیت نہیں واجب ہے، قاتل سے نفی کے متعلق جزء کو کل پر قیاس کرتے ہوئے اور علتِ جامعہ اس کا معذور ہونا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ قاتل پر پوری دیت واجب کرنا اسے پریشانی میں ڈالنا ہے اور دیت کا کچھ حصہ واجب کرنے میں یہ بات نہیں ہے۔ اور اگر خطأ کرنے والا معذور ہے تو خطأ سے بری شخص بدرجۂ اولیٰ معذور ہے، ارشاد خداوندی ہے ''کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔

اللغات:

﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿مایؤدّیٰ﴾ جو ادا کیا جائے گا۔ ﴿إخراج﴾ نکالنا۔ ﴿مؤاخذة﴾ گرفت کرنا۔ ﴿إحجاف﴾ پریشانی میں ڈالنا۔ ﴿لا تزر﴾ نہیں ڈھوئے گا۔ ﴿وازرة﴾ بوجھ ڈھونے والا۔ ﴿وزر﴾ بوجھ۔

دیت کی وصولی میں قاتل کی شمولیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں دیت کی ادائیگی میں قاتل عاقلہ کے ساتھ شریک ہوگا اور عاقلہ کے ممبروں کی طرح اسے بھی سالانہ تین چار درہم دینا پڑے گا، کیونکہ اصل مجرم اور مباشر یہی ہے، لہذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مجرم کو چھوڑ دیا جائے اور غیر مجرم یعنی عاقلہ کو پکڑ کر ان سے دیت وصول کی جائے، اس لیے ہمارے یہاں قاتل عاقلہ کے ساتھ شریک ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ادائیگیٔ دیت میں قاتل عاقلہ کے ساتھ شامل اور داخل نہیں ہوگا، کیوں کہ جب شریعت نے اسے معذور قرار دے کر اس سے پوری دیت ساقط کردی ہے تو دیت کے کچھ حصے کی ادائیگی میں بھی اسے معذور سمجھا جائے گا، اور وہ دیت کی ایک رتی اور پائی نہیں ادا کرے گا۔

قلنا الخ: صاحب کتاب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اور قاتل کو عاقلہ کے شریک نہ ہونے کی تاویل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شریعت نے قاتل سے پوری دیت اس لیے معاف کی ہے تاکہ اسے حرج اور پریشانی لاحق نہ ہو اور وہ بالکل قلاش نہ ہوجائے اور بعض دیت ادا کرنے میں چوں کہ اسے کوئی حرج اور پریشانی نہیں ہے، اس لیے بعض دیت ادا کرنے میں وہ معذور نہیں ہوگا اور عاقلہ کے ساتھ ادائیگیٔ دیت میں شریک ہوگا۔ اور اگر اسے معذور سمجھ کر ہم اسے چھوڑ دیں تو کس منہ سے عاقلہ سے ادائے دیت کا مطالبہ کریں جب کہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کردیا ہے ولا تزر وازرة وزر أخریٰ۔

وَلَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ مِمَّنْ كَانَ لَهُ حَظٌّ فِي الدِّيْوَانِ عَقْلٌ لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَايَعْقِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ صَبِيٌّ وَلَا امْرَأَةٌ، وَلِأَنَّ الْعَقْلَ إِنَّمَا يَجِبُ عَلَى أَهْلِ النُّصْرَةِ لِتَرْكِهِمْ مُرَاقَبَتَهُ وَالنَّاسُ لَايَتَنَاصَرُوْنَ بِالصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ وَلِهٰذَا لَايُوْضَعُ عَلَيْهِمْ مَاهُوَ خَلَفٌ عَنِ النُّصْرَةِ وَهُوَ الْجِزْيَةُ.

ترجمه: ان عورتوں اور بچوں پر جنھیں دیوان میں حصہ حاصل ہے دیت نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے عاقلہ کے ساتھ بچہ اور عورت دیت نہیں دیں گے۔ اور اس لیے کہ اہل نصرت پر قاتل کی نگہداشت ترک کرنے کی وجہ سے دیت واجب

ہوتی ہے اور لوگ بچوں اور عورتوں سے مدد نہیں لیتے اسی لیے بچوں اور عورتوں پر نصرت کا بدل یعنی جزیہ بھی نہیں مقرر کیا جاتا۔

اللغات:

﴿ذریّة﴾ بال بچے۔ ﴿حظّ﴾ حصہ۔ ﴿عقل﴾ دیت۔ ﴿لا یعقل﴾ دیت نہیں ادا کرے گا۔ ﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿لا یتناصرون﴾ ایک دوسرے کی مدد نہیں کی۔ ﴿خلف﴾ قائم مقام۔

دیت کی وصولی میں بچوں اور عورتوں کا مسئلہ:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں پر دیت نہیں ہے، اگر چہ ان کے نام رجسٹر میں درج ہوں اور دیوان میں ان کا حصہ متعین اور مقرر ہو، کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صاف لفظوں میں یہ اعلان فرمادیا ہے **لایعقل مع العاقلة صبي ولا امرأة** یعنی عاقلہ کے ساتھ بچے اور عورتیں دیت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اہل نصرت پر قاتل کی حفاظت ترک کرنے کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ کوئی بھی قوم عورتوں اور بچوں سے مدد نہیں طلب کرتی لہٰذا یہ دونوں فریق اہل نصرت میں سے نہیں ہیں اور چوں کہ دیت کا تعلق نصرت سے ہے اس لیے جب یہ اہل نصرت میں سے نہیں ہیں، تو ان پر دیت بھی نہیں واجب ہوگی۔ اسی لیے شریعت نے عورتوں اور بچوں کو دیت کے قائم مقام یعنی جزیہ سے بھی بری کردیا ہے۔

وَعَلٰى هٰذَا لَوْ كَانَ الْقَاتِلُ صَبِيًّا أَوْ اِمْرَأَةً لَاشَيْءَ عَلَيْهِمَا مِنَ الدِّيَةِ، بِخِلَافِ الرَّجُلِ، لِأَنَّ وُجُوْبَ جُزْءٍ مِنَ الدِّيَةِ عَلَى الْقَاتِلِ بِاعْتِبَارِ لِأَنَّهُ أَحَدُ الْعَوَاقِلِ، لِأَنَّهُ يَنْصُرُ نَفْسَهُ وَهٰذَا لَايُوْجَدُ فِيْهِمَا، وَالْفَرْضُ لَهُمَا مِنَ الْعَطَاءِ لِلْمَعُوْنَةِ لَا لِلنُّصْرَةِ كَفَرْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ.

ترجمه: اور اسی پر ہے کہ اگر قاتل بچہ یا عورت ہو تو ان پر کچھ دیت نہیں ہے۔ برخلاف مرد کے، کیونکہ قاتل پر دیت کا بعض حصہ اس لیے واجب ہے کہ وہ عاقلہ میں سے ایک فرد ہے، اس لیے کہ وہ اپنے نفس کی مدد کرتا ہے اور یہ چیز عورت اور بچہ میں نہیں پائی جاتی۔ اور عطایا میں سے جو ان کے لیے مقرر ہے وہ معونت کے لیے ہے نہ کہ نصرت کے لیے جیسے حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حصہ۔

اللغات:

﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿عواقل﴾ واحد عاقلة؛ قریبی تعلق دار۔ ﴿معونة﴾ امداد۔ ﴿فرض﴾ مقررہ حصہ۔

دیت کی وصولی میں بچوں اور عورتوں کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ماقبل میں جو عورت اور بچے کو دیت کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے وہ استثناء عام ہے، یعنی یہ دونوں قاتل نہ ہوں تب بھی عاقلہ کے ساتھ دیت میں شامل نہیں ہوں گے اور قاتل ہوں تب بھی یہ عاقلہ کے ساتھ دیت میں شامل نہیں ہوں گے۔ ان کے برخلاف اگر مرد قاتل ہو تو وہ ہمارے یہاں عاقلہ کے ساتھ دیت میں شامل ہوگا، کیوں کہ اس شمولیت سے وہ

عاقلہ کے لیے راحت اور تخفیف کا باعث ہوگا اور یہی چیز عاقلہ کے حق میں مفید ہے نیز وہ اہل نصرت میں سے ہے اور عاقلہ کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے وہ اپنی نصرت کرنے والا ہوگا، اس لیے اس حوالے سے بھی اس کی شمولیت مفید ہے، اور چوں کہ بچہ اور عورت میں نصرت کا مادہ اور یہ منفعت مفقود ہے اسی لیے فقہاء نے انھیں عواقل کی فہرست سے خارج قرار دے دیا ہے۔

والفرض لهما الخ: فرماتے ہیں کہ بچہ اور عورت اہل نصرت میں سے نہیں ہیں، اور انھیں بیت المال سے دیا جانے والا عطیہ ان کی امداد کے لیے ہوتا ہے نہ کہ نصرت کے لیے لہٰذا ان کو ملنے والے عطایا پر اعتراض کی کوشش نہ کی جائے جیسے امہات المؤ منین رضی اللہ عنہن کو بیت المال سے دیا جانے والا وظیفہ بربنائے معونت تھا، نہ کہ بر سبیلِ نصرت اسی طرح عورت اور بچہ کو ملنے والا عطیہ بھی بربنائے معونت ہوتا ہے اور اس عطیہ کی وجہ سے وہ عاقلہ کی فہرست میں شامل نہیں ہوسکتے۔

وَلَايَعْقِلُ أَهْلُ مِصْرٍ عَنْ مِصْرٍ اٰخَرَ يُرِيْدُ بِهٖ أَنَّهٗ إِذَا كَانَ لِأَهْلِ كُلِّ مِصْرٍ دِيْوَانٌ عَلٰى حِدَةٍ، لِأَنَّ التَّنَاصُرَ بِالدِّيْوَانِ عِنْدَ وُجُوْدِهٖ، وَلَوْ كَانَ بِاعْتِبَارِ الْقُرْبِ فِي السُّكْنٰى فَأَهْلُ مِصْرِهٖ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ مِصْرٍ اٰخَرَ.

ترجمه: اور ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی طرف سے دیت نہیں دیں گے۔ صاحب ہدایہؒ کی مراد یہ ہے کہ جب ہر شہر والوں کا علاحدہ دیوان ہو، کیونکہ دیوان کے موجود ہونے کے وقت تناصر دیوان کے ذریعے ہوتا ہے، اور اگر رہائش میں قربت کے اعتبار سے تناصر ہوتو قاتل کے شہر والے دوسرے شہر والوں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہوں گے۔

اللغات:

﴿لا يعقل﴾ دیت نہیں ادا کرے گا۔ ﴿مصر﴾ شہر۔ ﴿تناصر﴾ باہمی نصرت۔ ﴿سکنٰی﴾ رہائش۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو شہروں میں سے ہر ہر شہر میں الگ الگ دیوان ہو تو ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی دیت نہیں دیں گے، کیونکہ دیوان کی موجودگی میں تناصر اور تعاون کا مدار دیوان ہی پر ہوتا ہے، لہٰذا دیوان کے ہوتے ہوئے دوسرے شہر والے قاتل کی دیت نہیں دیں گے، اور اگر تناصر کا مدار رہائشی قربت کی بنیاد پر ہوتو قاتل کے اپنے شہر اور اپنی سوسائٹی والے دوسرے شہر والوں کے بالمقابل دیت کی ادائیگی کے زیادہ اہل اور حق دار ہوں گے۔

وَيَعْقِلُ أَهْلُ كُلِّ مِصْرٍ مِنْ أَهْلِ سَوَادِهِمْ، لِأَنَّهُمْ أَتْبَاعٌ لِأَهْلِ الْمِصْرِ فَإِنَّهُمْ إِذَا حَزَبَهٗ أَمْرٌ اِسْتَنْصَرُوْا بِهِمْ فَيَعْقِلُهُمْ أَهْلُ الْمِصْرِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الْقُرْبِ وَالنُّصْرَةِ.

ترجمه: اور ہر شہر والے گاؤں والوں کی دیت ادا کریں گے، کیونکہ گاؤں والے اہل شہر کے تابع ہوتے ہیں، چنانچہ جب انھیں کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو وہ لوگ اہل شہر سے مدد طلب کرتے ہیں، لہٰذا قربت اور نصرت کے معنی کی وجہ سے اہل شہر گاؤں والوں کی دیت ادا کریں گے۔

اللغات:

﴿یعقل﴾ دیت ادا کریں گے۔ ﴿سواد﴾ نواحی بستیاں۔ ﴿حزبة﴾ ان کو پیش آئے گا۔ ﴿استنصروا﴾ نصرت طلب کرتے ہیں۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ گاؤں جو شہر سے متعلق اور منسلک ہوتا ہے وہ گاؤں اس شہر کے تابع ہوتا ہے اور گاؤں والوں کو جب بھی کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو اہل شہر ان کی نصرت وحمایت کے لیے کمربستہ ہوجاتے ہیں اور اسی تعاون اور تناصر کو دیکھتے ہوئے اہل شہر گاؤں میں واقع قتل خطأ کے قاتل کی دیت بھی ادا کرتے ہیں بشرطیکہ گاؤں والے ادائے دیت کے لیے ناکافی ہوں۔

وَمَنْ كَانَ مَنْزِلُهُ بِالْبَصْرَةِ وَدِيْوَانُهُ بِالْكُوْفَةِ عَقَلَ عَنْهُ أَهْلُ الْكُوْفَةِ، لِأَنَّهُ يَسْتَنْصِرُ بِأَهْلِ دِيْوَانِهِ لَابِجِيْرَانِهِ، وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْإِسْتِنْصَارَ بِالدِّيْوَانِ أَظْهَرُ فَلَايَظْهَرُ مَعَهُ حُكْمُ النُّصْرَةِ بِالْقَرَابَةِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَقُرْبِ السُّكْنٰى وَغَيْرِهِ، وَبَعْدَ الدِّيْوَانِ النُّصْرَةُ بِالنَّسَبِ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ، وَعَلٰى هٰذَا يَخْرُجُ كَثِيْرٌ مِنْ صُوَرِ مَسَائِلِ الْمُعَاقِلِ.

ترجمه: جس شخص کا گھر بصرہ میں ہو اور اس کا دیوان کوفہ میں ہو تو اہل کوفہ اس کی دیت ادا کریں گے، کیوں کہ یہ شخص اپنے اہل دیوان سے مدد طلب کرے گا نہ کہ اپنے پڑوسیوں سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل دیوان سے مدد طلب کرنا اظہر ہے، لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے قرابت، نسب، ولاء اور رہائشی قربت وغیرہ کی نصرت کا حکم ظاہر نہیں ہوگا۔ اور دیوان کے بعد نصرت بالنسب کا مرتبہ ہے اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کرچکے ہیں اور اس اصول پر معاقل کے بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿منزل﴾ گھر، مکان۔ ﴿دیوان﴾ بیت المال میں اندراج کا رجسٹر یہاں مراد وہ لوگ جو اس کے قریبی تعلق دار اور بیت المال میں اس کے نام کے ساتھ ان کے نام اکٹھے درج کیے گئے ہیں۔ ﴿استنصار﴾ نصرت طلب کرنا۔ ﴿قرابة﴾ رشتہ داری۔ ﴿ولاء﴾ دوستی، غلام اور مالک کا رشتہ۔ ﴿سکنٰی﴾ رہائش گاہ۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ تناصر اور استنصار کا سب سے اہم اور قوی ترین ذریعہ دیوان ہے اور دیوان کے ہوتے ہوئے قرابت، نسب اور رہائشی قربت وغیرہ کا نمبر نہیں آئے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بصرہ میں رہتا ہو اور اس کے اہل دیوان کوفہ میں ہوں تو کوفہ والوں پر اس شخص کی دیت ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ انسان اپنے پڑوسیوں کی بہ نسبت اپنے اہل دیوان سے زیادہ مدد طلب کرتا ہے اور سب سے پہلے اہل دیوان ہی کو پکارتا ہے، اس لیے دیوان کے ہوتے ہوئے دیگر واسطہ تناصر کا نمبر ساقط ہوجائے گا۔

ہاں جب دیوان کا معاملہ نہیں ہوگا تو اس کے بعد تناصر بالنسب کا مرحلہ ہوگا اور نسب میں وہی ترتیب جاری ہوگی جو عصبات میں جاری وساری ہے۔

وَمَنْ جَنٰى جِنَايَةً مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَلَيْسَ لَهُ فِي الدِّيْوَانِ عَطَاءٌ وَأَهْلُ الْبَادِيَةِ أَقْرَبُ إِلَيْهِ وَمَسْكَنُهُ الْمِصْرُ عَقَلَ عَنْهُ أَهْلُ الدِّيْوَانِ مِنْ ذٰلِكَ الْمِصْرِ، وَلَمْ يُشْتَرَطْ أَنْ يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ الدِّيْوَانِ قَرَابَةٌ، وَقِيْلَ هُوَ صَحِيْحٌ، لِأَنَّ الَّذِيْنَ يَذُبُّوْنَ عَنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَيَقُوْمُوْنَ بِنُصْرَتِهِمْ وَيَدْفَعُوْنَ عَنْهُمْ أَهْلُ الدِّيْوَانِ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ وَلَا يَخُصُّوْنَ أَهْلَ الْعَطَاءِ.

ترجمه: اہل شہر میں سے کسی نے جنایت کی اور دیوان میں اس کا عطیہ نہیں ہے اور گاؤں والے (نسب کے اعتبار سے) اس کے زیادہ قریب ہوں اور اس کی رہائش شہر میں ہو تو اس شہر کے اہل دیوان اس کی دیت ادا کریں گے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط نہیں لگائی ہے کہ اس جانی اور اہل دیوان کے درمیان کوئی قرابت ہو، کہا گیا کہ یہی صحیح ہے، کیونکہ جو لوگ اہل شہر سے دفاع کرتے ہیں اور ان کی نصرت کرتے ہیں اور ان کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں وہ لوگ اہل شہر کے اہل دیوان ہیں اور اہل دیوان مدافعت کے ساتھ اہل عطاء کو خاص نہیں کرتے۔

اللغات:

﴿جنٰی﴾ جرم کیا۔ ﴿جنایة﴾ جرم۔ ﴿بادیة﴾ گاؤں۔ ﴿عقل﴾ دیت ادا کریں گے۔ ﴿یذبّون﴾ ہٹاتے ہیں، دور کرتے ہیں۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک شہر میں قیام پذیر ہو لیکن دیوان میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو اور گاؤں والے اس کے قریبی اور رشتے دار ہوں تو اہل دیوان ہی اس شخص کی دیت ادا کریں گے، خواہ اہل دیوان اس کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح جامع صغیر میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے اور یہ شرط نہیں لگائی ہے کہ اہل دیوان جانی اور قاتل کے رشتے دار ہوں اور اسی قول کو بعض حضرات نے صحیح قرار دیا ہے اور یہی مناسب بھی ہے، کیونکہ اہل شہر سے مدافعت کرنے، ان کی نصرت کرنے اور ہر معاملے میں ان کی حمایت کرنے کا کام اہل دیوان کا ہے اور اہل دیوان کا یہ عمومی فریضہ ہے کہ وہ شہر کے ہر شخص کی مدد کریں اور اس میں بلاتفریق عام وخاص اپنا فرض نبھائیں اور اپنی حمایت ونصرت کو اہل عطا یا قرابت داروں کے ساتھ خاص نہ کریں۔

وَقِيْلَ تَأْوِيْلُهُ إِذَا كَانَ قَرِيْبًا لَهُمْ وَفِي الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَيْهِ حَيْثُ قَالَ وَأَهْلُ الْبَادِيَةِ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْوُجُوْبَ عَلَيْهِمْ بِحُكْمِ الْقَرَابَةِ وَأَهْلُ الْمِصْرِ أَقْرَبُ مِنْهُمْ مَكَانًا فَكَانَتِ الْقُدْرَةُ عَلَى النُّصْرَةِ لَهُمْ، وَصَارَ نَظِيْرُ مَسْأَلَةِ الْغَيْبَةِ الْمُنْقَطِعَةِ.

ترجمہ: اور کہا گیا اس کی تاویل یہ ہے کہ جب وہ مجرم ان کا قریبی شخص ہو اور قدوری میں اسی طرف اسارہ ہے چنانچہ فرمایا و أهل البادية أقرب إليه من أهل المصر۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان پر بحکم قرابت وجوب ہے اور اہل شہر مقام کے اعتبار سے گاؤں والوں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہیں، لہٰذا اہل شہر ہی نصرت پر قادر ہوں گے، اور یہ غیبت منقطعہ والے مسئلے کی نظیر ہوگیا۔

اللغاتُ:

﴿بادية﴾ بستی، گاؤں۔ ﴿قرابة﴾ قریب ہونا، رشتہ داری۔ ﴿غيبة﴾ غیر موجودگی۔

مختلف شہروں کے لوگوں سے دیت کی وصولی:

ماقبل میں جو اہل دیوان کے دیت ادا کرنے کی بات آئی ہے اس کے متعلق ایک قول تو وہی ہے جو گذرا کہ اہل دیوان ہی جانی کی دیت ادا کریں گے اگر چہ وہ اس کے قریبی یا رشتے دار نہیں ہوں گے، لیکن اس کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ اہل دیوان اس وقت مذکورہ جانی کی دیت ادا کریں گے جب کہ ان کے اور جانی کے مابین قرابت ہوگی اگر چہ یہ قرابت بعیدہ ہوگی، کیونکہ ان پر ادائے دیت کا وجوب قرابت کی وجہ سے ہوگا اور جانی قرابت نسبی کے اعتبار سے تو گاؤں والوں سے زیادہ قریب ہوگا، لیکن قرابت مکانی اور قرابت مقامی ومصالحی کے اعتبار سے اہل مصر کے زیادہ قریب ہوگا اور اہل مصر اہل قریہ کے بالمقابل اس کی حمایت ونصرت پر زیادہ قادر ہوں گے، لہٰذا وہی لوگ اس کی دیت بھی ادا کریں گے۔

وصار نظير الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ غیبت منقطعہ والے مسئلے کی نظیر ہے مثلاً اگر کسی بچی کے دو ولی ہوں (۱) ولیِ اقرب (۲) ولیِ ابعد لیکن ولیِ اقرب غیبتِ منقطعہ کے طور پر غائب ہو اور اس کا کوئی پتہ ٹھکانہ نہ ہو تو اس صورت میں قربتِ مقام اور قربتِ تدبیر ومصلحت کی بنیاد پر ولیِ ابعد کو اس کے نکاح وغیرہ کا حق حاصل ہوگا۔ اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی اہل مصر کو قرابتِ مکانی کی بنیاد پر مذکورہ جانی کی دیت ادا کرنی ہوگی۔

وَلَوْ كَانَ الْبَدَوِيُّ نَازِلًا فِي الْمِصْرِ لَامَسْكَنَ لَهُ فِيْهِ لَايَعْقِلُهُ أَهْلُ الْمِصْرِ، لِأَنَّ أَهْلَ الْعَطَاءِ لَايَنْصُرُوْنَ مَنْ لَا مَسْكَنَ لَهُ فِيْهِ كَمَا أَنَّ أَهْلَ الْبَادِيَةِ لَاتَعْقِلُ عَنْ أَهْلِ الْمِصْرِ النَّازِلِ فِيْهِمْ، لِأَنَّهُ لَايَنْتَصِرُ بِهِمْ.

ترجمہ: اور اگر دیہاتی شہر میں آیا ہو اور شہر میں اس کا گھر نہ ہو تو اہل شہر اس کی دیت نہیں دیں گے، کیونکہ اہل عطاء اس شخص کی نصرت نہیں کرتے جس کا شہر میں گھر نہیں ہوتا جیسے دیہاتی اس شہری کی دیت نہیں دیتے جو ان کے پاس (شہر سے) آیا ہوا ہو، کیونکہ وہ (نازل) ان دیہاتیوں سے مدد نہیں طلب کرتا۔

اللغاتُ:

﴿بدوي﴾ دیہاتی۔ ﴿نازل﴾ وارد۔ ﴿لايعقله﴾ اس کی دیت نہیں ادا کریں گے۔

مسافر کی دیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی دیہاتی شہر گیا اور اس نے وہاں جا کر کوئی جنایت کر دی حالانکہ شہر میں اس کا مکان اور گھر

نہیں ہے تو اہل شہر اس کی دیت نہیں ادا کریں گے، کیونکہ اہل عطاء انھی لوگوں کی نصرت اور اعانت کرتے ہیں جو شہر میں بودوباش اختیار کئے ہوئے ہوں اور آنے جانے والوں اور مسافروں کی وہ اعانت نہیں کرتے اس لیے وہ لوگ مذکورہ شخص کی دیت نہیں ادا کریں گے۔ جیسے اگر کوئی شہری کسی دیہات میں جائے اور کوئی جنایت کر بیٹھے تو دیہاتی اس کی دیت نہیں دیں گے، کیونکہ وہ شخص دیہات کا باشندہ نہیں ہے اور نہ ہی اہل بادیہ سے مدد کا طالب ہے۔ اسی طرح شہر میں جانے والا مسافر بھی چوں کہ شہر کا باشندہ نہیں ہوتا اس لیے اہل شہر اس کی دیت نہیں دیں گے۔

وَإِنْ كَانَ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ عَوَاقِلُ مَعْرُوْفَةٌ يَتَعَاقَلُوْنَ بِهَا فَقَتَلَ أَحَدُهُمْ قَتِيْلًا فَدِيَّتُهُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِ، لِأَنَّهُمُ الْتَزَمُوْا أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ فِي الْمُعَامَلَاتِ لَاسِيَّمَا فِي الْمَعَانِي الْعَاصِمَةِ عَنِ الْأَضْرَارِ، وَمَعْنَى التَّنَاصُرِ مَوْجُوْدٌ فِيْ حَقِّهِمْ.

ترجمہ: اور اگر اہل ذمہ کے معروف عواقل ہوں جو ان کی دیت دیتے ہوں پھر ان میں سے کسی نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو مسلمان کی طرح اس کی دیت عاقلہ پر ہوگی، کیونکہ انھوں نے معاملات میں احکام اسلام کا التزام کیا ہے خاص طور سے تکلیف دہ چیزوں سے بچانے والے اسباب میں اور تناصر کے معنی ان کے حق میں موجود ہیں۔

اللغات:

﴿عواقل﴾ واحد عاقلۃ؛ قریبی تعلق دار۔ ﴿یتعاقلون﴾ باہمی دیت تاوان وغیرہ دیتے ہیں۔ ﴿التزموا﴾ انھوں نے اپنے پر لازم کرلیا ہے۔ ﴿لا سیّما﴾ خاص طور پر۔ ﴿عاصمۃ﴾ بچانے والے۔ ﴿اضرار﴾ نقصان پہنچانا۔ ﴿تناصر﴾ آپس کی نصرت۔

ذمیوں کی دیت کا معاملہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمیوں کے مشہور ومعروف عاقلہ ہوں اور وہ اپنے معاہدہ کنندہ لوگوں کی دیت دیتے ہوں پھر ان میں کوئی قتل ہوجائے تو اس کی دیت قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوگی، جیسے اگر قاتل مسلمان ہوتا تو اس کے عاقلہ اس کی دیت ادا کرتے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ذمی قاتل کے عاقلہ اس کی دیت ادا کریں گے، کیونکہ ذمیوں نے معاملات میں احکام اسلام کو اپنانے اور اختیار کرنے کا التزام کیا ہے اور ضرر سے بچانے اور چھیڑ چھاڑ نہ کرنے والے معاملات میں تو اور بھی اچھے طریقے پر انھوں نے التزام کیا ہے، اس لیے مسلمان قاتل کے عاقلہ کی طرح ذمی کے قاتل کے عاقلہ بھی اس کی دیت ادا کریں گے۔ اور چوں کہ آپس میں تناصر اور تعاون جس طرح مسلمانوں میں رائج ہے اسی طرح ذمیوں میں بھی جاری وساری ہے، لہٰذا دیت کا معاملہ بھی ان کے آپس میں جاری وساری ہوگا۔

وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ عَاقِلَةٌ مَعْرُوْفَةٌ فَالدِّيَةُ فِيْ مَالِهِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ يَوْمٍ يُقْضٰى بِهَا عَلَيْهِ كَمَا فِيْ حَقِّ الْمُسْلِمِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْوُجُوْبَ عَلَى الْقَاتِلِ، وَإِنَّمَا يَتَحَوَّلُ عَنْهُ إِلَى الْعَاقِلَةِ أَنْ لَوْ وُجِدَتْ، فَإِذَا لَمْ تُوْجَدْ بَقِيَتْ عَلَيْهِ فِيْ

مَالِهٖ بِمَنْزِلَةِ تَاجِرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ يُقْضٰى بِالدِّيَةِ عَلَيْهِ فِيْ مَالِهٖ، لِأَنَّ أَهْلَ دَارِ الْإِسْلَامِ لَايَعْقِلُوْنَ عَنْهُ، وَتَمَكُّنُهٗ مِنْ هٰذَا الْقَتْلِ لَيْسَ بِنُصْرَتِهِمْ.

ترجمه: اوراگر ذمیوں کا معروف عاقلہ نہ ہوتو دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی جو یوم قضاء سے تین سالوں میں ادا کی جائے گی، جیسے مسلمان کے حق میں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجوب قاتل پر ہے اور قاتل سے عاقلہ کی طرف وجوب منتقل ہوتا ہے اگر عاقلہ موجود ہوں، لیکن اگر عاقلہ موجود نہ ہوں تو قاتل پر اس کے مال میں دیت باقی رہے گی جیسے دو مسلمان تاجر دار الحرب میں ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کردے تو قاتل پر اس کے مال میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ دار الاسلام کے باشندے اس کی طرف سے دیت نہیں دیں گے اور قاتل کا اس قتل پر قادر ہونا ان کی نصرت کی وجہ سے نہیں ہے۔

اللغاتُ:

﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔ ﴿یتحوّل﴾ پھرتا ہے، تبدیل ہوتا ہے۔ ﴿تمکّن﴾ قادر ہونا۔

ذمیوں کی دیت کا معاملہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمیوں کے مشہور ومعروف عاقلہ موجود ہوں تو ذمی قاتل کے مقتول کی دیت وہی عاقلہ ادا کریں گے، اور یہ ادائیگی قضائے قاضی کے بعد تین سالوں میں ہوگی، جیسا کہ مسلمان قاتل کے عاقلہ بھی تین سالوں میں اس کے مقتول کی دیت ادا کرتے ہیں۔ اس سلسلے کی دلیل یہ ہے کہ دیت کا اصل وجوب قاتل پر ہے اور اس وقت قاتل سے اس کے عاقلہ کی طرف منتقل ہوتا ہے جب عاقلہ موجود ہوتے ہیں اور جب عاقلہ نہیں ہوتے تو دیت کا وجوب قاتل پر برقرار رہتا ہے اور عاقلہ کے نہ ہونے کی صورت میں قاتل ہی مقتول کی دیت ادا کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو تاجر جو مسلمان تھے اور دار الحرب میں گئے تھے وہاں ایک نے دوسرے کو قتل کردیا تو اس کی دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی اور اس کے عاقلہ دیت نہیں دیں گے، اس لیے کہ دار الحرب میں قاتل کے عاقلہ نہیں ہوتے اور وہ لوگ دار الحرب میں واقع ہونے والی جنایت کی دیت بھی نہیں دیتے۔ کیونکہ دار الحرب میں واقع ہونے والا قتل ان کی طرف سے ترکِ مراقبت کی کوتاہی کے نتیجے میں نہیں ہوتا۔

وَلَايَعْقِلُ كَافِرٌ عَنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمٌ عَنْ كَافِرٍ لِعَدَمِ التَّنَاصُرِ، وَالْكُفَّارُ يَتَعَاقَلُوْنَ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَإِنِ اخْتَلَفَ مِلَلُهُمْ، لِأَنَّ الْكُفْرَ كُلَّهٗ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ، قَالُوْا هٰذَا إِذَا لَمْ تَكُنِ الْمُعَادَاةُ فِيْمَا بَيْنَهُمْ ظَاهِرَةً، أَمَّا إِذَا كَانَتْ ظَاهِرَةً كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى يَنْبَغِيْ أَنْ لَّايَتَعَاقَلُوْنَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ، وَهٰكَذَا عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لِانْقِطَاعِ التَّنَاصُرِ.

ترجمه: اور نہ تو کوئی کافر کسی مسلمان کی دیت ادا کرے گا اور نہ ہی کوئی مسلمان کسی کافر کی دیت دے گا، کیونکہ (ان میں) تناصر معدوم ہے، اور کفار آپس میں ایک دوسرے کی دیت دیں گے، ہر چند کہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔ اس لیے کہ پورا کفر ملتِ واحدہ ہے۔ حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب کفار کے مابین ظاہری عداوت نہ ہو۔ لیکن اگر عداوت ظاہر ہو جیسے

یہود ونصاریٰ تو مناسب ہے کہ ان میں سے کوئی کسی کی دیت نہ دے۔ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کیونکہ تناصر معدوم ہے۔

اللغات:

﴿تناصر﴾ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿یتعاقلون﴾ ایک دوسرے کی دیت ادا کرتے ہیں۔ ﴿ملل﴾ واحد ملّۃ؛ مذاہب، طریقے۔ ﴿معاداۃ﴾ باہمی دشمنی۔ ﴿ینبغی﴾ مناسب ہے۔

کفار اور مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کی دیت دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ دوسرے کی طرف سے دیت ادا کرنے کا انحصار اور دارومدار تناصر پر ہے اور چوں کہ مسلمان اور کافر میں کوئی تناصر نہیں ہے، اس لیے نہ تو کافر مسلمان کی دیت دے گا اور نہ مسلمان کسی کافر لعین کی دیت دے گا۔ البتہ کفار میں اگر کھلی ہوئی عداوت نہ ہو اور وہ ایک دوسرے کے خلاف بر سر پیکار نہ رہتے ہوں تو آپس میں وہ ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے اگر چہ ان کے ادیان وملل ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہوں، کیونکہ کفر اختلاف ملل کے باوجود ملتِ واحدہ ہے، اس لیے ایک کافر دوسرے قاتل کے مقتول کی دیت ادا کرے گا۔

اور اگر کفار میں ظاہری عداوت ہو جیسے یہود اور نصاریٰ ہیں کہ وہ ہمہ وقت ایک دوسرے سے بر سر پیکار رہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان میں تناصر منقطع ہوگا۔ اور وہ ایک دوسرے کی دیت نہیں دیں گے، یہی حکم حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے اور حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

وَلَوْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَلَهُ بِهَا عَطَاءٌ فَحُوِّلَ دِيْوَانُهُ إِلَى الْبَصْرَةِ ثُمَّ رُفِعَ إِلَى الْقَاضِيْ فَإِنَّهُ يَقْضِيْ بِالدِّيَةِ عَلَى عَاقِلَتِهِ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَقْضِيْ عَلَى عَاقِلَتِهِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، لِأَنَّ الْمُوْجِبَ هُوَ الْجِنَايَةُ وَقَدْ تَحَقَّقَتْ وَعَاقِلَتُهُ أَهْلُ الْكُوْفَةِ، وَصَارَ كَمَا إِذَا حُوِّلَ بَعْدَ الْقَضَاءِ.

ترجمه: اور اگر قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور کوفہ میں اس کے لیے عطاء ہو، پھر اس کا دیوان بصرہ منتقل کر دیا گیا اور معاملہ قاضی کے پاس لے جایا گیا تو قاضی اہل بصرہ میں سے اس کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے گا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی اہل کوفہ میں سے اس کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے گا اور یہی امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے، کیونکہ مُوجِب دیت جنایت ہے اور وہ متحقق ہو چکی ہے اس حال میں کہ اس کے عاقلہ اہل کوفہ ہیں۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے قضائے قاضی کے بعد دیوان منتقل ہوا ہو۔

اللغات:

﴿حُوِّل﴾ پھیر دیا گیا، بدل دیا گیا۔ ﴿موجب﴾ سبب، واجب کرنے والا۔ ﴿تحقّقت﴾ پوری ہو چکی۔

دیت کے فیصلے سے پہلے دیوان ایک سے دوسرے شہر میں منتقل ہو جانے کی صورت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور کوفہ ہی کے دیوان میں اس کا عطیہ مقرر ہو پھر اس پر قضائے قاضی

سے پہلے اس کا دیوان کوفہ سے بصرہ منتقل کر دیا گیا اس کے بعد قاضی نے اس پر دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا تو ہمارے یہاں اہل بصرہ میں سے جو عاقلہ ہوں گے ان پر دیت کا فیصلہ ہوگا۔ لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی کوفہ کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے گا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وجوبِ دیت کا موجب جنایت ہے یعنی جس حال میں جنایت متحقق ہوگی ایجابِ جنایت میں اس حال کا اعتبار کیا جائے گا اور صورت مسئلہ میں جب قاتل نے جنایت کی ہے تو اس کا نام کوفہ کے رجسٹر میں درج تھا لہٰذا اہل کوفہ ہی اس کے عاقلہ ہوں گے اور وہی اس کی دیت ادا کریں گے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے قضائے قاضی کے بعد اس شخص کا نام بصرہ کے دیوان میں منتقل کیا گیا ہو تو اس صورت میں بالاتفاق اہل کوفہ ہی اس کے عاقلہ ہوں گے، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی اہلِ کوفہ ہی مذکورہ قاتل کی دیت ادا کریں گے۔

وَلَنَا أَنَّ الْمَالَ إِنَّمَا يَجِبُ عِنْدَ الْقَضَاءِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْمِثْلُ وَبِالْقَضَاءِ يُنْتَقَلُ إِلَى الْمَالِ وَكَذَا الْوُجُوْبُ عَلَى الْقَاتِلِ وَتَتَحَمَّلُ عَنْهُ عَاقِلَتُهُ، وَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ يَتَحَمَّلُ عَنْهُ مَنْ يَكُوْنُ عَاقِلَتَهُ عِنْدَ الْقَضَاءِ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْقَضَاءِ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ قَدْ تَقَرَّرَ بِالْقَضَاءِ فَلَايَنْتَقِلُ بَعْدَ ذٰلِكَ لٰكِنْ حِصَّةُ الْقَاتِلِ تُؤْخَذُ مِنْ عَطَائِهِ بِالْبَصْرَةِ، لِأَنَّهَا تُؤْخَذُ مِنَ الْعَطَاءِ وَعَطَاؤُهُ بِالْبَصْرَةِ.

ترجمہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ مال بوقت قضاء واجب ہوتا ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ واجب (اصلی) مثل ہے اور قضاء سے یہ واجب مال کی طرف منتقل ہوتا ہے نیز وجوب قاتل پر ہے اور اس کی طرف سے اس کے عاقلہ اس کا تحمل کرتے ہیں، اور جب معاملہ یہ ہے تو قاتل کی طرف سے وہی شخص تحمل کرے گا جو بوقت قضاء اس کے عاقلہ میں سے ہوگا۔ برخلاف مابعد القضاء کے کیونکہ قضائے قاضی سے واجب ثابت ہو چکا ہے لہٰذا اس کے بعد وہ منتقل نہیں ہوگا، لیکن قاتل کا حصہ اس کے بصرہ والے عطاء سے لیا جائے گا، کیونکہ یہ حصہ عطاء سے لیا جاتا ہے اور اس کی عطاء بصرہ میں ہے۔

اللغات:

﴿تتحمّل﴾ برداشت کرتے ہیں۔ ﴿عاقلة﴾ قریبی رشتہ دار۔ ﴿تقرّر﴾ ثابت ہو چکا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں جمہور کی دلیل:

گذشتہ عبارت میں بیان کردہ صورت مسئلہ سے متعلق یہ جمہور احناف کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قتل خطأ وغیرہ میں قاتل پر بشکل دیت جو مال واجب ہوتا ہے اس کا تعلق قضائے قاضی سے ہوتا ہے، یعنی جب تک قاضی قاتل کے عاقلہ پر ادائے دیت کا فیصلہ صادر نہیں کرے گا اس وقت تک وہ مال ہی واجب نہیں ہوگا اور پھر اس مال کا اصل وجوب قاتل پر ہوتا ہے اور قضائے قاضی کے بعد اس کی ادائیگی عاقلہ پر لازم ہوتی ہے لہٰذا دیت میں اصل کردار اور نمایاں رول قضائے قاضی کا ہوتا ہے اور قضائے قاضی کے وقت قاتل کے عاقلہ اگر کوفی ہوں گے تو ان پر دیت واجب ہوگی اور گر بصری ہوں گے تو ان پر دیت واجب ہوگی اور صورت مسئلہ میں چوں کہ قضائے قاضی سے پہلے ہی قاتل کا نام کوفہ سے منتقل ہو کر بصرہ کے رجسٹر میں درج ہو چکا ہے، اس لیے اب اہلِ بصرہ ہی اس

کے عاقلہ ہوں گے۔

بخلاف ما بعد القضاء الخ: فرماتے ہیں کہ ہاں اگر قضائے قاضی کے بعد اس کا نام کوفہ کے رجسٹر سے بصرہ کے دیوان میں منتقل ہوا تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں مال بذریعہ قضاء مقرر ہو چکا ہے اور اہل کوفہ ہی بوقت قضاء اس کے عاقلہ ہیں اس لیے اس صورت میں تو یقیناً وہی لوگ اس کی دیت ادا کریں گے۔

لکن حصة القاتل الخ: البتہ صورت مسئلہ میں قاتل سے جو اس کا حصہ لیا جائے گا وہ اس عطیہ سے لیا جائے گا جو اسے بصرہ میں ملے گا، کیونکہ دیت عطائے مستقبلہ سے لی جاتی ہے اور اب اسے بصرہ ہی میں عطاء ملے گی، لہٰذا اسی میں سے اس کا حصہ لیا جائے گا۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا قَلَّتِ الْعَاقِلَةُ بَعْدَ الْقَضَاءِ عَلَيْهِمْ حَيْثُ يُضَمُّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ فِي النَّسَبِ، لِأَنَّ فِي النَّقْلِ إِبْطَالُ حُكْمِ الْأَوَّلِ فَلَايَجُوْزُ بِحَالٍ، وَفِي الضَّمِّ تَكْثِيْرُ الْمُتَحَمِّلِيْنَ لِمَا قُضِيَ بِهٖ عَلَيْهِمْ فَكَانَ فِيْهِ تَقْرِيْرُالْحُكْمِ الْأَوَّلِ لَا إِبْطَالُهُ، وَعَلٰى هٰذَا لَوْ كَانَ الْقَاتِلُ سُكْنَةً بِالْكُوْفَةِ وَلَيْسَ لَهُ عَطَاءٌ فَلَمْ يُقْضَ عَلَيْهِ حَتّٰى اِسْتَوْطَنَ الْبُصْرَةَ قُضِيَ بِالدِّيَةِ عَلٰى أَهْلِ الْبُصْرَةِ، وَلَوْ كَانَ قُضِيَ بِهَا عَلٰى أَهْلِ الْكُوْفَةِ لَمْ يَنْتَقِلْ عَنْهُمْ.

ترجمہ: برخلاف اس صورت کے جب عاقلہ پر فیصلے کے بعد ان کی تعداد کم ہوگئی ہو تو عاقلہ کے ساتھ قاتل کے قریب ترین نسبی قبیلے والوں کو شامل کیا جائے گا، کیونکہ منتقل کرنے میں حکم اول کا ابطال ہے لہٰذا یہ کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے، اور ملانے میں حاملین کی تکثیر ہے اس چیز کے متعلق جس کا ان پر فیصلہ کیا گیا ہے، لہٰذا ایسا کرنے میں حکم اول کا اثبات ہے نہ کہ اس کا ابطال۔

اور اسی اصل پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ اگر قاتل کی رہائش کوفہ میں ہو اور (کوفہ کے دیوان میں) اس کی عطاء نہ ہو اور اس پر دیت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ اس نے بصرہ کو وطن بنالیا تو اہل بصرہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر اہل کوفہ پر دیت کا فیصلہ ہو چکا تھا تو ان سے منتقل نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿یُضَمُّ﴾ ملائے جائیں گے۔ ﴿إبطال﴾ باطل کرنا، غلط ٹھہرانا۔ ﴿تکثیر﴾ بڑھانا۔ ﴿متحمّلین﴾ برداشت کرنے والے۔ ﴿سُکنة﴾ رہائش گاہ۔ ﴿استوطن﴾ وطن بنالیا۔

قضائے قاضی کے بعد عاقلہ کی تعداد گھٹ جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عاقلہ پر قاضی کے قضائے دیت کے بعد اگر ان کی تعداد کم ہو جائے تو اب ان کے ساتھ قاتل کے قریب ترین نسبی قبیلے والوں کو ملایا جائے گا اور یہ فعل نقل نہیں ہوگا بلکہ ضم ہوگا اور نقل اگرچہ درست نہیں ہے، لیکن ضم درست اور جائز ہے۔ اور پھر نقل میں قضائے اول اور حکم اول کا ابطال ہوتا ہے اس لیے درست نہیں ہے جب کہ ضم میں حکم اول کا اثبات ہوتا ہے اور ضم سے حاملینِ دیت کی تعداد بڑھ جاتی ہے جس سے اس امر میں پختگی، دوام اور استحکام ہوتا ہے اس لیے اس حوالے سے بھی ضم درست

اور جائز ہے۔

وعلی هذا الخ: صاحب کتاب اسی بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص جو قاتل ہے اور کوفہ کا باشندہ ہے لیکن کوفہ میں اس کی عطاء مقرر نہیں ہے اور قاضی نے اس کے انجام دیئے ہوئے قتل خطأ کے متعلق ابھی اس پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا تھا کہ اس نے بصرہ کو وطن بنالیا تو اب اس کی دیت اہل بصرہ ادا کریں گے، کیونکہ اب وہی لوگ اس کے عاقلہ ہیں۔ ہاں اگر قاضی نے اہل کوفہ پر دیت کا فیصلہ کردیا تھا پھر اس نے بصرہ کو وطن بنایا تو بھی اہل کوفہ ہی اس کی دیت ادا کریں گے اور بصرہ والے اس کی دیت نہیں دیں گے، کیونکہ اب اہل بصرہ کو دیت کی ادائیگی کا مکلّف بنانے میں نقل لازم آئے گا اور نقل درست نہیں ہے۔

وَكَذَا الْبُدَوِيُّ إِذَا أُلْحِقَ بِالدِّيْوَانِ بَعْدَ الْقَتْلِ قَبْلَ الْقَضَاءِ يُقْضٰى بِالدِّيَةِ عَلٰى أَهْلِ الدِّيْوَانِ، وَبَعْدَ الْقَضَاءِ عَلٰى عَاقِلَتِهِ بِالْبَادِيَةِ لَايَتَحَوَّلُ عَنْهُمْ.

ترجمه: اور ایسے ہی دیہاتی جب قتل کے بعد قضاء سے پہلے اسے دیوان کے ساتھ لاحق کردیا گیا ہو تو اہل دیوان پر دیت کا فیصلہ ہوگا اور قضاء کے بعد اس کے دیہاتی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ ہوگا اور ان سے منتقل نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿بدوي﴾ دیہاتی۔ ﴿الحق﴾ ملایا گیا۔ ﴿عاقلة﴾ قریبی تعلق دار۔

قضائے قاضی کے بعد عاقلہ کی تعداد گھٹ جانے کی صورت:

یہ مسئلہ بھی ماقبل والے مسئلے کی طرح اصول مذکورہ پر متفرع ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی بدوی نے خطأً کسی کو قتل کردیا اور قاضی کی طرف سے اس پر دیت کا فیصلہ صادر ہونے سے پہلے اس کا نام دیوان میں درج ہوگیا تو اب اہل دیوان اس کے عاقلہ ہوں گے اور انھی پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر قاضی کے قضائے دیت کے بعد اس کا نام دیوان میں درج ہوا تو اب اہل بادیہ اس کے عاقلہ ہوں گے اور اہل دیوان عاقلہ نہیں ہوں گے، کیونکہ بوقت قضاء قاتل بدوی ہے اور اہل بادیہ ہی اس کے عاقلہ ہیں لہٰذا اب اہل دیوان کو عاقلہ بنانے میں نقل کرنا لازم آئے گا اور نقل کرنا جائز نہیں ہے۔

وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ قُضِيَ بِالدِّيَةِ عَلَيْهِمْ فِيْ أَمْوَالِهِمْ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ ثُمَّ جَعَلَهُمُ الْإِمَامُ فِي الْعَطَاءِ حَيْثُ تَصِيْرُ الدِّيَةُ فِيْ عَطِيَّاتِهِمْ، وَإِنْ كَانَ قُضِيَ بِهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ فِيْ أَمْوَالِهِمْ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْهِ نَقْضُ الْقَضَاءِ الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ قُضِيَ بِهَا فِيْ أَمْوَالِهِمْ وَعَطِيَّاتُهُمْ أَمْوَالُهُمْ غَيْرَ أَنَّ الدِّيَةَ تُقْضٰى مِنْ أَيْسَرِ الْأَمْوَالِ أَدَاءً، وَالْأَدَاءُ مِنَ الْعَطَاءِ أَيْسَرُ إِذَا صَارُوْا مِنْ أَهْلِ الْعَطَاءِ إِلَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ مَالُ الْعَطَاءِ مِنْ جِنْسِ مَاقُضِيَ بِهٖ عَلَيْهِ بِأَنْ كَانَ الْقَضَاءُ بِالْإِبِلِ، وَالْعَطَاءُ دَرَاهِمُ فَحِيْنَئِذٍ لَاتَتَحَوَّلُ إِلَى الدَّرَاهِمِ أَبَدًا لِمَا فِيْهِ مِنْ إِبْطَالِ الْقَضَاءِ

الْأَوَّلِ لٰكِنْ يُقْضٰى ذٰلِكَ مِنْ مَالِ الْعَطَاءِ، لِأَنَّهُ أَيْسَرُ.

ترجمہ: اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے کہ جب کوئی دیہاتی قوم ہو اور ان کے اموال میں تین سالوں میں دیت کا فیصلہ کیا گیا ہو پھر امام نے انھیں اہل عطاء میں شامل کر دیا تو دیت ان کے عطایا میں واجب ہوگی اگر چہ پہلی مرتبہ ان کے اموال میں دیت کا فیصلہ کیا گیا تھا، کیونکہ اس میں قضائے اول کا نقض نہیں ہے، اس لیے کہ دیت کا فیصلہ ان کے اموال میں کیا گیا تھا اور ان کے عطیات بھی تو ان کے اموال ہیں۔ تاہم دیت ان اموال سے دی جاتی ہے جن سے ادائیگی سہل ہو اور جب وہ اہل عطاء ہو گئے ہیں تو عطاء سے ادائیگی سہل ہے الّا یہ کہ مالِ عطاء اس مال کی جنس سے نہ ہو جس کا ان پر فیصلہ کیا گیا ہے بایں طور کہ فیصلہ اونٹوں کا ہو اور عطاء دراہم ہوں تو اس صورت میں کبھی بھی دراہم کی طرف دیت منتقل نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں قضائے اول کا ابطال ہے لیکن اسے مالِ عطاء سے ادا کیا جائے گا، اس لیے کہ مالِ عطاء سے ادائیگی آسان ہے۔

اللغات:

﴿بادية﴾ دیہات، گاؤں۔ ﴿قُضِيَ﴾ فیصلہ کیا گیا۔ ﴿تصير﴾ ہو جائے گی۔ ﴿نقض﴾ توڑنا، ختم کرنا۔ ﴿أيسر﴾ آسان ترین۔ ﴿لا تتحوّل﴾ نہیں پھرے گی۔

قضائے قاضی کے بعد عاقلہ کے اہل عطاء بن جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی دیہاتی قوم نے خطأً کسی کو قتل کر دیا اور قاضی نے ان کے اموال میں دیت کا فیصلہ کر دیا پھر امام نے ان سب کو اہل عطاء میں داخل کر دیا اور ان کے لیے سالانہ عطیات مقرر کر دیئے تو اب دیت ان کے عطایا میں واجب ہوگی اور جو آئندہ عطایا ملیں گے ان میں سے دیت لی جائے گی اور ایسا کرنے میں قاضی کے قضاء کا نقض اور ابطال نہیں ہے کیونکہ قاضی نے ان کے اموال میں دیت کا فیصلہ کیا تھا اور سالانہ ملنے والے عطایا بھی اموال ہی ہیں اور پھر عطایا سے دیت کی ادائیگی سہل اور آسان ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی عطایا میں سے ہی دیت ادا کی جائے گی۔ البتہ اگر قاضی نے اونٹوں کے ذریعے دیت دینے کا فیصلہ کیا ہو اور عطایا دراہم ہوں تو اس صورت میں انھیں اونٹوں سے ہی دیت اداء کرنا ہوگا اور اونٹوں کی جگہ دراہم سے دیت نہیں ادا کی جائے گی، اس لیے کہ ایسا کرنے میں قضائے اول کا ابطال لازم آئے گا اور ابطال ناجائز ہے، اس لیے ان پر اونٹوں ہی سے دیت کی ادائیگی لازم ہوگی جس کی بہتر شکل یہ ہے کہ وہ لوگ مال عطاء یعنی دراہم سے اونٹ خرید لیں اور پھر اس کی دیت ادا کر دیں۔

قَالَ وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيْلَةُ مَوْلَاهُ، لِأَنَّ النُّصْرَةَ بِهِمْ وَيُؤَيِّدُ ذٰلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ [1] مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مُعتَق کے عاقلہ اس کے مولیٰ کے قبیلے والے ہیں کیونکہ اس کی نصرت انھی سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی اس کا مؤید ہے کہ قوم کا مولیٰ انھی میں سے ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿معتَق﴾ آزاد کردہ غلام۔ ﴿نصرة﴾ مدد، تقویت۔ ﴿يؤيد﴾ تائید کرتی ہے۔

تخریج:

❶ اخرجه النسائی فی کتاب الزکاة باب مولی القوم منهم، حدیث رقم: ۲٦۱۳.

آزاد کردہ غلام کا عاقلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی غلام کو آزاد کیا ہے تو آزاد کرنے والے مولیٰ کے اہل قبیلہ ہی اس کے عاقلہ ہوں گے، کیونکہ مولیٰ اور اس کا آزاد کردہ غلام دونوں مولا کے قبیلے سے ہی مدد طلب کرتے ہیں اور حضرت نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی بھی اسی طرف مشیر ہے مولی القوم منهم یعنی قوم کا آزاد کردہ غُلام انھی میں سے ہوتا ہے یہ حدیث اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ مُعتَق کے عاقلہ مُعتِق ہی کے اہل خاندان ہوں گے۔

قَالَ وَمَوْلَى الْمَوَالَاةِ يَعْقِلُ عَنْهُ مَوْلَاهُ وَقَبِيْلَتُهُ، لِأَنَّهُ وَلَاءٌ يُتَنَاصَرُ بِهٖ فَأَشْبَهَ وَلَاءَ الْعِتَاقَةِ، وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ وَقَدْ مَرَّ فِي الْوَلَاءِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مولی الموالات کی طرف سے اس کا مولیٰ اور اس کا قبیلہ دیت ادا کرے گا، کیونکہ یہ ایسا ولاء ہے جس کے ذریعے باہمی تناصر ہوتا ہے تو یہ ولائے عتاقہ کے مشابہ ہوگیا اور اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ اور کتاب الولاء میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

اللغات:

﴿موالات﴾ نومسلموں کا قبول اسلام کے بعد پرانے مسلمانوں سے دوستی کا عہد۔ ﴿ولاء﴾ دوستی۔ ﴿یتناصر﴾ آپس میں نصرت کی جاتی ہے۔ ﴿عتاقة﴾ آزاد کرنا۔

مولی موالات کا عاقلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو لوگوں کے مابین عقد موالات قائم ہو اور ان میں سے کوئی شخص خطأً کسی کو قتل کردے تو دوسرا مولیٰ اور اس دوسرے مولیٰ کا قبیلہ مولی جانی کی دیت ادا کرے گا، کیونکہ ولاء عتاقہ کی طرح ولاء موالات بھی باہمی تعاون وتناصر کا ایک ذریعہ ہے اور اہل عرب مولی الموالات میں اس طرح کا معاملہ کرتے تھے، اس لیے مولیٰ غیر جانی اور اس کے قبیلے والے مولیٰ جانی کی طرف سے دیت دیں گے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مولی الموالات باطل ہے اس لیے اس مسئلے میں ان کا اختلاف ہے جس کی تفصیل کتاب الولاء میں گذر چکی ہے۔

قَالَ وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُشْرِ فَصَاعِدًا، وَالْأَصْلُ فِيْهِ حَدِيْثُ ❶ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما مَوْقُوْفًا عَلَيْهِ مَرْفُوْعًا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا تَعْقِلُ الْعَوَاقِلُ عَمْدًا وَلَا عَبْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا اِعْتِرَافًا

وَلَا مَا دُوْنَ اَرْشِ الْمُوْضِحَةِ وَاَرْشُ الْمُوْضِحَةِ نِصْفُ عُشْرِ بَدْلِ النَّفْسِ، وَ لِأَنَّ التَّحَمُّلَ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْإِحْجَافِ، وَلَا إِحْجَافَ فِي الْقَلِيْلِ وَإِنَّمَا هُوَ فِي الْكَثِيْرِ، وَتَقْدِيْرُ الْفَاصِلِ عُرِفَ بِالسَّمْعِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ عاقلہ دیت کے نصف عشر سے کم کی دیت نہیں ادا کریں گے اور نصف عشر یا اس سے زائد کا تحمل کریں گے، اور اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو ان پر موقوف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے (جس کا مضمون یہ ہے) کہ عواقل نہ تو عمد کی دیت ادا کرتے ہیں نہ غلام کی، نہ صلح کی، نہ اعتراف کی اور نہ موضحہ کے ارش سے کم کی۔ اور موضحہ کا ارش نفس کے بدل کا نصف عشر ہے اور اس لیے کہ عاقلہ کا تحمل اجحاف سے تحرز کے لیے ہے اور قلیل میں اجحاف نہیں ہے اجحاف تو کثیر میں ہے اور حد فاصل کی تقدیر سماع سے معلوم ہوئی ہے۔

اللغات:

﴿لاتعقل﴾ دیت نہیں ادا کریں گے۔ ﴿نصف عشر﴾ بیسواں حصہ۔ ﴿فصاعدًا﴾ اور اس سے زائد۔ ﴿عواقل﴾ واحد عاقلة؛ قریبی تعلق دار۔ ﴿عمدًا﴾ جان بوجھ کر مراد قتل عمد۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿إرش﴾ تاوان، جرمانہ۔ ﴿موضحة﴾ گہرا زخم جو ہڈی کھول دے۔ ﴿إحجاف﴾ پریشانی میں ڈالنا۔ ﴿تحرّز﴾ بچنا۔ ﴿تقدير﴾ مقدار، مقرر حد۔ ﴿سمع﴾ مراد، دلیل نقلی۔

تخریج:

❶ اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه باب العمد والصلح والاعتراف، حدیث رقم: ۲۷۴۳۰.

عاقلہ کے ادا کرنے کا نصاب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عاقلہ دیت کے بیسویں حصے سے کم مقدار کی دیت نہیں ادا کریں گے اور بیسویں حصے کی یا اس سے زائد مقدار کی دیت ادا کریں گے۔ اس سلسلے کی نقلی دلیل وہ حدیث ہے جو کتاب میں مذکور ہے اور جس میں صاف طور پر یہ وضاحت ہے کہ عواقل نہ تو قتل عمد کی دیت ادا کرتے ہیں، نہ غلام قاتل کی طرف سے دیت دیتے ہیں، نہ صلح عن العمد کی دیتے ہیں، نہ ہی اعتراف قتل کی دیت دیتے ہیں اور نہ ہی موضحہ کے ارش سے کم کی دیتے دیتے ہیں اور چوں کہ موضحہ کا ارش دیت نفس کا بیسواں حصہ ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا گیا کہ عاقلہ دیت کے بیسویں حصے سے کم کی دیت نہیں ادا کریں گے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ عاقلہ دیت اس لیے ادا کرتے ہیں تاکہ قاتل پریشانی سے بچ جائے اور مقدار قلیل میں چوں کہ کوئی پریشانی نہیں ہے بلکہ مقدار کثیر میں پریشانی ہے اس لیے اسے عاقلہ ادا کریں گے۔ اور قلیل وکثیر کی مقدار میں حد فاصل یہ ہے کہ اگر موضحہ کے ارش کے برابر یا اس سے زائد ہے تو کثیر ہے اور اگر اس مقدار سے کم ہے تو قلیل ہے۔

قَالَ وَمَانَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ يَكُوْنُ فِيْ مَالِ الْجَانِيْ، وَالْقِيَاسُ فِيْهِ التَّسْوِيَةُ بَيْنَ الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ فَيَجِبُ الْكُلُّ عَلَى الْعَاقِلَةِ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَالتَّسْوِيَةُ فِيْ أَن لَّايَجِبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ شَيْءٌ إِلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِمَا

رَوَيْنَاهُ وَبِمَا رُوِيَ ❶ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْجَبَ أَرْشَ الْجَنِيْنِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَهُوَ نِصْفُ عُشْرِ بَدْلِ الرَّجُلِ عَلٰى مَامَرَّ فِي الدِّيَاتِ فَمَا دُوْنَهُ يُسْلَكُ بِهِ مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ، لِأَنَّهُ يَجِبُ بِالتَّحْكِيْمِ كَمَا يَجِبُ ضَمَانُ الْمَالِ بِالتَّقْوِيْمِ فَلِهٰذَا كَانَ فِيْ مَالِ الْجَانِيْ أَخْذًا بِالْقِيَاسِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جومقدار اس سے کم ہو وہ جانی کے مال میں واجب ہوگی اور قیاس یہ تھا کہ قلیل وکثیر کے درمیان برابری ہو اور پوری دیت عاقلہ پر واجب ہو جیسا کہ یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے یا اس امر میں برابری ہوتی کہ عاقلہ پر کچھ نہ واجب ہوتا۔ لیکن ہم نے اپنی روایت کردہ حدیث کی وجہ سے اس قیاس کو ترک کردیا اور اس روایت کی وجہ سے ترک کردیا جو مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقلہ پر جنین کا ارش واجب کیا ہے اور وہ مرد کے بدل کا بیسواں حصہ ہے جیسا کہ کتاب الدیات میں یہ گذر چکا ہے لہٰذا جو اس سے کم ہوگا اس میں اموال کا معاملہ اختیار کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ تحکیم کے ذریعہ واجب ہوگا جیسے مال کا ضمان تقویم کے ذریعے واجب ہوتا ہے اسی لیے قیاس پر عمل کرتے ہوئے وہ جانی کے مال میں واجب ہوگا۔

اللغات:

﴿جانی﴾ مجرم، گناہ گار۔ ﴿نقص﴾ کم ہو۔ ﴿تسویة﴾ برابری۔ ﴿أوجب﴾ واجب کیا۔ ﴿إرش﴾ تاوان، جرمانہ۔ ﴿جنین﴾ نامکمل بچہ۔ ﴿یسلك به﴾ اس کو چلایا جائے گا۔ ﴿تحکیم﴾ ثالث بنانا، پنچایت وغیرہ سے فیصلہ کرانا۔ ﴿تقویم﴾ قیمت لگوانا۔ ﴿جانی﴾ مجرم۔

تخریج:

❶ اخرجه البیهقی فی السنن باب ما تحمل العاقلة، حدیث رقم: ١٦٨٢٤.

کم دیت کو کہاں سے وصول کیا جائے گا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نصف عشر سے کم مقدار کی دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی اور اسے عاقلہ نہیں ادا کریں گے۔ اس لیے کہ یہاں دو قیاس ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے متعارض ہیں (۱) پہلا قیاس یہ ہے کہ قاتل کی ہر دیت عاقلہ پر واجب ہو خواہ کثیر ہو یا قلیل جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے، (۲) دوسرا قیاس یہ ہے کہ عاقلہ پر مطلق دیت نہ واجب ہو، کیونکہ عاقلہ مجرم نہیں ہیں اور چوں کہ یہ دونوں قیاس ایک دوسرے کے متعارض ہیں اس لیے ہم نے انھیں ترک کردیا اور نصوص پر عمل کیا جن میں سے پہلی نص وہ حدیث ہے جو ماقبل والے مسئلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی گئی ہے اور دوسری نص یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کا ارش عاقلہ پر واجب فرمایا ہے اور یہ ارش دیت کا بیسواں حصہ ہے لہٰذا اس سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ دیت کے نصف عشر اور اس سے زائد مقدار کی ادائیگی قاتل کے عاقلہ پر ہوگی اور جو مقدار نصف عشر سے کم ہوگی اس کی ادائیگی قاتل کے مال میں ہوگی اور کم مقدار کو مال کے درجے میں رکھا جائے گا اس لیے کہ مال عادل شخص کے فیصلے سے واجب ہوتا ہے جیسا کہ مال کا ضمان مقومین کی تقویم سے واجب ہوتا ہے، اسی لیے جانی کے مال میں یہ مال واجب ہوگا۔

قَالَ وَلَاتَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ جِنَايَةَ الْعَبْدِ وَلَا مَالَزِمَ بِالصُّلْحِ أَوْ بِاعْتِرَافِ الْجَانِي لِمَا رَوَيْنَاهُ، وَلِأَنَّهُ لَاتَنَاصُرَ بِالْعَبْدِ، وَالْإِقْرَارُ وَالصُّلْحُ لَايُلْزِمَانِ الْعَاقِلَةَ لِقُصُوْرِ الْوِلَايَةِ عَنْهُمْ قَالَ إِلَّا أَنْ يُّصَدِّقُوْهُ، لِأَنَّهُ ثَبَتَ بِتَصَادُقِهِمْ، وَالْإِمْتِنَاعُ كَانَ لِحَقِّهِمْ وَلَهُمْ وِلَايَةٌ عَلَى أَنْفُسِهِمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ عاقلہ جنایتِ غُلام کی دیت نہیں ادا کریں گے، نیز صلح اور اعتراف جانی سے لازم ہونے والے مال کی دیت بھی نہیں ادا کریں گے اس روایت کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، اور اس لیے کہ غلام سے تناصر نہیں ہوتا اور اقرار وصلح عاقلہ پر لازم نہیں کرتے، کیونکہ ان کی ولایت قاصر ہے۔ فرماتے ہیں مگر یہ کہ عاقلہ اس کی تصدیق کردیں، کیونکہ ان کی تصدیق سے وجوب ثابت ہو چکا ہے اور وجوب کا ممتنع ہونا ان کے حق کی وجہ سے تھا اور عاقلہ کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے۔

اللغاتُ:

﴿جنایة﴾ جرم، قصور۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿جانی﴾ مجرم، قصور وار۔ ﴿تناصر﴾ باہمی تقویت۔ ﴿یصدقوہ﴾ اس کی تصدیق کردیں۔ ﴿تصادق﴾ ایک دوسرے کی تصدیق کرنا۔

قتل کی ان صورتوں کا بیان جن میں عاقلہ سے دیت نہیں لی جاسکتی:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح اور آسان ہے کہ عاقلہ نہ تو غلام کی جنایت ادا کرتے ہیں نہ صلح عن القتل کی اور نہ ہی اعتراف قتل کی، کیونکہ ماقبل میں ہماری بیان کردہ حدیث نے صاف لفظوں میں اس کی وضاحت کردی ہے کہ عاقلہ امورِ ثلاثہ میں سے کسی بھی امر کی دیت نہیں ادا کریں گے، عاقلہ کے ان اموراوران جرائم کی دیت نہ ادا کرنے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ دیت کا مدار تناصر پر ہے اور غلام خود محتاج ہوتا ہے تو وہ کیا خاک دوسرے کی مدد کرے گا۔ اور اقرار اور صلح کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے اور یہ دونوں عاقلہ پر کچھ نہیں واجب کرسکتے، کیونکہ دوسرے پر ان کی ولایت ناقص ہے اور ناقص ولایت مانع الزام ہے۔ ہاں اگر عاقلہ خود اقرار اور صلح کی تصدیق کردیں تو اس صورت میں مال صلح اور مال اقرار کی ادائیگی ان پر لازم ہوگی، کیونکہ ان کے حق میں ان چیزوں کا عدم لزوم ان کے حق کی وجہ سے تھا مگر انھوں نے تصدیق کرکے اس ممانعت کو ختم کردیا ہے اور انھیں اپنے نفوس پر ولایت حاصل ہے، اس لیے اب یہ اموال ان پر لازم ہوں گے۔

وَمَنْ أَقَرَّ بِقَتْلِ خَطَاءٍ وَلَمْ يَرْفَعُوْا إِلَى الْقَاضِيْ إِلَّا بَعْدَ سِنِيْنَ قُضِيَ عَلَيْهِ بِالدِّيَةِ فِيْ مَالِهِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ يَوْمِ يُقْضٰى، لِأَنَّ التَّاجِيْلَ مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ الثَّابِتَ بِالْبَيِّنَةِ فَفِي الثَّابِتِ بِالْإِقْرَارِ أَوْلٰى.

ترجمہ: جس شخص نے قتلِ خطأ کا اقرار کیا اور لوگوں نے یوم قضاء کے بعد یہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچایا تو قاتل کے مال میں تین سالوں میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ بینہ سے ثابت ہونے والے قتل میں تاجیل وقتِ قضاء سے ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اقرار سے ثابت ہونے والے قتل میں بدرجۂ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

اللغات:

﴿أقرّ﴾ اقرار کیا۔ ﴿لم یرفعوا﴾ نہیں اٹھایا۔ ﴿سنین﴾ واحد سنة؛ کئی سال۔ ﴿قُضی﴾ فیصلہ کیا جائے گا۔ ﴿تأجیل﴾ مدت مقرر کرنا۔

اقرار قتل کی ایک مخصوص صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قتل خطأ کا اقرار کیا اور فوری طور پر یہ معاملہ قاضی کے دربار میں نہیں پہنچا، بلکہ کچھ سالوں کے بعد پہنچا تو دیت اس کے مال میں اس دن سے واجب ہوگی جس دن سے قاضی اس پر فیصلہ کرے گا، اور یہ دیت تین سالوں میں ادا کی جائے گی، کیونکہ جب بینہ سے ثابت ہونے والے قتل کی دیت تین سالوں میں ادا کی جاتی ہے تو اقرار سے ثابت ہونے والے قتل کی دیت بدرجۂ اولیٰ تین سالوں میں ادا کی جائے گی۔

وَلَوْ تَصَادَقَ الْقَاتِلُ وَوَلِيُّ الْجِنَايَةِ عَلٰى أَنَّ قَاضِيَ بَلَدِ كَذَا قَضٰى بِالدِّيَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ بِالْكُوْفَةِ بِالْبَيِّنَةِ وَكَذَّبَهُمَا الْعَاقِلَةُ فَلَاشَيْءَ عَلَى الْعَاقِلَةِ، لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا لَيْسَ بِحُجَّةٍ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِيْ مَالِهٖ، لِأَنَّ الدِّيَةَ بِتَصَادُقِهِمَا تَقَرَّرَتْ عَلَى الْعَاقِلَةِ بِالْقَضَاءِ وَتَصَادُقُهُمَا حُجَّةٌ فِيْ حَقِّهِمَا، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ عَطَاءٌ مَعَهُمْ فَحِيْنَئِذٍ يَلْزَمُهٗ بِقَدْرِ حِصَّتِهٖ، لِأَنَّهٗ فِيْ حَقِّ حِصَّتِهٖ مُقِرٌّ عَلٰى نَفْسِهٖ وَفِيْ حَقِّ الْعَاقِلَةِ مُقِرٌّ عَلَيْهِمْ.

ترجمه: اور اگر قاتل اور ولیٔ جنایت نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ فلاں شہر کے قاضی نے قاتل کے عاقلہ پر بذریعہ بینہ دیت کا فیصلہ کیا ہے لیکن عاقلہ نے ان کی تکذیب کردی تو عاقلہ پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیونکہ ان کا اتفاق عاقلہ پر حجت نہیں ہے اور قاتل پر اس کے مال میں کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ ان کے اتفاق سے بذریعہ قضاء دیت عاقلہ پر ثابت ہوچکی ہے اور ان کا اتفاق ان کے حق میں حجت ہے۔

برخلاف اوّل کے۔ الّا یہ کہ عاقلہ کے ساتھ قاتل کی عطاء ہو تو اس وقت قاتل پر اُس کے حصے کے بقدر لازم ہوگا، کیونکہ اپنے حصے کے حق میں قاتل اپنی ذات پر اقرار کرنے والا ہے اور عاقلہ کے حق میں ان پر اقرار کرنے والا ہے۔

اللغات:

﴿تصادق﴾ آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کی۔ ﴿جنایت﴾ جرم، قصور۔ ﴿بیّنة﴾ گواہی۔

قضائے قاضی کے انعقاد پر اختلاف ہوجانے کی صورت میں قول معتبر کس کا ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاتل اور ولیٔ جنایت نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ فلاں شہر کے قاضی نے بینہ اور شہادت کے ذریعہ قاتل کے اُن عاقلہ پر ادائے دیت کا فیصلہ کردیا جو کوفہ میں مقیم ہیں اور عاقلہ نے قاتل اور ولیٔ جنایت دونوں کی تکذیب کردی تو مذکورہ عاقلہ پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیونکہ یہ ان دونوں کا اتفاق اور اقرار ہے اور ان کا اتفاق عاقلہ کے حق میں حجت نہیں ہے۔ لیکن

اس اقرار اور اتفاق سے قاتل کا فائدہ ہوگا اور اس پر بھی دیت کے نام پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیونکہ ان کے اتفاق سے یہ بات سامنے آگئی ہے کہ دیت کا وجوب عاقلہ پر ہے (اگر چہ عاقلہ کی تکذیب سے اس کا حتمی ثبوت نہیں ہوسکا ہے) اور قاتل اور ولیٔ جنایت کا اقرار ان کی اپنی ذات کے حق میں معتبر ہے اس لیے قاتل دیت سے بری ہو جائے گا۔

بخلاف الأوّل الخ: اس کے برخلاف پہلے والے مسئلہ میں چوں کہ قاتل نے از خود قتل خطأ کا اقرار کیا ہے، اس لیے اس کے حق میں اس قتل کا اقرار معتبر ہوگا اور اس کے مال میں دیت واجب ہوگی، کیونکہ عاقلہ اقرار سے ثابت ہونے والے قتل کی دیت نہیں دیتے۔

إلا أن یکون الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ صورتِ مسئلہ میں قاتل پر تو کچھ نہیں واجب ہوگا لیکن اگر قاتل اہلِ عطاء میں سے ہو اور عاقلہ کے ساتھ ان کی عطاء مقرر ہو تو اس صورت میں قاتل پر اپنے حصے کے بقدر دیت لازم ہوگی، اس لیے کہ اہل عطاء میں سے ہونے کی وجہ سے قاتل اپنے اوپر بھی اقرار کرنے والا ہے اور عاقلہ پر بھی اقرار کرنے والا ہے لیکن اس کا اقرار چوں کہ اپنی ذات کے حق میں معتبر ہے، اس لیے اپنے حصے کے بقدر اس پر مال لازم ہے اور عاقلہ کے حق میں اس کا اقرار معتبر نہیں ہے اس لیے عاقلہ پر کچھ بھی نہیں لازم وواجب ہوگا۔

قَالَ وَ إِذَا جَنَى الْحُرُّ عَلَى الْعَبْدِ فَقَتَلَهُ كَانَ عَلَى عَاقِلَتِهِ قِيْمَتُهُ، لِأَنَّهُ بَدَلُ النَّفْسِ عَلَى مَاعُرِفَ مِنْ أَصْلِنَا، وَفِيْ أَحَدِ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَجِبُ فِيْ مَالِهِ، لِأَنَّهُ بَدَلُ الْمَالِ عِنْدَهُ، وَلِهٰذَا يُوْجِبُ قِيْمَتَهُ بَالِغَةً مَابَلَغَتْ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر آزاد نے غلام پر جنایت کر کے اسے قتل کر دیا تو قاتل کے عاقلہ پر غلام کی قیمت واجب ہوگی، اس لیے کہ یہ نفس کا بدل ہے جیسا کہ ہماری اصل سے یہ معلوم ہو چکا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول میں قاتل کے مال میں قیمت واجب ہوگی، اس لیے کہ ان کے یہاں قتل میں واجب ہونے والا مال، مال کا بدل ہے، اسی لیے اس کی قیمت واجب ہوگی جو بھی پہنچے گی۔

اللغات:

﴿جنٰی﴾ جرم کیا۔ ﴿حرّ﴾ آزاد آدمی۔

مقتول غلام کی قیمت عاقلہ پر ہوگی یا قاتل پر:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد شخص نے خطاءً کسی غلام کو قتل کر دیا تو قاتل کے عاقلہ پر اس مقتول غلام کی قیمت واجب ہوگی، کیونکہ یہ قیمت غلام کے نفس کا بدل ہے اور ہمارے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ نفس کا بدل عاقلہ پر واجب ہوتا ہے، اس لیے یہ قیمت قاتل کے عاقلہ ادا کریں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے دو قولوں میں سے ایک قول میں یہ منقول ہے کہ یہ قیمت خود قاتل کے مال میں واجب ہوگی اور عاقلہ پر نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ مال کا بدل ہے اور مال کا بدل جانی پر واجب ہوتا ہے نہ کہ عاقلہ پر، اسی لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صورت مسئلہ میں مقتول کی قیمت واجب ہوگی خواہ کتنی بھی ہو یعنی اگر چہ یہ قیمت دیت سے متجاوز

ہو جائے مگر پھر بھی قیمت ہی واجب ہوگی۔

وَمَادُوْنَ النَّفْسِ مِنَ الْعَبْدِ لَاتَتَحَمَّلُهُ الْعَاقِلَةُ، لِأَنَّهُ يُسْلَكُ بِهِ مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ، عِنْدَنَا عَلٰى مَا عُرِفَ، وَفِيْ أَحَدِ قَوْلَيْهِ تَتَحَمَّلُهُ الْعَاقِلَةُ كَمَا فِي الْحُرِّ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: اور غلام کے مادون النفس کا عاقلہ تحمل نہیں کریں گے، کیونکہ ہمارے یہاں مادون النفس میں اموال کا سا معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول میں عاقلہ اس کا تحمل کریں گے، جیسا کہ آزاد میں ہے۔ اور اس سے پہلے یہ گذر چکا ہے۔

اللغات:

﴿لاتتحمل﴾ نہیں برداشت کریں گے۔ ﴿یسلك به﴾ اس کو چلایا جائے گا۔ ﴿حرّ﴾ آزاد آدمی۔

غلام کے کسی عضو کو تلف کرنے کا جرمانہ کون ادا کرے گا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آزاد نے غلام کے بدن کے کسی حصے کو تلف کر دیا تو ہمارے یہاں اس تلف شدہ عضو کا ضمان اور تاوان خود جانی کے مال میں واجب ہوگا اور عاقلہ اس کا تحمل نہیں کریں گے، کیونکہ مادون النفس میں ہمارے یہاں اموال کا معاملہ جاری ہے اور اموال کا ضمان خود قاتل کے مال میں واجب ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ مادون النفس کا ضمان عاقلہ کے مال میں واجب ہوگا اور قاتل اسے نہیں ادا کرے گا جیسے اگر آزاد کے مادون النفس کا کوئی عضو تلف کر دیا جائے تو اس کا ضمان عاقلہ برداشت کریں گے، اسی طرح غلام کے مادون النفس کا ضمان بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں عاقلہ ہی برداشت کریں گے۔

قَالَ أَصْحَابُنَا إِنَّ الْقَاتِلَ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَاقِلَةٌ فَالدِّيَةُ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ هُمْ أَهْلُ نُصْرَتِهِ، وَلَيْسَ بَعْضُهُمْ أَخَصَّ مِنْ بَعْضٍ بِذٰلِكَ وَلِهٰذَا لَوْ مَاتَ كَانَ مِيْرَاثُهُ لِبَيْتِ الْمَالِ فَكَذَا مَايَلْزَمُهُ مِنَ الْغَرَامَةِ يَلْزَمُ بَيْتَ الْمَالِ، وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ رِوَايَةٌ شَاذَّةٌ أَنَّ الدِّيَةَ فِيْ مَالِهِ، وَوَجْهُهُ أَنَّ الْأَصْلَ أَنْ تَجِبَ الدِّيَةُ عَلَى الْقَاتِلِ لِأَنَّهُ بَدَلُ مُتْلَفٍ، وَالْإِتْلَافُ مِنْهُ إِلَّا أَنَّ الْعَاقِلَةَ تَتَحَمَّلُهَا تَحْقِيْقًا لِلتَّخْفِيْفِ عَلٰى مَا مَرَّ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَاقِلَةٌ عَادَ الْحُكْمُ إِلَى الْأَصْلِ.

ترجمہ: ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال میں دیت واجب ہوگی، کیونکہ جماعت المسلمین ہی اس کی معاون ہے اور تعاون کے سلسلے میں کوئی کسی سے خاص نہیں ہے۔ اسی لیے اگر وہ مر جائے تو اس کی میراث بیت المال کو ملے گی، لہٰذا جو اس پر تاوان لازم ہوگا وہ بھی بیت المال ہی کے سر ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نادر روایت یہ ہے کہ دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ قاتل پر دیت واجب ہو، کیونکہ دیت ہلاک کردہ نفس کا بدل

ہے اور ہلاک کرنا قاتل ہی کی طرف سے متحقق ہے، مگر اثباتِ تخفیف کے پیش نظر عاقلہ اس کا تحمل کرتے ہیں لیکن اگر اس کے عاقلہ نہ ہوں تو حکم اصل کی طرف عود کر آئے گا۔

اللغات:

﴿غرامة﴾ تاوان۔ ﴿مُتْلَف﴾ ہلاک کردہ شے۔

عاقلہ نہ رکھنے والے قاتل کی دیت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے جس کا آسان سا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال اس کے مقتول کی دیت ادا کرے گا، اس لیے کہ عاقلہ نہ ہونے کی صورت میں پوری مسلم برادری اس کی معاون ومددگار ہے اور اس امر میں چوں کہ پوری قوم برابر کی شریک وسہیم ہے اور کوئی کسی سے فائق اور برتر نہیں ہے اس لیے پوری قوم کا جو بیت المال ہے اسی سے ایسے قاتل کی دیت ادا کی جائے گی، یہی وجہ ہے کہ اگر اس شخص نے میراث چھوڑی ہو تو اس کی میراث بھی بیت المال ہی کو ملے گا۔

وعن أبي حنيفة الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شاذ ونادر روایت یہ ہے کہ اس صورت میں قاتل کے مال میں دیت واجب ہوگی، کیونکہ دیت کا اصل وجوب قاتل ہی پر ہوتا ہے، لیکن اسے پریشانی سے بچانے کے لیے عاقلہ اس کا تحمل کرتے ہیں، اب اگر کسی کے عاقلہ نہ ہوں تو اس کے ساتھ مجبوری ہے، اس لیے اس کی دیت خود اسی کے مال میں واجب ہوگی۔

وَابْنُ الْمُلَاعَنَةِ تَعْقِلُهُ عَاقِلَةُ أُمِّهِ، لِأَنَّ نَسَبَهُ ثَابِتٌ مِنْهَا دُوْنَ الْأَبِ، فَإِنْ عَقَلُوْا عَنْهُ ثُمَّ ادَّعَاهُ الْأَبُ رَجَعَتْ عَاقِلَةُ الْأُمِّ بِمَا أَدَّتْ عَلٰى عَاقِلَةِ الْأَبِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ يَوْمِ يَقْضِي الْقَاضِيْ لِعَاقِلَةِ الْأُمِّ عَلٰى عَاقِلَةِ الْأَبِ لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ أَنَّ الدِّيَةَ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّ عِنْدَ الْإِكْذَابِ ظَهَرَ أَنَّ النَّسَبَ لَمْ يَزَلْ كَانَ ثَابِتًا مِنَ الْأَبِ حَيْثُ بَطَلَ اللِّعَانُ بِالْإِكْذَابِ، وَمَتٰى ظَهَرَ مِنَ الْأَصْلِ فَقَوْمُ الْأُمِّ تَحَمَّلُوْا مَا كَانَ وَاجِبًا عَلٰى قَوْمِ الْأَبِ فَيَرْجِعُوْنَ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّهُمْ مُضْطَرُّوْنَ فِيْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور ابن الملاعنہ کی دیت اس کی ماں کے عاقلہ ادا کریں گے، کیونکہ اس لڑکے کا نسب ماں سے ثابت ہے نہ کہ باپ سے چنانچہ اگر ماں کے عاقلہ نے اس کی دیت ادا کردی پھر باپ نے اس کا دعویٰ کردیا تو ماں کے عاقلہ باپ کے عاقلہ سے ادا کردہ رقم کو تین سالوں میں واپس لیں گے، جس دن سے قاضی ماں کے عاقلہ کے لیے باپ کے عاقلہ پر اس کا فیصلہ کرے گا۔ اس لیے کہ یہ واضح ہوگیا کہ دیت باپ ہی کے عاقلہ پر واجب تھی، کیونکہ اکذاب کے وقت یہ بات عیاں ہوگئی کہ نسب برابر باپ سے ثابت تھا، اس لیے کہ اکذاب کی وجہ سے لعان باطل ہوگیا ہے۔ اور جب اصل سے نسب ثابت ہوگیا تو ماں کی قوم نے اس چیز کا تحمل کیا ہے جو باپ پر واجب تھا، لہٰذا یہ ماں کے عاقلہ سے واپس لیں گے کیونکہ یہ لوگ اس کی ادائیگی میں مضطر تھے۔

اللغات:

﴿تعقلہٗ﴾ اس کی دیت ادا کرے گی۔ ﴿ادّعاہ﴾ اس کا دعویٰ کریں۔ ﴿رجعت﴾ رجوع کریں گے۔ ﴿أدّت﴾ ادا کر دیا۔ ﴿إکذاب﴾ جھٹلانا۔ ﴿تحمّلوا﴾ برداشت کیا۔ ﴿مضطرّون﴾ مجبور کیے گئے تھے۔

ابن الملاعنہ کا عاقلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے آپس میں لعان کیا اور شوہر نے اس عورت کے لڑکے کی نفی کردی پھر اس لڑکے نے خطأً کسی کو قتل کر دیا تو اب اس کی دیت اس کی ماں کے عاقلہ ادا کریں گے، کیونکہ لعان کی وجہ سے باپ سے اس کا نسب ختم ہو کر ماں سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس لیے ماں کے عاقلہ ہی اس کی دیت ادا کریں گے۔ اب اگر ماں کے عاقلہ نے اس کی طرف سے دیت ادا کردی اور پھر باپ نے اسے اپنا لیا یعنی لعان کی تکذیب کر کے اسے اپنا بیٹا مان لیا تو اب دیت باپ کے عاقلہ پر واجب ہو جائے گی، جس کی شکل یہ ہوگی کہ ماں کے عاقلہ نے اس لڑکے کی طرف سے جو دیت ادا کی ہے اسے وہ باپ کے عاقلہ سے لے لیں گے اور لین دین کا یہ معاملہ جس دن سے قاضی ماں کے عاقلہ کے لیے باپ کے عاقلہ سے لینے کا فیصلہ کرے گا اسی دن سے جاری ہوگا۔ اور عاقلۂ ام کو واپس لینے کا اختیار اس لیے ہوگا، کیونکہ جب باپ نے لعان کی تکذیب کردی ہے تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اس بیٹے کا اصل نسب باپ ہی سے ثابت تھا اور اس کی اصل دیت باپ ہی کے عاقلہ پر واجب تھی اور ماں کے عاقلہ نے بدرجۂ مجبوری اسے ادا کیا تھا اس لیے جب یہ مجبوری ختم ہوگئی تو اب ماں کے عاقلہ دیت میں ادا کردہ رقم باپ کے عاقلہ سے واپس لے لیں گے۔

وَكَذٰلِكَ إِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ عَنْ وَفَاءٍ وَلَهٗ وَلَدٌ حُرٌّ فَلَمْ يُؤَدَّ كِتَابَتُهٗ حَتّٰى جَنٰى اِبْنُهٗ وَعَقَلَ عَنْهُ قَوْمُ أُمِّهٖ ثُمَّ أُدِّيَتِ الْكِتَابَةُ، لِأَنَّهٗ عِنْدَ الْأَدَاءِ يَتَحَوَّلُ وَلَاءُهٗ إِلٰى قَوْمِ أَبِيْهِ مِنْ وَقْتِ حُرِّيَّةِ الْأَبِ وَهُوَ اٰخِرُ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهٖ فَتَبَيَّنَ أَنَّ قَوْمَ الْأُمِّ عَقَلُوْا عَنْهُمْ فَيَرْجِعُوْنَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر مکاتب بدل کتابت کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑ کر مرا اور اس کے ایک آزاد لڑکا ہو اور اس کی کتابت ادا نہیں کی گئی تھی یہاں تک کہ اس کے بچے نے جنایت کی اور اس کی ماں کی قوم نے اس کی دیت ادا کردی پھر کتابت ادا کی گئی۔ اس لیے کہ ادائے کتابت کے وقت اس لڑکے کا ولاء باپ کی آزادی کے وقت سے اس کے باپ کی قوم کی طرف منتقل ہو جائے گا اور وہ باپ کی حیات کے اجزاء میں سے سب سے آخری جزء ہے۔ تو یہ واضح ہوگیا کہ اس کی ماں کی قوم نے ان کی طرف سے دیت ادا کی ہے لہٰذا وہ لوگ باپ کے عاقلہ سے ادا کردہ دیت واپس لیں گے۔

اللغات:

﴿وفاء﴾ پوری پوری رقم یا مال وغیرہ۔ ﴿حرّ﴾ آزاد۔ ﴿جنٰی﴾ قصور کیا۔ ﴿یتحوّل﴾ بدل جاتا ہے، پھر جاتا ہے۔ ﴿ولاء﴾ تعلق، موالات۔ ﴿حرّیۃ﴾ آزادی۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی ایک نظیر:

یہ مسئلہ ماقبل والے مسئلے کی دلیل پر متفرع ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص جو مکاتب تھا اس نے کسی مکاتبہ عورت سے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ پیدا ہوا پھر ماں آزاد کردی گئی اور باپ نے اپنی موت کے وقت اتنا مال چھوڑا تھا کہ اس سے اس کا بدل کتابت ادا کیا جا سکے، لیکن بدل کتابت کی ادائیگی سے پہلے ہی اس کے مذکورہ لڑکے نے جنایت کردی یعنی خطأً کسی کو قتل کردیا اور اس کی ماں کی قوم نے اس لڑکے کی طرف سے مقتول کی دیت ادا کردی اس کے بعد اس کے باپ کا بدل کتابت ادا کیا گیا تو اس صورت میں بھی ماں کی قوم باپ کے عاقلہ سے دیت میں ادا کردہ رقم کو واپس لے لے گی، کیونکہ جب باپ نے بدل کتابت کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑا تھا اور اس کی ادائیگی سے پہلے وہ مرگیا اور بعد الموت اس کی ادائیگی ہوئی تو یہ بات طے ہوگئی کہ باپ حریت اور آزادی کی حالت میں مرا ہے اور اس کے قاتل بیٹے کی دیت باپ ہی کے عاقلہ پر واجب تھی، کیونکہ بیٹے کی ولاء کے اصل مستحق وہی لوگ تھے، مگر چوں کہ یہ واضح نہیں ہوسکا تھا اس لیے ماں کی قوم نے اس کی طرف سے دیت دے دی تھی اب جب یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے تو جو اصل مستحق تھے ان پر دیت کا وجوب عود کر آئے گا اور ماں کی قوم باپ کے عاقلہ سے دیت وصول کرلے گی۔

وَكَذٰلِكَ رَجُلٌ أَمَرَ صَبِيًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَضَمِنَتْ عَاقِلَةُ الصَّبِيِّ الدِّيَةَ رَجَعَتْ بِهَا عَلٰى عَاقِلَةِ الْآمِرِ إِنْ كَانَ الْأَمْرُ ثَبَتَ بِالْبَيِّنَةِ وَفِيْ مَالِ الْآمِرِ إِنْ كَانَ ثَبَتَ بِإِقْرَارِهٖ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ يَوْمٍ يَقْضِيْ بِهَا الْقَاضِيْ عَلَى الْآمِرِ أَوْ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ، لِأَنَّ الدِّيَاتِ تَجِبُ مُؤَجَّلَةً بِطَرِيْقِ التَّيْسِيْرِ.

ترجمہ: ایسے ہی اگر کسی شخص نے کسی بچے کو ایک شخص کے قتل کا حکم دیا اور بچے نے اسے قتل کردیا چنانچہ بچے کے عاقلہ نے دیت کا ضمان ادا کیا تو یہ عاقلہ آمر کے عاقلہ سے دیت واپس لے لیں گے اگر اس کا ثبوت بینہ سے ہوگا، اور اگر اس کا ثبوت آمر کے اقرار سے ہوگا تو آمر کے مال سے واپس لیں گے، یہ رجوع اس دن سے تین سالوں میں ہوگا جس دن سے قاضی آمر یا اس کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے گا، کیونکہ آسانی پیدا کرنے کے لیے دیت موجل ہی واجب ہوتی ہے۔

اللغاتُ:

﴿صبیّ﴾ بچہ۔ ﴿ضمنت﴾ تاوان دیا۔ ﴿رجعت بھا﴾ یہ واپس لے گی۔ ﴿بیّنۃ﴾ گواہی۔ ﴿مؤجّلۃ﴾ مؤخر کردہ۔
﴿تیسیر﴾ آسانی پیدا کرنا۔

کسی بچے سے قتل کرانے والے کی دیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک بچے سے کہا کہ بیٹا تم فلاں آدمی کو قتل کردو اور بچے نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس شخص کا کام تمام کردیا اور اس قاتل بچے کے عاقلہ نے اس کی طرف سے دیت ادا کردی تو اب یہ عاقلہ آمر سے یا اس کے عاقلہ سے ادا کردہ دیت کی رقم واپس لینے کے حق دار ہوں گے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر آمر کے امر کا ثبوت بینہ سے ہوگا تو آمر کے عاقلہ سے دیت کی رقم واپس لی جائے گی، اور اگر امر کا ثبوت خود آمر کے اقرار سے ہوا ہوگا تو آمر کے مال سے یہ رقم واپس لی

جائے گی اور یوم قضاء سے تین سالوں کی مدت میں اس کی ادائیگی ہوگی، اس لیے کہ دیت جس پر بھی واجب ہوتی ہے بہر حال تین سالوں میں واجب ہوتی ہے تاکہ من وجب علیہم پر تخفیف اور آسانی متحقق ہوجائے۔

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هٰهُنَا عِدَةُ مَسَائِلَ ذَكَرَها مُحَمَّدٌ رَحمۃ اللہ علیہ متفرِّقَةً، وَالْأَصْلُ الَّذِي تَخْرُجُ عَلَيْهِ أَنْ يُّقَالَ حَالُ الْقَاتِلِ إِذَا تَبَدَّلَ حُكْمًا فَانْتَقَلَ وَلَاؤُهُ إِلٰى وَلَاءٍ بِسَبَبِ أَمْرٍ حَادِثٍ لَمْ تَنْتَقِلْ جَنَايَتُهُ عَنِ الْأُولٰى قُضِيَ بِهَا أَوْ لَمْ يُقْضَ، وَإِنْ ظَهَرَتْ حَالَةٌ خَفِيَّةٌ مِثْلُ دَعْوَةِ وَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ حَوَّلَتِ الْجِنَايَةَ إِلَى الْأُخْرٰى وَقَعَ الْقَضَاءُ بِهَا أَوْلَمْ يَقَعْ، وَلَوْ لَمْ يَخْتَلِفْ حَالُ الْجَانِي وَلٰكِنَّ الْعَاقِلَةَ تَبَدَّلَتْ كَانَ الْإِعْتِبَارُ فِي ذٰلِكَ لِوَقْتِ الْقَضَاءِ، فَإِنْ كَانَ قُضِيَ بِهَا عَلَى الْأُولٰى لَمْ تَنْتَقِلْ إِلَى الثَّانِيَةِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ قُضِيَ بِهَا عَلَى الْأُولٰى فَإِنَّهُ يُقْضٰى بِهَا عَلَى الثَّانِيَةِ. وَإِذَا كَانَتِ الْعَاقِلَةُ وَاحِدَةً فَلَحِقَهَا زِيَادَةٌ أَوْ نُقْصَانٌ اِشْتَرَكُوْا فِي حُكْمِ الْجِنَايَةِ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَبَعْدَهُ إِلَّا فِيمَا سَبَقَ أَدَاءُهُ، فَمَنْ أَحْكَمَ هٰذَا الْأَصْلَ مُتَأَمِّلًا يُمَكِّنُهُ التَّخْرِيجُ فِيمَا وَرَدَ عَلَيْهِ مِنَ النَّظَائِرِ وَالْأَضْدَادِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں چند مسائل ہیں جنھیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے متفرق طور پر ذکر کیا ہے، اور وہ اصل جس پر یہ مسائل متفرع ہیں یہ ہے کہ جب حکماً قاتل کی حالت بدل جائے اور امر جدید کی وجہ سے اس کی ولاء دوسرے ولاء کی طرف منتقل ہوجائے تو (بھی) اس کی جنایت پہلے والے عاقلہ سے منتقل نہیں ہوگی خواہ اس کا فیصلہ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ اور اگر ایک پوشیدہ حالت ظاہر ہوئی ہو جیسے ملاعنہ کے لڑکے کا دعویٰ کرنا تو جنایت دوسرے عاقلہ کی طرف منتقل ہوجائے گی خواہ اس پر فیصلہ صادر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور اگر جانی کا حال مختلف نہ ہوا ہو لیکن عاقلہ بدل گئے ہوں تو اس میں وقتِ قضاء کا اعتبار ہوگا پھر اگر پہلے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا جا چکا تھا تو دیت دوسرے عاقلہ کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ اور اگر پہلے والے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا تو دوسرے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر عاقلہ ایک ہو اور اس میں زیادتی یا کمی ہوگئی ہو تو سب جنایت کے حکم میں شریک ہوں گے، قضاء سے پہلے بھی اور بعد میں بھی لیکن جس مقدار کی ادائیگی پہلے ہوچکی ہے (اس میں شریک نہیں ہوں گے) لہٰذا جو شخص غور وفکر کر کے اس اصل کو مضبوط کرلے گا اس کے لیے اس اصل پر وارد ہونے والے امثال واضداد کی تخریج ممکن ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللغات:

﴿عدة﴾ کچھ تعداد۔ ﴿الذی تخرج علیه﴾ جس پر تخریج مسائل ہوتی ہے۔ ﴿أحکم﴾ پکا کر لیا، مضبوط کرلیا۔
﴿متامّل﴾ غور وفکر کرنے والا۔ ﴿نظائر﴾ واحد نظیر: ہم جنس، شبیہ، مثل۔

مذکورہ بالا مسائل میں اصل ضابطہ:

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاقلہ سے متعلق یہاں کئی ایک مسئلے ہیں جنھیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے متفرق طور پر بیان کیا ہے

لیکن ان مسائل کو سمجھنے کے لیے چند اصول ذہن نشین کرنا ہوگا اور یہ اصول سامنے رکھ کر بہ آسانی ان مسائل کو سمجھا جا سکتا ہے۔

❶ پہلی اصل یہ ہے کہ اگر حکماً قاتل کی حالت بدل جائے اور اس کا ولاء ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے جیسے غلام باپ کے جانی لڑکے کا ولاء پہلے اس کی آزاد ماں کی طرف رہتا ہے پھر باپ کے آزاد ہونے کے بعد یہ ولاء باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو جانی کی حالت بدلنے کے باوجود اس کی جنایت میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا اور قاتل کے پہلے والے عاقلہ پر جنایت برقرار رہتی ہے خواہ قاضی نے ان پر دیت کا فیصلہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

❷ دوسری اصل یہ ہے کہ اگر مجرم کی حالت مخفی اور پوشیدہ ہو پھر اس کا ظہور ہو جائے تو بعد ظہور جنایت عاقلۂ اولیٰ سے دوسرے عاقلہ کی طرف منتقل ہو جائے گی خواہ عاقلۂ اولیٰ پر دیت کا فیصلہ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو جیسے ابن الملاعنہ کا معاملہ ہے کہ ملاعن جب لعان کی تکذیب کر کے جانی لڑکے کو اپنا لیتا ہے تو اس مخفی اور پوشیدہ حالت کا ظہور ہوتا ہے اور جنایت اس کے باپ کی طرف اور باپ کے عاقلہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

❸ تیسری اصل یہ ہے کہ جانی کی حالت میں تبدیلی نہ ہوئی ہو بلکہ اس کے عاقلہ بدل گئے ہوں تو اس صورت میں قضاء کے وقت کا اعتبار ہے، چنانچہ اگر قاضی نے پہلے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا تھا تو بدلے ہوئے عاقلہ پر دیت واجب نہیں ہوگی اور اگر اول پر دیت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا تو بدلے ہوئے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی جیسے اگر قاتل اہل کوفہ میں سے ہو اور اس کا دیوان بصرہ منتقل کر دیا گیا ہو تو اس صورت میں بھی وقتِ قضاء کا اعتبار کر کے اہل کوفہ یا اہل بصرہ کے عاقلہ پر دیت واجب کی گئی ہے۔

❹ وإذا كانت الخ: یہ چوتھی اصل ہے اور اس اصل کا حاصل یہ ہے کہ عاقلہ میں تبدیلی نہ ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہو گیا ہو یعنی کوئی بچہ تھا وہ بالغ ہو گیا ہو یا عاقلہ میں کمی ہو گئی ہو مثلاً کسی کا انتقال ہو گیا ہو تو اس صورت میں حکم جنایت میں سب شریک ہوں گے اور قبل القضاء یا بعد القضاء میں کوئی فرق نہیں ہوگا، بلکہ اس حکم میں بھی سب برابر ہوں گے۔ ہاں دیت کی جو مقدار ادا کی جا چکی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور ان لوگوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ یعنی اس مقدار میں یہ لوگ شریک نہیں ہوں گے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ معاقل سے متعلق یہ چار اصول ہیں اور جو شخص ان میں گہرائی کے ساتھ غور وفکر کرے گا اس کے لیے ان اصول پر متفرع ہونے والے مسائل کی تحقیق وتخریج بہت سہل اور آسان ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے اس سے پہلے کتاب الدیات اور کتاب الجنایات کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے کتاب الوصایا کو بیان کررہے ہیں ان میں وجہ مناسبت اس طور پر ہے کہ وصیت انسان کی زندگی کے آخری مرحلے میں ہوتی ہے اور عموماً جنایت کے بعد جانی کی زندگی بھی آخری مرحلے میں ہوتی ہے، اس لیے کتاب الجنایات کے بعد کتاب الوصایا کو بیان کیا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ وصایا وصیة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بغیر صلہ کے دینا، مفت دینا، تبرع کے طور پر دینا۔ اور وصیة کے شرعی معنی ہیں **تملیك مضاف إلی مابعد الموت بطریق التبرع**۔ یعنی انسان کا اپنی موت کے بعد بطریق احسان کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا۔

یہاں چند اصطلاحی الفاظ ہیں انھیں ذہن نشین کرلیں:

۱ **مُوصِي :** یعنی وصیت کرنے والا شخص۔

۲ **مُوصیٰ لہ :** وہ شخص جس کے لیے وصیت کی جائے۔

۳ **مُوصیٰ بہ :** وہ چیز جس کی وصیت کی جائے۔

وصیت کا حکم یہ ہے کہ مُوصیٰ لہ ملکِ جدید کے طور پر مُوصیٰ بہ کا مالک ہوجاتا ہے۔ (بنایہ: ۱۲/۴۸۴)

صحتِ وصیت کے لیے مُوصی کا مقروض نہ ہونا، اس کا تبرع کے قابل ہونا شرط ہے نیز یہ بھی شرط ہے کہ موصیٰ لہ نہ تو موصی کا وارث ہو اور نہ ہی اس کا قاتل ہو اور مُوصی تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنے والا نہ ہو۔ ان کے علاوہ اور بھی شرائط ہیں جو مسائل کے دوران آپ کے سامنے آئیں گی۔

بَابٌ فِيْ صِفَةِ الْوَصِيَّةِ مَا يَجُوْزُ مِنْ ذٰلِكَ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنْهُ وَمَا يَكُوْنُ رُجُوْعًا عَنْهُ

یہ باب وصیت کی صفت کے بیان میں ہے یعنی جائز وصیت، مستحب وصیت اور رجوع عن الوصیت کے بیان میں ہے

قَالَ الْوَصِيَّةُ غَيْرُ وَاجِبَةٍ وَهِيَ مُسْتَحَبَّةٌ وَالْقِيَاسُ يَأْبٰى جَوَازَهَا، لِأَنَّهُ تَمْلِيْكٌ مُضَافٌ إِلٰى حَالِ زَوَالِ مَالِكِيَّتِهٖ، وَلَوْ أُضِيْفَ إِلٰى حَالِ قِيَامِهَا بِأَنْ قِيْلَ مَلَّكْتُكَ غَدًا كَانَ بَاطِلًا فَهٰذَا أَوْلٰى إِلَّا أَنَّا اِسْتَحْسَنَّاهُ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهَا فَإِنَّ الْإِنْسَانَ مَغْرُوْرٌ بِأَمَلِهٖ مُقْصِرٌ فِيْ عَمَلِهٖ فَإِذَا عَرَضَ لَهُ الْمَرَضُ وَخَافَ الْبَيَاتَ يَحْتَاجُ إِلٰى تَلَافِيْ بَعْضِ مَافَرَّطَ مِنْهُ التَّفْرِيْطَ بِمَالِهٖ عَلٰى وَجْهٍ لَوْ مَضٰى فِيْهِ يَتَحَقَّقُ مَقْصَدُهُ الْمَآلِيْ، وَلَوْ أَنْهَضَهُ الْبُرْءُ يَصْرِفُهُ إِلٰى مَطْلَبِهِ الْحَالِيْ، وَفِيْ شَرْعِ الْوَصِيَّةِ ذٰلِكَ فَشَرَعْنَاهُ وَمِثْلُهُ فِي الْإِجَارَةِ بَيَّنَّاهُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ وصیت واجب نہیں ہے، مستحب ہے، اور قیاس اُس کے جواز کا منکر ہے، کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو موصی کی مالکیت کے زوال کی طرف منسوب ہے اور اگر وصیت کو قیام ملکیت کی طرف منسوب کر دیا جائے مثلاً یوں کہا جائے میں نے تمہیں کل مالک بنا دیا تو یہ باطل ہے لہٰذا (وصیت کی) یہ صورت بدرجہ اولیٰ باطل ہوگی، لیکن وصیت کی جانب لوگوں کی حاجت کے پیش نظر بر بنائے استحسان ہم نے اسے جائز قرار دے دیا ہے، کیونکہ انسان اپنی امید کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتا ہے اور اپنے عمل میں کوتاہی کر بیٹھتا ہے پھر جب اسے مرض لاحق ہوتا ہے اور وہ موت سے گھبرا جاتا ہے تو وہ ماضی میں کی ہوئی اپنی کوتاہی اور زیادتی کی تلافی کا (اپنے مال کے ذریعے) محتاج ہوتا ہے بایں طور کہ اگر وہ اس مرض میں انتقال کر گیا تو اس کا اخروی مقصد متحقق ہو جائے گا۔ اور اگر وہ رو بہ صحت ہو گیا تو وہ مال دنیاوی مقصد میں صرف کرے گا اور وصیت کو مشروع کرنے میں یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا ہم نے وصیت کو مشروع قرار دے دیا اور اسی کے مثل اجارہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغاتُ:

﴿یأبٰی﴾ انکار کرتا ہے۔ ﴿تملیك﴾ مالک بناتا ہے۔ ﴿مغرور﴾ دھوکہ کھانے والا ہے۔ ﴿أمل﴾ اُمید۔ ﴿مقصر﴾ کوتاہی کرنے والا ہے۔ ﴿تلافی﴾ نقصان کو پورا کرنا۔ ﴿تفریط﴾ کوتاہی۔ ﴿أنهض﴾ اٹھا کھڑا کرے۔ ﴿یصرفه﴾ اسے خرچ کرتا ہے۔ ﴿برء﴾ بیماری کا جاتے رہنا۔

وصیت کی شرعی حیثیت اور مستدل:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ وصیت واجب اور ضروری نہیں ہے کہ قریب المرگ شخص کے لیے اس کو انجام دینا لازم ہو، بل کہ شریعت میں اس کی حیثیت مستحب کی ہے اور شریعت نے اسے استحباب کا درجہ دیا ہے، جب کہ قیاس اس کے جواز کا منکر ہے، قیاس کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میں موصیٰ لہ کے لیے ایک ایسی حالت میں ملکیت کو ثابت کیا جاتا ہے جس حالت میں موصی سے تملیک کی صفت فوت ہو چکی ہوتی ہے۔ اور موصی اس حالت میں دوسرے کو مالک بنانے کا اہل نہیں رہتا اور چوں کہ موصی کا اہل تملیک میں سے ہونا شرط ہے لہٰذا مابعد الموت کی طرف منسوب کی جانے والی وصیت باطل ہے۔ اور صاف سیدھی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے یوں کہے کہ میں نے کل تمہیں فلاں چیز کا مالک بنا دیا تو یہ تملیک بھی باطل ہے حالانکہ کل میں مالک بنائی ہوئی چیز پر اس شخص کی ملکیت باقی اور برقرار ہے تو جب مابعد الیوم والی تملیک باطل ہے تو مابعد الموت والی تملیک تو بدرجۂ اولیٰ باطل ہوگی۔

إلا أنا استحسناه الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ صورتِ مسئلہ میں ہم نے قیاس کو ترک کر کے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر بربنائے استحسان وصیت کو جائز قرار دیا ہے۔ اور وصیت کی طرف لوگوں کی حاجت وضرورت اس طور پر ہے کہ انسان دنیا میں بے شمار امیدوں اور امنگوں میں گھرا رہتا ہے اور انھی آرزؤں کو بروئے کار لانے کے چکر میں بسا اوقات وہ کوتاہی اور غلطی کر بیٹھتا ہے اور اسے احساس تک نہیں ہوتا، لیکن بڑھاپے میں بستر مرگ پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی کمی اور کوتاہی پر نادم ہو کر ماضی میں کی ہوئی غلطی کی تلافی کرنا چاہتا ہے، اور اس کے لیے وہ اپنے مال کا تہائی حصہ راہِ خدا میں صرف کرنا چاہتا ہے یا اپنے اعزاء واقارب کو دینا چاہتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اگر اس مرض میں وہ جاں بحق ہو گیا تو اس کی آخرت بنی رہے گی اور اگر صحت یاب ہو گیا تو اس مال کو صحیح مصرف میں لگا دے گا اور انسان کی غلطی کے تدارک کا آسان راستہ وصیت کی شکل میں نظر آتا ہے، اسی لیے شریعت نے وصیت کو جائز قرار دے دیا ہے۔

وَقَدْ تَبْقَى الْمَالِكِيَّةُ بَعْدَ الْمَوْتِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ كَمَا فِيْ قَدْرِ التَّجْهِيْزِ وَالدَّيْنِ وَقَدْ نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَهُوَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصِيْ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [سورة النساء: ۱۱]، وَالسُّنَّةُ وَهُوَ قَوْلُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❶ "إِنَّ اللّٰهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ فِيْ اٰخِرِ أَعْمَارِكُمْ زِيَادَةً لَكُمْ فِيْ أَعْمَالِكُمْ تَصْنَعُوْنَهَا حَيْثُ شِئْتُمْ أَوْ قَالَ حَيْثُ أَحْبَبْتُمْ وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ، ثُمَّ تَصِحُّ لِلْأَجْنَبِيِّ فِي الثُّلُثِ مِنْ غَيْرِ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ لِمَا رَوَيْنَا، وَسَنُبَيِّنُ مَا هُوَ الْأَفْضَلُ فِيْهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور موت کے بعد بھی باعتبار حاجت ملکیت باقی رہتی ہے جیسے تجہیز وتکفین اور قرض کی مقدار میں۔ اور کتاب اللہ اس کے جواز پر ناطق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان من بعد وصية يوصي بها أو دين ہے۔ اور سنت بھی اس کے جواز پر ناطق ہے اور وہ حضرت کا یہ فرمان مقدس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری آخری عمروں میں تمہارے ثلث مال کا صدقہ کر دیا ہے، تاکہ تمہارے اعمال میں اضافہ ہو جائے، لہٰذا تم جہاں چاہو اسے خرچ کرو۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیث أحببتم فرمایا۔ اور جواز وصیت پر اجماع منعقد ہو چکا

ہے۔ پھر اجنبی کے لیے تہائی مال میں ورثاء کی اجازت کے بغیر وصیت درست ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور ہم وصیت کے بہترین طریقے کو بھی ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

اللغات:

﴿تجهيز﴾ کفن اور قبر کا خرچ۔ ﴿دين﴾ قرض۔ ﴿نطق به﴾ اس کو بیان کیا ہے۔ ﴿اعمار﴾ واحد عمر؛ زندگی۔ ﴿تصنعون﴾ تم عمل کرو۔ ﴿سنبيّنُ﴾ ابھی ہم بتائیں گے۔

تخریج:

❶ اخرجه ابن ماجه فی کتاب الوصایا باب الوصیة بالثلث، حدیث رقم: ۲۷۰۹.

ماقبل میں اٹھائے گئے ایک شبہے کا جواب:

اس سے پہلے والے مسئلے میں قیاس کی دلیل بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ موت کے بعد موصی کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے وہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ موت کے بعد تجہیز وتکفین اور ادائے دین کو تمام امور پر مقدم کیا جاتا ہے اور یہ چیزیں میت کے مال سے اداء کی جاتی ہیں اور اگر میت کی ملکیت ختم ہو جاتی اور باقی نہ رہتی تو یہ امور بھی اس کے مال سے انجام نہ دیے جاتے، لہٰذا جس طرح ان امور کی انجام دہی میں میت کی ملکیت باقی رہتی ہے اسی طرح میت کی وصیت جائز اور نافذ کرنے کے حق میں بھی اس کی ملکیت باقی شمار کی جائے گی اور اس کی وصیت درست اور جائز ہوگی۔

ان تمام کے علاوہ جواز وصیت کی سب سے اہم اور واضح دلیل قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ قرآن کریم نے **فإن كان له إخوة فلأمّه السدس من بعد وصية يوصي بها أو دين** کے اعلان سے وصیت کے ثبوت اور جواز کو آشکارا کیا ہے۔ اسی طرح حدیث پاک میں بھی اسے ثابت اور جائز قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **إن الله تصدق عليكم بثلث أموالكم في آخر أعماركم زيادة لكم في أعمالكم تصنعونها حيث شئتم۔** یعنی اللہ نے تمہاری آخری عمروں میں تمہارے لیے تہائی مال کا صدقہ کر دیا ہے تاکہ تمہارے اعمال میں اضافہ ہو جائے اور تم جہاں چاہو ان اموال کو خرچ کرو۔ اور آخری عمروں میں تہائی مال ہی کی وصیت کی جاتی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ شریعت میں وصیت کا ثبوت اور جواز موجود ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں **حيث شئتم** الخ کی جگہ **حيث أجبتم** وارد ہے۔ اور پھر وصیت کے جواز پر امت کا اجماع بھی ہے، لہٰذا جب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت تینوں سے وصیت کا ثبوت اور جواز ہے تو پھر قیاس ایک نہیں بلکہ ہزار مرتبہ اس کا انکار کرے بہر صورت وہ ثابت اور جائز ہی رہے گی۔

ثم تصح الخ: فرماتے ہیں کہ موصی اگر کسی اجنبی کے لیے وصیت کرنا چاہے تو تہائی مال میں دل کھول کر وصیت کرتا ہے اور اس کے لیے اسے کسی سے اجازت اور پرمیشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے اس سلسلے میں ہم اور بھی اچھا طریقہ آپ کے سامنے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ، تھوڑا سا انتظار کریں۔

قَالَ وَلَاتَجُوْزُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ لِقَوْلِ ❶ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ بَعْدَ مَا نَفٰى وَصِيَّتَهُ بِالْكُلِّ وَالنِّصْفِ، وَلِأَنَّهُ حَقُّ الْوَرَثَةِ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ انْعَقَدَ سَبَبُ الزَّوَالِ إِلَيْهِمْ وَهُوَ اسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ الْمَالِ فَأَوْجَبَ تَعَلُّقَ حَقِّهِمْ بِهِ إِلَّا أَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يُظْهِرْهُ فِيْ حَقِّ الْأَجَانِبِ بِقَدْرِ الثُّلُثِ لِيَتَدَارَكَ تَقْصِيْرَهُ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ، وَأَظْهَرَ فِيْ حَقِّ الْوَرَثَةِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَايَتَصَدَّقُ بِهِ عَلَيْهِمْ، تَحَرُّزًا عَمَّا يَتَّفِقُ مِنَ الْإِيْثَارِ عَلٰى مَانُبَيِّنُهُ، وَقَدْ جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ ❷ "اَلْحَيْفُ فِي الْوَصِيَّةِ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ" وَفَسَّرُوْهُ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ وَبِالْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ثلث سے زائد مقدار پر وصیت جائز نہیں ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا ہے کہ تم ثلث کی وصیت کرو اور ثلث کثیر ہے یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کل اور نصف مال وصیت کرنے کی نفی فرمائی تھی۔ اور اس لیے کہ مال ورثاء کا حق ہے اور ان کی طرف سبب زوال منعقد ہو چکا ہے اور وہ مورث کا مال سے مستغنی ہونا ہے لہذا یہ استغناء اس مال سے ان کے حق کی وابستگی کو ثابت کردے گا، لیکن شریعت نے اجانب کے حق میں ثلث کی مقدار میں اس استغناء کو ظاہر نہیں کیا تاکہ مورث اپنی کوتاہی کی تلافی کرسکے، اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کرچکے ہیں۔

اور ورثاء کے حق میں اسے ظاہر کیا ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ مورث اپنے ورثاء پر اسے صدقہ نہیں کرے گا تاکہ اتفاقاً واقع ہونے والے ایثار سے وہ بچ جائے اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کریں گے۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ وصیت میں ظلم کرنا اکبر الکبائر میں سے ہے۔ اور علماء نے حیف کی تفسیر ثلث سے زیادہ سے اور وارث کے لیے وصیت کرنے سے کی ہے۔

اللغات:

﴿ثلث﴾ تیسرا حصہ۔ ﴿استغناء﴾ بے نیازی۔ ﴿تحرّز﴾ بچنا۔ ﴿حیف﴾ ظلم کرنا۔

تخریج:

❶ اخرجہ مسلم فی کتاب الوصیۃ باب الوصیۃ بالثلث، حدیث : ۷.

❷ اخرجہ البیہقی فی السنن الکبھی کتاب الوصایا، حدیث رقم: ۱۲۵۸۶، ۱۲۵۸۷.

وصیت کی حد:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مورث کے لیے تہائی مال کی وصیت کرنا درست اور جائز ہے اور تہائی سے زائد کی وصیت کرنا درست نہیں ہے، اس سلسلے کی دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے: **قلت یارسول اللّٰہ إن لي مالا کثیرا وإنما ترثني ابنتي أفأوصي بمالي کله، قال لا، قال فالثلثین، قال لا، قال فبالثلث، قال الثلث والثلث کثیر الخ۔** حضرت

سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی علیہ السلام میرے پاس بہت زیادہ مال ہے اور میری بیٹی ہی میری وارث ہے تو کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کردوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، انھوں نے عرض کیا کیا دوتہائی مال کی وصیت کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیا تہائی مال کی وصیت کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تہائی مال کی وصیت کرسکتے ہو اور تہائی مال زیادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مورث تہائی مال ہی کی وصیت کرسکتا ہے اور اس سے زائد کی وصیت نہیں کرسکتا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کے حق میں کل، دوثلث اور نصف مال کی وصیت کی نفی فرمائی ہے۔

لأنه حق الورثة الخ: ثلث مال سے زائد میں وصیت کے عدم جواز کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب مُوصی اور مُورث قریب المرگ ہوجاتا ہے تو اس کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہوجاتا ہے اور موصی مال سے مستغنی ہوجاتا ہے اور اس استغناء کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے مال کی کسی بھی مقدار سے وصیت درست اور جائز نہ ہو اور ہر مقدار کے حق میں یہ استغناء ظاہر ہو مگر چوں کہ شریعت نے اجانب کے حق میں ثلث مال میں اس استغناء کو ظاہر نہیں کیا ہے، تا کہ اس کے ذریعے مورث اپنی کمی اور کوتاہی کی تلافی کرسکے، لہٰذا ثلث میں تو اسے وصیت کی اجازت دی جائے گی اور ثلث کے علاوہ میں اسے یہ اجازت نہیں ملے گی، اس لیے نہ تو ثلث مال سے زائد کی وصیت درست ہے اور نہ ہی وارث کے لیے وصیت درست اور جائز ہے، کیونکہ وارث کے لیے وصیت کو جائز قرار دینے میں بعض ورثاء کو تکلیف دینا لازم آئے گا اور جن وارثوں کے لیے مورث وصیت نہیں کرے گا ان کی دل شکنی ہوگی اور قطع رحمی لازم آئے گی حالانکہ قطع رحمی درست نہیں ہے۔

وقد جاء في الحديث الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثلث مال سے زائد میں وصیت کے عدم جواز اور وارث کے لیے اس کے عدم جواز کی دلیل یہ حدیث بھی ہے الحیف في الوصیة من أکبر الکبائر یعنی وصیت میں ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے اور کبائر کی فرسٹ لسٹ میں شامل ہے۔ اور وصیت میں ظلم یہی ہے کہ انسان تہائی مال سے زائد کی وصیت کرے یا پھر کسی وارث کے لیے وصیت کرے۔

قَالَ إِلَّا أَنْ يُجِيْزَهَا الْوَرَثَةُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَهُمْ كِبَارٌ، لِأَنَّ الْاِمْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ وَهُمْ أَسْقَطُوْهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں مگر یہ کہ ورثاء مورث کی موت کے بعد ثلث سے زائد کی اجازت دیدیں اس حال میں کہ ورثاء بڑے ہوں، کیوں کہ امتناع ان کے حق کی وجہ سے تھا اور انھوں نے اپنا حق ساقط کردیا ہے۔

اللغات:

﴿یجیز﴾ اجازت دے دیں۔ ﴿کبار﴾ واحد کبیر؛ بڑے، بالغ لوگ۔ ﴿أسقطوہ﴾ اس کو ساقط کرچکے ہیں۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں ایک استثناء:

مسئلہ یہ ہے کہ مورث کے لیے تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر ورثاء بالغ ہوں اور مورث کی موت کے بعد وہ لوگ ثلث سے زائد وصیت کی اجازت دے دیں تو ان کی اجازت سے زائد میں بھی وصیت درست اور جائز ہوگی، کیونکہ زائد میں جوازِ وصیت کا ممتنع ہونا ورثاء کے حق کی وجہ سے تھا اور ورثاء نے اجازت دے کر اپنا یہ حق ساقط کردیا ہے، لہٰذا اب اس

کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

وَلَا مُعْتَبَرَ بِإِجَازَتِهِمْ فِي حَالِ حَيَاتِهِ، لِأَنَّهَا قَبْلَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ، إِذِ الْحَقُّ يَثْبُتُ عِنْدَ الْمَوْتِ فَكَانَ لَهُمْ أَنْ يَرُدُّوْهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ، بِخِلَافِ مَابَعْدَ الْمَوْتِ، لِأَنَّهُ بَعْدَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَرْجِعُوْا عَنْهُ، لِأَنَّ السَّاقِطَ مُتَلَاشٍ، غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّهُ يَسْتَنِدُ عِنْدَ الْإِجَازَةِ لٰكِنَّ الْإِسْتِنَادَ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْقَائِمِ وَهٰذَا قَدْ مَضٰى وَتَلَاشٰى، وَ لِأَنَّ الْحَقِيْقَةَ تَثْبُتُ عِنْدَالْمَوْتِ وَقَبْلَهُ يَثْبُتُ مُجَرَّدُ الْحَقِّ فَلَوْ اِسْتَنَدَ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ يَنْقَلِبُ حَقِيْقَةً قَبْلَهُ، وَالرِّضَاءُ بِبُطْلَانِ الْحَقِّ لَايَكُوْنُ رِضًا بِبُطْلَانِ الْحَقِيْقَةِ.

ترجمہ: اور مورث کی زندگی میں ورثاء کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ یہ ثبوتِ حق سے پہلے کا مرحلہ ہے، اس لیے کہ ورثاء کا حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے، لہٰذا ورثاء کو حق ہوگا کہ مورث کی موت کے بعد اس اجازت کو مسترد کردیں برخلاف مابعد الموت کے، اس لیے کہ یہ اجازت ثبوتِ حق کے بعد ہے تو ورثاء کو اس سے رجوع کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ ساقط شدہ چیز معدوم ہوتی ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ بات لازم آئے گی کہ ورثاء کا حق بوقتِ اجازت مستند ہوجائے گا، لیکن استنادِ حق موجود میں ظاہر ہوتا ہے حالانکہ یہ گذر کر معدوم ہوچکی ہے۔ اور اس لیے کہ حقیقت بوقتِ موت ثابت ہوتی ہے اور موت سے پہلے محض حق ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اگر ہر اعتبار سے استناد ثابت ہوجائے گا تو موت سے پہلے ہی حق حقیقت میں بدل جائے گا۔ اور بطلانِ حق کی رضامندی بطلانِ حقیقت کی رضامندی نہیں ہے۔

اللغات:

﴿ساقط﴾ گرنے والا۔ ﴿متلاشی﴾ لاشئے ہونے والا ہے۔ ﴿غایة﴾ انتہاء۔ ﴿مضٰی﴾ گزر گیا۔ ﴿تلاشٰی﴾ لاشئے ہوگیا۔ ﴿ینقلب﴾ پھر جائے گا، بدل جائے گا۔

ثلث مال سے زائد کی وصیت میں ورثاء کی اجازت کا وقت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ثلث مال سے زائد کی مقدار میں ورثاء کی اجازت اسی صورت میں درست اور جائز ہے جب یہ اجازت مورث کی موت کے بعد دی گئی ہو۔ اور اگر ورثاء نے مورث کی زندگی میں اجازت دی تو اس اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ مورث کے مال سے ان کا حق بوقتِ موت ثابت ہوگا اور وقتِ موت سے پہلے کی اجازت ثبوتِ حق سے پہلے کی ہے، اس لیے قبل الموت والی اجازت سے ورثاء کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ اور موت کے بعد والی اجازت میں ورثاء کو اجازت سے رجوع کا حق نہیں ہے، کیونکہ موت کے بعد مورث کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہوچکا ہے اور اب اجازت دے کر انھوں نے اپنا حق ساقط کردیا ہے اور ساقط شدہ چیز معدوم ہوتی ہے لہٰذا اس سے رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

غاية الأمر الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جس طرح بعد الموت والی اجازت سے ورثاء کو حق رجوع حاصل نہیں ہے اسی طرح قبل الموت والی اجازت میں بھی ورثاء کو حق رجوع حاصل نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ اجازت

بطریقِ استناد حق ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گی اور اس طرح ان کے اپنے حق میں یہ اجازت شمار ہوگی، لہٰذا اس میں بھی ورثاء کو حقِ رجوع نہیں ملنا چاہئے؟ اسی کا جواب دیتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہاں بطریق استناد اجازت کو ورثاء کے حق میں قرار دینا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ استناد حق موجود اور حق قائم میں ظاہر ہوتا ہے اور قبل الموت والی اجازت موت کے بعد ختم اور معدوم ہوچکی ہے اس لیے اس میں استناد کا ظہور نہیں ہوگا اور بطریق استناد حق میں اجازت کا ثبوت بھی نہیں ہوگا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مورث کی موت سے پہلے ورثاء کے لیے حقِ ملک ثابت ہوتا ہے اور ملکِ حقیقی بوقتِ موت ثابت ہوتی ہے اب اگر قبل الموت ہم بطریقِ استناد اجازت کو حق میں ثابت کردیں تو بعد الموت ثابت ہونے والی چیز کا قبل الموت ہی ثابت ہونا لازم آئے گا اور حقِ ملک کا ملکِ حقیقی سے بدلنا لازم آئے گا، حالانکہ یہ چیز باطل ہے اس لیے بطریقِ استناد اجازت کا ثبوت بھی باطل ہے۔ اور چوں کہ ورثاء نے موت سے پہلے اجازت دے کر حقِ ملک کے بطلان پر رضامندی ظاہر کی ہے نہ کہ ملکِ حقیقی کے بطلان پر رضامندی ظاہر کی ہے اور حقِ ملک کا بطلان ملکِ حقیقی کے بطلان کو مستلزم نہیں ہے۔

وَكَذٰلِكَ إِنْ كَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ وَأَجَازَتِ الْبَقِيَّةُ فَحُكْمُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَكُلُّ مَاجَازَ بِإِجَازَةِ الْوَارِثِ يَتَمَلَّكُهُ الْمُجَازُ لَهُ مِنْ قِبَلِ الْمُوْصِيْ عِنْدَنَا، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ مِنْ قِبَلِ الْوَارِثِ، وَالصَّحِيْحُ قَوْلُنَا، لِأَنَّ السَّبَبَ صَدَرَ مِنَ الْمُوْصِيْ وَالْإِجَازَةُ رَفْعُ الْمَانِعِ، وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِهِ الْقَبْضُ، وَصَارَ كَالْمُرْتَهِنِ إِذَا أَجَازَ بَيْعَ الرَّاهِنِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر وصیت وارث کے لیے ہو اور بقی ورثاء نے اجازت دے دی ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور ہر وہ تصرف جو وارث کی اجازت سے جائز ہوا ہو تو ہمارے یہاں موصی کی طرف سے مجاز لہ اس کا مالک ہوجائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وارث کی طرف سے مالک ہوگا۔ اور صحیح ہمارا قول ہے، کیونکہ سبب موصی کی طرف سے صادر ہوا ہے اور اجازت مانع کو ختم کرنا ہے اور قبضہ اس کی شرط نہیں ہے، اور یہ ایسا ہوگیا جیسے مرتہن جب راہن کی بیع کی اجازت دے دے۔

اللغات:

﴿یتملّکُ﴾ مالک ہوتا ہے۔ ﴿مُجازلہ﴾ جس کے لیے اجازت دی گئی ہو۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔

وارث کے حق میں وصیت کی صورت میں باقی ورثہ کی اجازت کا مسئلہ:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مورث نے ورثاء میں سے کسی وارث کے لیے وصیت کردی تو اس کا نفاذ اور جواز بھی بقیہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا اور اگر وہ اجازت دے دیں تو یہ وصیت نافذ اور جائز ہوجائے گی۔ اور ہر وہ چیز جو وارث کی اجازت سے جائز اور نافذ ہوتی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ ہمارے یہاں موصیٰ لہ اور مجاز لہ موصی کی طرف سے اس کا مالک ہوگا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وارث کی طرف سے موصیٰ لہ اس کا مالک ہوگا، لیکن صحیح قول ہمارا ہے یعنی ہمارے یہاں موصیٰ لہ موصی کی طرف سے موصیٰ بہ کا مالک ہوگا اس لیے کہ سببِ ملک (یعنی وصیت) موصی کی طرف سے صادر ہوا ہے، لہٰذا موصیٰ کی ملکیت بھی موصی ہی کی طرف سے متحقق ہوگی۔

والإجازة رفع المانع الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ صورتِ مسئلہ میں اگرچہ سبب ملک

یعنی وصیت کا صدور موصی کی طرف سے ہوا ہے، لیکن اس مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو چکا ہے اور ورثاء نے جو اجازت دی ہے اس سے جو مانع تھا یعنی ان کے حق کا اسقاط وہ ختم ہوا ہے لیکن اس مانع کے ختم ہونے سے موصی لہ کے لیے ملکیت کا ثبوت نہیں ہوا ہے لہٰذا اس حوالے سے بھی موصی لہ کے لیے وارث کی طرف سے ملکیت کا ثبوت ماننا درست نہیں ہے کما ذھب إلیه الإمام الشافعی اور جب ورثاء کی طرف سے دی جانے والی اجازت ملکیت کا ثبوت نہیں ہے تو پھر اس کے لیے قبضہ بھی شرط نہیں ہے، کیونکہ ملکیت کا ثبوت موصی کی طرف سے ہے اور موصیٰ بہ پر اس کا قبضہ متحقق ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے راہن شئ مرہون کو فروخت کردے تو یہ بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف رہے گی اور جب مرتہن بیع کی اجازت دے گا تو اس کا نفاذ اور جواز راہن کی طرف سے ہوگا نہ کہ مرتہن کی طرف سے۔

قَالَ وَلَاتَجُوْزُ لِلْقَاتِلِ عَامِدًا كَانَ أَوْ خَاطِئًا بَعْدَ أَنْ كَانَ مُبَاشِرًا لِقَوْلِهِ [1] عَلَیْہِ السَّلَامُ لَاوَصِيَّةَ لِلْقَاتِلِ، وَ لِأَنَّهُ اِسْتَعْجَلَ مَا أَخَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَيُحْرَمُ الْوَصِيَّةَ كَمَا يُحْرَمُ الْمِيْرَاثَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ تَجُوْزُ لِلْقَاتِلِ، وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا أَوْصٰى لِرَجُلٍ ثُمَّ أَنَّهُ قَتَلَ الْمُوْصِي تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ عِنْدَنَا وَعِنْدَهُ لَاتَبْطُلُ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ فِي الْفَصْلَيْنِ مَاقُلْنَاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ قاتل کے لیے وصیت جائز نہیں ہے خواہ وہ عامد ہو یا خاطی ہو بعد اس کے کہ وہ مباشر ہو، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے قاتل کے لیے وصیت نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ قاتل نے اس چیز کو جلدی حاصل کرنا چاہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موخر کردیا ہے، لہٰذا وہ وصیت سے محروم کردیا جائے گا جیسے میراث سے محروم کردیا گیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاتل کے لیے جائز ہے۔ اور اسی اختلاف پر ہے جب کسی نے کسی شخص کے لیے وصیت کی پھر اسی شخص نے موصی کو قتل کردیا تو ہمارے یہاں وصیت باطل ہوجائے گی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باطل نہیں ہوگی اور دونوں مسئلوں میں ہماری پیش کردہ دلیل ان کے خلاف حجت ہے۔

اللغاتُ:

﴿مباشر﴾ مرتکب، خود عمل کرنے والا۔ ﴿استعجل﴾ جلدی کی ہے۔ ﴿أخّر﴾ موَخر کیا تھا۔

تخریج:

[1] اخرجہ دارقطنی فی السنن کتاب فی الاقضیۃ، حدیث رقم: ٤٥٢٥، ٤٥٢٦.
والبیھقی فی کتاب السنن الکبری باب ما جاء فی الوصیۃ للقاتل، حدیث ١٢٦٥٢.

قاتل کے لیے وصیت کا عدم جواز:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں قاتل کے لیے وصیت درست اور جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ قاتل مباشر ہو خواہ قاتل نے عمداً قتل کیا ہو یا خطأً بہر دو صورت ہمارے یہاں اس کے لیے وصیت جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث پاک میں صاف طور پر آپ ﷺ

نے فرمادیا ہے لا وصیة للقاتل ''قاتل کے لیے وصیت جائز نہیں ہے''۔ اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قاتل اپنے موصی کو قتل کرکے مالِ وصیت کے حصول میں جلد بازی کرتا ہے حالانکہ شریعت نے اسے موصی کی موت کے بعد یہ مال ملنے کا فرمان جاری کیا ہے لہٰذا موصی کے قتل میں وہ حکم شرعی کی صراحتاً خلاف ورزی کرتا ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی اسے وصیت سے محروم کردیا جائے گا جیسے اگر قاتل مورث کا وارث ہوتو اسے میراث سے بھی اسی دلیل کی بنا پر محروم کردیا جاتا ہے۔

وعلی هذا الخلاف الخ: فرماتے ہیں کہ نعمان نے سلمان کے لیے وصیت کی اور پھر سلمان نے موصی یعنی نعمان کو قتل کردیا تو ہمارے یہاں وصیت باطل ہوجائے گی، کیونکہ قاتل کے ملیے نہ تو ابتداءً وصیت جائز ہے اور نہ ہی بقاءً اور انتہاءً، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قاتل کے لیے ابتداءً بھی وصیت درست ہے اور بقاءً بھی، اس لیے ان کے یہاں صورت مسئلہ میں وصیت باطل نہیں ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قاتل مقتول سے اجنبی ہے، لہٰذا جس طرح دیگر اجانب کے لیے وصیت درست ہے اسی طرح قاتل کے لیے بھی وصیت درست اور جائز ہے۔ لیکن ہماری پیش کردہ حدیث لا وصیة للقاتل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حجت ہے، کیونکہ اس حدیث میں قاتل کے لیے مطلق وصیت کی نفی کی گئی ہے اور اس کے اجنبی یا قریبی ہونے سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے لہٰذا علی الاطلاق قاتل کو وصیت نہیں ملے گی خواہ وہ وارث ہو یا اجنبی ہو۔

وَلَوْ أَجَازَتْهَا الْوَرَثَةُ جَازَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٌ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ لَاتَجُوْزُ، لِأَنَّ جِنَايَتَهُ بَاقِيَةٌ وَالْإِمْتِنَاعُ لِأَجْلِهَا، وَلَهُمَا أَنَّ الْإِمْتِنَاعَ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ نَفْعَ بُطْلَانِهَا يَعُوْدُ إِلَيْهِمْ كَنَفْعِ بُطْلَانِ الْمِيْرَاثِ، وَلِأَنَّهُمْ لَايَرْضَوْنَهَا لِلْقَاتِلِ كَمَا لَايَرْضَوْنَهَا لِأَحَدِهِمْ.

ترجمه: اور اگر ورثاء نے وصیت قاتل کی اجازت دے دی تو حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں وصیت جائز ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ قاتل کی جنایت باقی ہے اور جنایت ہی کی وجہ سے وصیت ممتنع ہے۔ حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ امتناع حق ورثاء کی وجہ سے ہے، کیونکہ بطلانِ وصیت کا فائدہ انھی کی طرف عائد ہوتا ہے جیسے بطلانِ میراث کا نفع ہے اور اس لیے کہ ورثاء قاتل کے لیے وصیت سے راضی نہیں ہوں گے جیسے وہ اپنے میں سے کسی ایک کے لیے اس سے راضی نہیں ہوں گے۔

اللغات:

﴿جناية﴾ جرم۔ ﴿امتناع﴾ ممانعت۔ ﴿أجل﴾ وجہ۔ ﴿يعود﴾ لوٹے گا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں استثناء:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاتل کے لیے وصیت درست اور جائز نہیں ہے، لیکن اگر مورث کے ورثاء اس امر پر رضامندی ظاہر کردیں تو حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں قاتل کے لیے وصیت درست اور جائز ہوجائے گی لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ورثاء کی رضامندی کے باوجود قاتل کے لیے وصیت جائز نہیں ہوگی، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قاتل کے لیے وصیت کا عدم جواز اس کی جنایت کی وجہ سے تھا اور ورثاء کی رضامندی کے بعد بھی اس کی جنایت باقی ہے لہٰذا جب بعد الاجازت بھی جنایت باقی

ہے تو اس کے حق میں جوازِ وصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ قاتل کے لیے وصیت کا امتناع ورثاء کے حق کی وجہ سے ہے، اس لیے کہ قاتل کے حق میں بطلانِ وصیت کا فائدہ ورثاء کو ملتا ہے، جیسے بطلانِ میراث کا فائدہ بھی ورثاء ہی کو ملتا ہے، اور اس لیے کہ ورثاء قاتل کے لیے وصیت پر راضی نہیں ہوتے جیسے وہ وارثوں میں سے کسی کے لیے وصیت پر راضی نہیں ہوتے معلوم ہوا کہ قاتل کو وصیت نہ ملنے میں ورثاء ہی کا ہاتھ ہوتا ہے اور اگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں تو قاتل وصیت کا حق دار ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر قاتل کے لیے وصیت ملنے پر ورثاء اپنی رضامندی کی مہر لگا دیں تو قاتل وصیت کا مستحق ہوگا اور اسے وصیت ملے گی۔

قَالَ وَلَاتَجُوْزُ لِوَارِثِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ [1] إِنَّ اللّٰهَ أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ أَلَا لَاوَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ، وَلِأَنَّهٗ يَتَأَذَّى الْبَعْضُ بِإِيْثَارِ الْبَعْضِ فَفِيْ تَجْوِيْزِهٖ قَطِيْعَةُ الرَّحِمِ، وَلِأَنَّهٗ حَيْفٌ بِالْحَدِيْثِ الَّذِيْ رَوَيْنَاهُ، وَيُعْتَبَرُ كَوْنُهٗ وَارِثًا أَوْغَيْرَ وَارِثٍ وَقْتَ الْمَوْتِ، لَاوَقْتَ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهٗ تَمْلِيْكٌ مُضَافٌ إِلٰى مَابَعْدَ الْمَوْتِ، وَحُكْمُهٗ يَثْبُتُ بَعْدَالْمَوْتِ، وَالْهِبَةُ مِنَ الْمَرِيْضِ لِلْوَارِثِ فِيْ هٰذَا نَظِيْرُ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهَا وَصِيَّةٌ حُكْمًا حَتّٰى تَنْفُذَ مِنَ الثُّلُثِ، وَإِقْرَارُ الْمَرِيْضِ لِلْوَارِثِ عَلٰى عَكْسِهٖ، لِأَنَّهٗ تَصَرُّفٌ فِي الْحَالِ فَيُعْتَبَرُ ذٰلِكَ وَقْتَ الْإِقْرَارِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اپنے وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارساد گرامی ہے اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دے دیا ہے یاد رکھو وارث کے لیے وصیت نہیں ہے، اور اس لیے کہ بعض کو ترجیح دینے سے بعض کو تکلیف ہوگی اور اسے جائز قرار دینے میں قطع رحمی پائی جائے گی۔ اور اس لیے کہ ہماری روایت کردہ حدیث کی رو سے یہ ظلم ہے اور موصیٰ لہ کے وارث ہونے یا وارث نہ ہونے کا اعتبار موت کے وقت ہوگا۔ نہ کہ وصیت کے وقت، کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہے اور اس کا حکم بھی بعد الموت ثابت ہوتا ہے۔ اور مریض کی طرف سے وارث کے لیے ہبہ کرنا اس میں وصیت کی نظیر ہے کیونکہ یہ حکماً وصیت ہے یہاں تک کہ تہائی مال سے اس کا نفاذ ہوتا ہے اور وارث کے لیے مریض کا اقرار کرنا اس کے برعکس ہے، کیونکہ یہ فوری تصرف ہے لہٰذا یہ اقرار کے وقت معتبر ہوگا۔

اللغات:

﴿یتأذّی﴾ تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ﴿إیثار﴾ ترجیح دینا۔ ﴿حیف﴾ ظلم۔ ﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔

تخریج:

[1] اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الوصایا باب ما جاء فی الوصیۃ للوارث، حدیث رقم: ۲۸۷۰.

وارث کے حق میں وصیت کرنا:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ مورث کا اپنے وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ألا لاوصیة

للوارث کے فرمان سے وارث کے لیے وصیت کرنے کو منع قرار دے دیا گیا ہے اور حدیث کے پہلے جزء إن الله أعطی کل ذي حق حقه میں یہ بتادیا گیا ہے کہ اللہ پاک نے وراثت کے ذریعے مورث کے مال میں ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وصیت کے راستے سے نہ تو مورث کسی کو کچھ دے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی کچھ لے سکتا ہے۔

اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مورث کے مال میں ورثاء برابر کے شریک اور حق دار ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی وارث کے لیے وصیت کرنے میں موصیٰ لہ کو دوسروں سے فائق اور برتر بنانا لازم آتا ہے اور موصی کے اس فعل سے دوسرے ورثاء کو تکلیف اور اذیت ہوسکتی ہے اور یہ چیز قطعِ رحمی کا سبب بن سکتی ہے جب کہ ایذاءِ مسلم حرام ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی وارث کے لیے وصیت درست اور جائز نہیں ہے۔

ولأنه حیف الخ: فرماتے ہیں کہ وارث کے لیے وصیت کے عدم جواز پر ماقبل میں بیان کردہ ہماری یہ حدیث **الحیف في الوصیة من أکبر الکبائر** بھی دلیل ہے جس میں حیف کی تفسیر وارث کے لیے وصیت کرنے سے کی گئی ہے۔

ویعتبر کونه الخ: صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ وارث اور موصیٰ لہ کا وارث ہونا یا وارث نہ ہونا موت کے وقت معتبر ہوگا اور بوقتِ موت ہی اس امر کا علم ہوگا۔ وصیت کے وقت اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہے اور اس کا حکم بھی موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، اس لیے وارث کے وارث ہونے اور نہ ہونے کا علم اور اعتبار بھی مورث کی موت کے وقت ہوگا۔

والهبة من المریض الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی مریض مرض الموت میں وارث کے لیے ہبہ کرتا ہے تو اس کا ہبہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ مریض کا ہبہ بھی وصیت کے درجے میں ہے، لہٰذا جس طرح وارث کے لیے وصیت درست نہیں ہے اسی طرح وارث کے لیے ہبہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ ہبہ بھی حکماً وصیت ہے یہی وجہ ہے کہ غیر وارث کے لے مریض کا ہبہ بھی تہائی مال میں نافذ ہوتا ہے۔

وإقرار المریض الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مریض وارث کے لیے کسی مال کا اقرار کرے تو یہ ہبہ اور وصیت کے برخلاف ہے یعنی مقرلہ کے وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار بوقت اقرار ہوگا نہ کہ بوقتِ موت، اس لیے کہ اقرار فوری تصرف ہے لہٰذا اس میں فوری وقت یعنی وقتِ اقرار کا اعتبار ہوگا نہ کہ وقت موت کا۔

قَالَ إِلَّا أَنْ يُجِيْزَهَا الْوَرَثَةُ، وَيُرْوٰى هٰذَا الْإِسْتِثْنَاءُ فِيْمَا رَوَيْنَاهُ، وَلِأَنَّ الْإِمْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ فَتَجُوْزُ بِإِجَازَتِهِمْ، وَلَوْ أَجَازَ بَعْضٌ وَرَدَّ بَعْضٌ تَجُوْزُ عَلَى الْمُجِيْزِ بِقَدْرِ حِصَّتِهٖ لِوِلَايَتِهٖ عَلَيْهِ وَبَطَلَ فِيْ حَقِّ الرَّادِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں الا یہ کہ ورثاء اس وصیت کو جائز قرار دے دیں۔ اور یہ استثناء ہماری روایت کردہ حدیث میں مروی ہے، اور اس لیے کہ وصیت کا ممتنع ہونا حق ورثاء کی وجہ سے ہے لہٰذا ورثاء کی اجازت سے وصیت جائز ہوگی۔ اور اگر بعض نے اجازت دے دی اور بعض نے اسے مسترد کردیا تو اجازت دینے والے پر اس کے حصے کے بقدر وصیت جائز ہوگی، کیونکہ اجازت دینے والے کو اپنے اوپر ولایت حاصل ہے اور رد کرنے والے کے حق میں وصیت باطل ہوگی۔

اللغات:

﴿یجیز﴾ اجازت دے دیں۔ ﴿مجیز﴾ اجازت دینے والا۔

مذکورہ بالا مسئلے میں ورثاء کی اجازت کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے لیکن اگر ورثاء اس پر راضی ہوجائیں اور اس کی اجازت دے دیں تو پھر ان کے لیے وصیت درست اور جائز ہوجائے گی، کیونکہ ماقبل میں ہم نے جو حدیث بیان کی ہے اس میں یہ استثناء بھی ہے لاتجوز الوصية لوارث إلا أن يشاء الورثة اور وارث کے لیے وصیت کا عدم جواز ورثاء کے حق کی وجہ سے ہے اور جب خود ورثاء اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہیں تو ظاہر ہے إذا زال المانع عاد الممنوع والے ضابطے کے تحت وصیت کا جواز عود کرآئے گا۔

ولو أجاز الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ورثاء میں سے کسی نے وارث کے لیے وصیت کو جائز قرار دے دیا اور کسی نے اسے منع کردیا تو جس نے جائز قرار دیا اس کے حصے کے بقدر وصیت جائز ہے، کیونکہ اسے اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اور جس نے رد کردیا اس کے حصے میں وصیت باطل ہے۔ اس لیے کہ وصیت کا امتناع اسی کے حق کی وجہ سے تھا اور اس نے اپنا حق روک لیا ہے۔

قَالَ وَيَجُوْزُ أَنْ يُوْصِيَ الْمُسْلِمُ لِلْكَافِرِ وَالْكَافِرُ لِلْمُسْلِمِ فَالْأَوَّلُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَايَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ الآية [سورة الممتحنة:٨]، **وَالثَّانِيْ لِأَنَّهُمْ بِعَقْدِ الذِّمَّةِ سَاوَوْا الْمُسْلِمِيْنَ فِي الْمُعَامَلَاتِ، وَلِهٰذَا جَازَ التَّبَرُّعُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فِيْ حَالَةِ الْحَيَاةِ فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ الْوَصِيَّةُ لِأَهْلِ الْحَرْبِ بَاطِلَةٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾** [سورة الممتحنة: ٩].

ترجمه: فرماتے ہیں جائز ہے کہ مسلمان کافر کے لیے اور کافر مسلمان کے لیے وصیت کرے چنانچہ پہلا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے جائز ہے لاینھاکم الخ: اور دوسرا اس وجہ سے جائز ہے کہ عقد ذمہ کی وجہ سے کفار معاملات میں مسلمانوں کے برابر ہیں، اسی لیے حالت حیات میں جانبین سے تبرع درست ہے لہٰذا موت کے بعد بھی (لین دین صحیح ہوگا) اور جامع صغیر میں ہے کہ اہل حرب کے لیے وصیت کرنا باطل ہے، اس لیے کہ ارساد باری ہے إنما ینھاکم الخ۔

اللغات:

﴿یوصی﴾ وصیت کرنا۔ ﴿لا ینھاکم﴾ تمھیں منع نہیں کرتے۔ ﴿ساوَوْا﴾ برابر ہوگئے ہیں۔ ﴿تبرّع﴾ بے عوض ادائیگی، ہبہ۔

کافروں اور مسلمانوں کا باہمی وصیت کرنا:

عبارت میں کافر سے ذمی مراد ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان ذمی کے لیے وصیت کرسکتا ہے اور ذمی مسلمان کے لیے وصیت کرسکتا ہے، کیونکہ اللہ پاک نے لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم في الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن

تبرّوهم وتقسطوا إليهم کے فرمان سے ذمی اور غیر محارب کفار کے ساتھ تبرع کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ لین دین کرنے کی اجازت دی ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ذمیوں نے عقد ذمہ کا معاملہ کر کے معاملات میں مسلمانوں کے ساتھ مساوات اور برابری کر لی ہے اور آپس میں مسلمان ایک دوسرے کے لیے وصیت کر سکتے ہیں، لہٰذا مسلمان اور ذمی بھی ایک دوسرے کے لیے وصیت کر سکتے ہیں اور پھر جب زندگی میں ذمی اور مسلمان تبرع کر سکتے ہیں تو موت کے بعد بھی وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کر سکتے ہیں، شرعاً اس کی اجازت ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

وفي الجامع الصغير الخ: یہ مسئلہ جامع صغیر کا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ کافر جو مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار رہتا ہو اور حربی ہو اس کے لیے نہ تو مسلمان وصیت کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ مسلمان کے لیے وصیت کر سکتا ہے، کیونکہ قرآن کریم نے ظالم اور حربی کے ساتھ کسی بھی طرح کا عقد کرنے سے منع کر دیا ہے **إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا على إخراجكم أن تولّوهم۔** اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو دین کے سلسلے میں تم سے لڑتے ہوں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہیں نکالنے میں شریک ہوئے ہوں۔

قَالَ وَقَبُوْلُ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَإِنَّ قَبِلَهَا الْمُوْصٰى لَهٗ فِيْ حَالِ حَيَاتِهٖ أَوْ رَدَّهَا فَذٰلِكَ بَاطِلٌ، لِأَنَّ أَوَانَ ثُبُوْتِ حُكْمِهٖ بَعْدَ الْمَوْتِ لِتَعَلُّقِهٖ بِهٖ فَلَايُعْتَبَرُ قَبْلَهٗ كَمَا لَايُعْتَبَرُ قَبْلَ الْعَقْدِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ وصیت کی قبولیت موت کے بعد ہے لیکن اگر موصی لہ نے موصی کی زندگی میں وصیت کو قبول کیا یا اسے رد کر دیا تو یہ باطل ہے، اس لیے کہ وصیت کا حکم ثابت ہونے کا وقت موت کے بعد ہے، کیوں کہ وصیت موت کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا قبول ورد موت سے پہلے معتبر نہیں ہوگا جیسے عقد سے پہلے معتبر نہیں ہوتا۔

اللغات:

﴿أوان﴾ واحد آن؛ وقت۔

وصیت کو کب قبول کیا جائے گا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی کی طرف سے کی گئی وصیت موصیٰ لہ موت کے بعد قبول کرے گا اور موت کے بعد والی قبولیت ہی معتبر ہوگی، کیونکہ وصیت موت سے متعلق ہوتی ہے اور موت کے بعد ہی اس کا حکم ثابت ہوتا ہے اس لیے اس کی قبولیت بھی موت کے بعد ہی متحقق اور درست ہوگی۔ اور اگر موت سے پہلے موصی کی زندگی میں موصیٰ لہ اسے قبول کرلے گا یا رد کر دے تو قبول اور ردّ باطل ہوں گے اور ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جیسے عقدِ وصیت سے پہلے کے قبول اور ردّ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

قَالَ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُّوْصِيَ الْإِنْسَانُ بِدُوْنِ الثُّلُثِ سَوَاءٌ كَانَتِ الْوَرَثَةُ أَغْنِيَاءَ أَوْ فُقَرَاءَ، لِأَنَّ فِي التَّنْقِيْصِ صِلَةَ الْقَرِيْبِ بِتَرْكِ مَالِهٖ عَلَيْهِمْ، بِخِلَافِ اِسْتِكْمَالِ الثُّلُثِ، لِأَنَّهٗ اِسْتِيْفَاءُ تَمَامِ حَقِّهٖ فَلَاصِلَةَ وَلَامِنَّةَ، ثُمَّ الْوَصِيَّةُ

بِأَقَلِّ مِنَ الثُّلُثِ أَوْلَى أَمْ تَرْكُهَا؟ قَالُوا إِنْ كَانَتِ الْوَرَثَةُ فُقَرَاءَ وَلَايَسْتَغْنُوْنَ بِمَا يَرِثُوْنَ فَالتَّرْكُ أَوْلَى لِمَا فِيْهِ مِنَ الصَّدَقَةِ عَلَى الْقَرِيْبِ وَقَدْ قَالَ ❶ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الرَّحِمِ الْكَاشِحِ، وَلِأَنَّ فِيْهِ رِعَايَةَ حَقِّ الْفُقَرَاءِ وَالْقَرَابَةِ جَمِيْعًا.

ترجمه: فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ انسان ثلث سے کم کی وصیت کرے خواہ ورثاء مالدار ہوں یا فقیر ہوں، کیونکہ ثلث سے کم کرنے میں رشتے دار کے ساتھ ان پر مال چھوڑ کر صلہ رحمی کرنا ہے۔ برخلاف ثلث پورا کرنے کے، اس لیے کہ یہ پورا حق لے لینا ہے لہٰذا نہ تو صلہ رحمی ہے اور نہ ہی احسان ہے۔ پھر ثلث سے کم کی وصیت اولیٰ ہے یا اس کا ترک اولیٰ ہے؟ حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر ورثاء فقیر ہوں اور پانے والی وراثت سے مستغنی نہ ہوتے ہوں تو اس کا ترک اولیٰ ہے، کیونکہ اس میں قریبی شخص پر صدقہ کرنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارساد فرمایا بہترین صدقہ اس رشتے دار پر ہے جس سے مُصدّق خوش نہ ہو اور اس لیے کہ اس میں فقراء اور قرابت دونوں کی رعایت ہے۔

اللغات:

﴿یوصی﴾ وصیت کرے۔ ﴿دون الثلث﴾ تیسرے حصے سے کم۔ ﴿تنقیص﴾ کم کرنا۔ ﴿قریب﴾ مراد رشتہ دار۔ ﴿استیفاء﴾ پورا پورا وصول کرنا۔ ﴿منّة﴾ احسان کرنا۔ ﴿کاشح﴾ ناپسندیدہ، جس سے پہلوتہی کی جاتی ہو۔

تخریج:

❶ اخرجه البيهقى فى السنن الكبرى كتاب قسم الصدقات باب يقسم الصدقة على قرابته و جيرانه، حديث رقم: ۱۳۲۲۳.

وصیت کی مستحب مقدار:

مسئلہ یہ ہے کہ شریعت نے انسان کو آخری وقت میں اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے وصیت کی شکل میں جو ترکیب بتائی ہے انسان کو چاہئے کہ وہ اس ترکیب پر عمل کرے لیکن اس میں یہ احتیاط کرے کہ جو ہدف ہے یعنی تہائی مال کی وصیت کرنا اس سے کم ہی وصیت کرے اور تہائی کو مکمل نہ کرے، خواہ اس کے ورثاء مالدار ہوں یا محتاج ہوں بہر صورت انسان تہائی مال سے کم کی ہی وصیت کرے، کیونکہ جب وہ تہائی سے کم کی وصیت کرے گا تو جو مال چھوڑے گا وہ ورثاء کے کام آئے گا اور اس طرح وہ ورثاء کے لیے زیادہ مال چھوڑنے والا ہوگا۔ اور ورثاء کے ساتھ صلہ رحمی کرنے والا ہوگا جو موجب اجر وثواب ہے۔ اور اگر انسان پورے ثلث کی وصیت کردے گا تو اس صورت میں نہ تو وہ صلہ رحمی کرنے والا ہوگا اور نہ ہی احسان کرنے والا ہوگا اور یہ بات تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ صلہ رحمی اور احسان کرنا نہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ اچھا اور بہتر ہے۔

ثم الوصية الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ثلث سے کم وصیت کرنا اولیٰ ہے یا اسے ترک کردینا اولیٰ ہے یہ ایک سوال ہے۔ اور اس کا جواب بزبان مشائخ یہ ہے کہ اگر موصی کے ورثاء تنگدست ہوں اور موصی کے ترکے سے ان کی تنگدستی ختم نہ ہوتی ہو تو اس

صورت میں موصی کے لیے وصیت نہ کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ترکِ وصیت سے موصی اپنے محتاج رشتے داروں کو صدقہ وغیرہ دے کر دوہرے ثواب کا مستحق ہوجائے گا اس لیے کہ اسے صدقہ کرنے کا بھی ثواب حاصل ہوگا اور قرابت کا بھی اجر ملے گا اور حدیث پاک میں ہے أفضل الصدقة علی ذي الرحم الکاشح یعنی جس رشتے دار سے مصدق خوش نہیں ہے اور کسی وجہ سے دونوں میں ''مَمَن مُغَاؤ'' اور ''اَنْ بَنْ'' ہو اس رشتے دار پر صدقہ کرنا اور بھی ثواب کا کام ہے، کیونکہ اس میں نفس کی مخالفت ہے، قرابت داری بھی ہے اور حق فقیر کی رعایت بھی ہے۔

وَإِنْ كَانُوْا أَغْنِيَاءَ أَوْ يَسْتَغْنُوْنَ بِنَصِيْبِهِمْ فَالْوَصِيَّةُ أَوْلٰى، لِأَنَّهُ يَكُوْنُ صَدَقَةً عَلَى الْأَجْنَبِيِّ وَالتَّرْكُ هِبَةٌ مِنَ الْقَرِيْبِ وَالْأَوْلٰى أَوْلٰى، لِأَنَّهُ يُبْتَغٰى بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَقِيْلَ فِيْ هٰذَا الْوَجْهِ يُخَيَّرُ لِاشْتِمَالِ كُلٍّ مِنْهُمَا عَلٰى فَضِيْلَةٍ وَهُوَ الصَّدَقَةُ أَوِ الصِّلَةُ فَيُخَيَّرُ بَيْنَ الْخَيْرَيْنِ.

ترجمہ: اور اگر ورثاء مالدار ہوں یا وہ اپنے حصے سے مالدار ہوجائیں گے تو وصیت کرنا اولیٰ ہے، اس لیے کہ وصیت اجنبی پر صدقہ ہوگا اور ترکِ وصیت رشتے دار پر ہبہ ہوگا اور پہلا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تلاش کی جاتی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں موصی کو اختیار ہے اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک فضیلت پر مشتمل ہے اور وہ صدقہ ہے یا صلہ ہے لہٰذا موصی کو دونوں نیکیوں کے مابین اختیار دیا جائے گا۔

اللغاتُ:

﴿أغنیاء﴾ واحد غني؛ مالدار، غیر ضرورت مند۔ ﴿یستغنون﴾ مالدار ہوجائیں گے۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿یبتغی﴾ چاہتا ہے، ڈھونڈتا ہے۔ ﴿یُخیّر﴾ اختیار دیا جائے گا۔

وصیت کرنا کب مستحب ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مورث کے ورثاء مالدار ہوں یا میراث میں سے اپنا اپنا حصہ پانے کے بعد وہ مالدار ہوجائیں گے تو مورث اور موصی کے لیے وصیت کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ وصیت کرنے سے وہ اجنبی شخص پر صدقہ کرنے والا ہوگا اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں وہ کسی رشتے دار پر ہبہ کرنے والا ہوگا اور صدقہ کرنا ہبہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ صدقہ سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہے جب کہ ہبہ سے رشتے دار کی خوشنودی ہوتی ہے اور ظاہر ہے خدا کی مرضی اور خوشنودی ہر کسی کی مرضی اور خوشنودی سے بڑھ کر ہے۔

وقیل في هذا الخ: فرماتے ہیں بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں موصی کو اختیار ہے چاہے تو وصیت کر کے صدقہ کرے اور چاہے تو وصیت نہ کر کے ہبہ کرے، کیونکہ ہبہ اور صدقہ دونوں نیک کام ہیں اور موصی کو دونوں کا اختیار ہے جو چاہے کرے۔

قَالَ وَالْمُوْصٰى بِهٖ يَمْلِكُ بِالْقَبُوْلِ، خِلَافًا لِزُفَرَ رَحمۃ اللہ علیہ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ رَحمۃ اللہ علیہ هُوَ يَقُوْلُ الْوَصِيَّةُ أُخْتُ الْمِيْرَاثِ إِذْ كُلٌّ مِنْهُمَا خِلَافَةٌ لِمَا أَنَّهُ اِنْتِقَالٌ، ثُمَّ الْإِرْثُ يَثْبُتُ مِنْ غَيْرِ قَبُوْلٍ فَكَذٰلِكَ الْوَصِيَّةُ، وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّةَ إِثْبَاتُ مِلْكٍ جَدِيْدٍ وَلِهٰذَا لَايَرُدُّ الْمُوْصٰى لَهٗ بِالْعَيْبِ وَلَايُرَدُّ عَلَيْهِ بِالْعَيْبِ وَلَايَمْلِكُ أَحَدٌ إِثْبَاتَ الْمِلْكِ لِغَيْرِهٖ إِلَّا بِقَبُوْلِهٖ، أَمَّا الْوِرَاثَةُ خِلَافَةٌ حَتّٰى يَثْبُتَ فِيْهَا هٰذِهِ الْأَحْكَامُ فَيَثْبُتُ جَبْرًا مِنَ الشَّرْعِ مِنْ غَيْرِ قَبُوْلٍ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ قبولیت سے موصی بہ ملکیت میں آتی ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وصیت میراث کی بہن ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک خلافت ہے، اس لیے کہ یہ انتقال ہے پھر ارث بغیر قبول کے ثابت ہوتا ہے تو ایسے ہی وصیت بھی (بغیر قبول کے ثابت ہوگی) ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت ملکِ جدید کا اثبات ہے اسی لیے عیب کی وجہ سے موصی لہ اور کوئی شخص دوسرے کے قبول کئے بغیر اس کے لیے ملکیت ثابت نہیں کرسکتا۔ رہی وراثت تو وہ خلافت ہے حتی کہ وراثت میں یہ احکام جاری ہوں گے لہٰذا قبولیت کے بغیر شریعت کی طرف سے جبراً ملکیت ثابت ہوگی۔

اللغات:

﴿موصٰی بہ﴾ وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہے۔ ﴿یملك﴾ ملک میں آئے گا۔

وصیت کے لیے قبول کرنے کی شرط:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں موصیٰ لہ جب موصی کی موت کے بعد موصیٰ بہ کو قبول کرے گا تو موصیٰ بہ اس کی ملکیت میں آئے گی اور بدون قبولیت موصیٰ لہ موصیٰ بہ کا مالک نہیں ہوگا۔ جب کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے قبول کئے بغیر بھی اس کی ملکیت میں چلی جائے گی، یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے، کیونکہ وصیت اور میراث دونوں خلافت کے طور پر ثابت ہوتی ہیں اور میراث وارث کی قبولیت کے بغیر ثابت ہوجاتی ہے، لہٰذا وصیت بھی موصیٰ لہ کے قبول کئے بنا ثابت ہوجائے گی۔

ولنا أن الوصیة الخ: یہ ہماری دلیل ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وصیت ملک جدید کا اثبات ہے یہی وجہ ہے کہ اگر موصی نے کوئی چیز خرید کر موصیٰ لہ کے لیے وصیت کردی اور موصیٰ لہ کو اس چیز میں عیب ملا تو موصیٰ لہ موصی کے بائع پر عیب کی وجہ سے اس مبیع کو واپس نہیں کرسکتا اور نہ ہی موصیٰ لہ پر عیب کی وجہ سے وہ چیز واپس کی جاسکتی ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی کے لیے اپنے پورے مال کی وصیت کردی اور پھر موصی نے اس میں سے کوئی چیز فروخت کی اور مشتری مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہوا تو مشتری موصیٰ لہ پر وہ چیز واپس نہیں کرسکتا، معلوم ہوا کہ وصیت میں موصیٰ لہ کے لیے ملک جدید ثابت ہوتی ہے اور بطریقِ خلافت وہ اس کا مالک نہیں ہوتا اور ملکِ جدید کے ثبوت کے لیے جسے مالک بنایا جارہا ہے، اس کا قبول کرنا شرط ہے اور اس کے قبول کئے بغیر کوئی چیز اس کی ملکیت میں نہیں آئے گی اسی لیے ہم نے موصیٰ لہ کا قبول کرنا مشروط قرار دیا ہے۔ وصیت کے بغیر وراثت کا معاملہ ہے تو وراثت، وارث کے لیے

بطریقِ خلافت ثابت ہوتی ہے اس لیے اس میں وارث کا قبول کرنا شرط نہیں ہے اور اس میں قبول اور رد وغیرہ شریعت کی جانب سے جبراً ثابت ہوجاتے ہیں۔

قَالَ إِلاَّ فِيْ مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَهُوَ أَنْ يَمُوْتَ الْمُوْصِي ثُمَّ يَمُوْتُ الْمُوْصٰى لَهُ قَبْلَ الْقَبُوْلِ فَيَدْخُلُ الْمُوْصٰى بِهٖ فِيْ مِلْكِ وَرَثَتِهٖ اِسْتِحْسَانًا، وَالْقِيَاسُ أَنْ تَبْطُلَ الْوَصِيَّةُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْمِلْكَ مَوْقُوْفٌ عَلَى الْقَبُوْلِ فَصَارَ كَمَوْتِ الْمُشْتَرِيْ قَبْلَ قَبُوْلِهٖ بَعْدَ إِيْجَابِ الْبَائِعِ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ مِنْ جَانِبِ الْمُوْصِيْ قَدْ تَمَّتْ بِمَوْتِهٖ تَمَامًا لَا يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ مِنْ جِهَتِهٖ وَإِنَّمَا تَوَقَّفَتْ لِحَقِّ الْمُوْصٰى لَهُ فَإِذَا مَاتَ دَخَلَ فِيْ مِلْكِهٖ كَمَا فِي الْبَيْعِ الْمَشْرُوْطِ فِيْهِ الْخِيَارُ لِلْمُشْتَرِيْ إِذَا مَاتَ قَبْلَ الْإِجَازَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مگر ایک مسئلے میں اور وہ یہ ہے کہ موصی مرجائے پھر قبول کرنے سے پہلے موصیٰ لہ مرجائے تو موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے ورثاء کی ملکیت میں استحساناً داخل ہوجائے گی۔ اور قیاس یہ ہے کہ وصیت باطل ہوجائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں کہ ملکیت قبولیت پر موقوف ہے تو یہ ایسا ہوگیا جیسے بائع کے ایجاب کے بعد مشتری کی قبولیت سے پہلے مشتری کا مرجانا۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ موصی کے مرنے سے اس کی طرف سے مکمل طور پر وصیت متحقق ہوچکی ہے اور موصی کی طرف سے اسے فسخ لاحق نہیں ہوگا اور اب تو موصیٰ لہ کے حق کی وجہ سے وصیت موقوف ہے لیکن جب موصیٰ لہ مرگیا تو وصیت اس کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی جیسے وہ بیع جس میں مشتری کے لیے خیار شرط ہو اور مشتری اجازت دینے سے پہلے مرجائے۔

اللغات:

﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿موصیٰ لہ﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ ﴿موصیٰ بہ﴾ وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہے۔

مسئلہ بالا میں ایک استثناء:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عام حالتوں میں تو ہمارے یہاں وصیت کا یہی حکم ہے کہ وہ موصیٰ لہ کے قبول کیے بغیر اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی، لیکن ایک صورت اس سے مستثنیٰ ہے اور اس میں موصی لہ کے قبول کیے بنا بھی بر بنائے استحسان وہ وصیت کا مالک ہوجائے گا۔ وہ صورت یہ ہے کہ موصی نے موصی لہ کے لیے وصیت کی اور موصیٰ لہ کے قبول کرنے سے پہلے موصی بھی مرگیا اور موصی لہ بھی مرگیا تو اس صورت میں استحساناً وصیت موصیٰ لہ کے ورثاء کی ملکیت ہوجائے گی اور مرحوم موصیٰ لہ کے ورثاء اس کے بھی وارث ہوں گے، حالانکہ قیاساً اس صورت میں بھی موصیٰ لہ وصیت کا مالک نہیں ہوگا اور وصیت باطل ہوجائے گی، کیونکہ موصیٰ لہ کی طرف سے قبول کرنا نہیں پایا گیا ہے حالانکہ موصیٰ لہ کے لیے ملکیت کا ثبوت اس کی قبولیت پر موقوف تھا جیسے بائع کے ایجاب کے بعد اگر مشتری قبول کرنے سے پہلے مرجائے تو ایجاب باطل ہوجاتا ہے اسی طرح قیاساً یہاں وصیت باطل ہوجائے گی۔

وجہ الاستحسان الخ: استحسان کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے تو موصیٰ لہ کے لیے وصیت کردی تھی اور اس کی طرف سے

جوازِ وصیت کے تمام کاغذات مکمل ہو چکے تھے اس لیے اس کی طرف سے فسخِ وصیت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ہاں اس کی تکمیل میں اب موصیٰ لہ کی قبولیت درکار تھی اور اس کی موت سے یہ قبولیت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے، کیونکہ عام طور پر وصیت کو قبول کرلیا جاتا ہے اور بہت کم وصیت مسترد ہوتی ہے، لہٰذا موصیٰ لہ کی موت سے قبولیت والے پہلو کو تقویت ملے گی اور موصیٰ بہ وصیت موصیٰ لہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی، جیسے بیع میں اگر مشتری کے لیے خیار شرط ہو اور اجازت دینے سے پہلے مشتری مرجائے تو موت کو اجازت سمجھ کر بیع مکمل کردی جاتی ہے اور مشتری کے ورثاء کے لیے مبیع کا فیصلہ کردیا جاتا ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى وَعَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيْطُ بِمَالِهِ لَمْ تَجُزِ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّ الدَّيْنَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ أَهَمُّ الْحَاجَتَيْنِ فَإِنَّهُ فَرْضٌ، وَالْوَصِيَّةُ تَبَرُّعٌ، وَأَبَدًا يُبْدَأُ بِالْأَهَمِّ فَالْأَهَمِّ إِلَّا أَنْ يُبْرِئَهُ الْغُرَمَاءُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ الدَّيْنُ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ عَلَى الْحَدِّ الْمَشْرُوْعِ لِحَاجَتِهِ إِلَيْهَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی اور اس پر اتنا دین ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہیں ہے، کیونکہ دین وصیت پر مقدم ہے اس لیے کہ قرض دو حاجتوں میں زیادہ اہم ہے، کیونکہ قرض کی ادائیگی فرض ہے اور وصیت تبرع ہے اور ہمیشہ اہم سے ابتداء کی جاتی ہے پھر اس سے جو اس کے بعد اہم ہو۔ الا یہ کہ غرماء مقروض کو بری کردیں۔ اس لیے کہ اب قرض باقی نہیں رہا تو حد مشروع تک وصیت نافذ ہو جائے گی، کیونکہ موصی اس کا ضرورت مند ہے۔

اللغات:

﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿یحیط﴾ گھیرے ہوئے ہو، کے برابر ہو۔ ﴿تبرّع﴾ نفل، بلا عوض ادائیگی غیر واجب عمل۔ ﴿یبری﴾ بری کردیں۔ ﴿غرماء﴾ واحد غریم؛ قرض خواہ۔

مقروض کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے لیے مال کی وصیت کی اور اس پر اتنا دین اور قرض ہو جو اس کے مال کو محیط ہو تو شرعاً اس کی وصیت درست نہیں ہے، کیونکہ اس پر جو دینِ محیط ہے وہ جواز وصیت سے مانع ہے، اس لیے کہ دین میت پر واجب شدہ حق ہے جس کی ادائیگی انتہائی ضروری ہے اور یہ تمام چیزوں سے مقدم ہے جب کہ وصیت محض مستحب اور مستحسن ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ہمیشہ اہم چیز سے شروعات کی جاتی ہیں، لہٰذا موصی کے مال سے سب سے پہلے اس کے قرضے ادا کیے جائیں گے اور پھر کوئی کام ہوگا۔

ہاں اگر قرض خواہ موصی کو قرض سے بری کردیں اور دین کا معاملہ بالکل ختم ہو جائے تو اس صورت میں تہائی مال تک وصیت نافذ ہوگی، کیونکہ موصی اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے وصیت کا ضرورت مند ہے اور شریعت نے مدیون نہ ہونے کی صورت میں اسے یہ حق دیا ہے۔

قَالَ وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَصِحُّ إِذَا كَانَ فِيْ وُجُوْهِ الْخَيْرِ، لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَجَازَ وَصِيَّةَ يَفَاعٍ أَوْ يَافِعٍ وَهُوَ الَّذِيْ رَاهَقَ الْحُلُمَ، وَلِأَنَّهُ نَظَرٌ لَهُ بِصَرْفِهِ إِلٰى نَفْسِهِ فِيْ نَيْلِ الزُّلْفٰى، وَلَوْ لَمْ تَنْفُذْ

يَبْقٰى عَلٰى غَيْرِهٖ، وَلَنَا أَنَّهُ تَبَرُّعٌ وَالصَّبِيُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهٖ، وَلِأَنَّ قَوْلَهُ غَيْرُ مُلْزِمٍ وَفِيْ تَصْحِيْحِ وَصِيَّتِهٖ قَوْلٌ بِالْزَامِ قَوْلِهٖ وَالْأَثَرُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى أَنَّهُ كَانَ قَرِيْبَ الْعَهْدِ بِالْحُلُمِ مَجَازًا وَكَانَتْ وَصِيَّتُهُ فِيْ تَجْهِيْزِهٖ وَأَمْرِ دَفْنِهٖ وَذٰلِكَ جَائِزٌ عِنْدَنَا وَهُوَ يُحْرِزُ الثَّوَابَ بِالتَّرْكِ عَلٰى وَرَثَتِهٖ كَمَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ بچے کی وصیت نہیں ہے۔ امام شافعی رالٹیلیہ فرماتے ہیں کہ اگر کارِ خیر میں ہو تو صحیح ہے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے یفاع یا یافع کی وصیت کو جائز قرار دیا تھا اور یفاع وہ بچہ ہے جو قریب البلوغ ہوگیا ہو اور اس لیے کہ یہ چیز بچے کے لیے باعثِ شفقت ہے، کیونکہ وہ رضائے الٰہی کے لیے اسے اپنے نفس کی جانب صرف کرتا ہے۔ اور اگر وصیت نافذ نہیں ہو تو اس کے علاوہ پر مال باقی رہے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت تبرع ہے اور بچہ تبرع کا اہل نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ بچے کا قول مُلزم نہیں ہے اور اس کی وصیت کو صحیح قرار دینے میں اس کے قول کے ملزم ہونے کا قائل ہونا لازم آتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ کا اثر اس صورت پر محمول ہے کہ وہ بچہ مجازاً بلوغت کے متعلق قریب العہد تھا، یا اس کی وصیت اس کی تجہیز وتکفین کے امور سے متعلق تھی اور یہ ہمارے یہاں بھی جائز ہے اور بچہ اپنے ورثاء پر مال چھوڑنے کی وجہ سے ثواب جمع کرے گا جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿صبیّ﴾ بچہ۔ ﴿یفاع﴾ مراہق، قریب البلوغ۔ ﴿راهق﴾ قریب ہوگیا۔ ﴿حلم﴾ بلوغت۔ ﴿نظرٌ﴾ مراد شفقت کرنا۔ ﴿نیل﴾ حصول، یافت۔ ﴿زلفٰی﴾ قرب، تقرب، رضا۔ ﴿ملزِم﴾ لازم کرنے والا۔ ﴿یُحرِز﴾ جمع کرتا ہے، روکتا ہے۔

بچے کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں صبی اور بچے کی وصیت درست اور جائز نہیں ہے جب کہ امام شافعی رالٹیلیہ کے یہاں کارِ خیر میں بچے کی وصیت جائز ہے، امام شافعی رالٹیلیہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے ایک قریب البلوغ بچے کی وصیت کو جائز قرار دیا تھا یہ بچہ غسان کا تھا اور اس کے وارث ملکِ شام میں تھے اس نے اپنی چچازاد بہن کے لیے وصیت کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ نے اس وصیت کو جائز قرار دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ بچہ کی وصیت درست اور جائز ہے۔

امام شافعی رالٹیلیہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بچے کی وصیت کو صحیح اور جائز قرار دینے میں اس کے ساتھ شفقت ہے، کیونکہ اس کے ذریعے وہ اللہ کی مرضی اور خوشنودی حاصل کرے گا اور اگر اس کی وصیت کو منع کردیں گے تو اس کا مال پڑا رہ جائے گا اور اغیار اس سے نفع اٹھائیں گے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ بچے کی وصیت کو درست اور جائز قرار دے دیا جائے تاکہ اس کا مال رائیگاں ہونے سے محفوظ ہو جائے۔

ولنا أنه تبرع الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت تبرع اور احسان ہے اور بچہ تبرع کا اہل نہیں ہے، اس لیے اس کی وصیت بھی معتبر نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچے کا قول ملزم نہیں ہوتا اور اگر ہم اس کی وصیت کو درست قرار دیں گے تو اس کے قول کا ملزم ہونا لازم آئے گا حالانکہ اس کا قول مُلزم نہیں ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کی وصیت درست نہیں ہے۔

والأثر محمول الخ: بچے کی وصیت کے جائز ہونے پر امام شافعی رالٹیلیہ نے حضرت عمر رضی اللہ کا جو اثر پیش کیا ہے صاحب ہدایہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ بچہ بالغ ہو چکا تھا، لیکن اس کی بلوغت پر زیادہ دن نہیں گزرے تھے اس لیے ما کان

علیہ کے اعتبار سے مجازاً اسے یافع یایفاع کہہ دیا گیا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس بچے کی وصیت اپنی تجہیز وتکفین کے لیے تھی اور اس طرح کی وصیت ہمارے یہاں بھی درست اور جائز ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ وصیت کرکے وہ ثواب حاصل کرلے گا ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ ثواب کا حصول وصیت کرنے سے نہیں ہوگا، بلکہ ورثاء کے لیے مال چھوڑنے سے ہوگا، کیونکہ اس میں قریبی رشتے داروں پر صدقہ ہوگا جو دوہرے ثواب کا باعث ہے۔

وَالْمُعْتَبَرُ فِي النَّفْعِ وَالضَّرَرِ النَّظْرُ إِلَى أَوْضَاعِ التَّصَرُّفَاتِ لَا إِلَى مَايَتَّفِقُ بِحُكْمِ الْحَالِ، اِعْتَبِرْهُ بِالطَّلَاقِ فَإِنَّهُ لَايَمْلِكُهُ وَلَاوَصِيُّهُ وَإِنْ كَانَ يَتَّفِقُ نَافِعًا فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ، وَكَذَا إِذَا أَوْصَى ثُمَّ مَاتَ بَعْدَ الْإِدْرَاكِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ وَقْتَ الْمُبَاشَرَةِ، وَكَذَا إِذَا قَالَ إِذَا أَدْرَكْتُ فَثُلُثُ مَالِي لِفُلَانٍ وَصِيَّةً لِقُصُوْرِ أَهْلِيَّتِهِ فَلَايَمْلِكُهُ تَنْجِيْزًا وَتَعْلِيْقًا كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ وَالْمُكَاتَبِ، لِأَنَّ أَهْلِيَّتَهُمَا مُسْتَتِمَّةٌ، وَالْمَانِعُ حَقُّ الْمَوْلٰى فَتَصِحُّ إِضَافَتُهُ إِلَى حَالِ سُقُوْطِهِ.

ترجمہ: اور نفع ونقصان میں تصرفات کی وضع پر غور کرنا معتبر ہے اور فوری طور پر اتفاقاً واقع ہونے والی وضع کا اعتبار نہیں ہے، آپ اسے طلاق پر قیاس کیجئے کہ بچہ اور اس کا وصی طلاق کے مالک نہیں ہیں، ہر چند کہ بعض حالتوں میں اتفاقاً طلاق نافع ہے۔ ایسے ہی اگر بچے نے وصیت کی پھر بلوغیت کے بعد وہ مرگیا (تو بھی اس کی وصیت باطل ہے) کیونکہ وصیت انجام دیتے وقت اہلیت معدوم تھی۔ ایسے اگر بچے نے کہا جب میں بالغ ہو جاؤں تو میرا تہائی مال فلاں کے لیے وصیت ہے (تو بھی وصیت باطل ہے) اس لیے کہ اہلیت قاصر ہے لہٰذا بچہ وصیت کا مالک نہیں ہوگا نہ تو تنجیزاً اور نہ ہی تعلیقاً جیسے طلاق اور عتاق میں ہے۔ برخلاف غلام اور مکاتب کے، کیونکہ ان کی اہلیت پوری ہے اور مانع آقا کا حق ہے، لہٰذا حق مولیٰ کے سقوط کی حالت کی طرف وصیت کی اضافت صحیح ہے۔

اللغات:

﴿اوضاع﴾ واحد وضع؛ صورت، کیفیت۔ ﴿إدراك﴾ بلوغت۔ ﴿مباشرة﴾ کام کو بنفسہ کرنا۔ ﴿مستتمة﴾ پوری ہوا چاہتی ہے۔

بچے کی وصیت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بچے کی وصیت کو اس کے حق میں مفید قرار دے کر اسے درست اور صحیح بتایا ہے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ یہاں سے اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نفع اور نقصان کے سلسلے میں اصولی اور بنیادی حالتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اتفاقی حالتوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور بچے کے افعال عموماً مضرت رساں ہوتے ہیں اور إثمه أكبر من نفعه کا مصداق ہوتے ہیں اس لیے اگر اتفاقاً ان میں سے کسی فعل میں کوئی فائدہ نظر آ جائے تو اس فائدے کا اعتبار نہیں ہوگا جیسے طلاق کا معاملہ ہے کہ طلاق اپنی اصل وضع کے اعتبار سے مضر ہے تو اسے ہمیشہ مضر ہی سمجھا جائے گا اگر چہ اتفاقاً کہیں یہ مفید ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ نہ تو بچہ اپنی بیوی کو طلاق

دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کا وصی دے سکتا ہے، کیونکہ اصل وضع کے اعتبار سے طلاق مضر ہے۔

وکذا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر بچے نے کسی شخص کے لیے وصیت کی پھر بالغ ہونے کے بعد وہ مرگیا تو اس کی یہ وصیت بھی باطل ہے، کیونکہ وصیت کی شرطوں میں ایک شرط یہ ہے کہ موصی وصیت کا اہل ہو اور صورت مسئلہ میں بوقت وصیت بچہ اس کا اہل نہیں ہے، اس لیے اس کی وصیت باطل ہے۔

اسی طرح اگر بچہ نے یہ کہا کہ جب میں بالغ ہو جاؤں تو میرا تہائی مال فلاں کے لیے وصیت ہے تو یہ وصیت کی تعلیق ہے یعنی بچے نے اپنی بلوغت پر اسے معلق کیا ہے اور اس صورت میں بھی اس کی وصیت باطل ہے، کیونکہ بچے میں وصیت کی اہلیت ناقص اور ناتمام ہے۔ الحاصل بچہ کسی بھی طرح وصیت کا مالک نہیں ہے جیسے وہ طلاق اور عتاق کا مالک نہیں ہے۔

بچے کے برخلاف غلام اور مکاتب میں وصیت کی اہلیت موجود رہتی ہے اسی لیے اگر وہ یہ کہیں کہ ہماری آزادی کے بعد ہمارے مال میں سے اتنا مال فلاں کے لیے وصیت ہے تو یہ درست ہے البتہ حق مولیٰ کی وجہ سے یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی اور جب وہ آزاد کیے جائیں گے تب اس کا نفاذ ہوگا، لیکن بحالتِ عبدیت و مکاتبت ان کا یہ فعل درست اور جائز ہوگا۔

قَالَ وَلَاتَصِحُّ وَصِيَّةُ الْمُكَاتَبِ وَإِنْ تَرَكَ وَفَاءً، لِأَنَّ مَالَهُ لَايَقْبَلُ التَّبَرُّعَ، وَقِيْلَ عَلٰى قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ لَاتَصِحُّ وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ رَدًّا لَهَا إِلٰى مُكَاتَبٍ يَقُوْلُ كُلُّ مَمْلُوْكٍ أَمْلِكُهُ فِيْمَا أَسْتَقْبِلُ فَهُوَ حُرٌّ ثُمَّ عَتَقَ فَمَلَكَ، وَالْخِلَافُ فِيْهَا مَعْرُوْفٌ عُرِفَ فِيْ مَوْضِعِهٖ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے اگر چہ اس نے ادائیگی کے بقدر مال چھوڑا ہو، اس لیے کہ اس کا مال تبرع کو قبول نہیں کرتا۔ اور کہا گیا کہ امام ابوحنیفہ رالیٹھایہ کے قول پر وصیت صحیح نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں وصیت صحیح ہے وصیت کو ایسے مکاتب کی طرف پھیرتے ہوئے جو یہ کہتا ہو ہر وہ مملوک جس کا میں مستقبل میں مالک ہوں وہ آزاد ہے پھر وہ آزاد کیا گیا اور مالک ہوا اور اس میں اختلاف معروف ہے جو اپنے مقام پر جانا گیا ہے۔

اللغات:

﴿وفاء﴾ پوری پوری ادائیگی۔ ﴿تبرّع﴾ نفل عمل، غیر واجب ادائیگی۔ ﴿حرّ﴾ آزاد۔

مکاتب کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکاتب معلق وصیت کرے تو وہ درست اور جائز ہے جیسا کہ ماقبل والے مسئلے میں گذر چکا ہے، لیکن اس کی منجز اور فوری وصیت جائز نہیں ہے اگر چہ وہ بدل کتابت کے بقدر مال چھوڑ کر مرے، کیونکہ وصیت تبرع ہے اور اس کا مال تبرع کو قبول نہیں کرتا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام اعظم رالیٹھایہ کے یہاں مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے، لیکن حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں اس کی وصیت صحیح ہے اور اس وصیت کو اس مکاتب پر قیاس کیا جائے گا جو یوں کہتا ہو آئندہ زمانے میں میں جس مملوک کا مالک ہوں گا وہ آزاد ہے چنانچہ زمانہ آئندہ میں مکاتب آزاد کیا گیا اور پھر وہ کسی غلام کا مالک بنا تو غلام آزاد ہو جائے گا تو

جس طرح مکاتب کا اعتاق صحیح ہے ایسے ہی اس کی وصیت صحیح ہے، لیکن حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما شاید یہ بھول رہے ہیں کہ یہ مسئلہ منجز وصیت کا ہے اوران کا مقیس علیہ معلق اعتاق ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں مشہور اختلاف ہے اور جامع صغیر کے باب الحنث میں اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اوراس کی کچھ جھلک ہدایہ اخیرین ص:۶۵۹ کے حاشیہ نمبر ۱۳/ پر موجود ہے وہاں ملاحظہ کرلیں۔

قَالَ وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ وَبِالْحَمْلِ إِذَا وُضِعَ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ الْوَصِيَّةَ اِسْتِخْلَافٌ مِنْ وَجْهٍ، لِأَنَّهُ يَجْعَلُهُ خَلِيْفَةً فِيْ بَعْضِ مَالِهِ، وَالْجَنِيْنُ صَلُحَ خَلِيْفَةً فِي الْإِرْثِ فَكَذَا فِي الْوَصِيَّةِ إِذْ هِيَ أُخْتُهُ إِلَّا أَنَّهُ يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ لِمَا فِيْهِ مِنْ مَعْنَى التَّمْلِيْكِ، بِخِلَافِ الْهِبَةِ لِأَنَّهَا تَمْلِيْكٌ مَحْضٌ وَلَا وِلَايَةَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ لِتَمَلُّكِهِ شَيْئًا، وَأَمَّا الثَّانِيْ فَلِأَنَّهُ بِعَرْضِ الْوُجُوْدِ إِذِ الْكَلَامُ فِيْمَا إِذَا عُلِمَ وُجُوْدُهُ وَقْتَ الْوَصِيَّةِ، وَبَابُهَا أَوْسَعُ لِحَاجَةِ الْمَيِّتِ وَعَجْزِهِ وَهٰذَا تَصِحُّ فِيْ غَيْرِ الْمَوْجُوْدِ كَالثَّمْرَةِ فَلِأَنْ تَصِحَّ فِي الْمَوْجُوْدِ أَوْلٰى.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ حمل کے لیے وصیت صحیح ہے اور حمل کی وصیت بھی صحیح ہے بشرطیکہ وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں حمل جن دیا جائے۔ رہا اول تو اس وجہ سے کہ وصیت من وجہ استخلاف ہے، کیونکہ موصی جنین کو اپنے بعض مال میں خلیفہ بناتا ہے اور جنین میراث میں خلیفہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، لہٰذا وصیت میں بھی وہ خلیفہ بن سکے گا، کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے، لیکن وصیت رد کرنے سے رد ہوجاتی ہے کیونکہ اس میں تملیک کے معنی ہیں۔ برخلاف ہبہ کے کیونکہ وہ محض تملیک ہے اور جنین پر کسی کو ولایت نہیں ہے کہ اسے کوئی کسی چیز کا مالک بنادے۔

رہا ثانی تو اس لیے کہ جنین معرضِ وجود میں آنے کے قریب ہے، اس لیے کہ گفتگو اس صورت میں ہے جب وصیت کے وقت اس کا وجود معلوم ہوجائے۔ اور میت کے عاجز ہونے اور اس کی ضرورت کی وجہ سے وصیت کا باب بہت وسیع ہے، اسی لیے غیر موجود میں جیسے پھل ہیں، وصیت صحیح ہے تو موجود میں بدرجۂ اولیٰ وصیت صحیح ہوگی۔

اللغات:

﴿حمل﴾ جنین، وہ بچہ جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے۔ ﴿خلیفة﴾ قائم مقام۔ ﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔ ﴿تملّك﴾ مالک بننا۔ ﴿عرض الوجود﴾ ہونے ہی والا ہے، ہوا چاہتا ہے۔ ﴿ثمرة﴾ پھل۔

حمل اور جنین کے لیے وصیت کرنا:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ پیٹ میں موجود حمل اور جنین کے لیے بھی وصیت کرنا درست اور جائز ہے اور خود اس حمل کی وصیت کرنا بھی جائز ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے کہا کہ میرے مال میں سے اتنا مال اس حمل کے لیے وصیت ہے جو فلاں عورت کے پیٹ میں ہے یا میری فلاں باندی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ فلاں کے لیے وصیت ہے تو یہ دونوں صورتیں درست اور جائز ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ بوقتِ وصیت حمل پیٹ میں موجود ہو اور حمل کے پیٹ میں موجود ہونے کی علامت یہ ہے کہ وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوجائے۔

أمّا الأول الخ: صاحب کتاب علیہ الرحمہ حمل کے لیے جوازِ وصیت کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وصیت من وجہ استخلاف ہے، کیونکہ موصی کی موت کے بعد ہی موصیٰ بہ موصیٰ لہ کی ملکیت میں آتی ہے اور ابتداءً موصی موصیٰ لہ کو اپنے کچھ مال کا خلیفہ بناتا ہے جو موصی کی موت کے بعد اسے ملتا ہے اور جنین میراث میں اپنے مورث کا خلیفہ ہوسکتا ہے، لہٰذا میراث جو وصیت کی بہن ہے اس میں بھی جنین موصی کا خلیفہ بن سکے گا، وصیت اور میراث میں فرق یہ ہے کہ وصیت میں موصی کی طرف سے تملیک ہوتی ہے اور یہ تملیک شریعت کی طرف سے جبراً ثابت نہیں ہوتی، اس لیے اس میں رجوع ہوسکتا ہے جب کہ میراث میں مورث کو حق رجوع حاصل نہیں ہے، کیونکہ میراث محض استخلاف ہے اور شرعاً جبراً اس میں ملکیت ثابت ہوسکتی ہے۔

بخلاف الهبة الخ: فرماتے ہیں کہ حمل کے لیے وصیت تو جائز ہے، لیکن ہبہ جائز نہیں ہے، کیونکہ ہبہ خالص تملیک ہوتی ہے اور اس میں استخلاف جاری نہیں ہے اور مالک بنانے کے لیے موہوب لہ کا موجود اور معرضِ وجود میں ہونا ضروری ہے جب کہ ''حمل بھائی'' ابھی ناپید ہوتے ہیں اور ان پر کسی کو ولایت نہیں ہوتی، اس لیے حمل کے لیے ہبہ درست نہیں ہے۔

و أمّا الثاني الخ: فرماتے ہیں کہ دوسرے مسئلے یعنی حمل کی وصیت کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ اس حمل کے متعلق ہے جس کا قطعی اور یقینی علم ہو جیسا کہ إذا وضع لأقل الخ: سے اسے واضح کردیا گیا ہے اور ظاہر ہے جب حمل یقینی طور پر معلوم ہوگا تو مستقبلِ قریب میں وہ موجود بھی ہوگا اور میت کی حاجت اور اس کی مجبوری و پریشانی کے پیش نظر شریعت نے وصیت کے باب کو وسیع بھی کردیا ہے اس لیے بھی حمل کی وصیت جائز ہے۔ اور اسی پر بس نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص اپنے باغ کے پھلوں کی کسی کے لیے وصیت کرے اور پھل بوقتِ وصیت موجود نہ ہوں تو بھی وصیت درست ہے تو جب معدوم پھلوں کی وصیت درست اور جائز ہے تو موجود حمل کی وصیت تو بدرجۂ اولیٰ درست ہوگی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِجَارِيَةٍ إِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالْإِسْتِثْنَاءُ، لِأَنَّ اِسْمَ الْجَارِيَةِ لَايَتَنَاوَلُ الْحَمْلَ لَفْظًا وَلٰكِنَّهُ يَسْتَحِقُّ بِالْإِطْلَاقِ تَبَعًا فَإِذَا أَفْرَدَ الْأُمَّ بِالْوَصِيَّةِ صَحَّ إِفْرَادُهَا، وَلِأَنَّهُ يَصِحُّ إِفْرَادُ الْحَمْلِ بِالْوَصِيَّةِ فَجَازَ اِسْتِثْنَاؤُهُ، وَهٰذَا هُوَ الْأَصْلُ أَنَّ مَايَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ يَصِحُّ اِسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ، إِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا وَمَا لَايَصِحُّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ لَايَصِحُّ اِسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ، وَقَدْ مَرَّ فِي الْبُيُوْعِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے حمل چھوڑ کر باندی کی وصیت کی تو وصیت بھی صحیح ہے اور استثناء بھی، کیونکہ لفظ جاریہ لفظی اعتبار سے حمل کو شامل نہیں ہے، لیکن مطلق جاریہ بولنے سے تبعاً حمل کا استحقاق ثابت ہوجاتا ہے لہٰذا اگر موصی نے صرف ماں کی وصیت کی تو اس کا خالص ماں کی وصیت کرنا صحیح ہے۔ اور اس لیے کہ تنہا حمل کی وصیت کرنا صحیح ہے، لہٰذا اس کا استثناء بھی جائز ہے اور یہی ضابطہ ہے کہ تنہا جس کا عقد صحیح ہے، عقد سے اس کا استثناء بھی صحیح ہے، اس لیے کہ صحتِ عقد اور استثناء کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ اور جس چیز پر تنہا عقد صحیح نہیں ہے اس کا عقد سے استثناء بھی صحیح نہیں ہے۔ اور کتاب البیوع میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

اللغات:

﴿جارية﴾ باندی، لونڈی۔ ﴿لا يتناول﴾ مشتمل نہیں ہوتا۔ ﴿إفراد﴾ علیحدہ سے ذکر کرنا۔

حمل کے علاوہ سے جاریہ کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے جو بہت مشہور قاعدے پر مبنی ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی کے تابع ہو اور متبوع کے علاوہ تنہا اس تابع پر عقد ہوسکتا ہو تو تابع کا متبوع سے استثناء بھی درست اور جائز ہے اور اگر تنہا تابع پر عقد نہ ہوسکتا ہو تو متبوع سے اس کا استثناء بھی درست نہیں ہے۔ اور حمل ماں کے تابع ہوتا ہے لیکن تنہا حمل پر عقد ہوسکتا ہے اس لیے حمل کا اُم سے استثناء بھی درست ہے اور حمل کو چھوڑ کر ام کی وصیت درست ہے اور ام کو چھوڑ کر حمل کی وصیت بھی درست ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی باندی کی وصیت کرے اور اس کے حمل کی وصیت نہ کرے تو وصیت درست ہے اور حمل کے لیے اعتراض کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، کیوں کہ لفظ جاریہ صرف جاریہ کے جسم وجان اور اعضاء کے ساتھ خاص ہے اور لفظی اعتبار سے حمل جاریہ میں شامل نہیں ہے۔

وَقَالَ لِلْمُوْصِي الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ لَمْ يَتِمَّ فَجَازَ الرُّجُوْعُ عَنْهُ كَالْهِبَةِ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِيْ كِتَابِ الْهِبَةِ، وَلِأَنَّ الْقُبُوْلَ يَتَوَقَّفُ عَلَى الْمَوْتِ وَالْإِيْجَابُ يَصِحُّ إِبْطَالُهُ قَبْلَ الْقُبُوْلِ كَمَا فِي الْبَيْعِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ موصی کے لیے وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے، کیونکہ وصیت ایک ناتمام تبرع ہے، لہٰذا ہبہ کی طرح اس سے بھی رجوع صحیح ہے اور کتاب الھبۃ میں ہم اسے ثابت کر چکے ہیں اور اس لیے کہ قبولیت موت پر موقوف ہے اور قبولیت سے پہلے ایجاب کا ابطال صحیح ہے جیسے بیع میں ہے۔

اللغات:

﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿یتوقف﴾ موقوف ہوتا ہے۔

موصی کا حق رجوع:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی وصیت سے رجوع کرنا چاہے تو اسے رجوع کا پورا پورا حق ہے، کیونکہ وصیت غیر تام تبرع ہے اور تبرع کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ تام نہ ہو اس سے رجوع کیا جاسکتا ہے جیسے ہبہ اگر تام نہ ہو اور موہوب لہ پر اس کا قبضہ نہ ہو تو واہب ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے ایسے ہی موصی وصیت سے بھی رجوع کرسکتا ہے۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ وصیت کی قبولیت موصی کی موت پر موقوف ہوتی ہے اور قبولیت سے پہلے ایجاب کو باطل کیا جاسکتا ہے، لہٰذا موصی جو ایجاب کرنے والا ہے اگر موصیٰ لہ کے قبول کرنے سے پہلے اپنے ایجاب کو باطل کردے تو یہ ابطال درست ہے۔ جیسے بیع میں احد العاقدین اگر ایجاب کردے اور دوسرے عاقد کے قبول کرنے سے پہلے وہ اپنا ایجاب باطل کردے تو یہ ابطال درست ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں موصی کا وصیت سے رجوع بھی درست ہے۔

قَالَ وَ إِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوْعِ أَوْ فَعَلَ مَايَدُلُّ عَلَى الرُّجُوْعِ كَانَ رُجُوْعًا، أَمَّا الصَّرِيْحُ فَظَاهِرٌ، وَكَذَا الدَّلَالَةُ لِأَنَّهَا تَعْمَلُ عَمَلَ الصَّرِيْحِ فَقَامَ مَقَامَ قَوْلِهِ أَبْطَلْتُ وَصَارَ كَالْبَيْعِ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَإِنَّهُ يَبْطُلُ الْخِيَارُ فِيْهِ بِالدَّلَالَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے صراحتاً رجوع کرلیا یا کوئی ایسا کام کیا جو رجوع پر دلالت کرے تو یہ رجوع ہوگا۔ رہا صراحتاً

رجوع تو ظاہر ہے نیز دلالۃً رجوع بھی مؤثر ہے، کیونکہ دلالت صریح جیسا کام کرتی ہے، لہٰذا یہ موصی کے ابطلت کہنے کے درجے میں ہوگیا اور بیع بشرط الخیار کی طرح ہوگیا چنانچہ بیع میں دلالت سے خیار باطل ہوجاتا ہے۔

اللغات:

﴿صرّح﴾ وضاحت سے بیان کردیا۔ ﴿یدلّ﴾ بتائے، دلالت کرے۔ ﴿أبطلت﴾ میں نے باطل کردیا۔

رجوع کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی کو وصیت سے جو رجوع کا حق حاصل ہے اس رجوع کے دو طریقے ہیں:

1. موصی صراحتاً رجوع کرے اور یوں کہے میں نے وصیت باطل کردی۔
2. یا موصی کوئی ایسا کام کرے جو رجوع پر دلالت کرتا ہو مثلاً موصی نے موصیٰ لہ کے لیے کسی گھر کی وصیت کی تھی اور پھر اس گھر کو کرایے پر دے دیا یا کسی کپڑے کی وصیت کی تھی اور پھر خود ہی اسے سلا لیا تو ان دونوں صورتوں میں وصیت سے رجوع کرنا متحقق ہوجائے گا جیسے اگر بیع میں مشتری نے اپنے لیے خیار شرط لگایا ہو تو جس طرح صراحتاً ابطال سے خیار باطل ہوجائے گا اسی طرح دلالۃً ابطال سے بھی خیار باطل ہوجائے گا۔

ثُمَّ كُلُّ فِعْلٍ لَوْ فَعَلَهُ الْإِنْسَانُ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ يَنْقَطِعُ بِهِ حَقُّ الْمَالِكِ فَإِذَا فَعَلَهُ الْمُوْصِيْ كَانَ رُجُوْعًا وَقَدْ عَدَدْنَا هٰذِهِ الْأَفَاعِيْلَ فِيْ كِتَابِ الْغَصَبِ.

ترجمه: پھر ہر وہ فعل جسے انسان دوسرے کی ملکیت میں کرے اور اس سے مالک کا حق منقطع ہوجائے تو جب موصی اسے کرے گا تو یہ رجوع ہوگا اور کتاب الغصب میں ہم نے ان افعال کی تعداد بیان کردی ہے۔

اللغات:

﴿عددنا﴾ گنا ہے۔ ﴿افاعیل﴾ واحد فعل؛ کام۔

رجوع کا طریقہ:

رجوع عن الوصیت کے متعلق صاحب ہدایہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ کام جو کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں انجام دے اور اس کام کی وجہ سے مذکورہ چیز سے مالک کا حق منقطع ہوجائے تو یہ ایک طرح کا تصرف اور تغیر ہے اور اگر موصی اس طرح سے کوئی کام کرتا ہے تو یہ رجوع عن الوصیت پر دلیل بن جائے گا جیسے کسی نے کسی کا لوہا غصب کیا اور اسے کٹوا کر تلوار بنوا لیا تو ظاہر ہے کہ اب وہ چیز مغصوب منہ کو واپس نہیں کی جاسکتی اور غاصب کو اس کا ضمان ادا کرنا ہوگا اب اگر موصی بھی وصیت کردہ لوہے کی تلوار بنوالے تو اس کا یہ فعل بھی وصیت سے رجوع ہوگا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ کتاب الغصب میں ہم اس پر سیر حاصل بحث کرچکے ہیں۔

وَكُلُّ فِعْلٍ يُوْجِبُ زِيَادَةً فِي الْمُوْصَى بِهٖ وَلَايُمْكِنُ تَسْلِيْمُ الْعَيْنِ إِلَّا بِهَا فَهُوَ رُجُوْعٌ إِذَا فَعَلَهُ مِثْلُ السَّوِيْقِ بَلَتَّهُ بِالسَّمَنِ وَالدَّارُ بَنٰى فِيْهَا الْمُوْصِيْ وَالْقُطْنُ يَحْشُوْنَهُ وَالْبِطَانَةُ يُبَطِّنُ بِهَا وَالظِّهَارَةُ يُظَهِّرُبِهَا، لِأَنَّهُ لَايُمْكِنُهُ

تَسْلِيْمُهُ بِدُوْنِ الزِّيَادَةِ وَلَايُمْكِنُ نَقْضُهَا لِأَنَّهُ حَصَلَ فِيْ مِلْكِ الْمُوْصِيْ مِنْ جِهَتِهِ، بِخِلَافِ تَخْصِيْصِ الدَّارِ الْمُوْصٰى بِهَا وَهَدْمِ بِنَائِهَا، لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي التَّابِعِ.

ترجمہ: اور ہر وہ فعل جس سے موصی بہ میں زیادتی ہو اور اس زیادتی کے بغیر عین کی تسلیم ممکن نہ ہو تو یہ رجوع ہوگا جب موصی اسے انجام دے گا مثلا ستو ہو اور موصی نے اسے گھی میں ملا دیا ہو، گھر ہو اور موصی نے اس میں عمارت بنوادی ہو، روئی ہو اور موصی نے اسے (کسی چیز میں) بھر لیا ہو۔ استر کا کپڑا ہو اور موصی نے اسے استر بنا لیا ہو یا ابرہ ہو اور موصی نے اسے استعمال میں لے لیا ہو۔ کیونکہ زیادتی کے بغیر موصیٰ بہ کی تسلیم ممکن نہیں ہے اور اسے توڑنا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ موصی کی طرف سے موصی کی ملکیت میں زیادتی ہوئی ہے۔ برخلاف وصیت کردہ گھر کو چونا کرنے کے اور اس کی عمارت کو گرانے کے، کیونکہ یہ تابع میں تصرف ہے۔

اللغات:

﴿یوجب﴾ ثابت کرے، واجب کرے۔ ﴿تسلیم﴾ سپرداری، سونپنا۔ ﴿سویق﴾ ستو۔ ﴿سمن﴾ گھی۔ ﴿بنٰی﴾ تعمیر کر لی۔ ﴿قطن﴾ روئی۔ ﴿یحشون﴾ بھر لیا ہو۔ ﴿بطانة﴾ اندرونی غلاف۔ ﴿ظھارة﴾ استر، بیرونی غلاف۔ ﴿نقض﴾ توڑنا۔ ﴿ھدم﴾ گرانا، توڑنا۔

رجوع کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے موصیٰ بہ میں کوئی ایسی زیادتی کردی جو موصیٰ بہ سے الگ نہ ہوتی ہو اور اس زیادتی کے بغیر موصیٰ بہ کو موصیٰ لہ کے حوالے کرنا ممکن نہ ہو تو یہ بھی وصیت سے رجوع ہوگا جیسے موصیٰ بہ ستو ہو اور موصی نے اسے گھی میں ملا دیا ہو۔ یا موصیٰ بہ گھر ہو اور موصی نے اس میں عمارت بنوادی ہو یا موصیٰ بہ روئی ہو اور موصی نے اسے تکیہ یا گدے میں بھر لیا ہو وغیرہ وغیرہ تو ان تمام صورتوں میں موصی کا یہ فعل وصیت سے رجوع شمار ہوگا، کیونکہ ان تصرفات کے بغیر موصیٰ بہ کی سپردگی ممکن نہیں ہے۔

اس کے برخلاف اگر موصی وصیت کردہ گھر میں چونا کاری کرادے یا اس کی کسی عمارت کو گرادے تو یہ وصیت سے رجوع نہیں ہوگا، کیونکہ یہ تابع میں تصرف ہے اور تابع کے تصرف سے اصل پر کوئی آنچ نہیں آتی لہٰذا اس صورت میں وصیت برقرار رہے گی۔

وَكُلُّ تَصَرُّفٍ أَوْجَبَ زَوَالَ مِلْكِ الْمُوْصِيْ فَهُوَ رُجُوْعٌ كَمَا إِذَا بَاعَ الْعَيْنَ الْمُوْصٰى بِهِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ أَوْ وَهَبَهُ ثُمَّ رَجَعَ فِيْهِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَاتَنْفُذُ إِلَّا فِيْ مِلْكِهِ فَإِذَا أَزَالَهُ كَانَ رُجُوْعًا، وَذَبْحُ الشَّاةِ الْمُوْصٰى بِهَا رُجُوْعٌ، لِأَنَّهُ لِلصَّرْفِ إِلٰى حَاجَتِهِ عَادَةً فَصَارَ هٰذَا الْمَعْنَى أَصْلًا أَيْضًا، وَغَسْلُ الثَّوْبِ الْمُوْصٰى بِهِ لَايَكُوْنُ رُجُوْعًا، لِأَنَّهُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُعْطِيَ ثَوْبَهُ غَيْرَهُ يَغْسِلُهُ عَادَةً فَكَانَ تَقْرِيْرًا.

ترجمہ: اور ہر وہ تصرف جو موصی کی ملکیت کے زوال کا موجب ہو تو وہ رجوع ہے جیسے موصی نے عین موصیٰ بہ کو فروخت کر کے اسے خرید لیا یا اسے ہبہ کر کے واپس لے لیا، کیونکہ وصیت موصی ہی کی ملکیت میں نافذ ہوگی اور جب موصی ملکیت کو زائل کردے گا تو یہ

رجوع ہوگا۔ اور وصیت کردہ بکری کو ذبح کرنا رجوع ہے، کیونکہ عادتاً موصی اسے اپنی ضرورت میں صرف کرتا ہے لہٰذا یہ بھی ایک ضابطہ ہوگیا اور وصیت کردہ کپڑے کو دھونا رجوع نہیں ہے، کیونکہ جو شخص دوسرے کو اپنا کپڑا دینا چاہتا ہے وہ عام طور سے اسے دھوتا ہے، لہٰذا یہ وصیت کی تقریر ہوگی۔

اللغات:

﴿اَوجب﴾ ثابت کیا۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿باع﴾ فروخت کردیا۔ ﴿اَزال﴾ ہٹادیا، زائل کردیا۔ ﴿شاۃ﴾ بکری۔ ﴿صرف﴾ پھیرنا، خرچ کرنا۔ ﴿غسل﴾ دھونا۔ ﴿تقریر﴾ ثابت کرنا۔

رجوع کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے موصیٰ بہ میں ایسا تصرف کردیا جس سے موصیٰ بہ سے موصی کی ملکیت زائل ہوجائے، مثلاً موصی نے موصیٰ بہ کو فروخت کردیا یا اسے ہبہ کردیا تو ان دونوں صورتوں میں وصیت باطل ہوجائے گی، اگرچہ بعد میں موصی اس کو خرید لے یا واہب سے ہبہ واپس لے لے کیونکہ وصیت موصی کی ملکیت میں نافذ ہوتی ہے اور بیع اور ہبہ سے موصیٰ بہ سے موصی کی ملکیت زائل ہوگئی، اس لیے وصیت سے رجوع کرنا متحقق ہوجائے گا۔

وذبح الشاۃ الخ: فرماتے ہیں کہ اگر موصیٰ بہ بکری تھی اور موصی نے اسے ذبح کردیا تو یہ بھی رجوع ہوگا، کیونکہ عموماً انسان اپنے تصرف اور اپنی ضرورت کے لیے ہی بکری وغیرہ ذبح کرتا ہے لہٰذا بکری کا ذبح رجوع ہوگا، اور اسی سے یہ ضابطہ بھی نکل گیا کہ ہر وہ تصرف جو موصی اپنی ضرورت کے لیے موصیٰ بہ میں کرے گا وہ رجوع شمار ہوگا۔

وغسل الثوب الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کے لیے کپڑے کی وصیت کی اور پھر اسے دُھودیا تو یہ دُھونا وصیت سے رجوع نہیں ہوگا، کیونکہ عموماً جب کسی کو کوئی اپنا کپڑا دیتا ہے تو دُھوکر ہی دیتا ہے لہٰذا دھلنا وصیت کے لیے اثبات ہوگا نہ کہ رجوع۔

قَالَ وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوْعًا كَذَا ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ يَكُوْنُ رُجُوْعًا لِأَنَّ الرُّجُوْعَ نَفْيٌ فِي الْحَالِ، وَالْجُحُوْدُ نَفْيٌ فِي الْمَاضِيْ وَالْحَالِ فَأَوْلَى أَنْ يَكُوْنَ رُجُوْعًا، وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّ الْجُحُوْدَ نَفْيٌ فِي الْمَاضِيْ وَالْإِنْتِفَاءُ فِي الْحَالِ ضَرُوْرَةُ ذٰلِكَ، وَإِذَا كَانَ ثَابِتًا فِي الْحَالِ كَانَ الْجُحُوْدُ لَغْوًا، أَوْ لِأَنَّ الرُّجُوْعَ إِثْبَاتٌ فِي الْمَاضِيْ وَنَفْيٌ فِي الْحَالِ، وَالْجُحُوْدُ نَفْيٌ فِي الْمَاضِيْ وَالْحَالِ فَلَايَكُوْنُ رُجُوْعًا حَقِيْقَةً وَلِهٰذَا لَايَكُوْنُ جُحُوْدُ النِّكَاحِ فُرْقَةً.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے وصیت سے انکار کردیا تو انکار کرنا رجوع نہیں ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجوع ہوجائے گا، اس لیے کہ رجوع فی الحال نفی ہے اور جحود ماضی اور حال دونوں میں نفی ہے لہٰذا یہ جحود بدرجۂ اولیٰ رجوع ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جحود ماضی میں نفی ہے اور فی الحال منتفی ہونا اس کی ضرورت ہے اور

جب فی الحال (موصی کا کاذب ہونا) ثابت ہوگا تو جحود لغو ہوگا، یا اس وجہ سے کہ رجوع ماضی میں اثبات ہے اور حال میں نفی ہے اور جحود ماضی اور حال دونوں میں نفی ہے، لہٰذا یہ حقیقتاً رجوع نہیں ہوگا، اسی لیے نکاح کا انکار فرقت نہیں ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿جحد﴾ جھٹلایا، انکار کیا۔ ﴿جحود﴾ انکار کرنا۔ ﴿انتفاء﴾ ختم ہونا۔ ﴿اثبات﴾ ثابت کرنا۔ ﴿فرقة﴾ جدائی۔

خود اپنی وصیت کا انکار کرنا:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی وصیت کا انکار کردے اور یہ کہہ دے کہ میں نے وصیت نہیں کی تھی تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس سے رجوع ثابت نہیں ہوگا، لیکن حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ بھی رجوع ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رجوع میں ماضی میں کسی چیز کا اثبات ہوتا ہے اور بوقتِ رجوع یعنی حال میں اس کی نفی مقصود ہوتی ہے اور اس سے رجوع متحقق اور ثابت ہوتا ہے اور جحود میں تو نفی ہی نفی ہوتی ہے یعنی ماضی میں بھی نفی ہوتی ہے اور فی الحال بھی نفی ہوتی ہے تو جب جحود میں دو دو جگہ نفی ہوتی ہے تو اس سے بدرجۂ اولیٰ رجوع کا ثبوت اور تحقق ہوگا۔

ولمحمد رحمۃ اللہ علیہ الخ: یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جحود اور انکار ماضی میں نفی ہے اور فی الحال وصیت کا منتفی ہونا ماضی میں کی گئی نفی کے لوازمات میں سے ہے، بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجیے کہ حال کی نفی ماضی کی نفی پر مبنی ہے، لیکن ماضی میں چوں کہ موصی کی طرف سے جحود نہیں بلکہ اثبات ہے، کیونکہ مسئلہ اس حال میں فرض کیا گیا ہے کہ موصی ماضی میں وصیت کر چکا ہے تو جب ماضی میں جحود نہیں ہے، بلکہ اثبات ہے تو حال میں اس کا جحود لغو ہوگا اور ماضی کے اثبات پر مبنی نہ ہوسکنے کی وجہ سے یہ جحود کذب ہوگا اور موصی کو جحود سے رجوع کرنے والا نہیں شمار کیا جائے گا۔

ہاں یوں کہا جائے کہ رجوع اور جحود کی حقیقت ایک دوسرے سے بالکل الگ اور جدا ہے، کیونکہ رجوع بعد الاثبات ہوتا ہے اور جحود بعد الانکار ہوتا ہے، لہٰذا رجوع سے نہ تو جحود ثابت ہوسکتا ہے اور نہ ہی جحود سے رجوع ثابت ہوسکتا ہے، اسی لیے فقہاء نے نکاح کے جحود کو فرقت اور طلاق نہیں مانا ہے، کیوں کہ طلاق میں پہلے نکاح کا اثبات ہوتا ہے اور پھر بذریعہ طلاق اس کی نفی ہوتی ہے جب کہ جحود میں سرے سے انکار ہی انکار ہوتا ہے۔

وَلَوْ قَالَ كُلُّ وَصِيَّةٍ أَوْصَيْتُ بِهَا لِفُلَانٍ فَهُوَ حَرَامٌ وَرِبَوا لَايَكُوْنُ رُجُوْعًا، لِأَنَّ الْوَصْفَ يَسْتَدْعِي بِقَاءَ الْأَصْلِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ فَهِيَ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّهُ الذَّاهِبُ الْمُتَلَاشِي، وَلَوْقَالَ أَخَّرْتُهَا لَايَكُوْنُ رُجُوْعًا، لِأَنَّ التَّأْخِيْرَ لَيْسَ لِلسُّقُوْطِ كَتَأْخِيْرِ الدَّيْنِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ تَرَكْتُ، لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ.

ترجمه: اور اگر موصی نے کہا ہر وہ وصیت جو میں نے فلاں کے لیے کی ہے وہ حرام ہے اور ربوا ہے تو یہ رجوع نہیں ہوگا، اس لیے کہ وصف بقائے اصل کا متقاضی ہوتا ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب موصی نے کہا ہو ''وہ باطل ہے'' کیونکہ باطل وہ ہے جو ختم ہوجائے اور معدوم ہوجائے۔ اور اگر موصی نے کہا میں نے وصیت کو مؤخر کردیا تو یہ رجوع نہیں ہوگا، اس لیے کہ تاخیر سقوط کے لیے نہیں ہے جیسے قرض کو مؤخر کرنا۔ برخلاف اس صورت کے جب موصی نے ترکتُ کہا ہو اس لیے کہ ترک اِسقاط ہے۔

اللغات:

﴿اوصیت﴾ میں نے وصیت کی ہے۔ ﴿یستدعی﴾ تقاضا کرتا ہے۔ ﴿ذاھب﴾ جانے والا۔ ﴿متلاشی﴾ معدوم ہونے والا، لاشے ہوجانے والا۔ ﴿اخّرت﴾ میں نے مؤخر کردیا۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿إسقاط﴾ ساقط کرنا، گرانا۔

اپنی وصیت کو "حرام" اور "سود" کہنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے کہا میں نے فلاں کے لیے جتنی چیزیں وصیت کی ہیں وہ سب حرام اور سود ہیں تو اس سے رجوع عن الوصیت ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ حرام اور سود ہونا ایک وصف ہے اور وصف اصل کی بقاء کو متضمن ہوتا ہے۔ لہٰذا موصی کا یہ قول رجوع نہیں بلکہ وصیت کا اثبات ہوگا اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وصیت موجود ہے اگر چہ وہ سود اور حرام ہے۔

بخلاف الخ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے کہا کل وصیت أوصیت بھا الخ فھي باطلة تو اس صورت میں اس کا یہ قول رجوع ہوگا، کیونکہ باطل اسے کہتے ہیں جو معدوم اور ختم ہوجائے اور وصیت کا معدوم ہونا اسی صورت میں ہوگا جب موصی وصیت سے رجوع کرلے۔

ولو قال الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی نے کہا میں نے فلاں کے لیے کی ہوئی تمام وصیتوں کو مؤخر کردیا تو یہ رجوع نہیں ہوگا کیوں کہ یہ تاخیر سے رجوع کا ثبوت نہیں ہوتا، اس لیے کہ تاخیر میں نفی کی بہ نسبت اثبات کا پہلو غالب رہتا ہے جیسے اگر قرض خواہ مقروض سے قرض کی وصولیابی میں تاخیر کردے تو اس سے اسقاط نہیں ثابت ہوگا اسی طرح تاخیر عن الوصیۃ بھی اسقاط نہیں ہوگا۔

بخلاف ما إذا قال ترکت الخ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے کل وصیة الخ کے بعد ترکتُ کہا تو یہ رجوع ہوگا، کیوں کہ ترک میں اسقاط کا پہلو غالب ہے اور اسقاط رجوع ہے لہٰذا ترک بھی رجوع ہوگا۔

وَلَوْ قَالَ الْعَبْدُ الَّذِيْ أَوْصَيْتُ بِهٖ لِفُلَانٍ فَهُوَ لِفُلَانٍ كَانَ رُجُوْعًا، لِأَنَّ اللَّفْظَ يَدُلُّ عَلٰى قَطْعِ الشِّرْكَةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى بِهٖ لِرَجُلٍ ثُمَّ أَوْصٰى بِهٖ لِاٰخَرَ، لِأَنَّ الْمَحَلَّ يَحْتَمِلُ الشِّرْكَةَ وَاللَّفْظُ صَالِحٌ لَهَا وَكَذَا إِذَا قَالَ فَهُوَ لِفُلَانٍ وَارِثِيْ يَكُوْنُ رُجُوْعًا عَنِ الْأَوَّلِ عَلٰى مَابَيَّنَّا وَيَكُوْنُ وَصِيَّةً لِلْوَارِثِ وَقَدْ ذَكَرْنَا حُكْمَهٗ، وَلَوْكَانَ فُلَانٌ الْاٰخَرُ مَيِّتًا حِيْنَ أَوْصٰى فَالْوَصِيَّةُ الْأُوْلٰى عَلٰى حَالِهَا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ الْأُوْلٰى إِنَّمَا تَبْطُلُ ضَرُوْرَةَ كَوْنِهَا لِلثَّانِيْ وَلَمْ يَتَحَقَّقْ فَبَقِيَ لِلْأَوَّلِ، وَلَوْكَانَ فُلَانٌ حِيْنَ قَالَ ذٰلِكَ حَيًّا ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ فَهُوَ لِلْوَرَثَةِ لِبُطْلَانِ الْوَصِيَّتَيْنِ الْأُوْلٰى بِالرُّجُوْعِ، وَالثَّانِيَةُ بِالْمَوْتِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے کہا وہ غلام جس کی فلاں کے لیے میں نے وصیت کی وہ فلاں کے لیے ہے تو یہ رجوع ہوگا، کیونکہ یہ جملہ شرکت کے ختم کرنے پر دلالت کررہا ہے، برخلاف اس صورت کے جب اس غلام کی کسی شخص کے لیے وصیت کی پھر اسی غلام کی دوسرے شخص کے لیے وصیت کردی، کیونکہ محل شرکت کا احتمال رکھتا ہے اور لفظ شرکت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور ایسے ہی جب موصی نے کہا کہ وہ غلام میرے فلاں وارث کا ہے تو یہ اول سے رجوع ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں اور وہ غلام وارث

کے لیے وصیت ہو جائے گا اور اس کا حکم ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اور اگر دوسرا فلاں بوقتِ وصیت مُردہ ہو تو پہلی وصیت اپنی حالت پر برقرار رہے گی، کیونکہ پہلی وصیت وصیتِ ثانیہ کے لیے ہونے کی ضرورت سے باطل ہوتی ہے اور وصیتِ ثانیہ متحقق نہ ہو سکی تو وہ وصیت اول کے لیے باقی رہے گی۔

اور اگر بوقتِ وصیت دوسرا فلاں زندہ ہو پھر موصی کے مرنے سے پہلے مرجائے تو وصیت اس کے ورثاء کے لیے ہے، اس لیے کہ دونوں وصیتیں باطل ہو چکی ہیں پہلی رجوع کی وجہ سے باطل ہو چکی ہے اور دوسری موت کی وجہ سے۔ واللہ اعلم

اللغاتُ:

﴿أوصیتُ﴾ میں نے وصیت کی تھی۔ ﴿قطع﴾ کاٹنا، ختم کرنا۔ ﴿حيّ﴾ زندہ۔ ﴿لم یتحقق﴾ ثابت نہیں ہوئے۔

رجوع کی ایک مخصوص صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے سلمان کے لیے ایک غلام کی وصیت کی تھی پھر اس کی سمجھ میں کیا آیا کہنے لگا کہ میں نے سلمان کے لیے جس غلام کی وصیت کی تھی اب وہ غلام وصیت میں نعمان کو دے دیا جائے تو اس صورت میں زید کا یہ قول اور فعل اول کے لیے وصیت سے رجوع ہوگا اور سلمان کا حق اس غلام سے منقطع ہو جائے گا، کیوں کہ موصی کا یہ جملہ **العبد الذي الخ:** قطع شرکت پر دلالت کر رہا ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ وہ مذکورہ غلام صرف نعمان کو دینا چاہتا ہے اور نعمان وسلمان میں مشترک نہیں رکھنا چاہتا ورنہ اس طرح کا جملہ نہ ادا کرتا۔

اس کے برخلاف اگر موصی نے ایک غلام کسی شخص کو وصیت میں دیا تھا پھر دوسرے شخص کے لیے بھی اسی غلام کی وصیت کر دی تو اس کا مطلب یہ ہوگا اب وہ ایک ہی غلام میں دو لوگوں کے لیے وصیت کر رہا ہے، کیونکہ یہاں محل جو ہے یعنی غلام اس میں شرکت کا احتمال ہے اور موصی کا جملہ اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اس لیے یہاں غلام میں دونوں موصیٰ لہ شریک ہوں گے۔

وکذا إذا قال الخ: اس کا تعلق شروع متن سے ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی یوں کہے کہ میں نے فلاں شخص کے لیے جس غلام کی وصیت کی تھی وہ میرے فلاں وارث کو دے دیا جائے تو اس صورت میں بھی اس کا یہ قول موصیٰ لہ اول سے رجوع ہوگا اور وہ غلام صرف اس کے وارث کے لیے وصیت ہوگا، کیونکہ اس کا جملہ قطع شرکت پر دال ہے، بہر حال وہ غلام وارث کے لیے ہوگا یہ الگ بات ہے کہ اگر ورثاء اجازت دے دیں گے تبھی اس کو ملے گا جیسا کہ اس کی تفصیل ماقبل میں آچکی ہے۔

اور اسی **العبد الذي أوصیت به** والی صورت میں اگر بوقت وصیت موصیٰ لہ ثانی مر چکا ہو تو موصیٰ لہ اول کے لیے کی گئی وصیت باقی اور برقرار رہے گی، کیونکہ وصیت اولیٰ کا بطلان وصیتِ ثانیہ کی صحت پر موقوف ہے اور موتِ موصیٰ لہ ثانی کی وجہ سے وصیتِ ثانیہ صحیح نہیں ہوئی ہے، اس لیے وصیتِ اولیٰ موصیٰ لہ اول کے حق میں برقرار رہے گی۔

ولو کان فلان الخ: فرماتے ہیں کہ اگر **فھو لفلان** کہنے کے وقت موصیٰ لہ ثانی زندہ ہو لیکن پھر موصی کے مرنے سے پہلے ہی وہ مرجائے تو اب یہ وصیت کا غلام موصی کے ورثاء کو مل جائے گا اور دونوں وصیتیں باطل ہو جائیں گی، پہلی وصیت تو موصی کے رجوع کرنے کی وجہ سے باطل ہوگی اور دوسری وصیت موصیٰ لہ کی موت سے پہلے مرجانے کی وجہ سے باطل ہوگی اور موصی کا غلام اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو مل جائے گا۔ **فقط واللّٰہ اعلم وعلمه أتم.**

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ

یہ باب تہائی مال کی وصیت کرنے کے بیان میں ہے

موصی کے لیے تہائی مال ہی کی وصیت کرنا درست ہے اور اس سے زائد کی وصیت صحیح نہیں ہے، اور کتاب الوصایا کے بیشتر مسائل تہائی مال کی وصیت پر مبنی ہیں اس لیے یہاں سے ثلث کی وصیت کے مسائل کو بیان کیا جارہا ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مَالِهِ وَ لِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ، لِأَنَّهُ يَضِيقُ الثُّلُثُ عَنْ حَقِّهِمَا، إِذْ لَا تُزَادُ عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ عَلَى مَاتَقَدَّمَ وَقَدْ تَسَاوَيَا فِي سَبَبِ الْإِسْتِحْقَاقِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي الْإِسْتِحْقَاقِ، وَالْمَحَلُّ يَقْبَلُ الشِّرْكَةَ فَيَكُوْنُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور ورثاء نے اجازت نہیں دی تو ثلث دونوں موصیٰ لہ کے مابین نصف نصف ہوگا، کیونکہ ثلث ان کے حق سے تنگ ہے اس لیے کہ اجازت نہ ہونے کی صورت میں ثلث پر اضافہ نہیں کیا جائے گا جیسا کہ گذر چکا ہے، اور دونوں موصیٰ لہ سببِ استحقاق میں برابر ہیں لہٰذا استحقاق میں بھی وہ دونوں برابر ہوں گے۔ اور محل شرکت کو قبول کررہا ہے لہٰذا ثلث ان دونوں کے مابین مشترک ہوگا۔

اللغات:

﴿بثلث﴾ تیسرا حصہ، ایک تہائی۔ ﴿لم تجز﴾ اجازت نہیں دی۔ ﴿یضیق﴾ تنگ پڑ جائے گا۔ ﴿لا تزاد﴾ زیادتی نہیں کی جائے گی۔ ﴿تساویا﴾ وہ دونوں برابر ہوگئے۔

دو آدمیوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے سلمان کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کردی اور پھر نعمان کے لیے بھی اس نے ثلث مال کی وصیت کی تو اگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں تو ٹھیک ہے لیکن اگر ورثاء اجازت نہ دیں جیسا کہ صورتِ مسئلہ میں ہے تو موصی کا ثلث دونوں موصیٰ لہ کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا، کیونکہ جو ثلث ہے وہ دونوں موصیٰ لہ کے حق کو پورا پورا اکمل نہیں کررہا ہے، اس لیے ورثاء کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ثلث اخیر میں وصیت کا نفاذ نہیں ہوسکتا، لہٰذا جس ثلث میں وصیت جائز ہے اس میں دونوں شریک ہوں گے، کیونکہ سبب استحقاق یعنی وصیت میں وہ دونوں شریک ہیں، لہٰذا استحقاق میں بھی وہ دونوں شریک ہوں

گے اور ثلث ان دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔

وَإِنْ أَوْصٰى لِأَحَدِهِمَا بِالثُّلُثِ وَ لِاٰخَرَ بِالسُّدُسِ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُدْلِيْ بِسَبَبٍ صَحِيْحٍ وَضَاقَ الثُّلُثُ عَنْ حَقَّيْهِمَا فَيَقْسِمَانِهِ عَلٰى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا كَمَا فِيْ أَصْحَابِ الدُّيُوْنِ فَيُجْعَلُ الْأَقَلُّ سَهْمًا وَالْأَكْثَرُ سَهْمَيْنِ فَصَارَ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ، سَهْمٌ لِصَاحِبِ الْأَقَلِّ وَسَهْمَانِ لِصَاحِبِ الْأَكْثَرِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے دونوں میں سے ایک کے لیے ثلث کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے سدس کی تو ثلث دونوں کے درمیان تین حصے ہوکر تقسیم ہوگا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک سببِ صحیح کی وجہ سے استحقاق رکھتا ہے اور ثلث ان دونوں کے حق سے تنگ ہوگیا ہے، لہٰذا وہ اپنے حقوق کے بقدر ثلث کو تقسیم کرلیں گے جیسے اصحاب دیون میں ہوتا ہے، لہٰذا اقل کو ایک سہم اور اکثر کو دو سہم بنا دیا جائے گا اور یہ کل تین سہم ہو جائیں گے۔ ایک سہم صاحبِ اقل کے لیے اور دو سہم اکثر والے کے لیے ہوگا۔

اللغات:

﴿سدس﴾ چھٹا حصہ۔ ﴿یدلی﴾ استحقاق رکھتا ہے۔ ﴿ضاق﴾ تنگ پڑ گیا۔ ﴿أسهم﴾ واحد سهم: حصے۔

دو آدمیوں کے وصیت کرنے کے مختلف طریقے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے ایک شخص کے لیے ثلث مال کی وصیت کی اور دوسرے شخص کے لیے سدس کی وصیت کی اور ورثاء نے اس وصیت پر ہری جھنڈی نہیں دکھائی تو اس صورت میں جو ثلث ہے اس کے تین حصے کئے جائیں گے اور دو حصے اس موصیٰ لہ کو دیئے جائیں گے، جس کے لیے ثلث کی وصیت کی گئی ہے اور ایک حصہ اس موصیٰ لہ کو ملے گا جس کے لیے موصی نے سدس کی وصیت کی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے دونوں کے لیے وصیت کی ہے اس لیے وہ دونوں سبب صحیح کے ساتھ وصیت کے مستحق ہیں اور موصی کے مال کی جس مقدار میں وصیت جائز ہے وہ ان دونوں موصیٰ لہ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے لہٰذا ثلث میں وہ دونوں شریک ہوں گے اور اپنے اپنے حصوں کے بقدر اس میں سے لے لیں گے، یعنی ثلث والے کو ۲؍ حصے ملیں گے اور ایک حصہ صاحب سدس کو ملے گا۔

وَإِنْ أَوْصٰى لِأَحَدِهِمَا بِجَمِيْعِ مَالِهٖ وَ لِاٰخَرَ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا عَلٰى أَرْبَعَةِ أَسْهُمٍ عِنْدَهُمَا، وَقَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَلَا يَضْرِبُ أَبُوْحَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ لِلْمُوْصٰى لَهٗ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلَّا فِي الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے دونوں میں سے ایک کے لیے پورے مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے تہائی مال کی وصیت کی اور ورثاء نے اس کی اجازت نہیں دی تو حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں ثلث ان کے درمیان چار حصوں پر ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ موصیٰ لہ کے لیے محابات، سعایہ اور دراہم مرسلہ کے علاوہ میں ثلث سے زائد پر تناسب کا اعتبار نہیں کرتے۔

اللغات:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿محاباة﴾ احسان کے طور پر کسی چیز کو کم قیمت پر فروخت کرنا۔ ﴿سعایة﴾ کوشش کروانا، مراد: ایسے غلام سے کمائی کروانا جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو۔

دو آدمیوں کے وصیت کرنے کے مختلف طریقے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے سلمان کے لیے اپنے پورے مال کی وصیت کردی اور سہیل کے لیے تہائی مال کی وصیت کی اور موصی کے ورثاء نے اس وصیت کی اجازت نہیں دی تو حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں جس مقدار میں وصیت جائز ہے یعنی ثلث اس کے چار حصے کئے جائیں گے اور جمیع والے کے لیے تین حصے ہوں گے اور ثلث والے کو ایک حصہ ملے گا۔ اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ثلث کے دو حصے ہوں گے اور ایک ایک نصف دونوں موصیٰ لہ کو ملے گا۔

ولا یضرب الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی لہ دو ہوں اور وصیت ثلث سے بڑھ جائے نیز ورثاء اس کی اجازت نہ دیں تو اس صورت میں موصیٰ لہ کے حقوق کے تناسب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور وصیت کی جائز مقدار میں دونوں شریک ہوں گے، لیکن امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں **محابات، سعایة** اور دراہم مرسلہ میں تناسب کا اعتبار کیا جائے گا۔ **محابات** سے **محابات في البیع** مراد ہے اور محابات کی صورت یہ ہے کہ موصی کے دو غلام ہوں جن میں سے ایک کی قیمت ۱۱۰۰/ سو ہو اور دوسرے کی قیمت ۶۰۰/ ہو موصی نے یہ وصیت کی کہ ان میں سے ایک غلام نعمان سے سو روپئے میں فروخت کردینا اور دوسرا غلام سو روپئے میں سلمان سے فروخت کردینا تو فروختگی کے بعد گیارہ سو والے میں سے ایک ہزار وصیت کے لیے بچے اور چھ سو والے غلام میں سے اس موصیٰ لہ کے لیے پانچ سو وصیت کے بچے، کیونکہ دونوں غلاموں میں سے ایک کی قیمت ۱۱۰۰/ تھی اور دوسرے کی قیمت ۶۰۰/ تھی اور دونوں میں سے سو سو روپئے نکل گئے اور گویا ۱۵۰۰/ پندرہ سو کی وصیت ہوئی اور ورثاء نے اس کی اجازت نہیں دی ہے لہٰذا وصیت ثلث میں نافذ ہوگی اور پندرہ سو کا ثلث ۵۰۰/ سو ہے، لہٰذا اس پانچ سو کے تین حصے کئے جائیں گے اور ہزار کی وصیت والے موصیٰ لہ کے ان میں سے دو حصے ملیں گے اور پانچ سو والے کو ایک حصہ ملے گا، کیونکہ اسی تناسب سے ان کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔

سعایة: **سعایہ** کی صورت یہ ہے کہ موصی اپنے دو غلاموں کے عتق کی وصیت کرے ان میں سے ایک کی قیمت دو ہزار ہو اور ایک کی قیمت ایک ہزار ہو اور اس کے علاوہ موصی کا کوئی مال نہ ہو اور ورثاء اس زائد مقدار والی وصیت کے جواز ونفاذ کی اجازت نہ دیں تو یہ وصیت دونوں غلاموں کی قیمتوں کے ثلث میں نافذ ہوگی اور ان کی قیمتوں کا ثلث ایک ہزار ہے لہٰذا ایک ہزار میں وصیت جائز ہوگی اور یہ ایک ہزار دونوں کی قیمت کے تناسب سے ان پر تقسیم ہوگا، لہٰذا جس غلام کی قیمت دو ہزار ہے، اس کے حصے سے ۶۶۶/ روپئے کم ہو جائیں گے اور جس کی قیمت ایک ہزار ہے اس کے حصے سے ۳۳۳/ روپئے کم ہو جائیں گے اور اس کے علاوہ باقی رقم وہ کما کر ورثاء کو دیں گے یعنی دو ہزار قیمت والا غلام ۱۳۳۳/ روپئے کما کر دے گا اور ایک ہزار قیمت والا غلام ۶۶۶/ روپئے کما کر ورثہ کو دے گا۔

دراہم مرسلہ کو بھی امام اعظم رحمہ اللہ نے نصف والے قاعدے سے مستثنیٰ کردیا ہے۔ دراہم مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ موصی ثلث

اور نصف وغیرہ کی صراحت نہ کرے، بلکہ مطلقاً یوں کہے کہ دو ہزار دراہم کی نعمان کے لیے وصیت ہے اور ایک ہزار دراہم کی نعیم کے لیے وصیت ہے اور موصی کے پاس ان تین ہزار دراہم کے علاوہ دوسرا مال نہ ہو اور اس کے ورثاء پوری وصیت کی اجازت بھی نہ دیں تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں تین ہزار کا جو ثلث ہے یعنی ایک ہزار اسی میں وصیت نافذ ہوگی اور موصی لہ اپنے اپنے حصوں کے تناسب سے اس میں سے لے لیں گے چنانچہ دو ہزار کی وصیت والے کو ۶۶۶/ ملیں گے اور ہزار روپئے والے کو ۳۳۳/ روپے ملیں گے، کیونکہ یہی مقدار جائز مقدار میں ان کا حق اور حصہ ہے۔

لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْمُوْصِيْ قَصَدَ شَيْئَيْنِ الْإِسْتِحْقَاقَ وَالتَّفْضِيْلَ، وَامْتَنَعَ الْإِسْتِحْقَاقُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَلَامَانِعَ مِنَ التَّفْضِيْلِ فَيَثْبُتُ كَمَا فِي الْمُحَابَاةِ وَأُخْتَيْهَا، وَلَهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ وَقَعَتْ بِغَيْرِ الْمَشْرُوْعِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ مِنَ الْوَرَثَةِ إِذْ لَانَفَاذَ لَهَا بِحَالٍ فَبَطَلَ أَصْلًا، وَالتَّفْضِيْلُ يَثْبُتُ فِيْ ضِمْنِ الْإِسْتِحْقَاقِ فَبَطَلَ بِبُطْلَانِهِ كَالْمُحَابَاةِ الثَّابِتَةِ فِيْ ضِمْنِ الْبَيْعِ بِخِلَافِ مَوَاضِعِ الْإِجْمَاعِ، لِأَنَّ لَهَا نَفَاذًا فِي الْجُمْلَةِ بِدُوْنِ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ بِأَنْ كَانَ فِي الْمَالِ سِعَةٌ فَيُعْتَبَرُ فِي التَّفَاضُلِ لِكَوْنِهِ مَشْرُوْعًا فِي الْجُمْلَةِ، بِخِلَافِ مَا نَحْنُ فِيْهِ.

ترجمه: اختلافی مسئلے میں حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے استحقاق کا۔ اور تفضیل کا اور حق ورثاء کی وجہ سے استحقاق ممتنع ہو گیا اور تفضیل سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، لہٰذا تفضیل ثابت ہو جائے گی، جیسے محابات اور اس کی دونوں نظیروں میں ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ورثاء کی اجازت نہ ملنے کی صورت میں وصیت غیر مشروع واقع ہوئی ہے، کیونکہ کسی بھی حالت میں اس وصیت کا نفاذ نہیں ہے لہٰذا یہ تو بالکل باطل ہوگی اور تفضیل استحقاق کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے، لہٰذا بطلان استحقاق کی وجہ سے تفضیل بھی باطل ہو جائے گی جیسے وہ محابات جو بیع کے ضمن میں ثابت ہو۔ برخلاف مقاماتِ اجماع کے، کیونکہ ان کے لیے ورثاء کی اجازت کے بغیر بھی فی الجملہ نفاذ ہے بایں طور کے مال میں وسعت ہو تو وصیت فی الجملہ مشروع ہونے کی وجہ سے تفاضل کے حق میں معتبر ہوگی۔ برخلاف اس مسئلے کے جس میں ہماری گفتگو ہے۔

اللغات:

﴿قصد﴾ ارادہ کیا ہے۔ ﴿تفضیل﴾ فوقیت دینا، فضیلت دینا۔ ﴿سعة﴾ وسعت، گنجائش۔

صاحبین کی دلیل:

امام صاحب اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے مابین اصل مسئلہ میں جو اختلاف ہے یعنی حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں ثلث کے چار سہام ہوئے ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اسے دونوں موصی لہ کے مابین نصف نصف کر کے تقسیم کیا گیا ہے اس میں ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے یہاں دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے (۱) استحقاق کا کہ وہ اپنا پورا مال دوسرے کو دینا چاہتا ہے۔

(۲) تفضیل کا یعنی ایک موصیٰ لہ کو دوسرے پر فوقیت دینا چاہتا ہے اور اس کے ان دونوں مقصدوں میں سے ایک مقصد یعنی استحقاق فوت ہو رہا ہے، کیونکہ ورثاء کا حق اس سے مانع ہے، لہٰذا یہ مقصد ثابت نہیں ہوگا اور تفضیل سے چوں کہ کوئی مانع نہیں ہے، اس لیے یہ مقصد ثابت ہو جائے گا۔ اور ایک موصیٰ لہ کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ اور جیسے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں محابات وغیرہ میں فوقیت اور تفضیل ثابت ہے اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی فوقیت ثابت ہوگی اور ثلث نصف نصف ہو کر تقسیم نہیں ہوگا بل کہ حصصِ موصیٰ لہ کے بقدر تقسیم ہوگا۔

وله أن الوصية الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ثلث سے زائد مقدار کی وصیت ورثاء کی اجازت پر موقوف تھی اور چوں کہ ورثاء نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، اس لیے غیر مشروع ہونے کی وجہ سے زائد مقدار میں تو وصیت باطل ہے اور استحقاق والا مقصد فوت ہو گیا ہے تو تفضیل بھی فوت ہو گئی جیسے وہ محابات جو بیع کے ضمن میں ثابت ہو اور بیع باطل یا فاسد ہو جائے تو محابات بھی فاسد یا باطل ہو جاتی ہے، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں تفضیل بھی فوت ہو گئی اور جب تفضیل فوت ہو گئی تو محض مساوات رہ گئی، اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ثلث میں دونوں موصیٰ لہ برابر کے شریک ہوں گے اور دونوں کو نصف نصف ملے گا۔

بخلاف مواضع الإجماع الخ: حضراتِ صاحبین رحمہما اللہ نے صورتِ مسئلہ کو مواضعِ اجماع یعنی محابات اور سعایہ وغیرہ پر قیاس کیا ہے، یہاں سے صاحب ہدایہ اسی قیاس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صورتِ مسئلہ کو محابات وغیرہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ محابات وغیرہ میں ورثاء کی اجازت کے بغیر بھی وصیت کا نفاذ ہو سکتا ہے۔ بایں طور کہ موصی کے پاس موصی بہ کے علاوہ اتنا مال ہو جو ثلث کی مقدار سے زائد ہو اور نفاذِ وصیت سے ورثاء کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، لہٰذا ان مسائلِ ثلاثہ میں فی الجملہ وصیت کا نفاذ ہو سکتا ہے اور فی الجملہ یہ وصیت مشروع ہے، اسی لیے ان میں تفضیل معتبر ہے، لیکن صورت مسئلہ میں چوں کہ ورثاء کی اجازت نہ ہونے سے وصیت ہی مشروع نہیں ہے تو تفضیل کیا خاک معتبر ہوگی۔

وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى بِعَيْنٍ مِنْ تَرِكَتِهٖ وَقِيْمَتُهٗ تَزِيْدُ عَلَى الثُّلُثِ فَإِنَّهٗ يَضْرِبُ بِالثُّلُثِ وَإِنِ احْتَمَلَ أَنْ يَزِيْدَ الْمَالُ فَيَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ، لِأَنَّ هُنَاكَ الْحَقُّ تَعَلَّقَ بِعَيْنِ التَّرِكَةِ بِدَلِيْلِ أَنَّهٗ لَوْ هَلَكَ وَاسْتَفَادَ مَالًا اٰخَرَ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ، وَفِي الْأَلْفِ الْمُرْسَلَةِ لَوْ هَلَكَتِ التَّرِكَةُ تَنْفُذُ فِيْمَا يُسْتَفَادُ فَلَمْ يَكُنْ مُتَعَلِّقًا بِعَيْنِ مَا تَعَلَّقَ بِهٖ حَقُّ الْوَرَثَةِ.

ترجمه: اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے جب موصی نے اپنے ترکہ میں سے کسی معین چیز کی وصیت کی اور اس کی قیمت ثلث سے زائد ہو تو موصیٰ لہ تہائی کا مستحق ہوگا اگر چہ مال کے بڑھنے کا احتمال ہو لہٰذا عین ثلث سے خارج ہو جائے گا، کیونکہ یہاں موصیٰ لہ کا حق عینِ ترکہ سے متعلق ہوا ہے، اس دلیل کی وجہ سے کہ اگر موصیٰ بہ ہلاک ہو جائے اور موصی دوسرا مال حاصل کرے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور مطلق ہزار میں اگر ترکہ ہلاک ہو جائے تو مستفاد مال میں وصیت نافذ ہوگی لہٰذا موصیٰ لہ کا حق بعینہٖ اس چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوا جس سے ورثاء کا حق متعلق ہے۔

اللغات:

﴿عین﴾ معین چیز۔ ﴿تزید﴾ زیادہ ہوتی ہو، بڑھ کر ہو۔ ﴿ثلث﴾ تیسرا حصہ، ایک تہائی۔ ﴿استفاد﴾ حاصل کیا۔
﴿الف﴾ ہزار۔

امام صاحب کی دلیل:

یہاں سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اور آپ کے مسلک پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ بہ قول آپ کے اگر موصیٰ بہ کے علاوہ موصی کے پاس کوئی دوسرا مال ہو تو اس صورت میں پورے موصیٰ بہ میں وصیت نافذ ہوجائے گی حالانکہ ایک صورت ایسی ہے جہاں موصیٰ بہ کے علاوہ موصی کے پاس مزید مال ہے، لیکن پھر بھی وہاں ثلث ہی میں وصیت نافذ ہوتی ہے اور ثلث سے زائد میں اس کا نفاذ نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی نے کسی کے لیے اپنے گھوڑے کی وصیت کی اور اس کی قیمت موصی کے ترکہ کے ثلث سے زائد ہو تو اس صورت میں موصیٰ لہ کو پورا گھوڑا ملنا چاہئے اگر چہ اس کی مالیت کے ثلث سے زائد ہونے کا احتمال ہو لیکن پھر بھی آپ اس صورت میں صرف ثلث مال میں جوازِ وصیت کے قائل ہیں اور ثلث سے زائد میں وصیت کو روا نہیں سمجھتے آخر ایسا کیوں ہے۔

اسی کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ دراہم مطلقہ اور معین موصیٰ بہ کے مابین فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ موصیٰ بہ کے معین ہونے کی صورت میں عینِ موصیٰ بہ سے موصیٰ لہ کا حق متعلق ہوتا ہے اور چوں کہ موصی کی موت کے بعد وہ موصیٰ بہ بھی اس کے ترکے میں شامل ہوگی اور مقدار ثلث سے زائد حصہ ورثاء کا حق ہوجائے گا اور ظاہر ہے کہ اگر ورثاء ثلث سے زائد میں اجازت نہ دیں تو مقدار زائد میں وصیت نافذ نہیں ہوگی تو گویا موصیٰ بہ معین ہونے کی صورت میں موصیٰ لہ اور ورثاء کا حق ایک ہی چیز سے متعلق ہے اس لیے موصیٰ لہ کو صرف مقدار متعین یعنی ثلث ملے گا اور اگر وہ معین موصیٰ بہ ہلاک ہوجائے تو موصیٰ لہ کا حق ساقط ہوجائے گا اگر چہ بعد میں موصی کو دوسرا مال مل جائے۔

اس کے برخلاف دراہم مرسلہ کا معاملہ اور مسئلہ ہے تو چوں کہ اس میں کسی متعین مال کے ساتھ موصیٰ لہ کا حق متعلق نہیں ہوتا، اس لیے موصیٰ لہ اور ورثاء کا حق بھی ایک معین مال سے متعلق نہیں ہوگا اور اگر موصیٰ کا مال ہلاک ہوجائے تو بھی موصیٰ لہ کا حق باطل نہیں ہوتا بلکہ موت سے پہلے موصی کو مال مل جائے تو موصیٰ لہ کو اس کا حق مل جائے گا اور مالِ مستفاد اگر ثلث سے دوگنا زیادہ ہو تو پھر ثلث سے زائد میں بھی موصی کی وصیت نافذ کردی جائے گی۔ الحاصل موصیٰ بہ معین اور دراہم مرسلہ میں فرق ہے، اسی لیے دونوں کے احکام بھی جدا جدا ہیں۔

قَالَ وَ إِذَا أَوْصٰى بِنَصِيْبِ ابْنِهٖ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، وَلَوْ أَوْصٰى بِمِثْلِ نَصِيْبِ ابْنِهٖ جَازَ، لِأَنَّ الْأَوَّلَ وَصِيَّةٌ بِمَالِ الْغَيْرِ، لِأَنَّ نَصِيْبَ الْأَبْنِ مَايُصِيْبُهٗ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالثَّانِيْ وَصِيَّةٌ بِمِثْلِ نَصِيْبِ الْإِبْنِ وَمِثْلُ الشَّيْءِ غَيْرُهٗ وَإِنْ كَانَ يَتَقَدَّرُ بِهٖ فَيَجُوْزُ، وَقَالَ زُفَرُ رحمۃ اللہ علیہ تَجُوْزُ فِي الْأَوَّلِ أَيْضًا نَظْرًا إِلَى الْحَالِ، وَالْكُلُّ مَالُهٗ فِيْهِ وَجَوَابُهٗ مَاقُلْنَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو وصیت باطل ہے۔ اور اگر اپنے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی تو جائز ہے، کیونکہ اول مالِ غیر کی وصیت ہے اس لیے کہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو موت کے بعد اسے ملے گا۔ اور ثانی بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت ہے اور شئ کا مثل اس کا غیر ہوا کرتا ہے اگر چہ اس مثل کا اندازہ اسی شئ کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حال کا اعتبار کرتے ہوئے پہلی صورت میں بھی وصیت جائز ہے اور فی الحال پورا مال موصی کا ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغاتُ:

﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿یصیب﴾ پہنچے گا۔ ﴿یتقدّر﴾ اندازہ ہوتا ہے۔ ﴿حال﴾ موجودہ حالت میں۔

کسی کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے کسی شخص کے لیے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کر دی اور یہ کہا کہ میرے بیٹے کو جو ملے گا وہ فلاں کے لیے وصیت ہے تو یہ وصیت باطل ہے، کیونکہ موصی کے مال سے بیٹے کا حصہ اسے موصی کی موت کے بعد ملے گا اور موت کے بعد وہ بیٹے کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا اور قاعدہ یہ ہے کہ **التصرف في ملك الغير لايجوز** دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس لیے موصی کی یہ وصیت جائز نہیں ہے۔

اور اگر موصی نے یہ وصیت کی کہ فلاں کو اتنا مال دیا جائے جتنا میرے بیٹے کو ملے گا تو یہ وصیت جائز ہے اور اگر وہ مال ثلث سے کم ہو یا ثلث ہو تو اس وصیت کا نفاذ بھی ہو جائے گا، اس لیے کہ یہاں موصی نے موصیٰ لہ کے حصے کو اپنے بیٹے کے حصے کا مثل اور مساوی قرار دیا ہے اور بیٹے کے حصے سے موصیٰ لہ کے حصے کا موازنہ کیا ہے اور بیٹے کے حصے کی وصیت نہیں کی ہے اور یہ بات تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ شئ کا مثل اس کا غیر ہوتا ہے اس لیے وصیت درست اور جائز ہے۔

وقال زفر رحمۃ اللہ علیہ الخ: امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں بھی وصیت درست اور جائز ہے یعنی جب موصی نے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی ہو تو بھی وصیت درست ہے، اس لیے کہ بوقتِ وصیت موصیٰ بہ موصی کا مال ہے اور یہ مالِ غیر کی وصیت نہیں ہے، اس لیے درست ہے، لیکن ہماری طرف سے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کو جواب یہ ہے کہ وصیت کا مال تو موصی کی موت کے بعد ہی ملے گا اور جب ملنے کا وقت آئے گا تو وہ مال موصی کے بیٹے کا ہو چکا ہوگا، اس لیے مالِ غیر کی وصیت ہونے کی وجہ سے یہ وصیت درست نہیں ہوگی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ أَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ إِلَّا أَنْ يَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَيُتَمُّ لَهُ السُّدُسُ وَلَايُزَادُ عَلَيْهِ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَا لَهٗ مِثْلُ نَصِيْبِ أَحَدِ الْوَرَثَةِ وَلَايُزَادُ عَلَى الثُّلُثِ إِلَّا أَنْ تُجِيْزَ الْوَرَثَةُ، لِأَنَّ السَّهْمَ يُرَادُ بِهٖ أَحَدُ سِهَامِ الْوَرَثَةِ عُرْفًا لَاسِيَّمَا فِي الْوَصِيَّةِ، وَالْأَقَلُّ مُتَيَقَّنٌ بِهٖ فَيُصْرَفُ إِلَيْهِ إِلَّا إِذَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ لِأَنَّهٗ لَامَزِيْدَ عَلَيْهِ عِنْدَ عَدَمِ إِجَازَةِ الْوَرَثَةِ، وَلَهٗ أَنَّ السَّهْمَ هُوَ السُّدُسُ هُوَ

الْمَرْوِيُّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ❶ وَقَدْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِيمَا يُرْوٰى، وَلِأَنَّهُ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ السُّدُسُ فَإِنَّ إِيَاسًا قَالَ السَّهْمُ فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنِ السُّدُسِ وَيُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْوَرَثَةِ فَيُعْطٰى مَا ذَكَرْنَا، قَالُوْا هٰذَا كَانَ فِيْ عُرْفِهِمْ وَفِيْ عُرْفِنَا السَّهْمُ كَالْجُزْءِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے مال سے ایک سہم کی وصیت کی تو موصیٰ لہ ورثاء کے اَخس سہام میں سے لے گا الا یہ کہ وہ اخس سدس سے کم ہوجائے تو اس کے لیے سدس پورا کیا جائے گا اور اس پر بڑھایا نہیں جائے گا۔ اور یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ موصیٰ کو احد الورثاء کے حصہ کے مثل حصہ دیا جائے گا اور ثلث سے بڑھایا نہیں جائے گا، الا یہ کہ ورثاء اس کی اجازت دے دیں، کیونکہ سہم سے عرفاً ورثاء کا ایک سہام مراد لیا جاتا ہے خاص کر وصیت میں۔ اور اقل متعین ہوتا ہے، لہٰذا اسی کی طرف پھیرا جائے گا الا یہ کہ ثلث پر بڑھ جائے تو زیادتی کو ورثاء پر پھیر دیا جائے گا، کیونکہ ورثاء کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں ثلث پر اضافہ نہیں کیا جاتا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ سہم ہی سدس ہے اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کیا ہے۔ اور اس لیے کہ سہم ذکر کرکے اس سے سدس مراد لیا جاتا ہے، اس لیے کہ ایاس نے فرمایا ہے کہ لغت میں سہم سدس سے عبارت ہے اور سہم ذکر کرکے اس سے ورثاء کے سہام میں سے ایک سہم مراد لیا جاتا ہے لہٰذا موصیٰ لہ کو وہی دیا جائے گا جو ہم بیان کرچکے ہیں۔

حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ اہل کوفہ کے عرف میں تھا اور ہمارے عرف میں سہم جزء کے مثل ہے۔

اللغات:

﴿سهم﴾ حصہ۔ ﴿أخس﴾ سب سے ستا۔ ﴿سدس﴾ چھٹا حصہ۔ ﴿ينقص﴾ کم ہوجائے۔ ﴿يتمّ﴾ پورا کیا جائے گا۔ ﴿لا يزاد﴾ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ﴿تجيز﴾ اجازت دے دیں۔ ﴿لا سيّما﴾ خاص طور پر۔ ﴿أقلّ﴾ سب سے کم۔ ﴿يصرف﴾ پھیرا جائے گا۔

تخریج:

❶ ذكرهٗ الهيثمی فی مجمع الزوائد ۲۱۳/٤ انظر تحقيق نصب الرايه ج ٥ ص ۲۲۸.

ایک "سہم" کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے مال میں سے ایک سہم کی وصیت کی تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصیٰ لہ کو ورثاء کے سہام میں سے جو اخس سہام ہے یعنی سدس وہی ملے گا اور اگر وہ سدس سے کم ہوجائے تو اسے ورثاء کے سہام سے لے کر پورا کیا جائے گا، لیکن کسی بھی حال میں اسے سدس سے بڑھایا نہیں جائے گا۔

حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں موصیٰ لہ کا وہی حصہ ہوگا جو ورثاء میں سے ایک وارث کا ہوگا یعنی

جتنا ایک وارث کو ملے گا اتنا ہی موصی لہ کو بھی ملے گا، لیکن موصیٰ لہ کا حصہ ثلث سے بڑھایا نہیں جائے گا۔ ہاں اگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں تو پھر اسے ثلث سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ عرف میں سہام سے ایک وارث کا حصہ مراد ہوتا ہے اور وصیت میراث کی بہن ہے، اس لیے وصیت میں تو بدرجۂ اولیٰ سہام سے ایک وارث کا حصہ مراد ہوگا اور چوں کہ موصی نے سہمِ واحد کی وصیت کی ہے، اس لیے اس سے بھی ایک وارث کا حصہ مراد لیا جائے گا اور سہام نصف، ثلث اور ربع وغیرہ میں مشترک ہوتا ہے، اس لیے سہم سے اقل السہام مراد لیا جائے گا اور اقل کے متعین اور متیقن ہونے کی وجہ سے وہی موصیٰ لہ کو دیا جائے گا۔ لیکن اگر احد الورثاء کا حصہ ثلث سے بڑھ جائے تو موصیٰ لہ کو ثلث کے برابر دیا جائے گا اور اس سے زائد مقدار ورثاء کو دے دی جائے گی۔

وله أن السّهم الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ سہم سے سدس مراد لیا جاتا ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح کی حدیث مروی ہے اور دونوں جگہ سہم سے سدس مراد لیا گیا ہے، مسند بزار میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث مروی ہے **أن رجلا أوصٰی لرجل بسهم من ماله فجعل له النبي صلی اللہ علیہ وسلم السدس** کہ ایک شخص نے کسی کے لیے اپنے مال سے ایک سہم کی وصیت کی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے سدس مقرر فرمایا۔ (بنایہ: ۱۲/۵۲۵)
معلوم ہوا کہ سہم سے سدس مراد لیا جاتا ہے، اس کی تائید وتقویت قاضیٔ بصرہ حضرت ایاس بن معاویہ علیہ الرحمہ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جس میں انھوں نے **السهم في اللغة عبارة عن السدس** کہ لغت میں سہم سے سدس مراد ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی صورت مسئلہ میں موصیٰ لہ بالسہم کو سدس دیا جائے گا۔

قالوا الخ: حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سہم بول کر اس سے سدس مراد لینا اہل کوفہ کا عرف اور ان کی اصطلاح ہے، اسی لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی اس سے سدس مراد ہے لیکن ہمارے عرف میں سہم بمعنی جزء ہے اور جزء چوں کہ مجہول ہے جو قلیل وکثیر دونوں کو شامل ہے، لہٰذا اب مقدارِ سہم کی تعیین موصی کے ورثاء کریں گے اور ورثاء جو مقدار متعین کریں گے وہی موصیٰ لہ کو دی جائے گی۔

قَالَ وَلَوْ أَوْصٰی بِجُزْءٍ مِنْ مَالِهٖ قِيْلَ لِلْوَرَثَةِ أَعْطُوْهُ مَا شِئْتُمْ، لِأَنَّهٗ مَجْهُوْلٌ يَتَنَاوَلُ الْقَلِيْلَ وَالْكَثِيْرَ غَيْرَ أَنَّ الْجَهَالَةَ لَاتَمْنَعُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ، وَالْوَرَثَةُ قَائِمُوْنَ مَقَامَ الْمُوْصِيْ فَإِلَيْهِمُ الْبَيَانُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے اپنے مال میں سے ایک جزء کی وصیت کی تو ورثاء سے کہا جائے گا جو تم چاہو موصیٰ لہ کو دے دو، اس لیے کہ جزء مجہول ہے جو قلیل وکثیر سب کو شامل ہے نیز جہالت وصیت سے مانع بھی نہیں ہے۔ اور ورثاء موصی کے قائم مقام ہیں، لہٰذا وضاحت انھی کے سپرد ہوگی۔

اللغات:

﴿أعطوه﴾ اس کو دے دو۔ ﴿يتناول﴾ شامل ہوتا ہے۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔

مال کے ایک جز کی وصیت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ سہم اور جزء ہم معنی ہیں، لہٰذا جس طرح سہم کی وصیت کرنے سے ورثاء اپنی صواب دید کے

مطابق موصی لہ کو دیں گے اسی طرح جزء کی وصیت کی صورت میں بھی لین دین کا معاملہ ورثاء کی صواب دید پر موقوف ہوگا اور ورثاء چوں کہ مورث کے نائب اور خلیفہ ہیں اس لیے جو مناسب ہوگا وہ موصی لہ کو دے دیں گے۔

قَالَ وَمَنْ قَالَ سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ ثُمَّ قَالَ فِي ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ أَوْ فِي مَجْلِسٍ اٰخَرَ لَهُ ثُلُثُ مَالِي وَأَجَازَتِ الْوَرَثَةُ فَلَهُ ثُلُثُ الْمَالِ وَيَدْخُلُ السُّدُسُ فِيْهِ، وَمَنْ قَالَ سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ ثُمَّ قَالَ فِي ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ أَوْ فِي غَيْرِهٖ سُدُسُ مَالِي لِفُلَانٍ فَلَهُ سُدُسٌ وَاحِدٌ، لِأَنَّ السُّدُسَ ذُكِرَ مُعَرَّفًا بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْمَالِ، وَالْمَعْرِفَةُ إِذَا أُعِيْدَتْ يُرَادُ بِالثَّانِي عَيْنَ الْأَوَّلِ هُوَ الْمَعْهُوْدُ فِي اللُّغَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کہا میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا فلاں کے لیے میرا ثلث مال ہے اور ورثاء نے اس کی اجازت دے دی تو فلاں کو ثلث مال ملے گا اور سدس اسی ثلث میں داخل ہو جائے گا۔ اور جس شخص نے کہا کہ میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا میرا سدس مال فلاں کے لیے ہے تو اسے ایک سدس ملے گا، کیونکہ مال کی جانب اضافت کے ذریعے سدس کو معرفہ ذکر کرلیا گیا ہے۔ اور معرفہ کا جب اعادہ کیا جاتا ہے تو ثانی سے اوّل کا عین مراد لیا جاتا ہے، یہی لغت میں معہود ہے۔

اللغات:

﴿سدس﴾ چھٹا حصہ۔ ﴿ثلث﴾ تیسرا حصہ، ایک تہائی۔ ﴿معرّف﴾ معرفہ، معہود۔ ﴿أعیدت﴾ دہرایا جائے، لوٹایا جائے۔ ﴿یراد﴾ مراد ہوتا ہے۔

ایک ہی آدمی کے لیے دو وصیتیں کرنے کا ایک طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ میرا سدس مال نعمان کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا کسی اور مجلس میں دوبارہ اس نے کہا کہ میرا ثلث مال نعمان کے لیے ہے تو اب موصی لہ کو صرف ثلث ملے گا۔ اور ثلث وسدس کا مجموعہ یعنی نصف نہیں ملے گا، بلکہ صرف ثلث موصیٰ لہ کو دیا جائے گا اور پہلے والا سدس اسی ثلث میں داخل اور شامل ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میرا سدس مال نعمان کے لیے ہے پھر اسی مجلس میں یا کسی اور مجلس میں کہا کہ میرا سدس مال نعمان کے لیے ہے یعنی دونوں صورتوں میں موصیٰ لہ ایک ہی ہے تو اس صورت میں موصیٰ لہ کو صرف ایک سدس ملے گا اور اسے دو سدس نہیں دیا جائے گا اگر چہ موصی نے یہاں دو مرتبہ اس کا تذکرہ کیا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اپنے مشیر کار سے کہا کہ بھائی فلاں کو ایک ہزار دے دو۔ پھر کچھ دیر یا کچھ دن کے بعد کہا کہ یار تم نے دیا نہیں انھیں، ارے بھائی ایک ہزار دیدو تو یہاں ایک ہی ہزار دیا جائے گا، نہ کہ دو ہزار اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی موصیٰ لہ کو سدس واحد ہی ملے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں سدس معرفہ ہے اس لیے کہ سدس مال کی صفت ہے اور مال یِ متکلم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے لہٰذا سدس بھی معرفہ ہوگا اور معرفہ کا ضابطہ یہ ہے کہ جب اس کو مکرر ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے پہلے کا عین یعنی بعینہٖ پہلا ہی مراد ہوتا ہے، اس لیے گویا موصی نے دوبارہ سدس مالي لفلان کہہ کر پہلے کی تاکید

اور یاد دہانی کی ہے اور پہلے اس نے سدس کی وصیت کی ہے اس لیے موصیٰ لہ کو سدس ہی ملے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِثُلُثِ دَرَاهِمِهٖ أَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهٖ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذٰلِكَ وَبَقِيَ ثُلُثُهٗ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَابَقِيَ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ جَمِيْعُ مَابَقِيَ، وَقَالَ زُفَرُ رَحمۃ اللہ علیہ لَهٗ ثُلُثُ مَابَقِيَ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمْ، وَالْمَالُ الْمُشْتَرَكُ يُتْوٰى مَاتَوِيَ مِنْهُ عَلَى الشِّرْكَةِ، وَيَبْقٰى مَابَقِيَ عَلَيْهَا، وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتِ التَّرِكَةُ أَجْنَاسًا مُخْتَلِفَةً، وَلَنَا أَنَّ فِي الْجِنْسِ الْوَاحِدِ يُمْكِنُ جَمْعُ حَقِّ أَحَدِهِمْ فِي الْوَاحِدِ، وَلِهٰذَا يَجْرِيْ فِيْهِ الْجَبْرُ عَلَى الْقِسْمَةِ وَفِيْهِ جَمْعٌ، وَالْوَصِيَّةُ مُقَدَّمَةٌ فَجَمَعْنَاهَا فِي الْوَاحِدِ الْبَاقِيْ، وَصَارَتِ الدَّرَاهِمُ كَالدِّرْهَمِ، بِخِلَافِ الْأَجْنَاسِ الْمُخْتَلِفَةِ، لِأَنَّهٗ لَايُمْكِنُ الْجَمْعُ فِيْهَا جَبْرًا فَكَذَا تَقْدِيْمًا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے تہائی دراہم کی یا اپنی تہائی بکریوں کی وصیت کی اور اس کے دو ثلث ہلاک ہوگئے اور ایک ثلث باقی رہا اور یہ باقی رہا ثلث موصی کے مابقی ثلث سے نکل جاتا ہے تو موصی لہ کو پورا مابقی ملے گا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے مابقی کا ثلث ملے گا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک ان کے مابین مشترک ہے اور مال مشترک سے جو ہلاک ہوتا ہے وہ شرکت پر ہلاک ہوتا ہے اور جو باقی رہتا ہے وہ بھی شرکت پر باقی رہتا ہے اور یہ ایسا ہوگیا جیسے ترکہ مختلف الاجناس ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جنس واحد میں ان میں سے ہر ایک کے حق کو ایک میں جمع کرنا ممکن ہے، اسی لیے اس میں تقسیم پر جبر ہوسکتا ہے، اور تقسیم میں جمع کرانا ہے۔ اور وصیت مقدم ہے، لہٰذا ہم نے اسے ایک باقی میں جمع کر دیا اور یہ ایسا ہوگیا جیسے دراہم درہم کے مثل۔ برخلاف اجناسِ مختلف کے، کیونکہ ان میں جبراً جمع کرنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا تقدیم کے اعتبار سے بھی جمع ممکن نہیں ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿غنم﴾ بکریاں۔ ﴿یتویٰ﴾ ہلاک ہوتا ہے۔ ﴿توی﴾ ہلاک ہوا۔

ثلث کی وصیت کرنے والے کے دو ثلث مال ضائع ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس دراہم بھی ہیں اور بکریاں بھی ہیں اور ان کے علاوہ اس کے پاس اتنا مال بھی ہے جو دراہم اور بکریوں کا دو ثلث ہے۔ اب اس شخص نے وصیت کی کہ میرے دراہم میں سے یا میری بکریوں میں سے ایک ثلث فلاں شخص کے لیے ہے۔ بعد وصیت یہ ہوا کہ پورے دراہم یا پوری بکریوں میں سے دو ثلث ہلاک ہوگیا اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا مثلاً ۹۰۰ بکریاں تھیں یا نوسو ۹۰۰ دراہم تھے اور ان میں سے دو ثلث یعنی ۶۰۰ ہلاک ہوگئے اور صرف ۳۰۰ کی تعداد رہ گئی اور موصی نے اسی تعداد کی وصیت بھی کی تھی تو ہمارے یہاں یہ پورا ثلث موصیٰ لہ کو دے دیا جائے گا، لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موصیٰ لہ کو مابقی یعنی ۳۰۰/ کا ثلث دیا جائے جو ۱۰۰/ ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی کا پورا مال موصیٰ لہ اور ورثاء کے مابین مشترک ہے اور مال مشترک کے متعلق اصول یہ

ہے کہ اس کی ہلاکت اور بقاء دونوں مشترک ہوتی ہے، لہٰذا جس طرح ہلاکت سے پہلے ۹۰۰ کی مقدار موصیٰ لہ اور ورثاء کے مابین مشترک تھی اور موصی لہ اس میں سے تین ۳۰۰/ کا حق دار تھا، اسی طرح اس مشترک مال سے جو مقدار ہلاک ہوئی ہے اور جو باقی بچی وہ بھی مشترک ہوگئی اور چوں کہ ماقبی کی مقدار ۳۰۰/ ہے لہٰذا یہ مقدار موصیٰ لہ اور ورثاء کے مابین مشترک ہوگی اور اس کا جو ثلث ہوگا یعنی ۱۰۰/ وہ موصیٰ لہ کو دیا جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر میت کا ترکہ اجناسِ مختلفہ ہوتا مثلاً کچھ بکریاں ہوتیں، کچھ اونٹ ہوتے اور کچھ گھوڑے ہوتے اور پھر موصی ان کے ثلث کی وصیت کرتا اور ان میں سے دوثلث ہلاک ہوگیا ہوتا تو اس صورت میں موصی لہ کو ہر جنس میں سے ثلث دیا جاتا، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی اسے ماقبی کا ثلث دیا جائے گا۔

ولنا أن في الخ: یہ ہماری دلیل بھی ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب بھی ہے۔ ہماری دلیل تو اس طرح ہے کہ صورت مسئلہ جنسِ واحد سے متعلق ہے، خواہ وہ بکریاں ہوں یا دراہم ہوں اور جنس واحد میں ایک چیز کے چند شرکاء کو جمع کیا جاسکتا ہے اور اس میں اگر کوئی شریک بٹوارے کی درخواست دے تو اس کی درخواست پر قاضی جبراً تقسیم بھی کرسکتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئلہ میں تمام شرکاء یعنی موصیٰ لہ اور ورثاء ۹۰۰/ دراہم یا بکریوں میں شریک ہیں۔ مگر موصی لہ کا حق اصلاً ثابت ہے اور ورثاء کا حق تابع بن کر ثابت ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی مال اصل اور تابع کے مابین مشترک ہو اور اس میں سے کچھ مال ہلاک ہوجائے تو ہلاک شدہ مقدار کو تابع کی طرف پھیرا جاتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئلہ میں جو دوثلث مال ہلاک ہوا ہے وہ گویا ورثاء کا حصہ ہلاک ہوا ہے اور ماقبی ایک ثلث موصیٰ لہ کا ہے، لہٰذا وہ صحیح سالم اس کے حوالے کردیا جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے موصی دراہم کی جگہ درہم کی وصیت کرتا اور یوں کہتا کہ میں نے فلاں کو ایک درہم دے دیا ہے اور اس کے پاس کل تین درہم ہی تھے تو اس صورت میں اگر دو درہم ہلاک ہوجائیں اور صرف ایک درہم بچے تو وہ پورا درہم موصیٰ لہ کو دے دیا جائے گا اور اس میں کٹوتی نہیں ہوگی کہ اس کا ثلث دیا جائے۔ اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی موصیٰ لہ کو ماقبی پورا ثلث دے دیا جائے گا۔

اس کے برخلاف اجناس مختلفہ کا مسئلہ ہے تو نہ تو ان میں جبر ہوسکتا ہے اور نہ ہی ان میں موصی لہ کو ورثاء پر تقدم حاصل ہوتا ہے، لہٰذا یہاں اصل اور تابع والا مسئلہ جاری نہیں ہوگا اور جو مقدار ہلاک ہوگی وہ مشترک ہلاک ہوگی اور جو باقی بچے گی وہ بھی مشترک ہوگی، اسی لیے اجناسِ مختلفہ کی صورت میں موصیٰ لہ کو ماقبی کا ثلث دیا جائے گا۔

قَالَ وَلَوْ أَوْصٰى بِثُلُثِ ثِيَابِهِ فَهَلَكَ ثُلُثَاهَا وَبَقِيَ ثُلُثُهَا وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَابَقِيَ مِنْ مَالِهِ لَمْ يَسْتَحِقَّ إِلَّا ثُلُثَ مَابَقِيَ مِنَ الثِّيَابِ، قَالُوْا هٰذَا إِذَا كَانَتِ الثِّيَابُ مِنْ أَجْنَاسٍ مُخْتَلِفَةٍ، وَلَوْ كَانَتْ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّرَاهِمِ، وَكَذٰلِكَ الْمَكِيْلُ وَالْمَوْزُوْنُ بِمَنْزِلَتِهَا، لِأَنَّهُ يَجْرِيْ فِيْهِ الْجَمْعُ جَبْرًا بِالْقِسْمَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے تہائی کپڑوں کی وصیت کی اور اس کے دوثلث ہلاک ہوگئے اور ایک ثلث باقی رہ گیا اور یہ ثلث موصی کے ماقبی مال سے خارج ہوجاتا ہے تو موصیٰ لہ ماقبی کپڑوں کے ثلث ہی کا مستحق ہوگا۔ حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے جب کپڑے مختلف الاجناس ہوں اور اگر کپڑے ایک جنس کے ہوں تو وہ دراہم کے درجے میں ہیں، نیز

مکیل وموزون بھی دراہم کے درجے میں ہیں کیونکہ ان میں جبر بالقسمت کے حوالے سے جمع جاری ہے۔

اللغات:

﴿ثیاب﴾ واحد ثوب؛ کپڑا۔ ﴿مکیل﴾ وہ چیز جس کو ماپ کر بیچا خریدا جاتا ہو۔ ﴿یجری﴾ چلتا ہے۔

ثلث کی وصیت کرنے والے کے دوثلث مال ضائع ہوجانے کی صورت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے تہائی کپڑے کی وصیت کی اور کپڑوں کے دوثلث ہلاک اور ضائع ہوگئے اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا، لیکن اس کے علاوہ موصی کے پاس دوسرا بھی مال ہے اور وہ مال باقی بچے کپڑے سے دوگنا زیادہ ہے تو موصیٰ لہ کو کتنا ملے گا؟ اس صورت میں حضرات مشائخ رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کپڑے مختلف الاجناس ہوں تو موصیٰ لہ کو مابقی کپڑوں کا ثلث ملے گا۔ اور اگر کپڑے متحد الجنس ہوں تو یہ دراہم کے درجے میں ہوں گے یعنی اس صورت میں موصیٰ لہ کو پورے کپڑے ملیں گے۔ ایسے ہی اگر مکیلی یا موزونی چیز ہو تو وہ بھی دراہم کے درجے میں ہے یعنی اس صورت میں بھی موصیٰ لہ کو باقی ماندہ پوری چیز ملے گی، کیونکہ جس طرح دراہم وغیرہ میں جبراً تقسیم جائز ہے اور ورثاء اور موصیٰ لہ کے حصص کو جمع کرنا ممکن ہے، اسی طرح مکیلی اور موزونی اشیاء میں بھی جبراً تقسیم جائز ہے اور موصیٰ لہ اور ورثاء کے حصص کو جمع کرنا ممکن ہے۔

وَلَوْ أَوْصٰى بِثُلُثِ ثَلَاثَةٍ مِنْ رَقِيْقِهِ فَمَاتَ اِثْنَانَ لَمْ يَكُنْ لَهُ إِلاَّ ثُلُثُ الْبَاقِيْ، وَكَذَا الدُّوْرُ الْمُخْتَلِفَةُ، وَقِيْلَ هٰذَا عَلٰى قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَحْدَهُ، لِأَنَّهُ لَايَرَى الْجَبْرَ عَلَى الْقِسْمَةِ فِيْهَا، وَقِيْلَ هُوَ قَوْلُ الْكُلِّ، لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لِلْقَاضِيْ أَنْ يَّجْتَهِدَ وَيَجْمَعَ، وَبِدُوْنِ ذٰلِكَ يَتَعَذَّرُ الْجَمْعُ، وَالْأَوَّلُ أَشْبَهُ لِلْفِقْهِ الْمَذْكُوْرِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے اپنے تین غلاموں میں سے ثلث کی وصیت کی اور دو غلام مر گئے تو موصیٰ لہ کے لیے مابقی کا ثلث ہوگا اور یہی حکم مختلف گھروں کا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ صرف امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے قول پر ہے، کیونکہ حضرت الامام غلاموں اور دورِ مختلفہ میں جبر کو روا نہیں سمجھتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سب کا قول ہے، کیونکہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں قاضی کو یہ حق ہے کہ وہ ایسا اجتہاد کرے اور جمع کردے اور بدون اجتہاد جمع متعذر ہے۔ اور پہلا قول فقہ مذکور کے زیادہ مشابہ ہے۔

اللغات:

﴿رقیق﴾ غلام۔ ﴿دور﴾ واحد دار؛ مکانات۔ ﴿یتعذر﴾ مشکل ہوتا ہے۔

ثلث کی وصیت کرنے والے کے دوثلث مال ضائع ہوجانے کی صورت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ سلمان کے تین غلام ہیں اور اس نے ان میں سے ثلث یعنی ایک غلام کی وصیت نعمان کے لیے کردی پھر دو غلام مر گئے یا چند مکانات تھے اور موصی نے کسی کے لیے ان کے ثلث کی وصیت کی اور پھر سب مکان گر گئے اور ثلث کے بقدر مکانات باقی بچے تو ان دونوں صورتوں میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے یہاں موصیٰ لہ کو مابقی کا ثلث ملے گا اور پورا مابقی نہیں ملے گا جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ سے اس سلسلے میں دو قول منقول ہیں (۱) پہلا قول امام صاحب کے موافق ہے یعنی موصیٰ لہ کو ان کے

یہاں بھی ثلث ماقی ملے گا (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اسے پورا ملے گا۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ غلاموں اور مختلف مکانوں کی اجناس مختلف قرار دیتے ہیں اور ان میں جبراً تقسیم کو درست نہیں مانتے۔ اور اجناس مختلفہ کی صورت میں موصیٰ لہ کو ماقی کا ثلث ملتا ہے، لہٰذا ان صورتوں میں بھی موصیٰ لہ کو ماقی کا ثلث ملے گا، اور مختلف فیہ مسئلے میں حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جنسِ واحد ہیں اور جنسِ واحد میں جبراً تقسیم ہوسکتی ہے اور جہاں جبراً تقسیم ہوسکتی ہے، وہاں موصیٰ لہ کو پورا ماقی ملتا ہے۔ اس لیے ان صورتوں میں موصیٰ لہ کو پورا حق ملے گا۔ اور متفق علیہ مسئلے میں ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں قاضی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے ان میں شرکاء کے حصص جمع کردے اور جب تک قاضی اجتہاد نہیں کرے گا اس وقت جمع ممکن نہیں ہوگا بہر حال قاضی کے اجتہاد سے یہاں جمع ممکن ہے لیکن بدون جمع یہ مال ہلاک ہوا ہے، اس لیے یہ ہلاکت اور بقاء دونوں شرکت پر ہوگی اور موصیٰ لہ کو ماقی کا ثلث ہی ملے گا۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں مختلف فیہ مسئلہ ہی زیادہ صحیح اور فقہ کے مشابہ ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ وَلَهُ مَالٌ عَيْنٌ وَدَيْنٌ فَإِنَّ خَرَجَ الْأَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَ إِلَى الْمُوْصٰى لَهُ، لِأَنَّهُ أَمْكَنَ إِيْفَاءُ كُلِّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ مِنْ غَيْرِ بَخْسٍ فَيُصَارُ إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ دُفِعَ إِلَيْهِ ثُلُثُ الْعَيْنِ، وَكُلُّ مَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ أَخَذَ ثُلُثَهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْأَلْفَ، لِأَنَّ الْمُوْصٰى لَهُ شَرِيْكُ الْوَارِثِ وَفِيْ تَخْصِيْصِهِ بِالْعَيْنِ بَخْسٌ فِيْ حَقِّ الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ لِلْعَيْنِ فَضْلًا عَلَى الدَّيْنِ، وَلِأَنَّ الدَّيْنَ لَيْسَ بِمَالٍ فِيْ مُطْلَقِ الْحَالِ، وَإِنَّمَا يَصِيْرُ مَالًا عِنْدَ الْإِسْتِيْفَاءِ فَإِنَّمَا يَعْتَدِلُ النَّظَرُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی شخص کے لیے ایک ہزار درہم کی وصیت کی اور موصی کے پاس نقد مال بھی ہے اور قرض بھی ہے تو اگر الف نقدی ثلث سے نکل جائے تو موصیٰ لہ کو ایک ہزار درہم دیئے جائیں گے، کیونکہ بغیر کمی کے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دینا ہے، لہٰذا اسی کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ اور اگر الف نقدی ثلث سے نہیں نکلتا ہے تو موصیٰ لہ کو نقدی کا ثلث دیا جائے گا اور قرض سے جو مقدار نکلتی رہے موصیٰ لہ اس کا ثلث لیتا رہے یہاں تک الف پورا کرلے، اس لیے کہ موصیٰ لہ وارث کا شریک ہے اور نقدی کے ساتھ اسے خاص کرنے سے ورثاء کے حق میں کمی لازم آئے گی، کیونکہ نقدی کو قرض پر فوقیت حاصل ہے اور اس لیے کہ دین فی الحال مال نہیں ہے وہ تو وصولیابی کے وقت مال ہوتا ہے، لہٰذا نظر اسی صورت میں معتدل ہوگی جو ہم نے بیان کی ہے۔

اللغات:

﴿اوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿الف﴾ ہزار۔ ﴿عین﴾ متعین شے/ نقد مال۔ ﴿دُفِع﴾ دیا جائے گا۔ ﴿موصٰی لہٗ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿إیفاء﴾ ادائیگی۔ ﴿یستوفی﴾ پوری وصولی کرے۔

معین عدد کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے یہ وصیت کی کہ میرے مال میں سے نعیم کو ایک ہزار روپئے دے دیئے جائیں اور نعمان کے پاس اس موصیٰ بہ یعنی الف کے علاوہ بھی کچھ مال ہے جس میں کچھ نقد ہے اور کچھ ادھار ہے اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے پاس نقد کتنا مال ہے؟ اگر نقد مال اتنا ہو کہ موصیٰ بہ یعنی الف اس کا ثلث ہو (اور نقد تین ہزار ہو) تو اس صورت میں موصیٰ بہ کو ایک ہزار نقد دے دیا جائے گا، کیونکہ اس کے علاوہ موصی کے پاس مزید دوگنی رقم ہے، اور کسی کمی کے بغیر اس سے ورثاء کا حق دیا جاسکتا ہے۔ اور اگر موصی کے پاس موصیٰ بہ کے علاوہ نقد رقم زیادہ نہ ہو بلکہ صرف ایک ہی ہزار ہو تو اس صورت میں موصیٰ لہ کو پورا ایک ہزار نہیں دیا جائے گا بل کہ جو رقم نقد موجود ہے اس کا ثلث دیا جائے گا اور باقی ادھار کر دیا جائے گا اور موصیٰ لہ سے یہ کہا جائے گا کہ بھائی جیسے جیسے موصی کی بقایا رقم ملے گی ویسے ویسے تم اس میں سے ثلث لے لے کر اپنا ایک ہزار مکمل کر لینا۔ اس صورت میں موصیٰ لہ کو پورا الف نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ موصیٰ لہ اور ورثاء دونوں میت کے ترکے میں شریک ہیں اور نقد مال چوں کہ ادھار سے افضل اور عمدہ ہوتا ہے، اس لیے اگر پورا نقد مال موصیٰ لہ کو دے دیا جائے تو ورثاء کے ساتھ ظلم وزیادتی ہوگی اور ان کے حق میں کمی لازم آئے گی، لہٰذا ورثاء اور موصیٰ لہ جس طرح استحقاق میں شریک ہیں اسی طرح مال کی وصولیابی میں بھی شریک ہوں گے اور شرکت اسی صورت میں متحقق ہوگی جب موصیٰ لہ کو نقد مال کا ثلث دیا جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهِ فَإِذَا عَمْرٌو مَيِّتٌ فَالثُّلُثُ كُلُّهُ لِزَيْدٍ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْوَصِيَّةِ فَلَايُزَاحِمُ الْحَيَّ الَّذِيْ هُوَ مِنْ أَهْلِهَا كَمَا إِذَا أَوْصٰى لِزَيْدٍ وَجِدَارٍ، وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهُ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِمَوْتِهِ فَلَهُ نِصْفُ الثُّلُثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عِنْدَهُ صَحِيْحَةٌ لِعَمْرٍو فَلَمْ يَرْضَ لِلْحَيِّ إِلَّا نِصْفَ الثُّلُثِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا عَلِمَ بِمَوْتِهِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لِلْمَيِّتِ لَغْوٌ فَكَانَ رَاضِيًا بِكُلِّ الثُّلُثِ لِلْحَيِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے زید اور عمرو کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور عمرو میت ہے تو پورا ثلث زید کے لیے ہے، کیونکہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے لہٰذا میت اس زندہ شخص کا مزاحم نہیں ہوگا جو وصیت کا اہل ہے جیسے کسی نے زید اور دیوار کے لیے وصیت کی ہو۔ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر موصی عمرو کی موت سے واقف نہ ہو تو زید کو ثلث کا نصف ملے گا، کیونکہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عمرو کے لیے وصیت صحیح ہے لہٰذا موصی زندہ کے لیے صرف نصف ثلث پر راضی ہوگا۔ برخلاف اس صورت کے جب موصی عمرو کی موت سے باخبر ہو، کیونکہ میت کے لیے وصیت کرنا بے کار ہے، لہٰذا وہ زندہ (زید) کے لیے پورے ثلث پر راضی ہوگا۔

اللغات:

﴿ثلث﴾ ایک تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿لا یزاحم﴾ مزاحمت نہیں کرے گا، مقابل نہیں ہوگا۔ ﴿حیّ﴾ زندہ۔ ﴿جدار﴾ دیوار۔ ﴿لغو﴾ بے نتیجہ۔

دو آدمیوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے زید اور عمرو دونوں کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی لیکن عمرو مردہ ہے تو اس صورت میں پوری وصیت زید کو ملے گی اور وہی اکیلا پورے ثلث کا مستحق ہوگا، اس لیے کہ میت وصیت قبول کرنے کا اہل نہیں ہے، لہٰذا مرا ہوا شخص اس زندہ شخص کا مزاحم نہیں ہوسکتا جو وصیت قبول کرنے کے قابل ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے زید اور دیوار کے لیے وصیت کی تو ظاہر ہے کہ دیوار میں وصیت قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اس لیے پوری وصیت زید کے لیے ہوگی، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی عمرو چوں کہ مردہ ہے اور اس میں وصیت قبول کرنے کی صلاحیت اور اہلیت نہیں ہے، لہٰذا زید ہی پورے ثلث کا مستحق ہوگا۔

وعن أبی یوسف الخ: حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر موصی کو عمرو کی موت کا علم نہ ہو اور وہ عمرو کے لیے وصیت کردے تو اس صورت میں زید کو صرف ثلث کا نصف ملے گا اور پورا ثلث نہیں ملے گا، اس لیے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عمرو کے لیے وصیت درست ہے لہٰذا وہ زید کو صرف نصف ثلث ہی دینے پر راضی ہوگا اور اسے وہی ملے گا۔

بخلاف الخ: ہاں اگر موصی کو عمرو کی موت کا علم ہو تو اس صورت میں زندہ شخص کو پوری وصیت ملے گی، اس لیے کہ میت کے لیے وصیت کرنا لغو اور بے کار ہے، لہٰذا موصی زندہ شخص کو پوری وصیت دینے پر راضی ہے اس لیے زندہ یعنی زید ہی کو پورا موصیٰ بہ ملے گا۔

وَإِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِيْ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَزَيْدٌ مَيِّتٌ كَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ، لِأَنَّ قَضِيَّةَ هٰذَا اللَّفْظِ أَنْ يَكُوْنَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الثُّلُثِ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ، أَلَا تَرٰى أَنَّ مَنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِيْ لِزَيْدٍ وَسَكَتَ كَانَ لَهُ كُلُّ الثُّلُثِ، وَلَوْ قَالَ ثُلُثُ مَالِيْ بَيْنَ فُلَانٍ وَسَكَتَ لَمْ يَسْتَحِقَّ الثُّلُثَ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے کہا کہ میرا تہائی مال زید اور عمرو کے درمیان ہے اور زید مُردہ ہے تو عمرو کے لیے نصف ثلث ہوگا، اس لیے کہ اس جملے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے نصف ثلث ہو۔ بخلاف پہلے مسئلے کے۔ کیا دیکھتے نہیں جس شخص نے کہا میرا تہائی مال زید کے لیے ہے اور وہ خاموش ہوگیا تو زید کے لیے پورا ثلث ہوگا۔ اور اگر یوں کہا میرا ثلث مال فلاں کے درمیان ہے اور خاموش ہوگیا تو فلاں مستحق ثلث نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿بین﴾ درمیان۔ ﴿قضیة﴾ تقاضا۔ ﴿سکت﴾ خاموش ہوگیا۔

دو آدمیوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے یوں کہا ثلث مالي بین زید وعمرو کہ میرا ثلث مال زید اور عمرو کے درمیان ہے یعنی لزید وعمرو کے بجائے بین زید وعمرو کہا اور عمرو مردہ ہے تو اس صورت میں زید کو ثلث کا نصف ملے گا اور پورا ثلث نہیں

ملے گا، کیونکہ لفظ بین شرکت کا متقاضی ہے اور شرکت اسی صورت میں متحقق ہوگی جب زید زندہ کو ثلث کا نصف ملے۔ اس کے برخلاف پہلی صورت میں یعنی جب موصی نے لزید و عمرو کہا ہو تو وہاں ل صرف استحقاق پر دلالت کرتا ہے، شرکت پر دلالت نہیں کرتا، لہٰذا اس صورت میں عمرو کے نہ ہونے پر زید پورے ثلث کا مستحق ہوگا لیکن صورت مسئلہ میں زید کو نصف ثلث پر ہی اکتفاء کرنا پڑے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر کسی نے کہا ثلث مالي لزید اور خاموش ہوگیا تو زید پورے ثلث کا مستحق ہوگا اور اگر کہا ثلث مالي بین زید اور خاموش ہوگیا تو زید پورے ثلث کا مستحق نہیں ہوگا، کیونکہ لفظ بین استحقاق مع الشرکت پر دلالت کرتا ہے جب کہ ل صرف استحقاق پر دال ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَا مَالَ لَهٗ وَاكْتَسَبَ مَالًا اِسْتَحَقَّ الْمُوْصٰى لَهٗ ثُلُثَ مَايَمْلِكُهٗ عِنْدَ الْمَوْتِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ عَقْدُ اِسْتِخْلَافٍ مُضَافٌ إِلٰى مَابَعْدَ الْمَوْتِ وَيَثْبُتُ حُكْمُهٗ بَعْدَهٗ فَيُشْتَرَطُ وُجُوْدُ الْمَالِ عِنْدَ الْمَوْتِ، لَاقَبْلَهٗ، وَكَذَا إِذَا كَانَ لَهٗ مَالٌ فَهَلَكَ ثُمَّ اكْتَسَبَ مَالًا لِمَا بَيَّنَّا.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور اس کے مال نہیں ہے پھر اس نے مال کمایا تو موصی لہ اس مال کے ثلث کا مالک ہوگا جس کا بوقت موت موصی مالک ہے، کیونکہ وصیت عقد استخلاف ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہے اور موت کے بعد اس عقد کا حکم ثابت ہوتا ہے، لہٰذا بوقت موت مال کا موجود ہونا شرط ہے نہ کہ اس سے پہلے، ایسے ہی اگر موصی کے پاس مال ہو پھر وہ ہلاک ہو جائے اور موصی دوبارہ مال حاصل کرے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿اکتسب﴾ کما لیا۔ ﴿موصٰی له﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی۔ ﴿استخلاف﴾ خلیفہ بنانا، نائب/ قائم مقام بنانا۔

وصیت کے وقت فقیر کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی لیکن اس وقت اس کے پاس مال نہیں تھا پھر بعد میں اس نے مال کمایا تو موصی کی موت کے وقت اس کے پاس جتنا مال ہوگا اس پورے مال کا ثلث موصی لہ کو ملے گا اور بوقتِ وصیت موصی کے پاس مال نہ ہونے سے صحتِ وصیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ وصیت عقدِ استخلاف ہے جو مابعد الموت والی حالت کی طرف مضاف ہے اور اس کا حکم بھی موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، لہٰذا بوقت موت اگر موصی کے پاس مال ہوگا تو اس کی وصیت صحیح ہے، ورنہ نہیں۔

و کذلك الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس مال موجود ہے اور اس نے اس مال میں سے کسی کے لیے ثلث کی وصیت کی پھر وہ مال ہلاک ہوگیا، لیکن مرنے سے پہلے موصی نے مال کما لیا تو اس صورت میں بھی اس کی وصیت درست اور جائز ہے، کیونکہ صحتِ وصیت کے لیے بوقتِ موت موصی کے پاس مال موجود ہونا شرط ہے اور یہاں موت کے وقت اس کے پاس مال ہے لہٰذا اس کی وصیت بھی درست ہے۔

وَلَوْ أَوْصٰی بِثُلُثِ غَنَمِهٖ فَهَلَكَ الْغَنَمُ قَبْلَ مَوْتِهٖ أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ غَنَمٌ فِي الْأَصْلِ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهٗ إِيْجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُعْتَبَرُ قِيَامُهٗ حِيْنَئِذٍ، وَهٰذِهِ الْوَصِيَّةُ تَعَلَّقَتْ بِالْعَيْنِ فَتَبْطُلُ بِفَوَاتِهَا عِنْدَ الْمَوْتِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ غَنَمٌ فَاسْتَفَادَهٗ ثُمَّ مَاتَ فَالصَّحِيْحُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَصِحُّ، لِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ بِلَفْظِ الْمَالِ تَصِحُّ فَكَذَا إِذَا كَانَتْ بِاسْمِ نَوْعِهٖ، وَهٰذَا لِأَنَّ وُجُوْدَهٗ قَبْلَ الْمَوْتِ فَضْلٌ وَالْمُعْتَبَرُ قِيَامُهٗ عِنْدَ الْمَوْتِ.

ترجمه: اور اگر موصی نے کسی کے لیے اپنی ثلث بکریوں کی وصیت کی اور اس کی موت سے پہلے بکریاں ہلاک ہوگئیں یا اصل میں موصی کے پاس بکریاں نہیں تھیں تو وصیت باطل ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، کہ یہ موت کے بعد ایجاب ہے، لہٰذا بوقتِ موت غنم کا موجود ہونا شرط ہے۔ اور یہ وصیت عین کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا بوقت موت عین کے فوت ہونے سے وصیت باطل ہوجائے گی۔ اور اگر موصی کے پاس غنم نہ ہوں پھر موصی نے غنم حاصل کرلیا اس کے بعد وہ مرگیا تو صحیح یہ ہے کہ وصیت درست ہے، کیوں کہ اگر لفظِ مال سے وصیت ہوتی تو صحیح ہوتی، لہٰذا جب مال کی ایک نوع کے نام سے ہے تو بھی وصیت درست ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ موت سے پہلے موصیٰ بہ کا وجود فضل ہے اور بوقتِ موت موصیٰ بہ کا وجود معتبر ہے۔

اللغات:

﴿غنم﴾ بکریاں۔ ﴿إیجاب﴾ ثابت کرنا۔ ﴿فوات﴾ فوت ہوجانا۔ ﴿استفاد﴾ حاصل کرلیا۔

ثلث کی وصیت کرنے والے کا مال ضائع ہوجانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی تہائی بکریوں کی وصیت کی اور موصی کی موت سے پہلے بکریاں ہلاک ہوگئیں یا بوقتِ وصیت بھی اس کے پاس بکریاں نہیں تھیں اور بوقت موت بھی یعنی اس کے پاس کبھی بکریاں تھیں ہی نہیں تو اس کی وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ صحتِ وصیت کے لیے بوقت موت مال اور موصیٰ بہ کا ہونا شرط ہے اور یہاں دونوں صورتوں میں موصیٰ بہ معدوم ہے اس لیے وصیت درست نہیں ہے۔ اور پھر یہاں موصیٰ بہ عین یعنی غنم ہے اور بوقت موت وہ عین معدوم اور مفقود ہے حالانکہ صحتِ وصیت کے لیے بوقتِ موت عین کا قیام اور وجود ضروری ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی یہاں وصیت باطل ہے۔

وإن لم یکن له غنم فاستفاده الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ بوقت وصیت موصی کے پاس موصیٰ بہ یعنی غنم نہیں ہے، لیکن بوقتِ موت اس کے پاس مال موجود ہے تو اس صورت میں وصیت درست اور جائز ہے، کیونکہ اگر لفظ مال کی وصیت ہوتی تو بوقتِ موت مال موجود ہونے کی صورت میں وصیت درست ہوتی اور غنم مال کی ایک نوع اور قسم ہے، لہٰذا اگر بوقت موت مال کی یہ قسم موجود ہو تو اس کی وصیت بھی درست ہے، کیونکہ موت سے پہلے مال کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اور موت کے وقت اس کا ہونا ضروری ہے۔

وَلَوْ قَالَ لَهٗ شَاةٌ مِنْ مَالِيْ وَلَيْسَ لَهٗ غَنَمٌ يُعْطٰى قِيْمَةُ شَاةٍ، لِأَنَّهٗ لَمَّا أَضَافَهٗ إِلَى الْمَالِ عَلِمْنَا أَنَّ مُرَادَهُ الْوَصِيَّةُ بِمَالِيَّةِ الشَّاةِ، إِذْ مَالِيَّتُهَا تُوْجَدُ فِيْ مُطْلَقِ الْمَالِ، وَلَوْ أَوْصٰی بِشَاةٍ وَلَمْ يُضِفْهُ إِلٰى مَالِهٖ وَلَا غَنَمَ لَهٗ قِيْلَ لَا يَصِحُّ،

لِأَنَّ الْمُصَحِّحَ إِضَافَتُهُ إِلَى الْمَالِ وَبِدُوْنِهَا تُعْتَبَرُ صُوْرَةُ الشَّاةِ وَمَعْنَاهَا، وَقِيْلَ تَصِحُّ، لِأَنَّهُ لَمَّا ذَكَرَ الشَّاةَ وَلَيْسَ فِيْ مِلْكِهِ شَاةٌ عُلِمَ أَنَّ مُرَادَهُ الْمَالِيَّةُ.

ترجمه: اور اگر موصی نے کہا کہ موصیٰ لہ کے لیے میرے مال سے ایک بکری ہے حالانکہ اس کے پاس بکریاں نہیں ہیں تو موصیٰ لہ کو ایک بکری کی قیمت دی جائے گی، کیونکہ جب موصی نے موصیٰ بہ کی اضافت مال کی طرف کر دی تو ہم نے جان لیا کہ اس کی مراد بکری کی مالیت ہے، اس لیے کہ اس کی مالیت مطلق مال میں پائی جاتی ہے۔

اور اگر اس نے صرف شاۃ کی وصیت کی اور اپنے مال کی طرف اسے منسوب نہیں کیا اور اس کے پاس غنم نہ ہوں تو ایک قول یہ ہے کہ وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ صحیح کرنے والی چیز مال کی طرف موصیٰ بہ کی اضافت ہے اور بدون اضافت شاۃ کی صورت اور اس کے معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وصیت صحیح ہے، اس لیے کہ جب موصی نے شاۃ کا ذکر کیا ہے اور اس کی ملکیت شاۃ نہیں ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ اس کی مراد مالیت ہے۔

اللغات:

﴿شاة﴾ بکری۔ ﴿غنم﴾ بکری۔ ﴿مصحّح﴾ درست کرنے والا۔

''ایک بکری'' کی وصیت کرنا:

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

❶ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے کہا فلاں کے لیے ''میرے مال'' سے ایک بکری ہے، حالانکہ اس کے پاس ایک بھی بکری نہیں ہے تو اس کی وصیت درست ہے اور موصیٰ لہ کو اس کے مال سے ایک بکری کی قیمت دی جائے گی، اس لیے کہ اس کے یہاں موصی نے موصیٰ بہ کو متعین کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مال کی طرف اس کی اضافت کر دی ہے اور یہ اضافت یہ بتا رہی ہے کہ موصی کا مقصد بکری کی مالیت دینا ہے اور مالیت ہر قسم کے مال میں موجود ہے، لہٰذا یہاں موصیٰ لہ ایک بکری کی مالیت کا مستحق ہوگا۔

❷ دوسرا مسئلہ اس کے برعکس ہے یعنی اس میں موصی نے صرف شاۃ کی وصیت کرتے ہوئے یوں کہا لہ شاۃ یا أوصي لفلان بشاۃ اور من مالي وغیرہ کہہ کر مال کی طرف اس کی اضافت نہیں کی۔

تو اس سلسلے میں وصیت کے متعلق حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے دو قول ہیں:

❶ پہلا قول یہ ہے کہ وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ صحتِ وصیت کے لیے شاۃ اور موصیٰ بہ کو مال کی طرف منسوب کرنا ضروری تھا اور یہ نسبت یہاں معدوم ہے تو گویا موصیٰ بہ عین شاۃ ہے اور وہ مفقود ہے، اس لیے وصیت باطل ہے۔

❷ دوسرا قول یہ ہے کہ وصیت صحیح ہے، اس لیے کہ جب موصی نے شاۃ ذکر کی ہے اور اس کے پاس شاۃ کا نام و نشان بھی نہیں ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ وہ شاۃ کی مالیت کی وصیت کرنا چاہتا ہے اور مالیت ہر مال میں مل سکتی ہے اس لیے ماقبل والے مسئلے کی طرح یہاں بھی وصیت درست ہے۔

وَلَوْ قَالَ شَاةٌ مِنْ غَنَمِيْ وَلَاغَنَمَ لَهُ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَضَافَهُ إِلَى الْغَنَمِ عَلِمْنَا أَنَّ مُرَادَهُ عَيْنُ الشَّاةِ حَيْثُ جَعَلَهَا جُزْءًا مِنَ الْغَنَمِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَضَافَهَا إِلَى الْمَالِ، وَعَلٰى هٰذَا يُخَرَّجُ كَثِيْرٌ مِنَ الْمَسَائِلِ.

ترجمه: اور اگر موصی نے کہا میری بکریوں میں ایک بکری (فلاں کے لیے ہے) اور اس کے پاس بکریاں نہ ہوتو وصیت باطل ہے، کیونکہ جب موصی نے موصیٰ بہ کوغنم کی طرف منسوب کردیا تو ہم نے جان لیا کہ اس کی مراد عین شاۃ ہے اس لیے کہ موصی نے اسے غنم کا ایک جزء قرار دیا ہے، برخلاف اس صورت کے جب اس نے مال کی طرف اضافت کی ہو۔ اور اس اصل پر بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔

اللغاتُ:

﴿عين﴾ متعین۔ ﴿یخرّج﴾ تخریج کی جاتی ہے۔

''ایک بکری'' کی وصیت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے کہا له شاة من غنمي کہ فلاں کے لیے میری بکریوں میں سے ایک بکری ہے حالانکہ اس کے پاس ایک بھی بکری نہیں ہے تو وصیت باطل ہے، کیونکہ موصی نے یہاں موصیٰ بہ کوغنم کی طرف منسوب کیا ہے اور غنم معدوم ہے اور غنم کی طرف مالیت کی اور عین شاۃ مفقود ہے لہٰذا وصیت بھی مفقود اور معدوم ہوگی۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس اصل پر بہت سے مسائل کی تخریج ہوسکتی ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِثُلُثِ مَالِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَهُنَّ ثَلَاثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ فَلَهُنَّ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ مِنْ خَمْسَةِ أَسْهُمٍ، قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ أَنَّهُ يُقْسَمُ عَلٰى سَبْعَةِ أَسْهُمٍ لَهُنَّ ثَلَاثَةٌ وَلِكُلِّ فَرِيْقٍ سَهْمَانِ، وَأَصْلُهُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ لِأُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ جَائِزَةٌ، وَالْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاكِيْنَ جِنْسَانِ وَفَسَّرْنَاهُمَا فِي الزَّكٰوةِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی امہات اولاد کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور وہ تین ہیں اور فقراء ومساکین کے لیے وصیت کی تو امہات کے لیے پانچ حصوں میں سے تین حصے ہوں گے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرات شیخینؒ کے یہاں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ثلث سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا امہات کو تین حصے ملیں گے اور ہر فریق کو دو دو حصے ملیں گے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ امہات اولاد کے لیے وصیت جائز ہے۔ اور فقراء ومساکین دو جنس ہیں اور کتاب الزکوۃ میں ہم ان کی وضاحت کر چکے ہیں۔

اللغاتُ:

﴿أسهم﴾ واحد سهم؛ حصے۔ ﴿فسرنا﴾ ہم نے وضاحت کی ہے۔

امہات اولاد اور فقراء مساکین کے لیے وصیت کا ایک مخصوص طریقہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی تین ام ولد ہوں اور وہ یوں وصیت کرے کہ میرے مال کا تہائی حصہ امہات اولاد اور فقراء ومساکین کے لیے ہے تو اس صورت میں حضرات شیخینؒ کے یہاں ثلث کے کل پانچ حصے کیے جائیں گے، جن میں سے تین حصے امہات اولاد کے لیے ہوں گے اور دو حصے فقراء ومساکین کے ہوں گے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ثلث کو سات حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے ۳/ حصے امہات اولاد کے لیے ہوں گے اور فقراء ومساکین میں سے ہر ایک کو دو دو حصے دیئے جائیں گے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ امہات اولاد کے لیے وصیت جائز ہے حالانکہ قیاس ان کے لیے جواز وصیت کا منکر ہے، اس لیے کہ وصیت مابعد الموت کی طرف مضاف ہوتی ہے اور یہ حالت ام ولد میں عتق حلول کرنے کی ہوتی ہے اور اسی حالت میں اس کے لیے وصیت بھی ثابت ہوتی ہے تو ثبوت وصیت کے وقت ایک درجے میں وہ باندی رہتی ہے اور باندی کے لیے وصیت باطل ہے، اس لیے قیاساً ام ولد کے لیے وصیت باطل ہے مگر استحساناً اسے جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ وہ عتق کے بعد مستحق وصیت ہوگی نہ کہ حلولِ عتق کے وقت، اس لیے کہ جب مولیٰ اس کے لیے وصیت کر رہا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ وہ صحیح وصیت کر رہا ہے، لہٰذا اس کے کلام کو حتی الامکان صحت اور درستگی پر محمول کیا جائے گا اور استحساناً اس کی وصیت ام ولد کے حق میں جائز ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ فقراء اور مساکین دونوں الگ الگ دو جنسیں ہیں، اسی لیے ان کے حصے بھی الگ الگ لگائے گئے ہیں، جیسا کہ کتاب الزکوۃ میں ان پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

لِمُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ أَنَّ الْمَذْكُوْرَ لَفْظُ الْجَمْعِ وَأَدْنَاهُ فِي الْمِيْرَاثِ اِثْنَانِ نَجِدُ ذٰلِكَ فِي الْقُرْاٰنِ فَكَانَ مِنْ كُلِّ فَرِيْقٍ اِثْنَانِ، وَأُمَّهَاتُ الْأَوْلَادِ ثَلٰثٌ فَلِهٰذَا يُقَسَّمُ عَلٰى سَبْعَةٍ، وَلَهُمَا اَنَّ الْجَمْعَ الْمُحَلّٰى بِالْأَلْفِ وَاللَّامِ يُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ الْأَدْنٰى مَعَ اِحْتِمَالِ الْكُلِّ لَاسِيَّمَا عِنْدَ تَعَذُّرِ صَرْفِهٖ إِلَى الْكُلِّ فَيُعْتَبَرُ مِنْ كُلِّ فَرِيْقٍ وَاحِدٌ فَبَلَغَ الْحِسَابُ خَمْسَةً وَالثَّلَاثَةُ لِلثُّلُثِ.

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ جمع مذکور ہے اور میراث میں جمع کا ادنی دو ہے جسے ہم قرآن کریم میں پاتے ہیں، لہٰذا ہر فریق میں سے دو دو ہوں گے اور امہات اولاد میں تین ہیں، اسی لیے ثلث سات پر تقسیم کیا جائے گا۔ حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ جمع جو الف لام کے ساتھ ہو اس سے جنس مراد ہوتی ہے اور وہ کل کے احتمال کے ساتھ ادنی کو شامل ہوتی ہے خاص کر اس وقت جب اسے کل کی طرف پھیرنا متعذر ہو لہٰذا ہر فریق سے ایک کا اعتبار کیا جائے گا اور پانچ تک حساب پہنچے گا اور تین امہات کے لیے تین حصے ہوں گے۔

اللغات:

﴿أدناہ﴾ اس کا کم ترین۔ ﴿نجد﴾ ہمیں ملتا ہے۔ ﴿یقسّم﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿محلّٰی﴾ لگا ہوا، مزین، جڑا ہوا۔ ﴿یتناول﴾ مشتمل ہوتا ہے۔ ﴿لا سیّما﴾ خاص طور پر۔ ﴿صرف﴾ پھیرنا۔

ائمہ کے دلائل:

یہاں سے حضرات ائمہ کی دلیل بیان کی گئی ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں موصی نے فقراء اور مساکین کو لفظ جمع کے ساتھ بیان کیا ہے اور میراث میں جمع کا اقل فرد دو ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فإن کان له إخوة فلأمه السدس میں بھی إخوة سے کم از کم دو مراد ہے، لہٰذا فقراء اور مساکین دونوں جنس کے دو دو فریق ہوں گے جن کا مجموعہ چار ہوگا اور تین امہات اولاد ہیں تو کل ملا کر سات حصے ہوئے، اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ثلث کو سات پر تقسیم کیا ہے۔

حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے الفقراء والمساکین دونوں کو الف لام کے ساتھ جمع ذکر کیا ہے اور اس جمع سے جنس مراد ہوتی ہے، لہٰذا فقراء ومساکین سے ان کی جنس مراد ہوگی اور یہ جنس احتمال کل کے ساتھ ادنی کو شامل ہوگی، لیکن چوں کہ یہاں کل کی طرف جمع کو پھیرنا اور تمام فقراء ومساکین کو وصیت میں سے حصہ دینا ناممکن اور دشوار ہے، اس لیے فقراء ومساکین سے ادنی یعنی واحد مراد لیا جائے گا اور دونوں کے دو حصے ہوں گے اور امہات اولاد بھی تین ہیں، لہٰذا کل ملا کر پانچ حصے ہوں گے اور ثلث کی تقسیم پانچ سے ہوگی۔

قَالَ وَلَوْ أَوْصَى بِثُلُثِهِ لِفُلَانٍ وَلِلْمَسَاكِيْنِ فَنِصْفُهُ لِفُلَانٍ وَنِصْفُهُ لِلْمَسَاكِيْنِ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ ثُلُثُهُ لِفُلَانٍ وَثُلُثَاهُ لِلْمَسَاكِيْنِ، وَلَوْ أَوْصَى لِلْمَسَاكِيْنِ لَهُ صَرْفُهُ إِلَى مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَهُ لَايَصْرِفُ إِلَّا إِلَى مِسْكِيْنَيْنِ بِنَاءً عَلَى مَابَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے فلاں کے لیے اور مساکین کے لیے ثلث مال کی وصیت کی تو حضرات شیخینؒ کے یہاں اس کا نصف فلاں کے لیے ہوگا اور اس کا نصف مساکین کے لیے ہوگا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا ثلث فلاں کے لیے ہوگا اور دو ثلث مساکین کے لیے ہوں گے۔ اور اگر موصی نے مساکین کے لیے ثلث کی وصیت کی تو حضرات شیخینؒ کے یہاں موصی کو ایک ہی مسکین پر صرف کرنے کا حق ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اسے دو مسکینوں پر صرف کرنا ضروری ہوگا اس قاعدے کے مطابق جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿نصف﴾ آدھا۔ ﴿صرف﴾ خرچ کرنا، پھیرنا۔ ﴿لایصرف﴾ نہ خرچ کرے، مت پھیرے۔

ایک سے زیادہ لوگوں کے لیے وصیت کرنے کی ایک مخصوص صورت:

یہ مسئلہ حضرات شیخین اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے سابقہ اختلاف پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے فلاں کے لیے اور مساکین کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں اس ثلث کے دو حصے ہوں گے، ایک فلاں کو ملے گا اور دوسرا مساکین کو، کیونکہ ان کے یہاں مساکین فریق واحد کی طرح ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مساکین دو فریق ہیں، اس لیے ان کے نزدیک ثلث کے تین حصے ہوں گے اور ایک حصہ فلاں کو ملے گا اور دو حصے مساکین کو دیئے جائیں گے۔

ولو أوصیٰ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی نے صرف مساکین کے لیے ثلث مال کی وصیت کی تو حضرات شیخینؒ کے یہاں مساکین چوں کہ ایک فریق کے درجے میں ہیں، اس لیے ان کے یہاں موصی پورا مال ایک ہی مسکین کو دے سکتا ہے، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مساکین کا اقل فرد دو ہے لہٰذا موصی کے لیے کم از کم دو مسکینوں کو وہ مال دینا ضروری ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰی لِرَجُلٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَ لِاٰخَرَ بِمِائَةٍ ثُمَّ قَالَ لِاٰخَرَ قَدْ أَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا فَلَهٗ ثُلُثُ كُلِّ مِائَةٍ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰی لِرَجُلٍ بِأَرْبَعِ مِائَةٍ وَ لِاٰخَرَ بِمِائَتَيْنِ ثُمَّ كَانَ الْإِشْرَاكُ، لِأَنَّهٗ لَايُمْكِنُ تَحْقِيقُ الْمُسَاوَاةِ بَيْنَ الْكُلِّ لِتَفَاوُتِ الْمَالَيْنِ فَحَمَلْنَاهُ عَلٰی مُسَاوَاتِهٖ كُلَّ وَاحِدٍ بِتَنْصِيفِ نَصِيبِهٖ عَمَلًا بِاللَّفْظِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی کے لیے سو درہم کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے بھی سو درہم کی وصیت کی پھر تیسرے سے کہا میں نے ان دونوں کے ساتھ تمہیں شریک کر دیا تو اس تیسرے کو ہر سو کا ثلث ملے گا۔ اس لیے کہ شرکت لغوی اعتبار سے مساوات کے لیے ہے اور ان تینوں کے مابین مساوات کو ثابت کرنا ممکن بھی ہے اس طریقے پر جو ہم بیان کر چکے ہیں، کیونکہ مال ایک ہے اور ان میں سے ہر ایک کو سو کا دو ثلث ملے گا۔

برخلاف اس صورت کے جب کسی نے ایک شخص کے لیے چار سو کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے دو سو کی وصیت کی پھر شرکت کرنا ہوا، کیونکہ دونوں مالوں کے متفاوت ہونے کی وجہ سے سب کے درمیان مساوات ثابت کرنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا ہم نے اسے تیسرے شخص کی مساوات پر محمول کیا ہر ایک سے اس کے حصے کی تنصیف کر کے تاکہ بقدر امکان لفظ پر عمل ہو جائے۔

اللغات:

﴿مائة﴾ ایک سو، یک صد۔ ﴿أشرکت﴾ میں نے شریک کر دیا۔ ﴿مساواۃ﴾ برابری۔ ﴿تفاوت﴾ فرق، امتیاز۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔

ایک سے زیادہ لوگوں کے لیے وصیت کرنے کی ایک مخصوص صورت:

عبارت میں دو مسئلے ہیں:

(۱) نعمان نے سلیم کے لیے سو روپے کی وصیت کی، پھر سلمان کے لیے بھی سو روپے کی وصیت کی، اس کے بعد سعد سے کہا کہ میں نے سلیم اور سلمان کے ساتھ وصیت میں تمہیں شریک کر دیا ہے تو اس صورت میں یہ تینوں دو سو روپے میں شریک ہوں گے اور سب کو ۶۶/۶۶/۶۶ روپے ملیں گے، کیونکہ شرکت کا لغوی معنی مساوات ہے اور مال بھی متحد ہے یعنی دونوں موصیٰ لہ کے لیے سو سو روپے کی وصیت کی گئی ہے، اس لیے اس مقدار میں تینوں لوگ برابر شریک ہو جائیں گے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے سلیم کے لیے چار سو کی وصیت کی اور سلمان کے لیے دو سو کی وصیت کی پھر سعد سے کہا کہ تم ان دونوں کے ساتھ وصیت میں شریک ہو تو یہاں تینوں کے درمیان برابری نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ سلیم اور سلمان کے لیے موصی نے جس مقدار کی وصیت کی ہے وہ ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، لہٰذا اس صورت میں شریک کی مساوات پر عمل ہوگا اور اسے دونوں

موصیٰ لہ کے حصوں سے نصف نصف دیا جائے گا، چنانچہ موصیٰ لہ بالأ ربع سے وہ دوسو لے گا تا کہ اس کے ساتھ شرکت اور مساوات ہوجائے اور موصیٰ لہ بمائتین سے وہ سو لے گا تا کہ اس کے ساتھ بھی مساوات اور شرکت ہوجائے اور لفظ أشر کتك پر بقدر امکان عمل بھی ہوجائے۔

قَالَ وَمَنْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ دَيْنٌ فَصَدِّقُوْهُ مَعْنَاهُ قَالَ ذٰلِكَ لِوَرَثَتِهٖ فَإِنَّهٗ يُصَدَّقُ إِلَى الثُّلُثِ، وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ، وَفِي الْقِيَاسِ لَايُصَدَّقُ، لِأَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْمَجْهُوْلِ وَإِنْ كَانَ صَحِيْحًا، لٰكِنَّهٗ لَايُحْكَمُ بِهٖ إِلَّا بِالْبَيَانِ، وَقَوْلُهٗ فَصَدِّقُوْهُ صَدَرَ مُخَالِفًا لِلشَّرْعِ، لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ لَايُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ فَتَعَذَّرَ إِثْبَاتُهٗ إِقْرَارًا مُطْلَقًا فَلَايُعْتَبَرُ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّا نَعْلَمُ أَنَّ مِنْ قَصْدِهٖ تَقْدِيْمَهٗ عَلَى الْوَرَثَةِ وَقَدْ أَمْكَنَ تَنْفِيْذُ قَصْدِهٖ بِطَرِيْقِ الْوَصِيَّةِ وَقَدْ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مَنْ يَعْلَمُ بِأَصْلِ الْحَقِّ عَلَيْهِ دُوْنَ مِقْدَارِهٖ سَعْيًا مِنْهُ فِي تَفْرِيْغِ ذِمَّتِهٖ فَيَجْعَلُهَا وَصِيَّةً جُعِلَ التَّقْدِيْرُ فِيْهَا إِلَى الْمُوْصٰى لَهٗ كَأَنَّهٗ قَالَ إِذَا جَاءَكُمْ فُلَانٌ وَادَّعٰى شَيْئًا فَأَعْطُوْهُ مِنْ مَّالِيْ مَاشَاءَ، وَهٰذِهٖ مُعْتَبَرَةٌ مِنَ الثُّلُثِ فَلِهٰذَا يُصَدَّقُ عَلَى الثُّلُثِ دُوْنَ الزِّيَادَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کہا فلاں کا مجھ پر قرض ہے، لہٰذا تم اس کی تصدیق کر لینا اس کے معنی ہیں موصی نے اپنے ورثاء سے کہا تو ثلث تک اس کی تصدیق کی جائے گی اور یہ استحسان ہے اور قیاساً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ مجہول چیز کا اقرار اگر چہ صحیح ہے، لیکن بیان کے بغیر اس پر حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اور ماتن کا قول ''فصدقوہ'' شریعت کے مخالف صادر ہوا ہے، کیونکہ حجت کے بغیر مدعی کی تصدیق نہیں کی جاتی، لہذا اقرار مطلق کے طریقے پر اس کا اثبات متعذر ہے، اس لیے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا ارادہ مدعی کو ورثاء پر مقدم کرنے کا ہے اور بطریقِ وصیت اس کے ارادے کو عملی جامہ پہنانا ممکن بھی ہے اور کبھی وہ شخص اس اقرار کا ضرورت مند ہوتا ہے جو اپنے اوپر اصل حق سے واقف ہوتا ہے، لیکن اس کی مقدار نہیں جانتا اور وہ شخص اپنا ذمہ فارغ کرنے کے لیے اس کی کوشش کرتا ہے اس لیے وہ اسے ایسی وصیت قرار دے دیتا ہے جس میں مقدار بیان کرنا موصیٰ لہ کے سپرد ہوتا ہے گویا موصی نے یوں کہا جب فلاں شخص تمہارے پاس آئے اور کسی چیز کی تصدیق کرے تو اسے میرے مال سے اتنا دے دینا جتنا وہ چاہے۔ اور یہ وصیت ثلث تک معتبر ہوتی ہے لہٰذا ثلث پر مدعی کی تصدیق کی جائے گی نہ کہ زیادتی پر۔

اللغات:

﴿دین﴾ قرض۔ ﴿صدقوہ﴾ تم سب اُس کی تصدیق کرنا۔ ﴿یصدق﴾ تصدیق کی جائے گی۔ ﴿صدر﴾ صادر ہوا ہے۔ ﴿حجة﴾ دلیل، ثبوت۔ ﴿قصد﴾ ارادہ۔ ﴿تقدیم﴾ آگے کرنا، بڑھانا۔ ﴿تنفیذ﴾ پورا کرنا، نافذ کرنا۔ ﴿سعی﴾ کوشش۔

﴿تفریغ﴾ فارغ کرنا۔ ﴿موصٰی له﴾ جس کے لیے وصیت کی جائے۔ ﴿ادّعٰی﴾ دعویٰ کرے۔

میت کا اقرار مجہول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے ورثاء سے کہا کہ دیکھو فلاں کا میرے اوپر قرض ہے لہٰذا جب وہ تم لوگوں کے پاس آئے اور قرض کا مطالبہ کرے تو جو مقدار وہ بتائے تم اسے تسلیم کر کے دے دینا۔ اب اگر وہ فلاں آ کر ورثاء سے اپنے دین کا مطالبہ کرتا ہے تو قیاساً اس کی بات نہیں مانی جائے گی اور دو طمانچہ مار کر بھگا دیا جائے گا، لیکن استحساناً تہائی مال تک اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔ قیاس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں قرض اور رقم کی مقدار نہیں بیان کی گئی ہے، اس لیے یہ مجہول ہے اور مجہول کا اقرار اگر چہ صحیح ہے لیکن مجہول کی وضاحت کے بغیر اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا اور صورت مسئلہ میں موصی وضاحت اور تفصیل کے بغیر مر چکا ہے، اس لیے یہ اقرار مجہول ہی باقی رہا لہٰذا اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا۔

وقوله فصدقوه الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متن میں **فصدقوه** سے ورثاء کو جو تصدیق کرنے کا پابند بنایا گیا ہے وہ شریعت کے خلاف ہے، کیونکہ حجت اور دلیل کے بغیر کسی مدعی کی تصدیق نہیں کی جاتی اور یہاں حجت معدوم ہے، لہٰذا اقرار مطلق کے طور پر مذکورہ مدعی کی تصدیق متعذر ہے، اس لیے نہ تو اس کے اقرار کا اعتبار ہوگا اور نہ ہی اس کی تصدیق معتبر ہوگی۔

وجه الاستحسان الخ: یہ استحسان کی دلیل ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں موصی کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ فلاں کو ورثاء سے مقدم رکھنا چاہتا ہے اور اسے اس بات کا پورا پورا حق ہے کیونکہ وہ اپنی پراپرٹی اور جائداد کا مالک ہے، لیکن چوں کہ وہ فلاں کے حق کی مقدار سے ناواقف ہے اس لیے اسے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ فلاں کے لیے اس طرح کی وصیت کرے جس سے اس کے حق سے فارغ اور سبکدوش ہو جائے، لہٰذا صورتِ مسئلہ میں ہم نے موصی کی بات کو وصیت قرار دے دیا اور موصی کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ جب تمہارے پاس فلاں شخص آ کر کسی چیز کا دعوی کرے تو اسے میرے مال سے جتنا وہ کہے دے دینا۔ اس وصیت کی مقدار بیان کرنا موصی لہ کے حوالے کر دیا، لیکن ساتھ میں یہ شرط بھی لگا دی کہ موصی لہ ثلث سے آگے نہ بڑھنے پائے یعنی ثلث تک ہی اس کی بات معتبر ہوگی اور اس سے زیادہ میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ ثلث سے زائد ورثاء کا حق ہے اور اس میں کسی کی دال نہیں گلنے والی ہے۔

قَالَ وَإِنْ أَوْصٰى بِوَصَايَا غَيْرَ ذٰلِكَ يُعْزَلُ الثُّلُثُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ، لِأَنَّ مِيْرَاثَهُمْ مَعْلُوْمٌ وَكَذَا الْوَصَايَا مَعْلُوْمَةٌ، وَهٰذَا مَجْهُوْلٌ فَلَايُزَاحِمُ الْمَعْلُوْمَ فَيُقَدَّمُ عَزْلُ الْمَعْلُوْمِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے اس کے علاوہ وصیت کی تو اصحابِ وصایا کے لیے ثلث علاحدہ کر لیا جائے گا اور دو ثلث ورثاء کے ہوں گے، کیونکہ ورثاء کی میراث معلوم ہے نیز وصایا بھی معلوم ہیں اور یہ مجہول ہے لہٰذا معلوم کا مزاحم نہیں ہوگا اور معلوم کو الگ کرنا مقدم ہوگا۔

اللغات:

﴿وصایا﴾ وصیتیں۔ ﴿یعزل﴾ علیحدہ کر لیا جائے گا۔ ﴿لا یزاحم﴾ نہیں مقابل ہوگا۔

اقرار مجہول اور وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے فلاں کے علاوہ اور لوگوں کے لیے بھی وصیت کر رکھی ہو اور پھر ورثاء سے کہا ہو کہ علي لفلان دين الخ تو اس صورت میں اس کے ترکے سے سب سے پہلے اصحاب وصایا یعنی فلاں کے علاوہ دیگر موصی لہم کے لیے ثلث علاحدہ کیا جائے گا اور مابقی دو ثلث ورثاء کو دے دیے جائیں گے، کیونکہ ورثاء کا حق بھی معلوم ہے اور موصی لہم کا حق بھی معلوم ہے جب کہ فلاں کا حق مجہول ہے اور حقِ مجہول حقِ معلوم کا مزاحم اور مقابل نہیں ہوسکتا، اس لیے حق معلوم اس کے مستحقین کو دے دیا جائے گا اور حقِ مجہول کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔

وَفِي الْإِفْرَازِ فَائِدَةٌ أُخْرٰى وَهُوَ أَنَّ أَحَدَ الْفَرِيْقَيْنِ قَدْ يَكُوْنُ أَعْلَمَ بِمِقْدَارِ هٰذَا الْحَقِّ وَأَبْصَرَ بِهٖ، وَالْآخَرُ أَلَدُّ خِصَامًا وَعَسَاهُمْ يَخْتَلِفُوْنَ فِي الْفَضْلِ إِذَا ادَّعَاهُ الْخَصْمُ وَبَعْدَ الْإِفْرَازِ يَصِحُّ إِقْرَارُ كُلِّ وَاحِدٍ فِيْمَا فِي يَدِهٖ مِنْ غَيْرِ مُنَازَعَةٍ.

ترجمہ: اور علاحدہ کرنے میں ایک دوسرا فائدہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ دو فریقوں میں سے ایک فریق کبھی اس حق کی مقدار سے زیادہ باخبر اور زیادہ بصیرت والا ہوتا ہے اور دوسرا فریق بہت جھگڑالو ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے دونوں فریق زیادتی کے متعلق اختلاف کریں جب خصم زیادتی کا دعویٰ کرے، اور علاحدہ کرنے کے بعد ہر شخص کا اقرار بغیر منازعت کے اس مقدار کے حق میں صحیح ہوگا جو اس کے قبضے میں ہے۔

اللغات:

﴿إفراز﴾ علیحدہ کرنا، جدا کرنا۔ ﴿أبصر﴾ زیادہ نگاہ رکھنے والا۔ ﴿ألدّ﴾ جھگڑالو۔ ﴿خصام﴾ جھگڑا۔ ﴿فضل﴾ اضافہ، زیادتی۔

حصے علیحدہ کرنے کا فائدہ:

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں ورثاء اور اصحاب وصایا کے حصوں کو الگ کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ورثاء اصحابِ وصایا میں سے کوئی ایک فریق فلاں کے حق سے زیادہ واقف اور باخبر ہوتا ہے اور دوسرا فریق بہت سخت مزاج اور جھگڑالو ہوتا ہے اور اگر مدعی یعنی فلاں شخص زیادہ مال کا دعوی کرے تو ایک فریق اس کی تصدیق کردے اور دوسرا فریق جھگڑ پڑے، لیکن اگر دونوں فریق کا حصہ الگ الگ کردیا جائے تو اس صورت میں جو بھی اقرار کرے گا یا انکار وہ اس کے اپنے مال میں ہوگا اور اس میں دوسرا فریق لڑائی اور جھگڑا نہیں کرے گا۔

وَإِذَا عُزِلَ يُقَالُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا صَدِّقُوْهُ فِيْمَا شِئْتُمْ وَيُقَالُ لِلْوَرَثَةِ صَدِّقُوْهُ فِيْمَا شِئْتُمْ، لِأَنَّ هٰذَا دَيْنٌ فِي حَقِّ الْمُسْتَحِقِّ وَصِيَّةٌ فِي حَقِّ التَّنْفِيْذِ فَإِذَا أَقَرَّ كُلُّ فَرِيْقٍ بِشَيْءٍ ظَهَرَ أَنَّ فِي التَّرِكَةِ دَيْنًا شَائِعًا فِي النَّصِيْبَيْنِ

فَيُؤْخَذُ أَصْحَابُ الثُّلُثِ بِثُلُثِ مَا أَقَرُّوْا وَالْوَرَثَةُ بِثُلُثَيْ مَا أَقَرُّوْا تَنْفِيْذًا لِإِقْرَارِ كُلِّ فَرِيْقٍ فِيْ قَدْرِ حَقِّهِ، وَعَلٰى كُلِّ فَرِيْقٍ مِنْهُمَا الْيَمِيْنُ عَلَى الْعِلْمِ إِنِ ادَّعَى الْمُقَرُّلَهُ زِيَادَةً عَلٰى ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ يُحَلَّفُ عَلٰى مَا جَرٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهٖ.

ترجمه: اور الگ کرنے کے بعد اصحابِ وصایا سے کہا جائے گا جتنی مقدار میں چاہو اس کی تصدیق کردو اور ورثاء سے بھی یہی کہا جائے گا کہ جتنی مقدار میں چاہو اس کی تصدیق کردو، کیونکہ یہ مستحق کے حق میں دین ہے اور تنفیذ کے حق میں وصیت ہے پھر جب ہر فریق نے کسی مقدار کا اقرار کرلیا تو یہ واضح ہوگیا کہ دونوں حصوں کے ترکہ میں دین پھیلا ہوا ہے لہٰذا اصحاب الثلث اپنے اقرار کے ثلث میں ماخوذ ہوں گے اور ورثاء اپنے اقرار کے دوثلث میں ماخوذ ہوں گے تا کہ ہر فریق کا اقرار اس کے حق کی مقدار میں نافذ کردیا جائے۔ اور ان دونوں میں سے ہر فریق پر علم پر قسم کھانا لازم ہے اگر مقرلہ اس اقرار سے زیادہ کا دعویٰ کرے، کیونکہ ہر فریق سے اس فعل پر قسم لی جارہی ہے جو اس کے اور اس کے غیر کے درمیان جاری ہوا ہے۔

اللغات:

﴿عُزِل﴾ علیحدہ کردیا گیا۔ ﴿صدّقوہ﴾ اس کی تصدیق کرو۔ ﴿تنفیذ﴾ برآوری، پورا کرنا، نافذ کرنا۔ ﴿دین﴾ قرض۔ ﴿شائع﴾ پھیلا ہوا۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿یمین﴾ قسم۔

اقرار مجہول کا اثر:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب اصحاب الوصایا اور ورثاء میں سے ہر ایک کے حصے الگ الگ کردیئے گئے تو اب ان دونوں فریقوں سے کہا جائے گا کہ بھائی جس مقدار میں چاہو مدعی کی تصدیق کردو اور تصدیق کے بعد ہر فریق اپنے اقرار اور تصدیق میں ماخوذ ہوگا، لہٰذا اصحاب وصایا سے ان کے اقرار کا ثلث لیا جائے گا اور ورثاء سے اُن کے اقرار کا دوثلث لیا جائے گا یعنی اگر اصحاب ثلث نے تین سو کا اقرار کیا تو ان سے اس کا ایک ثلث یعنی سو روپے لیے جائیں گے اور یہی اقرار اگر ورثاء کریں تو ان سے دوثلث یعنی دو سو روپے لیے جائیں گے۔

صورت مسئلہ میں اصحاب الوصایا کے ساتھ ساتھ ورثاء کو اس لیے ماخوذ کیا گیا ہے کہ مدعی کا جو دعویٰ ہے وہ درحقیقت دین ہے، کیونکہ مدعی سے دین کہہ کر ہی لے رہا ہے لیکن ہم نے اسے وصیت قرار دیا تھا تا کہ اس کا نفاذ آسان ہو جائے، اسی لیے اصحاب وصایا کے ساتھ ورثاء کو بھی اقرار کا پابند بنایا گیا ہے اور یہ اقرار چونکہ دین کے مشابہ ہے اس لیے پورے ترکہ میں شائع ہوگا اور دونوں فریقوں سے ان کے اقرار کے بقدر علی الترتیب ثلث اور دوثلث لیا جائے گا۔

وعلی کل فریق منهم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مدعی کا دعویٰ دونوں فریقوں کے اقرار کردہ رقم سے زیادہ ہو تو اس صورت میں اصحاب الوصایا اور ورثاء دونوں سے قسم لی جائے گی اور وہ لوگ اس بات پر قسم کھائیں گے کہ بخدا جو ہم نے اقرار کیا ہے ہمیں اس سے زیادہ کا علم نہیں ہے اور یہ قسم علم ہی پر ہوگی یقینی اور قطعی نہیں ہوگی کہ بخدا مدعی کا اس سے زیادہ ہے ہی نہیں، کیونکہ یہ دوسرے کے فعل اور دعوے پر قسم ہے اور دوسرے کے فعل پر کھائی جانے والی قسم علم اور واقفیت پر ہوتی ہے قطعی نہیں ہوتی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَجْنَبِيٍّ وَلِوَارِثِهٖ فَلِلْأَجْنَبِيِّ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ وَتَبْطُلُ وَصِيَّةُ الْوَارِثِ، لِأَنَّهٗ أَوْصٰى بِمَايَمْلِكُ الْإِيْصَاءَ وَبِمَا لَايَمْلِكُ فَصَحَّ فِي الْأَوَّلِ وَبَطَلَ فِي الثَّانِيْ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى لِحَيٍّ وَمَيِّتٍ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْوَصِيَّةِ فَلَايَصِحُّ مُزَاحِمًا فَيَكُوْنُ الْكُلُّ لِلْحَيِّ، وَالْوَارِثُ مِنْ أَهْلِهَا وَلِهٰذَا تَصِحُّ بِإِجَازَةِ الْوَرَثَةِ فَافْتَرَقَا وَعَلٰى هٰذَا إِذَا أَوْصٰى لِلْقَاتِلِ وَلِلْأَجْنَبِيِّ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی اجنبی اور اپنے وارث کے لیے وصیت کی تو اجنبی کے لیے نصف دیت ہے اور وارث کے لیے وصیت باطل ہے، کیونکہ موصی نے اس چیز کی وصیت کی ہے جس کا وہ مالک ہے اور اس چیز کی بھی وصیت کی ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے، لہٰذا اول میں وصیت صحیح ہے اور ثانی میں باطل ہے۔

برخلاف اس صورت کے جب اس نے زندہ اور مردہ کے لیے وصیت کی کیونکہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے لہٰذا وہ مزاحم نہیں ہوسکتا اور پورا مال زندہ شخص کے لیے ہوگا اور وارث وصیت کا اہل ہے، اسی لیے ورثاء کی اجازت سے وصیت صحیح ہوگی، لہٰذا یہ دونوں مسئلے الگ الگ ہوگئے اور اسی پر ہے جب موصی قاتل اور اجنبی کے لیے وصیت کرے۔

اللغات:

﴿ایصاء﴾ وصیت کرنا۔ ﴿حیّ﴾ زندہ۔ ﴿مزاحم﴾ مقابل۔ ﴿افترقا﴾ دونوں علیحدہ علیحدہ ٹھہرے۔

وارث اور غیر وارث دونوں کے لیے وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اجنبی اور وارث دونوں کے لیے وصیت کی تو اجنبی کے حق میں وصیت درست ہے اور وارث کے حق میں وصیت باطل ہے، اس لیے کہ وہ اجنبی کے لیے وصیت کرنے کا مالک ہے اور وارث کے لیے وصیت کا مالک نہیں ہے لہٰذا اجنبی کے حق میں وصیت صحیح ہے اور وارث کے حق میں صحیح نہیں ہے اور اجنبی کو نصف وصیت یعنی موصیٰ بہ کا نصف ملے گا۔ اس کے برخلاف اگر موصی نے زندہ اور مردہ شخص کے لیے وصیت کی تو اس صورت میں زندہ شخص کو پورا موصیٰ بہ ملے گا، کیونکہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے، لہٰذا وہ زندہ شخص کا مزاحم نہیں ہوگا اور بدون مزاحمت پورا موصیٰ بہ زندہ شخص کو ملے گا لیکن وارث تو وصیت کا اہل ہے، اس لیے کہ اگر ورثاء اس کے لیے اجازت دے دیں تو اس کے حق میں وصیت صحیح ہوجائے گی اور یہی چیز میت اور وارث میں وجہ فرق ہے۔ ایسے ہی اگر کسی نے اجنبی اور قاتل کے لیے وصیت کی تو اس صورت میں بھی قاتل کے حق میں وصیت باطل ہے اور اجنبی کو موصیٰ بہ کا نصف ملے گا۔

وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ بِعَيْنٍ أَوْ دَيْنٍ لِوَارِثِهٖ وَلِلْأَجْنَبِيِّ حَيْثُ لَايَصِحُّ فِي حَقِّ الْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِنْشَاءُ تَصَرُّفٍ، وَالشِّرْكَةُ تَثْبُتُ حُكْمًا لَهٗ فَتَصِحُّ فِي حَقِّ مَنْ يَسْتَحِقُّهٗ مِنْهُمَا، أَمَّا الْإِقْرَارُ إِخْبَارٌ عَنْ كَائِنٍ وَقَدْ أَخْبَرَ بِوَصْفِ الشِّرْكَةِ فِي الْمَاضِيْ، وَلَاوَجْهَ إِلٰى إِثْبَاتِهٖ بِدُوْنِ هٰذَا الْوَصْفِ، لِأَنَّهٗ خِلَافُ مَا أَخْبَرَ بِهٖ، وَلَا

إِلَى إِثْبَاتِ الْوَصْفِ، لِأَنَّهُ يَصِيرُ الْوَارِثُ فِيهِ شَرِيكًا، وَلِأَنَّهُ لَوْ قَبَضَ الْأَجْنَبِيُّ شَيْئًا كَانَ لِلْوَارِثِ أَنْ يُشَارِكَهُ فَيَبْطُلُ فِي ذٰلِكَ الْقَدْرِ ثُمَّ لَايَزَالُ يَقْبِضُ وَيُشَارِكُهُ الْوَارِثُ حَتّٰى يَبْطُلَ الْكُلُّ فَلَايَكُونُ مُفِيدًا، وَفِي الْإِنْشَاءِ حِصَّةُ أَحَدِهِمَا مُمْتَازَةٌ عَنْ حِصَّةِ الْاٰخَرِ بَقَاءً وَبُطْلَانًا.

ترجمہ: اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے جب موصی اپنے وارث اور اجنبی کے لیے کسی عین یا دین کا اقرار کرے چنانچہ اجنبی کے حق میں بھی یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا، اس لیے کہ وصیت تصرف کا انشاء ہے اور شرکت انشاء کا حکم بن کر ثابت ہوتی ہے تو اس شخص کے حق میں وصیت صحیح ہوگی جو ان میں سے وصیت کا مستحق ہے۔ رہا اقرار تو وہ گذرے ہوئے امر کی خبر دینا ہے حالانکہ مقر گذشتہ زمانہ میں وصفِ شرکت کی خبر دے چکا ہے۔ اور اس اقرار کو وصفِ شرکت کے بغیر ثابت کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ یہ مقر کی دی ہوئی خبر کے خلاف ہے اور اس وصف کو ثابت کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، اس لیے کہ وارث اس میں شریک ہوجائے گا اور اس لیے کہ اگر اجنبی نے کسی چیز پر قبضہ کیا تو وارث کو اس میں شریک ہوجائے گا اور اس لیے کہ اگر اجنبی نے کسی چیز پر قبضہ کیا تو وارث کو اس میں شریک ہونے کا حق ہوگا اور اس مقدار میں اقرار باطل ہوجائے گا پھر برابر اجنبی قبضہ کرتا رہے گا اور وارث اس میں شریک ہوتا رہے گا یہاں تک کہ پورا اقرار باطل ہوجائے گا لہٰذا یہ اقرار مفید نہیں ہوگا۔ اور انشاء میں ان میں سے ایک کا حصہ بقاء اور بطلان دونوں اعتبار سے دوسرے سے ممتاز ہے۔

اللغات:

﴿عین﴾ معین چیز۔ ﴿دَینٌ﴾ قرض۔ ﴿إنشاء﴾ پیدا کرنا، ایجاد کرنا۔ ﴿کائن﴾ جو ہو چکا ہے۔ ﴿یشارك﴾ ساجھا کر لے، شریک بنالے۔ ﴿قدر﴾ مقدار۔ ﴿ممتاز﴾ علیحدہ، جدا۔

مذکورہ بالا صورت میں کسی دین یا کسی چیز کا اقرار کرنا:

صورت مسئلہ کو آپ یوں سمجھیں کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی کے لیے اور اپنے وارث کے لیے کچھ مال کی وصیت کرتا ہے تو اجنبی کے حق میں وصیت صحیح ہے اگرچہ وارث کے حق میں وصیت باطل ہے، لیکن اگر کوئی شخص اجنبی کے لیے اور اپنے کسی وارث کے لیے کسی سامان یا دین کا اقرار کرتا ہے تو یہ اقرار مطلقاً باطل ہے یعنی نہ تو وارث کے لیے درست ہے اور نہ ہی اجنبی کے لیے۔ معلوم ہوا کہ وصیت اور اقرار دونوں میں فرق ہے۔

اور وہ فرق یہ ہے کہ وصیت ایک نئے تصرف کا نام ہے اور وصیت میں جو شرکت ہوتی ہے وہ اصلاً نہیں ہوتی بلکہ تصرف جدید کا حکم بن کر ثابت ہوتی ہے یعنی جہاں جہاں تصرف صحیح ہے وہاں وہاں شرکت بھی صحیح ہوتی ہے اور اپنے وارث کے لیے موصی کی وصیت صحیح نہیں ہے، اس لیے وہاں شرکت بھی صحیح ہوتی ہے اور جب شرکت صحیح نہیں ہوگی تو اجنبی کو موصیٰ بہ کا نصف ملے گا، کیوں کہ اس کے حق میں وصیت درست اور جائز ہے، اسی کو صاحبِ کتاب نے **فتصح في حق من یستحقه الخ:** سے بیان کیا ہے۔

اس کے برخلاف اقرار کا معاملہ ہے تو اس میں اگر مقر کی طرف سے شرکت کی وضاحت کردی گئی تو وہ شرکت نفس اقرار میں

ثابت اور شامل ہوگی اور اصلاً واقع ہوگی، کیونکہ اقرار زمانۂ ماضی میں کسی معاملے کی خبر دینے کا نام ہے اور جب ماضی میں اقرار میں اشتراک ہے تو حال میں بھی وہ اقرار مشترک ہی رہے گا، اور اگر حال میں اقرار کو وصفِ شرکت سے خالی کردیا جائے تو یہ مقر کے اقرار اور اس کی خبر کے خلاف ہوگا اور اگر اقرار میں شرکت کو باقی رکھا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ وصیت کی طرح وارث کے لیے اقرار بھی صحیح نہیں ہے اور اس صورت میں ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ اجنبی جب بھی کسی چیز پر قبضہ کرے گا تو اقرار مشترک ہونے کی وجہ سے وارث اس کا شریک ہوگا اور اقرار باطل ہوگا اور جب تک سرے سے اقرار کو دونوں کے حق میں باطل نہیں قرار دیں گے، اس وقت تک یہ خرابی لازم آتی رہے گی، اس لیے صورتِ مسئلہ میں ہم نے وارث اور اجنبی دونوں کے حق میں اقرار کو باطل قرار دے دیا ہے۔ اس کے برخلاف انشائے تصرف یعنی وصیت میں شرکت وصیت اصل اور حقیقت میں داخل نہیں ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ دوسرے سے علاحدہ اور ممتاز ہے، اس لیے ایک یعنی وارث کے حصے کا بطلان دوسرے یعنی اجنبی کے حصے کے بطلان کو مستلزم نہیں ہوگا۔ اور اجنبی کو موصیٰ بہ کا نصف ملے گا۔

قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ جَيِّدٍ وَوَسَطٌ وَرَدِّيٌّ فَأَوْصٰى بِكُلِّ وَاحِدٍ لِرَجُلٍ فَضَاعَ ثَوْبٌ وَلَايُدْرٰى أَيُّهَا هُوَ وَالْوَرَثَةُ تَجْحَدُ ذٰلِكَ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، وَمَعْنٰى جُحُوْدِهِمْ أَنْ يَقُوْلَ الْوَارِثُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِعَيْنِهِ الثَّوْبُ الَّذِيْ هُوَ حَقُّكَ قَدْ هَلَكَ فَكَانَ الْمُسْتَحِقُّ مَجْهُوْلًا وَجَهَالَتُهُ تَمْنَعُ صِحَّةَ الْقَضَاءِ وَتَحْصِيْلُ الْمَقْصُوْدِ فَبَطَلَ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس تین کپڑے ہوں عمدہ، اوسط اور خراب اور اس نے ایک ایک آدمی کے لیے ان میں سے ہر ایک کپڑے کی وصیت کی اور ایک کپڑا ضائع ہوگیا اور یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کون سا ہے اور ورثاء اس کا انکار کر رہے ہوں تو وصیت باطل ہے اور ان کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ وارث ان میں سے معین طریقے پر کہے کہ وہ کپڑا جو تیرا حق تھا ہلاک ہوگیا ہے تو مستحق مجہول ہوگیا اور اس کی جہالت قضاء کی صحت اور مقصود کی تحصیل سے مانع ہے اس لیے وصیت باطل ہو جائے گی۔

اللغاتُ:

﴿أثواب﴾ واحد ثوب؛ کپڑا۔ ﴿جیّد﴾ عمدہ۔ ﴿ادی﴾ ناکارہ۔ ﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿ضاع﴾ ضائع ہوگیا۔ ﴿لایدری﴾ علم نہیں ہوا۔ ﴿تجحد﴾ انکار کرتے ہیں۔

تین کپڑوں کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کپڑے کے تین تھان ہوں، ان میں سے ایک عمدہ کوالٹی کا ہو، دوسرا میڈیم ہو اور تیسرا تھرڈ کوالٹی کا ہو اور مالک نے وہ تینوں تھان تین لوگوں کو وصیت کردیئے ہوں اس کے بعد ان میں سے ایک کپڑا ہلاک ہوگیا ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ کون سا کپڑا ہلاک ہوا ہے اور ورثاء تینوں موصیٰ لہم میں سے ہر ایک سے یہ کہتے ہوں کہ جو تمہارا حق تھا وہ ہلاک ہوگیا ہے اور چوں کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سا کپڑا ہلاک ہوا ہے اس لیے مستحق مجہول ہے اور مستحق کی جہالت صحتِ قضاء سے بھی مانع ہے اور موصی کے مقصد کی تحصیل سے بھی مانع ہے، اس لیے وصیت ہی باطل ہو جائے گی۔

قَالَ إِلاَّ أَنْ يُّسَلِّمَ الْوَرَثَةُ الثَّوْبَيْنِ الْبَاقِيَيْنِ، فَإِنْ سَلَّمُوْا زَالَ الْمَانِعُ وَهُوَ الْجُحُوْدُ فَيَكُوْنُ لِصَاحِبِ الْجَيِّدِ ثُلُثَا الثَّوْبِ الْأَجْوَدِ وَلِصَاحِبِ الْأَوْسَطِ ثُلُثُ الْجَيِّدِ وَثُلُثُ الْأَدْوَنِ وَلِصَاحِبِ الْأَدْوَنِ ثُلُثَا الثَّوْبِ الْأَدْوَنِ، لِأَنَّ صَاحِبَ الْجَيِّدِ لَاحَقَّ لَهُ فِي الرَّدِّيِّ بِيَقِيْنٍ، لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ يَّكُوْنَ جَيِّدًا أَوْ وَسَطًا أَوْ رَدِّيًّا وَلَاحَقَّ لَهُ فِيْهِمَا وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ الرَّدِيُّ هُوَ الرَّدِّيُّ الْأَصْلِيُّ فَيُعْطَى مِنْ مَحَلِّ الْاِحْتِمَالِ وَإِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا الْجَيِّدِ وَثُلُثَا الْأَدْوَنِ لَمْ يَبْقَ إِلاَّ ثُلُثُ الْجَيِّدِ وَثُلُثُ الرَّدِّيِّ فَيُتَعَيَّنُ حَقُّ صَاحِبِ الْوَسَطِ فِيْهِ بِعَيْنِهٖ ضَرُوْرَةً.

ترجمہ: فرماتے ہیں الا یہ کہ ورثاء باقی دونوں تھان سپرد کردیں سو اگر انھوں نے سپرد کردیا تو مانع زائل ہوگیا اور وہ ان کا انکار کرنا تھا لہٰذا صاحب جیّد کے لیے عمدہ کپڑے کے دوثلث ہوں گے اور اوسط والے کے لیے جید اور ادنی دونوں کا ثلث ہوگا اور صاحب ادنی کے لیے ادنیٰ کپڑے کے دوثلث ہوں گے، کیونکہ ردّی میں یقینی طور پر صاحب جید کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے کہ ردّی یا تو اوسط ہوگا یا گھٹیا ہوگا اور صاحبِ جیّد کا ان دونوں میں کوئی حق نہیں ہے۔ اور گھٹیا والے کا ماقبی جیّد میں یقیناً کوئی حق نہیں ہے، اس لیے کہ جید یا تو عمدہ ہوگا یا اوسط ہوگا اور صاحبِ ردّی کا ان دونوں میں کوئی حق نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ موجودہ ردّی ہی اصلی ردّی ہو، لہٰذا ردّی والے کو محلِ احتمال سے دیا جائے گا اور جب جید کے دوثلث اور ردّی کے دوثلث ختم ہوگئے تو صرف جید کا ثلث باقی بچا اور ردّی کا ثلث باقی بچا لہٰذا اوسط والے کا حق بداہۃً اس میں متعین ہوجائے گا۔

اللغات:

﴿یسلّم﴾ سپرد کردیں۔ ﴿زال﴾ دور ہوگیا۔ ﴿جحود﴾ انکار کرنا، جھٹلانا۔ ﴿اجود﴾ سب سے عمدہ۔ ﴿أدون﴾ سب سے ہلکا، گھٹیا۔ ﴿ردی﴾ ناکارہ، ہلکا، گھٹیا۔

تین کپڑوں کی وصیت:

ماقبل میں ورثاء کے انکار کی وجہ سے وصیت باطل قرار دی گئی ہے لیکن اگر ورثاء انکار نہ کریں اور ماقبی دونوں تھان موصی لہم کے حوالے کردیں تو وصیت بطلان سے بچ جائے گی اور مانع یعنی ورثاء کے انکار ختم ہونے سے صحتِ وصیت کا راستہ صاف ہوجائے گا۔ اور جب وصیت درست ہوگی تو ماقبی دونوں تھانوں میں سے جو عمدہ ہوگا اس میں سے ایک ایک ثلث دیئے جائیں گے اور صاحبِ ادنیٰ کو ادنی تھان میں سے دوثلث دیئے جائیں گے۔ اور اس طرح تقسیم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صاحب جید کا حق تو جید میں ہے اور نہ تو اوسط میں ہے اور نہ ہی ردی میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ ہلاک ہونے والا تھان ردّی ہو یا اوسط ہو اور جو بھی ہو بہر صورت اس میں صاحب جید کا حق نہیں ہے، اس لیے ماقبی تھانوں میں سے جو جید ہے اس کے دوثلث صاحبِ جید کو دے دیئے جائیں گے۔

اور صاحب ردی کا نہ تو موجودہ جید میں کوئی حق ہے اور نہ ہی اوسط میں ہے اور جو فی الحال ردّی ہے ہوسکتا ہے کہ یہی اصلی ردّی ہو اور اوسط درجے والا تھان ہلاک ہوا ہو، اس لیے محلِ احتمال سے صاحبِ ردّی کو ردّی میں سے دوثلث دیئے جائیں گے۔ اور اس تقسیم کے بعد موجودہ تھانوں میں سے جید کا ایک ثلث بچا ہے اور ردی کا ایک ثلث بچا ہے اس لیے یہ دونوں ثلث اٹھا کر صاحبِ

اوسط کو دے دیئے جائیں گے۔

قَالَ وَإِذَا كَانَتِ الدَّارُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَوْصٰى أَحَدُهُمَا بِبَيْتٍ بِعَيْنِهِ لِرَجُلٍ فَإِنَّهَا تُقَسَّمُ فَإِنْ وَقَعَ الْبَيْتُ فِيْ نَصِيْبِ الْمُوْصِيْ فَهُوَ لِلْمُوْصٰى لَهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ مِثْلُ ذَرْعِ نِصْفِ الْبَيْتِ، لَهُ أَنَّهُ أَوْصٰى بِمِلْكِهِ وَبِمِلْكِ غَيْرِهِ، لِأَنَّ الدَّارَ بِجَمِيْعِ أَجْزَائِهَا مُشْتَرَكَةٌ فَنَفَذَ الْأَوَّلُ وَتَوَقَّفَ الثَّانِيْ وَهُوَ إِنْ مَلَكَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالْقِسْمَةِ الَّتِيْ هِيَ مُبَادَلَةٌ لَا تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ السَّابِقَةُ كَمَا إِذَا أَوْصٰى بِمِلْكِ الْغَيْرِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ، ثُمَّ إِذَا اقْتَسَمُوْهَا وَوَقَعَ الْبَيْتُ فِيْ نَصِيْبِ الْمُوْصِيْ تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيْ عَيْنِ الْمُوْصٰى بِهِ وَهُوَ نِصْفُ الْبَيْتِ، وَإِنْ وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِ صَاحِبِهِ لَهُ مِثْلُ نِصْفِ ذَرْعِ الْبَيْتِ تَنْفِيْذًا لِلْوَصِيَّةِ فِيْ بَدَلِ الْمُوْصٰى بِهِ عِنْدَ فَوَاتِهِ كَالْجَارِيَةِ الْمُوْصٰى بِهَا إِذَا قُتِلَتْ خَطَأً تَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيْ بَدَلِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا بِيْعَ الْعَبْدُ الْمُوْصٰى بِهِ حَيْثُ لَاتَتَعَلَّقُ الْوَصِيَّةُ بِثَمَنِهِ، لِأَنَّهُ الْوَصِيَّةُ تَبْطُلُ بِالْإِقْدَامِ عَلَى الْبَيْعِ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ وَلَاتَبْطُلُ بِالْقِسْمَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر گھر دو آدمیوں کے مابین مشترک ہو اور ان میں سے ایک نے کسی شخص کے لیے معین کمرے کی وصیت کردی تو گھر کو تقسیم کیا جائے گا اور اگر وہ کمرہ موصی کے حصے میں آئے تو حضرات شیخینؒ کے یہاں وہ موصیٰ لہ کو ملے گا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصیٰ لہ کو اس کا نصف ملے گا۔ اور اگر وہ کمرے دوسرے شریک کے حصے میں پڑے تو موصیٰ لہ کو کمرے کی پیائش کے بقدر زمین ملے گی اور یہ حضرات شیخینؒ کے یہاں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے نصف بیت کے بقدر جگہ ملے گی۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے اپنی ملکیت اور اپنے غیر کی ملکیت وصیت کی ہے، کیونکہ دار اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مشترک ہے لہٰذا اول (میں وصیت) نافذ ہوگی اور دوسرے (میں) موقوف ہوگی۔ اور موصی اگر چہ اس تقسیم کے ذریعہ بیت کا مالک ہوگیا ہے جو مبادلہ ہے، لیکن پھر بھی سابقہ وصیت نافذ نہیں ہوگی جیسے کسی نے دوسرے کی ملکیت کی وصیت کردی پھر اسے خرید لیا۔ پھر جب انھوں نے دار کو تقسیم کیا اور بیت کو موصی کے حصے میں آیا تو عین موصیٰ بہ میں وصیت نافذ ہوگی اور وہ نصف بیت ہے۔ اور اگر بیت موصی کے شریک کے حصے میں گیا تو موصیٰ لہ کو نصف بیت کے مثل جگہ ملے گی تاکہ موصیٰ بہ فوت ہونے کے وقت موصیٰ بہ کے بدل میں وصیت نافذ ہوگی۔ برخلاف اس صورت کے جب موصیٰ بہ غلام فروخت کردیا جائے تو اس کے ثمن سے وصیت متعلق نہیں ہوگی، کیونکہ بیع پر اقدام کرنے سے وصیت باطل ہوجاتی ہے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اور تقسیم سے وصیت باطل نہیں ہوتی۔

اللغات:

﴿تقسّم﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿موصٰی له﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ ﴿ذرع﴾ پیائش۔ ﴿موصٰی به﴾ جس چیز کی وصیت کی گئی ہو۔

مشترک جائیداد کے ایک معین حصے کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حویلی اور کوٹھی دولوگوں کے درمیان مشترک ہواوران میں سے ایک شریک کسی شخص کے لیے ایک متعین کمرے کی وصیت کردے تو موصی کے انتقال کے بعد اس حویلی کو دوحصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔اب اگر وصیت کیا ہوا کمرہ موصی کے حصے میں آئے تو موصیٰ لہ کو وہ پورا کمرہ دے دیا جائے گا اور اگر وہ کمرہ موصی کے شریک کے حصے میں آئے تو اس کمرے کے برابر موصیٰ لہ کو جگہ دی جائے گی۔ یہ حکم حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں ہے۔حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وصیت کردہ کمرہ موصی کے حصے میں آئے تو اسے کمرے کا نصف حصہ دیا جائے گا اور اگر وہ کمرہ اس کے ساتھی کے حصے میں آئے تو اسے کمرہ کے نصیف حصہ کے برابر جگہ دی جائے گی۔

له الخ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بوقت وصیت وہ کمرہ موصی اوراس کے ساتھ کے مابین مشترک تھا، کیونکہ وہ دار کا جزء ہے اور دار اپنے تمام اجزاء کے ساتھ دونوں کے درمیان مشترک ہے تو گویا موصی نے اپنی اور اپنے غیر کی ملکیت وصیت کردی ہے، اس لیے یہ وصیت صرف اس کے اپنے حصے یعنی نصف بیت میں نافذ ہوگی اور اس کے ساتھی کے حصے میں موقوف رہے گی ،اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت میں موصیٰ لہ کو نصف بیت ہی کا حق دار ٹھہرایا ہے۔

وهو إن ملكه الخ: یہاں سے ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ موصی اگر چہ بوقتِ وصیت اس بیت کا مالک نہیں ہے لیکن تقسیم کر کے جب وہ بیت اس کے حصے میں آگیا تو وہ اس کا مالک ہوگیا، لہٰذا اب پورے بیت میں وصیت نافذ ہونی چاہیے؟ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں بھی موصیٰ لہ کو صرف گھر ہی مل رہا ہے آخر ایسا کیوں ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بوقتِ وصیت موصی اس بیت کا مالک نہیں ہے بل کہ قسمت کے بعد قسمت سے وہ اس گھر کا مالک ہوا ہے اور تقسیم من وجہ مبادلہ ہے اور مبادلہ یعنی بیع وشراء کے بعد اگر کوئی شخص موصی بہ کا مالک ہو تو اس میں سابقہ وصیت نافذ نہیں ہوتی ، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی اس پورے بیت میں موصی کی وصیت نافذ نہیں ہوگی ، بلکہ بیت کے جس حصے میں اول دن وصیت نافذ ہوئی تھی اسی حصے میں اب بھی وصیت نافذ ہوگی یعنی نصف بیت میں اور اگر وہ بیت موصی کے ساتھی کے حصے میں پڑے تو موصیٰ لہ کو نصف بیت کے بقدر ہی جگہ ملے گی۔ کیونکہ موصیٰ بہ کے فوت ہونے سے اس کے بدل میں وصیت نافذ ہوتی ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیت کے دوسرے کے حصے میں جانے سے چوں کہ عینِ موصیٰ بہ فوت ہوگیا ہے اس لیے اس کے بدل یعنی دار کے دوسرے حصے میں وصیت نافذ ہوگی اوراس میں سے نصف بیت کے بقدر موصیٰ لہ کو حصہ دیا جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک باندی وصیت کی پھر وہ باندی خطأً قتل کردی گئی تو چوں کہ موصیٰ بہ فوت ہوگیا ہے لہٰذا اس کے بدل میں وصیت نافذ ہوگی ، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی موصیٰ بہ کے بدل میں وصیت کا نفاذ ہوگا۔اس کے برخلاف اگر موصی عبدِ موصیٰ لہ کو فروخت کردے تو وصیت ہی باطل ہوجائے گی اوراس کے ثمن میں وصیت نافذ نہیں ہوگی ، کیونکہ بیع پر پیش قدمی کرنا رجوع عن الوصیت کی دلیل ہے اور تقسیم اور بٹوارہ نہ تو رجوع ہے اور نہ ہی رجوع کی دلیل ہے۔

وَلَهُمَا أَنَّهُ أَوْصٰى بِمَا يَسْتَقِرُّ مِلْكُهُ فِيْهِ بِالْقِسْمَةِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ يَقْصِدُ الْإِيْصَاءَ بِمِلْكٍ مُنْتَفِعٍ بِهِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ

وَذٰلِكَ يَكُوْنُ بِالْقِسْمَةِ، لِأَنَّ الْإِنْتِفَاعَ بِالْمُشَاعِ قَاصِرٌ، وَقَدِ اسْتَقَرَّ مِلْكُهٗ فِيْ جَمِيْعِ الْبَيْتِ إِذَا وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِهٖ فَتَنفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيْهِ، وَمَعْنَى الْمُبَادَلَةِ فِيْ هٰذِهِ الْقِسْمَةِ تَابِعٌ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُوْدُ الْإِفْرَازُ تَكْمِيْلًا لِّلْمَنْفَعَةِ، وَلِهٰذَا يَجْبَرُ عَلَى الْقِسْمَةِ فِيْهِ، وَعَلٰى اِعْتِبَارِ الْإِفْرَازِ يَصِيْرُ كَأَنَّ الْبَيْتَ مِلْكُهٗ مِنَ الْاِبْتِدَاءِ.

ترجمہ: حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ موصی نے اس چیز کی وصیت کی ہے جس میں تقسیم سے اس کی ملکیت پختہ ہوجائے گی، اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ موصی ایسی ملکیت کی وصیت کرنا چاہتا ہے جس سے ہر طرح سے فائدہ حاصل کیا جاسکے اور یہ مقصد تقسیم سے حاصل ہوگا، کیونکہ مشترک چیز سے نفع اٹھانا ادھورا رہتا ہے اور جب کمرہ موصی کے حصے میں آگیا تو پورے کمرے میں اس کی ملکیت پختہ ہوگئی لہٰذا اس میں وصیت نافذ ہوگی۔ اور اس تقسیم میں مبادلہ کے معنی تابع ہیں۔ اور مقصود اصلی علاحدہ کرنا ہے تاکہ منفعت کی تکمیل ہوجائے، اسی لیے اس میں تقسیم پر جبر جائز ہے اور افراز کے اعتبار سے ایسا ہوجائے گا گویا کہ وہ کمرہ شروع ہی سے موصی کی ملکیت ہے۔

اللغات:

﴿یستقر﴾ پختہ ہوجائے گی، ثابت ہوجائے گی۔ ﴿ایصاء﴾ وصیت کرنا۔ ﴿منفع﴾ جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو۔ ﴿مشاع﴾ پھیلا ہوا، بکھرا ہوا۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿إفراز﴾ جدا کرنا، علیحدہ کرنا۔

ائمہ کے دلائل:

یہاں سے حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موصی نے جس کمرے کی وصیت کی ہے اس کے متعلق اسے غالب گمان یہی ہے کہ وہ کمرہ تقسیم کے بعد میرے حصے میں آجائے گا اور اس میں میری ملکیت مکمل ہوجائے گی، اس لیے کہ موصی کا وصیت پر اقدام کرنا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ وہ ایسی وصیت کرنا چاہتا ہے جس سے کما حقہ موصیٰ لہ کو فائدہ ہو اور موصیٰ لہ موصی بہ سے اسی وقت کما حقہ فائدہ اٹھا سکے گا جب تقسیم کے بعد وہ کمرہ موصی کے حصے میں چلا جائے، کیونکہ بدون اس کے وہ کمرہ مشترک رہے گا اور مشترک چیز سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانا ناممکن ہے اور پھر جب موصی کے شریک کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ میرے دوست نے فلاں کمرہ وصیت کردیا ہے تو تقسیم میں وہ اس کی رعایت کرے گا اور ہر ممکن یہ چاہے گا کہ وصیت کردہ کمرہ اس کے ساتھی ہی کے حصے میں آئے، اس حوالے سے بھی اس کمرے میں بعد از قسمت موصی کی ملکیت پکی ہے، لہٰذا اس پورے کمرے میں وصیت نافذ ہوگی۔

ومعنی المبادلة الخ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تقسیم کو مبادلہ قرار دے کر جو نصف کمرے میں ہی وصیت کو صحیح قرار دیا ہے وہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ تقسیم میں اگرچہ مبادلہ کے معنی ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں افراز کا پہلو بھی ہوتا ہے اور جنسِ واحد میں افراز کا پہلو غالب رہتا ہے اور چوں کہ دار اور بیت دونوں متحد الجنس ہیں، اس لیے یہاں افراز کا پہلو غالب رہے گا اور مبادلہ کی جہت مغلوب رہے گی، اسی لیے صورت مسئلہ میں قسمت اور بٹوارے پر جبر جائز ہے حالانکہ اگر مبادلہ کے معنی غالب ہوتے تو تقسیم پر

جبر جائز نہ ہوتا، لیکن جبر کا جواز یہ بتا رہا ہے کہ یہاں افراز کے معنی غالب ہیں اور وصیت کردہ کمرہ شروع یعنی وصیت کے وقت سے ہی موصی کی ملکیت ہے اور اس پورے کمرے میں وصیت درست اور صحیح ہے۔

وَإِنْ وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِ الْآخَرِ تُنْفَذُ فِيْ قَدْرِ ذَرْعَانِ جَمِيْعِهِ مِمَّا وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِهِ إِمَّا لِأَنَّهُ عِوَضُهُ كَمَا ذَكَرْنَاهُ أَوْ لِأَنَّ مُرَادَ الْمُوْصِيْ مِنْ ذِكْرِ الْبَيْتِ التَّقْدِيْرُ بِهِ تَحْصِيْلًا لِمَقْصُوْدِهِ مَا أَمْكَنَ إِلَّا أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ الْبَيْتُ إِذَا وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِهِ جَمْعًا بَيْنَ الْجِهَتَيْنِ الْقَدِيْرُ وَالتَّمْلِيْكُ، وَإِنْ وَقَعَ فِيْ نَصِيْبِ الْآخَرِ عَمِلْنَا بِالتَّقْدِيْرِ، أَوْ لِأَنَّهُ أَرَادَ التَّقْدِيْرَ عَلَى اعْتِبَارِ أَحَدِ الْوَجْهَيْنِ وَالتَّمْلِيْكُ بِعَيْنِهِ عَلَى اعْتِبَارِ الْوَجْهِ الْآخَرِ، كَمَا إِذَا عَلَّقَ عِتْقَ الْوَلَدِ وَطَلَاقَ الْمَرْأَةِ بِأَوَّلِ وَلَدٍ تَلِدُهُ أَمَتُهُ فَالْمُرَادُ فِيْ جَزَاءِ الطَّلَاقِ مُطْلَقُ الْوَلَدِ وَفِي الْعِتْقِ وَلَدٌ حَيٌّ.

ترجمه: اور اگر وصیت کردہ کمرہ دوسرے کے حصے میں پڑا تو کمرے کے تمام گزوں کے بقدر موصی کے حصے میں وصیت نافذ کی جائے گی یا تو اس لیے کہ وہ حصہ کمرے کا عوض ہے جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں، یا اس وجہ سے کہ بیت کے ذکر سے موصی کی مراد اس کے ذریعے اندازہ کرنا ہے تاکہ حتی الامکان اس کے مقصود کو حاصل کیا جاسکے، لیکن جب وہ کمرہ اس کے حصے میں آجائے گا تو وہی متعین ہوگا تاکہ تقدیر اور تملیک دونوں جہتوں میں جمع ہو جائے۔ اور اگر وہ کمرہ دوسرے کے حصے میں پڑا تو ہم نے تقدیر پر عمل کیا۔ یا اس لیے کہ موصی نے دو وجہوں میں سے ایک کے اعتبار پر تقدیر کا ارادہ کیا ہے اور دوسری وجہ کے اعتبار پر بعینہ تملیک کا ارادہ کیا ہے۔ جیسے اس نے لڑکے کے عتق کو اور بیوی کی طلاق کو اس پہلے بچے پر معلق کیا ہو جسے اس کی باندی جنے تو طلاق کی جزاء میں مطلق لڑکا مراد ہوگا اور عتق کے حق میں زندہ لڑکا ہوگا۔

اللغات:

﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿تنفذ﴾ نافذ کیا جائے گا۔ ﴿ذرعان﴾ پیائش، لمبائی چوڑائی۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿تمليك﴾ مالک بنانا۔ ﴿علق﴾ معلق کیا ہے، مشروط کیا ہے۔ ﴿عتق﴾ آزادی۔ ﴿تلد﴾ جنے گی، پیدا کرے گی۔ ﴿حي﴾ زندہ۔

ائمہ کے دلائل:

یہ عبارت بھی حضرات شیخین رحمہما اللہ کی دلیل سے متعلق ہے اور یہ اس کا دوسرا رخ ہے وہ یہ کہ اگر وصیت کردہ کمرہ موصی کے بجائے اس کے ساتھی کے حصہ میں آئے تو اس صورت میں کمرے کی زمین کے برابر موصی کے حصے میں سے موصیٰ لہ کو زمین دی جائے گی، اس لیے کہ یہ زمین مذکورہ کمرے کا عوض اور بدل ہے اور چوں کہ اصل کی تسلیم متعذر ہے لہٰذا اب بدل کو اس کی جگہ سپرد کیا جائے گا۔

أو لأن الخ: یا اس کی تقدیر اس طرح ہوگی کہ موصی کا اصل مقصد موصیٰ لہ کو زمین دینا ہے اور اس زمین کا طول وعرض بیت کے بقدر ہوگا، اسی لیے اس نے بیت کا تذکرہ کیا ہے تاکہ اس کے حساب سے ناپ کر موصیٰ بہ کو زمین دے دے اور اس کا مقصد حاصل ہو جائے یا ہوسکتا ہے کہ اس کی مراد بعینہ کمرہ دینا ہو، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ کمرہ اس کے حصے میں پڑتا ہے تب تو موصیٰ لہ بعینہ کمرے کا حق دار ہوگا اور اس طرح تقدیر بالبیت اور عین بیت دونوں کی رعایت ہو جائے گی اور موصی کے مقصد میں دونوں چیزیں جمع

ہو جائیں گی، اسی کو صاحب ہدایہ نے **جمعا بین الجھتین** سے تعبیر کیا ہے۔

اور اگر وہ کمرہ دوسرے ساتھی کے حصے میں جائے گا تو وہاں تقدیر پر عمل ہوگا اور مذکورہ کمرے کے برابر اسے موصی کے حصے سے زمین دی جائے گی۔

یا اس کی تاویل یہ کی جائے کہ موصی نے دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے (۱) اگر اس کے ساتھی کے حصے میں وہ کمرہ پڑے تو تقدیر پر عمل ہوگا (۲) اور اگر آخر خود موصی کے حصے میں پڑے تو تعیین پر عمل ہوگا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی ایک باندی ہے جس کا اس نے دوسرے کے ساتھ نکاح کر رکھا ہے اور اس کی بیوی بھی ہے اور اس نے یہ کہا کہ میری باندی جب پہلا بچہ جنے گی تو وہ بچہ آزاد ہے اور میری بیوی کو طلاق ہے تو اس مثال میں بھی اس شخص نے بچہ کی پیدائش سے دو چیزیں مراد لی ہیں (۱) بچہ کا عتق (۲) بیوی کی طلاق۔ لیکن یہ دونوں چیزیں الگ الگ مراد ہیں چنانچہ بیوی کی طلاق میں تو مطلق بچے کی ولادت مؤثر ہوگی خواہ وہ بچہ زندہ پیدا ہو یا مردہ لیکن خود بچے کے عتق میں زندہ بچہ کی ولادت معتبر ہوگی اور اگر بچہ مردہ پیدا ہوگا تو آزاد نہیں ہوگا، کیونکہ میت عتق کا محل نہیں ہے۔ الحاصل جس طرح اس نظیر میں بچے کی زندہ اور مردہ ولادت سے دو الگ الگ چیزیں مراد لی گئی ہیں اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی "بیت" کے ذکر سے موصی دو الگ الگ چیزوں کو مراد لے گا (۱) تقدیر (۲) تعیین۔

ثُمَّ إِذَا وَقَعَ الْبَيْتُ فِيْ نَصِيْبِ غَيْرِ الْمُوْصِيْ وَالدَّارُ مِائَةُ ذِرَاعٍ، وَالْبَيْتُ عَشَرَةُ أَذْرُعٍ يُقَسَّمُ نَصِيْبُهُ بَيْنَ الْمُوْصٰى لَهٗ وَبَيْنَ الْوَرَثَةِ عَلٰى عَشَرَةِ أَسْهُمٍ تِسْعَةٌ مِنْهَا لِلْوَرَثَةِ وَسَهْمٌ لِلْمُوْصٰى لَهٗ، وَهٰذَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ فَيَضْرِبُ الْمُوْصٰى لَهٗ بِخَمْسَةِ أَذْرُعٍ نِصْفَ الْبَيْتِ وَلَهُمْ بِنِصْفِ الدَّارِ سِوَى الْبَيْتِ وَهُوَ خَمْسَةٌ وَأَرْبَعُوْنَ فَيُجْعَلُ كُلُّ خَمْسَةٍ سَهْمًا فَيَصِيْرُ عَشَرَةً، وَعِنْدَهُمَا يُقَسَّمُ عَلٰى أَحَدَ عَشَرَ سَهْمًا، لِأَنَّ الْمُوْصٰى لَهٗ يَضْرِبُ بِالْعَشَرَةِ وَهُمْ بِخَمْسَةٍ وَأَرْبَعِيْنَ فَتَصِيْرُ السِّهَامُ أَحَدَ عَشَرَ، لِلْمُوْصٰى لَهٗ سَهْمَانِ وَلَهُمْ تِسْعَةٌ.

ترجمہ: پھر جب وہ کمرہ غیر موصی کے حصے میں آئے اور گھر سو گز ہو اور کمرہ دس گز ہو تو موصی کا حصہ موصیٰ لہ اور ورثاء کے مابین دس سہام پر تقسیم کیا جائے گا جن میں نو سہام ورثاء کے ہوں گے اور ایک سہم موصیٰ لہ کا ہوگا اور یہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے لہٰذا موصیٰ لہ نصف کمرہ کے حساب سے پانچ گز لے گا اور ورثاء کو کمرہ کے علاوہ نصف دار ملے گا اور وہ ۴۵ رپینتالیس گز ہیں اور ہر پانچ گز کو ایک حصہ قرار دیا جائے گا اور (کل) دس حصے ہوں گے۔

اور حضرات شیخین رحمہما اللہ کے یہاں موصی کا حصہ گیارہ سہام پر تقسیم ہوگا، کیونکہ موصیٰ لہ دس گز کے حساب سے لے گا اور ورثاء پینتالیس کے حساب سے لیں گے تو کل سہام گیارہ ۱۱ ہوں گے، موصیٰ لہ کے دو سہام اور ورثاء کے نو ۹ سہام۔

اللغات:

﴿**دار**﴾ گھر۔ ﴿**مائة**﴾ ایک سو، یک صد۔ ﴿**ذراع**﴾ گز۔ ﴿**یقسّم**﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿**موصٰی له**﴾ جس کے حق

میں وصیت کی گئی ہو۔ ﴿أسهم﴾ واحد سهم: حصے۔ ﴿تصير﴾ ہو جائے گا۔

ائمہ کے دلائل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر وصیت کردہ کمرہ موصی کے بجائے اس کے ساتھی کے حصے میں آئے اور پورا پورا سو گز کا ہو جب کہ کمرہ دس گز کا ہو تو اس صورت میں موصی کو پورے دار کے پچاس گز ملیں گے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصی لہ نصف بیت کا مستحق ہے، اس لیے پانچ پانچ کے حساب سے پچاس گز کے دس سہام بنائے جائیں گے اور موصی لہ کو پانچ گز دیئے جائیں گے جو مجموعہ سہام کا ایک سہم ہے اور باقی نو سہام یعنی پینتالیس گز موصی کے ورثاء کو دیئے جائیں گے۔

وعندهما يقسم الخ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف حضرات شیخین رحمہما اللہ موصی لہ کو پورا کمرہ یا کمرے کے برابر زمین دینے کے حق میں ہیں لہٰذا ان کے یہاں موصی کے حصے میں جو پچاس گز دار آیا ہے اس کو ۱۱ گیارہ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے دو حصے موصی لہ کے اور باقی نو حصے ورثاء کے ہوں گے، لیکن اس اعتبار سے پچاس گز کو ۵۵ گز قرار دینا اور ماننا پڑے گا اور بہت زیادہ دماغ پر زور دینا ہوگا، لہٰذا بہتر طریقۂ تقسیم یہ ہے کہ حضرات شیخین رحمہما اللہ کے یہاں موصی کو ملے ہوئے دار کے پچاس گز کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے اور موصی لہ کو ایک حصہ یعنی دس سہام دے دیا جائے اور باقی لہ سہام یعنی چالیس حصے ورثاء کو دے دیئے جائیں اور زیادہ مغز ماری نہ کی جائے۔

وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الْوَصِيَّةِ إِقْرَارٌ قِيْلَ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ وَقِيْلَ لَا خِلَافَ فِيْهِ لِمُحَمَّدٍ رحمة الله عليه، وَالْفَرْقُ لَهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِمِلْكِ الْغَيْرِ صَحِيْحٌ حَتّٰى أَنَّ مَنْ أَقَرَّ بِمِلْكِ الْغَيْرِ لِغَيْرِهٖ ثُمَّ مَلَكَهُ يُؤْمَرُ بِالتَّسْلِيْمِ إِلَى الْمُقِرِّ لَهُ، وَالْوَصِيَّةُ بِمِلْكِ الْغَيْرِ لَاتَصِحُّ حَتّٰى لَوْ مَلَكَهُ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوْهِ ثُمَّ مَاتَ لَاتَصِحُّ وَصِيَّتُهُ وَلَاتَنْفُذُ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کی جگہ اقرار ہو تو ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی اختلاف پر ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف نہیں ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے لیے وجہ فرق یہ ہے کہ ملکِ غیر کا اقرار صحیح ہے حتی کہ جس شخص نے ملک غیر کا دوسرے کے لیے اقرار کیا پھر مُقر اس کا مالک ہو گیا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ مقر بہ مقر لہ کو سپرد کر دے۔ اور ملک غیر کی وصیت صحیح نہیں ہے یہاں تک کہ اگر موصی کسی طرح موصی بہ کا مالک ہو جائے تب بھی نہ تو اس کی وصیت صحیح ہوگی اور نہ نافذ ہوگی۔

اللغات:

﴿أقرّ﴾ اقرار کیا۔ ﴿يؤمر﴾ حکم دیا جائے گا۔ ﴿تسليم﴾ سپرد کرنا، سونپنا۔ ﴿مقرله﴾ جس کے لیے اقرار کیا گیا ہو۔ ﴿لا تنفذ﴾ نافذ نہیں ہوگی۔

مذکورہ بالا صورت میں اقرار کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دار مشترک کے دو شریکوں میں سے ایک شریک نے کسی کے لیے ایک کمرے کا اقرار کیا تو حضرات شیخین رحمہما اللہ کے یہاں مقر لہ کو پورا کمرہ ملے گا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں دو قول منقول ہیں۔ (۱) مقر لہ کو نصف بیت

ملے گا۔ (۲) اس مسئلے میں وہ حضرات شیخین رحمہما اللہ کے ساتھ ہیں اور اس میں ان کا اختلاف نہیں ہے۔ اور عدم اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ملکِ غیر کا اقرار صحیح ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے ملکِ غیر کا اقرار کیا اور پھر وہ مقر بہ کا مالک ہو گیا تو اس سے کہا جائے گا کہ مقر بہ مقر لہ کے حوالے کر دو۔ اس کے برخلاف وصیت کا معاملہ ہے تو ملکِ غیر کی وصیت درست نہیں ہے حتی کہ اگر موصی کسی طرح موصیٰ بہ کا مالک ہو جائے تو بھی اس کی کی ہوئی سابقہ وصیت نہ تو صحیح ہوگی اور نہ ہی نافذ ہوگی اس لیے وصیت اور اقرار میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے الگ الگ ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى مِنْ مَالِ رَجُلٍ لِآخَرَ بِأَلْفٍ بِعَيْنِهِ فَأَجَازَ صَاحِبُ الْمَالِ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ فَإِنْ دَفَعَهُ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَهُ أَنْ يَمْنَعَ، لِأَنَّ هٰذَا تَبَرُّعٌ بِمَالِ الْغَيْرِ فَيَتَوَقَّفُ عَلٰى إِجَازَتِهِ، وَإِذَا أَجَازَ يَكُوْنُ تَبَرُّعًا مِنْهُ أَيْضًا فَلَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ مِنَ التَّسْلِيْمِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ وَأَجَازَتِ الْوَرَثَةُ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ فِيْ مَخْرَجِهَا صَحِيْحَةٌ لِمُصَادَفَتِهَا مِلْكَ نَفْسِهِ وَالْإِمْتِنَاعُ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ فَإِذَا أَجَازُوْهَا سَقَطَ حَقُّهُمْ فَنَفَذَ مِنْ جِهَةِ الْمُوْصِيْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے دوسرے کے مال میں سے کسی کے لیے ایک ہزار معین کی وصیت کی اور موصی کی موت کے بعد صاحب مال نے اجازت دے دی تو اگر اس نے موصیٰ لہ کو وہ مال دے دیا ہو تو جائز ہے اور صاحبِ مال کو دینے سے انکار کا بھی حق ہے، کیونکہ یہ مالِ غیر سے تبرع ہے لہٰذا غیر کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جب وہ اجازت دے گا تو اس کی طرف سے بھی تبرع ہوگا، اس لیے صاحب مال کو یہ حق ہے کہ وہ دینے سے منع کر دے۔

برخلاف اس صورت کے جب موصی نے تہائی مال سے زائد کی وصیت کی اور ورثاء نے اجازت دے دی، اس لیے کہ وصیت اپنے مخرج میں درست ہے، کیوں کہ وہ موصی کی ملکیت سے ملی ہوئی ہے اور اس وصیت کا ممتنع ہونا حقِ ورثاء کی وجہ سے تھا لیکن جب ورثاء نے اجازت دے دی تو اس کا حق ساقط ہو گیا، لہٰذا موصی کی طرف سے وصیت نافذ ہوگی۔

اللغات:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿ألف﴾ ایک ہزار۔ ﴿أجاز﴾ اجازت دے دی۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿دفع﴾ ادا کر دیا۔ ﴿تبرّع﴾ نفلی خرچ، غیر واجب عمل۔ ﴿یتوقف﴾ موقوف ہوگا۔ ﴿مصادفة﴾ برابر واقع ہونا۔ ﴿امتناع﴾ روک، ممانعت۔

کسی دوسرے کے مال سے وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان کے پاس امانت کے طور پر مثلاً سلیم کی کچھ رقم رکھی ہوئی تھی اب نعمان نے سلیم سے اجازت لئے بغیر اس میں سے ایک ہزار روپئے کی سلمان کو وصیت کر دی تو یہ وصیت مالکِ مال یعنی سلیم کی اجازت پر موقوف رہے گی اب اگر موصی کی موت کے بعد مالک اس کی اجازت دے کر موصیٰ بہ یعنی الف موصی لہ کے حوالے کر دیتا ہے تو یہ وصیت درست اور نافذ ہوگی اور جب تک مالکِ مال موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے حوالے نہیں کرے گا اس وقت تک وصیت صحیح اور نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ موصی کا یہ فعل ہبہ کے درجے میں ہے اور ہبہ کی تمامیت اور تکمیل کے لیے موہوب پر موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں تکمیل

وصیت کے لیے موصیٰ بہ پر موصیٰ لہ کا قبضہ ضروری ہے اور جب تک مالکِ مال موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے سپرد نہیں کر دیتا اس وقت تک اسے وصیت مسترد اور ختم کرنے کا پورا حق ہے، اس لیے کہ یہ اس کے مال سے ہبہ ہے اس لیے اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اور اسے اجازت دینے اور نہ دینے دونوں کا حق ہوگا اور جب وہ اجازت دے دے گا تو یہ فعل اس کی طرف سے بھی تبرع ہوگا اور خود اسے بھی اس کا ثواب ملے گا۔

بخلاف ما إذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خود مالکِ مال نے اپنے مال میں سے تہائی سے زائد مال کی وصیت کی اور ورثاء نے اجازت دے کر اسے ہری جھنڈی دکھا دی تو درست ہے، اس لیے کہ وصیت یہاں صحیح ہے، کیونکہ موصی نے اپنی ملکیت میں وصیت کی ہے لیکن چوں کہ اس نے موصیٰ بہ کی مقدار بڑھا دی ہے اور وہ زائد مقدار ورثاء کا حق ہے۔ اس لیے یہ وصیت ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی اور جب ورثاء اجازت دے دیں گے تو درست ہو جائے گی، کیونکہ اس کا امتناع حق ورثاء کی وجہ سے ہے اور اجازت دے کر ورثاء نے اپنا یہ حق ساقط کر دیا ہے۔

قَالَ وَإِذَا اقْتَسَمَ الْإِبْنَانِ تَرِكَةَ الْأَبِ أَلْفًا ثُمَّ أَقَرَّ أَحَدُهُمَا لِرَجُلٍ أَنَّ الْأَبَ أَوْصٰى لَهُ بِثُلُثِ مَالِهٖ فَإِنَّ الْمُقِرَّ يُعْطِيْهِ ثُلُثَ مَا فِيْ يَدِهٖ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ أَنْ يُعْطِيَهُ نِصْفَ مَا فِيْ يَدِهٖ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ إِقْرَارَهُ بِالثُّلُثِ لَهُ تَضَمَّنَ إِقْرَارَهُ بِمُسَاوَاتِهٖ إِيَّاهُ، وَالتَّسْوِيَةُ فِيْ إِعْطَاءِ النِّصْفِ لِيَبْقٰى لَهُ النِّصْفُ، وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ أَنَّهُ أَقَرَّ بِثُلُثٍ شَائِعٍ فِي التَّرِكَةِ وَهِيَ فِيْ أَيْدِيْهِمَا فَيَكُوْنُ مُقِرًّا بِثُلُثِ مَافِيْ يَدِهٖ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ أَحَدُهُمَا بِدَيْنٍ لِغَيْرِهٖ، لِأَنَّ الدَّيْنَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْمِيْرَاثِ فَيَكُوْنُ مُقِرًّا بِتَقَدُّمِهٖ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب دو بیٹوں نے باپ کا ترکہ ایک ہزار تقسیم کر لیا پھر ان میں سے ایک نے کسی شخص کے لیے یہ اقرار کیا کہ والد محترم نے اس کے لیے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو مقر مقر لہ کو اس مال کا ثلث دے گا جو اس کے قبضے میں ہے اور یہ استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ مقر اسے اپنا نصف مال دے اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، کیونکہ مقر کا موصیٰ لہ کے لیے ثلث کا اقرار کرنا اس کے ساتھ مساوات کے اقرار کو متضمن ہے اور مساوات نصف دینے میں ہے تا کہ مقر کے لیے نصف باقی رہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مقر نے ایسے ثلث کا اقرار کیا ہے جو ترکہ میں شائع ہے اور ترکہ ان دونوں کے قبضہ میں ہے، لہٰذا وہ اپنے قبضہ کیے ہوئے مال میں ثلث کا اقرار کرنے والا ہوگا۔ برخلاف اس صورت کے جب ان میں سے ایک نے اپنے علاوہ کے لیے دین کا اقرار کیا ہو، کیونکہ دین میراث پر مقدم ہوتا ہے، لہٰذا وہ غیر کے تقدم کا اقرار کرنے والا ہوگا اس لیے غیر کو اس پر مقدم کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿اقتسم﴾ تقسیم کر لیا۔ ﴿ألف﴾ ہزار۔ ﴿أقرّ﴾ اقرار کیا۔ ﴿أوصٰی﴾ وصیت کی تھی۔ ﴿مقرّ﴾ اقرار کرنے والا۔ ﴿مساوات﴾ برابر ہونا۔ ﴿تسویة﴾ برابر کرنا۔ ﴿إعطاء﴾ دینا۔ ﴿دین﴾ قرض۔

میراث کی تقسیم کے بعد کسی وارث کے وصیت کا اقرار کرنے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان کے دولڑکے ہیں، سلیم اور سلمان، نعمان کا انتقال ہوا اور اس نے ایک ہزار روپے ترکہ چھوڑا جسے اس کے دونوں بیٹوں نے آپس میں تقسیم کرلیا اور تقسیم کے بعد ایک لڑکا کہنے لگا کہ والد محترم نے سعدان کے لیے تہائی مال کی وصیت کی تھی تو اس صورت میں استحسان اور قیاس دونوں کے الگ الگ نظریئے ہیں۔ استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ جس لڑکے نے سعدان کے لیے وصیت کا اقرار کیا ہے وہ اپنے حصے کے پانچ سو میں سے ثلث مقرلہ اور موصیٰ لہ کو دے دے اور جس نے اقرار نہیں کیا ہے وہ بری الذمہ ہے یعنی وہ کچھ بھی نہیں دے گا، بل کہ صرف مقر دے گا، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ مقر اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے اور ایک کا اقرار دوسرے کے حق میں معتبر نہیں ہوتا۔

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مقر مُقر لہ کو اپنے حصے کا نصف مال دے گا، یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی بھی رائے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مقرلہ کے لیے مقر کی جانب سے مال کا اقرار اس بات کو متضمن ہے کہ مقرلہ اور مقر کا حصہ برابر ہے اور برابری اسی صورت میں متحقق ہوگی جب مقرلہ مقر کو اپنے حصے کا نصف دے۔ لیکن صورتِ مسئلہ میں قیاس چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا گیا ہے اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مقر نے مقرلہ کے لیے ایسے ثلث کا اقرار کیا ہے جو پورے ترکہ میں شائع ہے اور باپ کا ترکہ تقسیم ہوکر ان دونوں بھائیوں کے قبضے میں ہے اور ایک بھائی اقرار نہ کرنے کی وجہ سے بری الذمہ ہے، اس لیے مقر صاحب اپنے حصے کا ثلث مقرلہ کو دیں گے۔

بخلاف ما إذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مقر نے کسی کے لیے باپ پر لازم شدہ دین کا اقرار کیا تو اس صورت میں مقر کے حصے سے اس دین کی ادائیگی ہوگی اگر چہ مقر کا پورا حصہ اس میں ختم ہو جائے، کیونکہ دین میراث سے مقدم ہوتا ہے اور میت کے ترکہ سے سب سے پہلے اس کے قرضے ہی ادا کئے جاتے ہیں، لہٰذا مقر کا کسی کے لیے دین کا اقرار کرنا درحقیقت، اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مقرلہ مرحوم کے ترکہ کا سب سے پہلا اور بڑا حق دار ہے لہٰذا مرحوم کے ترکہ میں اسے مقدم کیا جائے گا اور اس کا حق دیا جائے گا۔

أَمَّا الْمُوْصٰى لَهٗ بِالثُّلُثِ شَرِيْكُ الْوَارِثِ فَلَايُسَلَّمُ لَهٗ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُّسَلِّمَ لِلْوَرَثَةِ ثُلُثَاهُ، وِ لِأَنَّهٗ أَخَذَ مِنْهُ نِصْفَ مَافِيْ يَدِهٖ فَرُبَّمَا يُقِرُّ الْإِبْنُ الْاٰخَرُ بِهٖ أَيْضًا فَيَأْخُذُ نِصْفَ مَافِيْ يَدِهٖ فَيَصِيْرُ نِصْفُ التَّرِكَةِ فَيَزْدَادُ عَلَى الثُّلُثِ.

ترجمه: رہا موصی لہ بالثلث تو وہ وارث کا شریک ہے اس لیے شریک کو کوئی چیز نہیں دی جائے گی الا یہ کہ ورثاء کے لیے دوثلث سالم رہے۔ اور اس لیے کہ اگر موصیٰ لہ مقر سے اس کے قبضے کا نصف مال لے لے تو ہوسکتا ہے کہ دوسرا بیٹا بھی اس کا اقرار کر لے اور موصیٰ لہ اس کے قبضے کا بھی نصف مال لے لے اور یہ نصف ترکہ ہوکر ثلث سے بڑھ جائے۔

اللغات:

﴿موصٰی له﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ ﴿ثلث﴾ ایک تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿لا یسلّم﴾ نہیں سپرد کیا جائے گا۔ ﴿یسلم﴾ سپرد کردے۔ ﴿یزاد﴾ اضافہ ہوجائے گا، بڑھ جائے گا۔

میراث کی تقسیم کے بعد کسی وارث کے وصیت کا اقرار کرنے کی صورت:

فرماتے ہیں کہ اگر مقر لہ قرض خواہ ہو تو اسے مقدم کیا جاتا ہے لیکن اگر مقر لہ موصی لہ ہو تو اس صورت میں اسے مقدم نہیں کیا جائے گا بل کہ ورثاء کے لیے دوثلث محفوظ رکھ کر ہی اسے کچھ دیا جائے گا، کیونکہ موصیٰ لہ صرف ثلث کا مستحق ہے اور اگر ہم اسے مقر سے نصف دلا دیں اور پھر مرحوم کا دوسرا بیٹا بھی اس کے حق میں اقرار کردے تو اس سے بھی نصف دلائیں اور یہ بڑھ کر نصف ترکہ ہوجائے حالانکہ اس کا حق صرف ثلث ہے نہ کہ نصف، اس لیے موصی لہ کے لیے صرف ثلث تک دیئے جانے کی اجازت ہوگی اور اسے ثلث سے زائد نہیں ملے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ وَلَدًا وَكِلَاهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوْصٰى لَهُ، لِأَنَّ الْأُمَّ دَخَلَتْ فِي الْوَصِيَّةِ اَصَالَةً وَالْوَلَدَ تَبْعًا حِيْنَ كَانَ مُتَّصِلًا بِالْأُمِّ فَإِذَا وَلَدَتْ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، وَالتَّرِكَةُ قَبْلَهَا مُبْقَاةٌ عَلٰى مِلْكِ الْمَيِّتِ حَتّٰى يُقْضٰي بِهَا دُيُوْنُهُ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ فَيَكُوْنَانِ لِلْمُوْصٰى لَهُ، وَإِنْ لَمْ يَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ ضَرَبَ بِالثُّلُثِ وَأَخَذَ مَا يَخُصُّهُ مِنْهُمَا جَمِيْعًا فِيْ قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَأْخُذُ ذٰلِكَ مِنَ الْأُمِّ فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ أَخَذَهُ مِنَ الْوَلَدِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی شخص کے لیے باندی کی وصیت کی اور موصی کی موت کے بعد باندی نے ایک بچہ جنا اور زچہ بچہ دونوں ثلث سے نکل جاتے ہوں تو وہ دونوں موصیٰ لہ کے ہیں، کیونکہ ام اصلا وصیت میں داخل ہے اور ولد تبعاً داخل ہے، کیونکہ وہ ماں کے ساتھ متصل تھا پھر جب باندی نے تقسیم سے پہلے بچہ جنا اور تقسیم سے پہلے ترکہ میت کی ملکیت پر باقی رہتا ہے حتی کہ اس سے میت کے قرضے ادا کیے جاتے ہیں تو بچہ وصیت میں داخل ہوگا اور دونوں موصیٰ لہ کے لیے ہوں گے۔ اور اگر وہ دونوں ثلث سے نہ نکلیں تو موصیٰ لہ ثلث لے گا اور ان میں سے جو اس کے حصے میں آئے اسے لے گا۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول میں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موصیٰ لہ ماں سے ثلث وصول کرے گا اور اگر کچھ بچ جائے تو اسے بچہ سے لے گا۔

اللغات:

﴿أوصٰى﴾ وصیت کی۔ ﴿جارية﴾ باندی، لونڈی۔ ﴿ولدت﴾ بچہ جنا۔ ﴿مبقاة﴾ باقی رکھا جاتا ہے۔ ﴿يقضٰى﴾ ادا کیا جاتا ہے۔ ﴿ديون﴾ واحد دین؛ قرضے۔ ﴿موصٰى له﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ ﴿فضل﴾ بڑھ گیا، زیادہ ہوا۔

موصی بہ باندی کے بچہ جننے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کے لیے اپنی باندی کی وصیت کی اور یہ کہا کہ میری موت کے بعد فلاں باندی فلاں شخص کو دے دی جائے اب موصی کی موت کے بعد موصیٰ بہا باندی نے ایک بچہ جنا تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ باندی اور بچہ کے علاوہ موصی کے ترکہ میں دوثلث یا اس سے زائد مال ہے یا نہیں؟ اگر ان کے علاوہ موصی کے ترکہ میں دوثلث مال ہو تو موصیٰ لہ کو

باندی اور بچہ دونوں دیئے جائیں گے اور باندی اصالۃً وصیت میں داخل ہوگی جب کہ بچہ تبعاً داخل ہوگا، اس لیے کہ بچہ وصیت کے وقت ماں سے متصل تھا، لہٰذا ماں کے تابع ہو کر وہ بھی وصیت میں داخل ہو جائے گا، اور تقسیم سے پہلے میت کا ترکہ اسی کی ملکیت میں شمار ہوتا ہے، اسی لیے اس ترکہ سے سب سے پہلے میت کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں، لہٰذا وصیت کے بعد پیدا ہونے والا بچہ بھی میت کے ترکہ میں شامل ہوگا اور ماں کے ساتھ وصیت میں داخل ہوگا۔

وإن لم یخرجا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ماں اور بچہ دونوں ثلث سے نہ نکلیں یعنی ان کے علاوہ موصی کے ترکہ میں دوثلث یا اس سے زائد مال نہ ہو تو اس صورت میں حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں موصی لہ باندی اور بچہ دونوں سے ثلث وصول کرے گا جب کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصیٰ لہ اپنا حق یعنی ثلث باندی سے وصول کرے گا اور اگر اس سے ثلث مکمل ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ مابقی کی تکمیل وہ بچہ سے کرے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک مثال سے سمجھایا ہے وہ بھی ملاحظہ کرلیں۔

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ عَيَّنَ صُوْرَةً وَقَالَ رَجُلٌ لَهُ سِتُّ مِائَةِ دَرَاهِمَ وَاَمَةٌ تُسَاوِيْ ثَلَاثَ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَأَوْصٰى بِالْجَارِيَةِ لِرَجُلٍ ثُمَّ مَاتَ فَوَلَدَتْ وَلَدًا يُسَاوِيْ ثَلَاثَ مِائَةِ دِرْهَمٍ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَلِلْمُوْصٰى لَهُ الْأُمُّ وَثُلُثُ الْوَلَدِ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا لَهُ ثُلُثَا كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا.

ترجمہ: اور جامع صغیر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صورت متعین کی ہے اور فرمایا کہ ایک شخص کے پاس چھ سو دراہم ہیں اور ایک باندی ہے جس کی قیمت تین سو درہم ہے اور اس شخص نے کسی کے لیے باندی کی وصیت کی پھر موصی کا انتقال ہوگیا اور باندی نے تقسیم سے پہلے ایک بچہ جنا جو تین سو درہم کے مساوی ہے تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصیٰ لہ کو باندی اور لڑکے کا ثلث ملے گا اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں موصیٰ لہ کو دونوں کے دوثلث ملیں گے۔

اللغات:

﴿عیّن﴾ معین کیا، متعین کیا۔ ﴿جاریة﴾ باندی، لونڈی۔ ﴿یساوی﴾ برابر ہو۔ ﴿موصٰی له﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔

موصی بہ باندی کے بچہ جننے کی صورت:

ماقبل میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے مابین جو مختلف فیہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے یہ اس کی مثال ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس چھ سو درہم ہیں اور ایک باندی ہے جو تین سو مالیت کی ہے اور اس نے اپنی باندی کی کسی کے لیے وصیت کی پھر موصی کے انتقال کے بعد ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس باندی نے ایک بچہ جنا اور وہ بچہ تین سو کی مالیت کا ہے تو اب میت کا کل ترکہ ۱۲۰۰ ہوگیا جس کا ثلث ۴۰۰ چار سو ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصیٰ لہ کو تین سو کی باندی ملے گی اور بچہ جو تین سو کی مالیت کا ہے اس کا ایک ثلث ملے گا اور کل ملا کر ترکہ کے ثلث (۴۰۰) کے برابر رقم ہوگی۔ اور حضرات صاحبین کے یہاں موصیٰ لہ کو باندی اور بچہ دونوں کے دوثلث ملیں گے اور ان میں سے ہر ایک کے دوثلث دو سو روپئے ہیں لہٰذا دونوں کے دو دو ثلث ملا کر چار سو

ہو جائیں گے جو میت کے ترکہ کا ایک ثلث ہے۔

لَهُمَا مَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْوَلَدَ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ تَبْعًا حَالَةَ الْإِتِّصَالِ فَلَايَخْرُجُ عَنْهَا بِالْإِنْفِصَالِ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَالْعِتْقِ فَتَنفُذُ الْوَصِيَّةُ فِيهِمَا عَلَى السَّوَاءِ مِنْ غَيْرِ تَقْدِيمِ الْأُمِّ وَلَهُ أَنَّ الْأُمَّ أَصْلٌ وَالْوَلَدُ تَبْعٌ فِيهِ، وَالتَّبْعُ لَايُزَاحِمُ الْأَصْلَ فَلَوْ نَفَذْنَا الْوَصِيَّةَ فِيهِمَا جَمِيعًا تَنْتَقِضُ الْوَصِيَّةُ فِي بَعْضِ الْأَهْلِ وَذٰلِكَ لَايَجُوْزُ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ، لِأَنَّ تَنْفِيْذَ الْبَيْعِ فِي التَّبْعِ لَايُؤَدِّيْ إِلٰى نَقْضِهِ فِي الْأَصْلِ، بَلْ يَبْقٰى تَامًّا صَحِيْحًا فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ لَايُقَابِلُهُ بَعْضُ الثَّمَنِ ضَرُوْرَةَ مُقَابَلَتِهِ بِالْوَلَدِ إِذَا اتَّصَلَ بِهِ الْقَبْضُ وَلٰكِنَّ الثَّمَنَ تَابِعٌ فِي الْبَيْعِ حَتّٰى يَنْعَقِدَ الْبَيْعُ بِدُوْنِ ذِكْرِهِ وَإِنْ كَانَ فَاسِدًا، هٰذَا إِذَا وَلَدَتْ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، فَإِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لِلْمُوْصٰى لَهُ لِأَنَّهُ نَمَاءٌ خَالِصٌ مَلَكَهُ لِتَقَرُّرِ مِلْكِهِ فِيْهِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ.

ترجمه: حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ بچہ اتصال کے وقت سے تبعاً وصیت میں داخل ہے، لہٰذا انفصال کی وجہ سے بچہ وصیت سے خارج نہیں ہوگا جیسے بیع اور عتق میں ہے، لہٰذا ان میں یکساں طور پر وصیت نافذ ہوگی اور ماں کی تقدیم نہیں ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ماں اصل ہے اور بچہ اس میں تابع ہے اور تابع اصل کا مزاحم نہیں ہوتا سو اگر ہم ماں اور بچہ دونوں میں وصیت کو نافذ کر دیں تو کچھ اصل میں وصیت ٹوٹ جائے گی اور یہ جائز نہیں ہے۔ برخلاف بیع کے، کیونکہ تابع میں بیع کی تنفیذ اصل میں بیع توڑنے کا سبب نہیں ہے، بل کہ اصل میں بیع تام اور صحیح رہے گی لیکن اصل کے مقابلے میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں آئے گا جیسا کہ بچہ کے ساتھ کچھ ثمن مقابل ہوتا ہے جب کہ بچہ کے ساتھ قبضہ متصل ہوتا ہم بیع میں ثمن تابع ہوتا ہے یہاں تک کہ ذکرِ ثمن کے بغیر بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے اگرچہ فاسد ہوتی ہے۔

یہ اس وقت ہے جب باندی نے تقسیم سے پہلے بچہ جنا ہو لیکن اگر اس نے تقسیم کے بعد بچہ جنا تو وہ موصیٰ لہ کا ہے کیونکہ وہ اس کی ملکِ خالص کی بڑھوتری ہے، اس لیے کہ تقسیم کے بعد اس میں موصیٰ لہ کی ملکیت پختہ ہو گئی ہے۔

اللغات:

﴿اتصال﴾ ساتھ جڑا ہونا، ملا ہوا ہونا۔ ﴿انفصال﴾ جدا ہونا، علیحدہ ہونا۔ ﴿عتق﴾ آزادی۔ ﴿تقدیم﴾ آگے کرنا۔ ﴿لا یزاحم﴾ نہیں مقابلہ کرتا۔ ﴿نفّذنا﴾ ہم نافذ کر دیں۔ ﴿نماء﴾ اضافہ، بڑھوتری۔

ائمہ کے دلائل:

یہاں سے دونوں فریق کی دلیل بیان کی گئی ہے چنانچہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل بیان کرتے ہوئے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ بچہ بوقتِ وصیت ماں کے ساتھ متصل ہے اور وصیت میں داخل ہے اگرچہ تبعاً داخل ہے، لہٰذا جب بچہ اتصال کی حالت

میں وصیت میں داخل ہے تو بحالتِ انفصال وصیت سے خارج نہیں ہوگا جیسے کسی نے حاملہ باندی خریدی یا بیچی تو ظاہر ہے کہ ماں کے ساتھ ساتھ بچہ بھی بیع میں داخل ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص حاملہ باندی کو آزاد کرے تو ماں کے ساتھ بچہ بھی آزاد ہوگا اور ولادت کے بعد اس پر عبدیت ورقیت عود نہیں کرے گی۔ ایسے ہی صورت مسئلہ میں بھی جو بچہ بوقتِ وصیت ماں سے متصل تھا وہ وصیت میں داخل شمار ہوگا اور وصیت سے خارج نہیں ہوگا اور جب ماں بیٹے دونوں وصیت میں داخل ہوں گے تو موصیٰ لہ دونوں سے اپنا حق لے گا اور ماں کو بچہ پر مقدم نہیں کیا جائے گا یعنی صرف ماں سے وہ ثلث نہیں لے گا۔

ولہ أن الأم الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میں ماں اصل ہے اور بچہ اس کے تابع ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ تابع اصل کا مزاحم نہیں ہوتا اس لیے صورتِ مسئلہ میں بچہ وصیت میں اپنی ماں کا مزاحم اور مقابل نہیں ہوگا اور وصیت کا اصل نفاذ ماں میں ہوگا، کیونکہ اگر صاحبین کی طرح ماں اور بچہ دونوں میں ہم وصیت نافذ کریں گے تو بچہ اصل یعنی ماں کا مزاحم ہوجائے گا اور اس کے بعض حصے میں وصیت باطل کردے گا حالانکہ اصل میں وصیت کا بطلان خلافِ اصل واصول ہے، لہٰذا ہمارے یہاں اولاً اصل یعنی ماں میں وصیت نافذ ہوگی اور اگر اس سے موصیٰ لہ کے حق یعنی ثلث کی تکمیل نہیں ہوگی تو پھر ماںقی حصہ ولد سے لیا جائے گا۔

بخلاف البیع الخ: صاحب ہدایہؒ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قیاس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ حضرات کا صورتِ مسئلہ کو بیع پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع میں تابع کے اندر بیع نافذ کرنے سے اصل میں بیع کی صحت اور سالمیت پر کوئی آنچ نہیں آتی اور اصل میں بدستور بیع درست اور صحیح رہتی ہے ہاں ثمن میں کچھ فرق پڑتا ہے کہ تابع میں بیع کی تنفیذ سے اصل سے کچھ ثمن کٹ کر اس کے مقابلے میں بھی کچھ ثمن ہوجاتا ہے، لیکن ثمن میں فرق پڑنے سے صحتِ بیع پر کوئی اثر نہیں ہوگا، کیونکہ بیع میں ثمن تابع ہوتا ہے اور ثمن کے تذکرے اور تعین کے بغیر بھی بیع منعقد ہوجاتی ہے اگرچہ فاسد ہوتی ہے لیکن انعقادِ بیع اس امر کی دلیل ہے کہ بیع میں ثمن تابع ہوتا ہے اور تابع میں فرق آنے سے اصل بیع میں کوئی فرق نہیں ہوتا اس لیے صورت مسئلہ کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ صورت مسئلہ میں اگر ہم تابع یعنی بچہ میں وصیت نافذ کردیں تو اصل یعنی وصیت میں فرق پڑ جائے گا اور پوری باندی کی جگہ اس کا دو ثلث ہی موصیٰ بہ قرار پائے گا، اسی لیے ہم نے وصیت والی صورت میں تابع میں وصیت کی تنفیذ اور تصحیح سے گریز کیا ہے۔

هذا إذا الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام تفصیلات اس صورت میں ہیں جب باندی نے موصی کے ترکہ کی تقسیم سے پہلے بچہ جنا ہو لیکن اگر باندی نے بعد از تقسیم بچہ جنا ہو تو اس صورت میں ڈنکے کی چوٹ پر وہ بچہ موصیٰ لہ کا ہوگا اور اس میں کوئی ''رگڑا اور جھگڑا'' نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ خالص اس کے حق اور اس کے مال کی بڑھوتری ہے لہٰذا اس میں کسی اور کی دال نہیں گلنے والی ہے۔

فَصْلٌ فِيْ اِعْتِبَارِ حَالَةِ الْوَصِيَّةِ

یہ فصل وصیت کی حالت کا اعتبار کرنے کے بیان میں ہے

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ثلث سے زائد کی وصیت کا نفاذ اور جواز ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اس فصل میں یہ بیان کیا جائے گا کہ وصیت میں ایجابِ وصیت کا وقت معتبر ہوتا ہے یا موت کے وقت کی حالت معتبر ہوتی ہے اور چوں کہ وصیت موصوف اور متبوع ہے اور اس کی حالت تابع اور صفت ہے اور صفت موصوف سے مؤخر ہوتی ہے، اس لیے صاحب کتاب نے اس ضابطہ کی رعایت کرتے ہوئے صفت یعنی وصیت کی حالت کو موصوف یعنی وصیت کے بعد بیان کیا ہے۔

قَالَ وَإِذَا أَقَرَّ الْمَرِيْضُ لِاِمْرَأَةٍ بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصٰى لَهَا بِشَيْءٍ أَوْ وَهَبَ لَهَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا ثُمَّ مَاتَ جَازَ الْإِقْرَارُ وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ وَالْهِبَةُ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ مُلْزِمٌ بِنَفْسِهٖ وَهِيَ أَجْنَبِيَّةٌ عِنْدَ صُدُوْرِهٖ وَلِهٰذَا يُعْتَبَرُ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ وَلَايَبْطُلُ بِالدَّيْنِ إِذَا كَانَ فِيْ حَالَةِ الصِّحَةِ أَوْ فِيْ حَالَةِ الْمَرَضِ إِلَّا أَنَّ الثَّانِيَ يُؤَخَّرُ عَنْهُ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ لِأَنَّهَا إِيْجَابٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَهِيَ وَارِثَةٌ عِنْدَ ذٰلِكَ وَلَاوَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ، وَالْهِبَةُ وَإِنْ كَانَتْ مُنَجَّزَةً صُوْرَةً فَهِيَ كَالْمُضَافِ إِلٰى مَابَعْدَالْمَوْتِ حُكْمًا، لِأَنَّ حُكْمَهَا يَتَقَرَّرُ عِنْدَالْمَوْتِ، أَلَا تَرٰى أَنَّهَا تَبْطُلُ بِالدَّيْنِ الْمُسْتَغْرِقِ وَعِنْدَ عَدَمِ الدَّيْنِ تُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب مریض نے کسی عورت کے لیے قرض کا اقرار کیا یا اس کے لیے کسی چیز کی وصیت کی یا اسے کچھ ہبہ کیا پھر اس سے نکاح کرلیا اس کے بعد مرگئی تو اقرار جائز ہے اور وصیت اور ہبہ باطل ہے، کیونکہ اقرار بذاتِ خود ملزم ہے اور صدورِ اقرار کے وقت وہ عورت اجنبی ہے، اسی لیے پورے مال سے اقرار معتبر ہوگا اور قرض کی وجہ سے اقرار باطل نہیں ہوگا جب کہ وہ بحالت صحت ہو یا بحالتِ مرض ہو لیکن دوسرا پہلے سے موخر کیا جائے گا۔

برخلاف وصیت کے، کیونکہ وصیت موت کے وقت ایجاب ہے اور عورت موت کے وقت وارث ہے اور وارث کے لیے وصیت درست نہیں ہے، اور ہبہ اگر چہ صورتاً منجز ہوتا ہے، لیکن وہ ایسا ہے جیسے حکماً مابعد الموت کی طرف مضاف ہو، اس لیے کہ ہبہ کا حکم موت کے وقت متقرر ہوتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ دین مستغرق کی وجہ سے ہبہ باطل ہوجاتا ہے اور دین نہ ہونے کی صورت میں تہائی مال سے ہبہ معتبر ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿أقرّ﴾ اقرار کیا۔ ﴿امرأة﴾ عورت، بیوی۔ ﴿دَین﴾ قرضہ۔ ﴿وهب﴾ ہبہ کیا، ہدیہ دیا۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا ہے۔ ﴿منجزة﴾ فوری، غیر مشروط، غیر معلق۔ ﴿الدين المستغرق﴾ وہ قرض جو کل ترکے کے بقدر ہو۔

حالت مرض میں کسی عورت کے لیے اقرار وصیت اور ہبہ کرنے کے بعد اس سے نکاح کرنے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مریض شخص نے کسی اجنبیہ عورت کے لیے کچھ مال کا اقرار کیا یا اس کے لیے کسی چیز کی وصیت کی یا اسے کوئی چیز ہبہ کی اس کے بعد خود اس عورت سے نکاح کرلیا اور پھر اس شخص کا انتقال ہوا تو مذکورہ عورت کے حق میں صرف اس کا اقرار صحیح ہوگا اور ہبہ اور وصیت دونوں چیزیں باطل ہوں گی۔ صحتِ اقرار کی دلیل یہ ہے کہ اقرار بذاتِ خود ملزم یعنی مقر پر مال لازم کرنے والا ہے اور یہ لزوم علی الفور ہوتا ہے اور بعد الموت کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جس وقت اس شخص نے اقرار کیا ہے اس وقت اس نے مقرلہا عورت سے نکاح نہیں کیا تھا اور وہ عورت اجنبیہ تھی اور اجنبیہ کے لیے اقرار درست ہے، لہٰذا یہ اقرار صحیح ہے اور مقر کے پورے مال سے معتبر ہے۔

اور اگر مقر میت پر دین ہو تو اس دین کی وجہ سے یہ اقرار باطل نہیں ہوگا خواہ حالت صحت کا ہو یا حالت مرض بہر دو صورت اقرار صحیح ہے البتہ حالت صحت والے دین کو اداء میں حالت مرض والے دین سے مقدم رکھا جائے گا۔

بخلاف الوصية الخ: صورت مسئلہ میں وصیت باطل ہے اور اس کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ وصیت میں جو تملیک ہے وہ مابعد الموت کی جانب مضاف ہوتی ہے اور مابعد الموت اور عند الموت وہ عورت موصی کی بیوی اور اس کی وارث ہے اور وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے اس لیے صورت مسئلہ میں وصیت باطل ہے۔ اور وصیت کے ساتھ اگر ہبہ ہو تو وہ بھی باطل ہے، کیونکہ یہ مریض مرض الموت کا ہبہ ہے اور مریض مرض الموت کا ہبہ اگرچہ صورتاً اور ظاہراً منجز ہوتا ہے، لیکن حکم اور معنی کے اعتبار سے یہ مابعد الموت کی طرف مضاف ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کا استحکام اور تقرر موت کے وقت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر میت پر دین محیط ہو تو ہبہ باطل ہو جاتا ہے اور اگر دین نہ ہو تو وصیت کی طرح ہبہ بھی تہائی مال سے معتبر ہوتا ہے، لہٰذا ان حوالوں سے ہبہ وصیت کے درجے میں ہوگا اور مذکورہ عورت کے لیے وصیت باطل ہے لہٰذا ہبہ بھی باطل ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا أَقَرَّ الْمَرِيْضُ لِإِبْنِهِ بِدَيْنٍ وَابْنُهُ نَصْرَانِيٌّ أَوْ وَهَبَ لَهُ أَوْ أَوْصٰى لَهُ فَأَسْلَمَ الْإِبْنُ قَبْلَ مَوْتِهِ بَطَلَ ذٰلِكَ كُلُّهُ، أَمَّا الْهِبَةُ وَالْوَصِيَّةُ فَلِمَا قُلْنَا إِنَّهُ وَارِثٌ عِنْدَالْمَوْتِ وَهُمَا إِيْجَابَانِ عِنْدَهُ أَوْ بَعْدَهُ، وَالْإِقْرَارُ وَإِنْ كَانَ مُلْزِمًا بِنَفْسِهِ وَلٰكِنَّ سَبَبَ الْإِرْثِ وَهُوَ الْبُنُوَّةُ قَائِمٌ وَقْتَ الْإِقْرَارِ فَيُعْتَبَرُ فِيْ إِيْرَاثِ تُهْمَةُ الْإِيْثَارِ، بِخِلَافِ مَاتَقَدَّمَ، لِأَنَّ سَبَبَ الْإِرْثِ (الزَّوْجِيَّةَ) وَهِيَ طَارِئَةٌ حَتّٰى لَوْ كَانَتِ الزَّوْجِيَةُ قَائِمَةً وَقْتَ الْإِقْرَارِ وَهِيَ نَصْرَانِيَةٌ ثُمَّ أَسْلَمَتْ قَبْلَ مَوْتِهِ لَايَصِحُّ الْإِقْرَارُ لِقِيَامِ السَّبَبِ حَالَ صُدُوْرِهِ وَكَذَا لَوْكَانَ الْإِبْنُ عَبْدًا أَوْ مُكَاتَبًا فَأُعْتِقَ لِمَا ذَكَرْنَا.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر مریض نے اپنے بیٹے کے لیے دَین کا اقرار کیا اور اس کا بیٹا نصرانی ہے یا اس کے لیے ہبہ کیا یا وصیت

کی اور اس کی موت سے پہلے بیٹا مسلمان ہوگیا تو یہ سب باطل ہو جائے گا، رہا ہبہ اور وصیت تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ بیٹا بوقت موت وارث ہوگا، اور ہبہ اور وصیت دونوں موت کے وقت یا موت کے بعد ایجاب ہیں۔ اور اقرار اگر چہ بذاتِ خود ملزم ہے لیکن سببِ ارث یعنی بنوت بوقت اقرار موجود ہے، لہٰذا ایثار کی تہمت پیدا کرنے میں سببِ ارث معتبر ہوگا، برخلاف پہلے والے مسئلے کے۔ اس لیے سبب ارث یعنی زوجیت طاری ہے حتی کہ اگر بوقتِ اقرار زوجیت موجود ہوتی اور عورت نصرانیہ ہوتی پھر مقر کی موت سے پہلے مسلمان ہو جاتی تو اقرار صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ صدورِ اقرار کے وقت سبب ارث موجود ہے۔

اور ایسے ہی اگر بیٹا غلام یا مکاتب ہو پھر آزاد کر دیا جائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغاتُ:

﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿أسلم﴾ مسلمان ہوگیا۔ ﴿إیجاب﴾ واجب کرنا۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا۔ ﴿بنوّۃ﴾ بیٹا ہونا۔

کافر بیٹے کے لیے وصیت کی اور وہ موت سے پہلے مسلمان ہوگیا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مرض الموت میں مبتلا ہے اور اس کا ایک لڑکا ہے جو نصرانی ہے، اس نے اپنے اس لڑکے کے لیے قرض کی وصیت کی یا اسے کچھ ہبہ کیا یا اس کے لیے کسی چیز کی وصیت کی اور باپ کی موت سے پہلے اس کا نصرانی بیٹا مسلمان ہوگیا تو چوں کہ اب وہ لڑکا اپنے باپ کا وارث ہو چکا ہے اس لیے اس کے حق میں باپ کا اقرار، ہبہ اور وصیت سب کچھ باطل ہے۔ ہبہ اور وصیت کے بطلان کی دلیل وہی ہے اور موت سے پہلے اسلام لانے سے وہ بیٹا اپنے باپ کا وارث ہو چکا ہے لہٰذا **لا وصیة للوارث** کی رو سے اس کے حق میں وصیت اور ہبہ دونوں باطل ہیں، صاحب کتاب نے **وھما إیجابان عندہ أو بعدہ** کہا ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہبہ اور وصیت میں ایسا ایجاب ہوتا ہے جس میں بوقت موت تملیک ہوتی ہے یعنی تملیک مضاف عند الموت اور بعدہ کی وضاحت یہ ہے **الترکة مبقاۃ علی ملك المیت بعد الموت**۔

والإقرار الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل والے مسئلے میں شوہر کی طرف سے عورت کے حق میں کیا گیا اقرار معتبر اور صحیح تھا لیکن اس لڑکے کے حق میں اقرار بھی باطل ہے، کیونکہ اس لڑکے کو جو میراث مل رہی ہے وہ اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں مل رہی ہے، بلکہ اس کے مورث کا بیٹا ہونے کی وجہ سے مل رہی ہے اور بوقت اقرار بھی وہ لڑکا مورث کا بیٹا تھا اور اس وقت وہ اس کے حق میں اقرار کر کے اسے اپنے دوسرے ورثاء پر ترجیح دینا چاہ رہا تھا، لہٰذا اس ترجیح کی تہمت کو ختم کرنے کے لیے اس لڑکے کے حق میں اقرار کو بھی باطل قرار دیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف عورت والے مسئلے میں اس عورت کے حق میں مقر کا اقرار صحیح تھا، کیونکہ بوقتِ اقرار وہ عورت اجنبیہ تھی اور اب وہ رشتۂ زوجیت کی وجہ سے اپنے شوہر کی وارث ہو رہی ہے اور بوقتِ اقرار رشتۂ زوجیت معدوم تھا یہی وجہ ہے کہ اگر یہ عورت بوقتِ اقرار مقر کی بیوی ہو اگر چہ نصرانی ہو اور بعد میں مسلمان ہوگئی ہو تو اس کے حق میں بھی اقرار باطل ہوگا، اس لیے کہ اب اس کے حق میں بھی سبب ارث اور تہمتِ ایراث موجود ہے۔

وکذا لو کان الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا بیٹا غلام ہو یا مکاتب ہو اور باپ نے اس کے لیے اقرار یا وصیت یا ہبہ کیا اور پھر وہ لڑکا آزاد کر دیا گیا تو اس کے حق میں بھی یہ سب باطل ہے، کیوں کہ بوقت اقرار سبب ارث یعنی بنوّت موجود ہے۔ لما

ذکرنا سے صاحب کتاب نے اسی دلیل اور علت کی طرف اسارہ کیا ہے۔

وَذَكَرَ فِيْ كِتَابِ الْإِقْرَارِ إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ يَصِحُّ، لِأَنَّهُ أَقَرَّ لِمَوْلَاهُ وَهُوَ أَجْنَبِيٌّ، وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ لَايَصِحُّ، لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ لَهُ وَهُوَ ابْنُهُ، وَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِيْهَا وَقْتُ الْمَوْتِ، وَأَمَّا الْهِبَةُ فَيُرْوٰى أَنَّهَا تَصِحُّ لِأَنَّهَا تَمْلِيْكٌ فِي الْحَالِ وَهُوَ رَقِيْقٌ، وَفِيْ عَامَّةِ الرِّوَايَاتِ هِيَ فِيْ مَرَضِ الْمَوْتِ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ فَلَاتَصِحُّ.

ترجمه: اور مبسوط کی کتاب الاقرار میں ہے کہ اگر غلام پر دین نہ ہوتو اقرار صحیح ہے اس لیے کہ مقر نے اس غلام کے آقا کے لیے اقرار کیا ہے اور آقا اجنبی ہے۔ اور اگر غلام پر قرض ہوتو اقرار صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ اسی کے لیے اقرار ہے اور وہ مقر کا بیٹا ہے۔ اور وصیت باطل ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس میں موت کے وقت کا اعتبار ہے۔ رہا ہبہ تو ایک روایت یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہے کیونکہ وہ فی الحال تملیک ہے اور وہ غلام ہے اور اکثر روایات میں یہ ہے کہ مرض الموت میں ہبہ وصیت کے درجے میں ہے اس لیے صحیح نہیں ہے۔

اللغات:

﴿یروی﴾ روایت کیا گیا ہے۔ ﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔ ﴿رقیق﴾ غلام۔

غلام بیٹے کے لیے وصیت کرنا:

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں تو اقرار اور ہبہ وغیرہ کا حکم ایک ہے یعنی سب کے سب باطل ہیں، لیکن مبسوط کی کتاب الإقرار میں یہ صراحت ہے کہ اگر غلام پر قرض نہ ہو اور اس کا باپ اس کے لیے اقرار کرے تو صحیح ہے، کیونکہ غلام کے مدیون نہ ہونے کی صورت میں اس کا اقرار غلام کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اس کے آقا کے لیے ہوگا اور آقا اس کے مُقِر باپ سے اجنبی ہے اور اجنبی کے حق میں اقرار درست ہے۔ لیکن اگر غلام مقروض ہو تو چوں کہ مقر کا اقرار خود اسی غلام کے لیے ہوگا اور غلام مقر کا بیٹا ہے اس لیے اب اس کے حق میں اقرار صحیح نہیں ہے۔

والوصیة الخ: فرماتے ہیں کہ غلام اور مکاتب بیٹے کے لیے وصیت بھی باطل ہے، کیونکہ وصیت میں موت کے وقت کا اعتبار ہے اور بوقت موت اعتاق کی وجہ سے موصیٰ لہ موصی کا وارث ہے، اس لیے اس کے حق میں وصیت باطل ہے۔ رہا ہبہ تو اس کے متعلق دو روایتیں ہیں (۱) غلام اور مکاتب کے لیے ہبہ جائز ہے، کیونکہ ہبہ میں تملیک معجّل اور فوری ہوتی ہے اور چوں کہ فی الحال موہوب لہ غلام ہے اور واہب کا وارث نہیں ہے، اس لیے اس کے حق میں ہبہ صحیح ہے (۲) دوسری روایت یہ ہے کہ اس کے حق میں ہبہ بھی صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہ مرض الموت کا ہبہ ہے اور مرض الموت کا ہبہ وصیت کے درجے میں ہوتا ہے اور غلام یا مکاتب بیٹے کے حق میں باپ کی وصیت باطل ہے، لہٰذا اس کا ہبہ بھی ان کے حق میں باطل ہوگا۔ یہی عامۃ الروایات ہے۔

قَالَ وَالْمُقْعَدُ وَالْمَفْلُوْجُ وَالْأَشَلُّ وَالْمَسْلُوْلُ إِذَا تَطَاوَلَ ذٰلِكَ وَلَمْ يُخَفْ مِنْهُ الْمَوْتُ فَهِبَتُهُ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ إِذَا تَقَادَمَ الْعَهْدُ صَارَ طَبْعًا مِنْ طِبَاعِهِ وَلِهٰذَا لَايَشْتَغِلُ بِالتَّدَاوِيْ، وَلَوْصَارَ صَاحِبَ فِرَاشٍ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ كَمَرَضٍ حَادِثٍ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اپاہج، فالج زدہ، مشلول الید والرجل اور مریض مرض سل کا ہبہ پورے مال سے معتبر ہوگا بشرطیکہ یہ امراض

طول پکڑ لیں لیکن اس سے موت کا خوف نہ ہو، کیونکہ زیادہ دن ہوجانے سے یہ مرض مریض کی طبیعتوں میں سے ایک طبیعت کی شکل اختیار کرگیا، اسی لیے وہ مریض دوانہیں کرتا۔ اور اگر وہ اس کے بعد صاحبِ فراش ہوجائے تو وہ مرضِ جدید کی طرح ہوگا۔

اللغات:

﴿مُقعد﴾ معذور، اپاہج۔ ﴿أشلّ﴾ ٹنڈا، جس کا ہاتھ یا پاؤں کام نہ کرتا ہو۔ ﴿مسلول الرجل والید﴾ ایضاً۔ ﴿تطاول﴾ وقت گزر گیا ہو۔ ﴿لم یُخف﴾ خدشہ نہیں ہوتا۔ ﴿تداوی﴾ دوادارو کرنا۔

معتبر الوصیۃ مریض کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپاہج ہو اور کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو یا اس کے ہاتھ پاؤں شل ہوں یا اس کا پھیپھڑا خراب ہوگیا ہو اور ان امراض کو لمبا عرصہ گذر گیا ہو لیکن اس سے موت کا خطرہ نہ ہو اور وہ کسی کے لیے ہبہ کرے تو اس کا ہبہ پورے مال سے نافذ اور معتبر ہوگا اور وہ شخص تندرست شمار کیا جائے گا، اس لیے کہ جب کوئی مرض پرانا ہوجاتا ہے تو مریض کو اسے برداشت کرنے کی عادت ہوجاتی ہے اور وہ اس کی فطرت میں داخل ہوجاتا ہے، اسی لیے پرانے امراض کا علاج ومعالجہ بھی نہیں کرایا جاتا اور اس طرح کا مریض مریض ہی نہیں کہلاتا، لہٰذا اس کا تصرف اس کے پورے مال سے معتبر ہوتا ہے۔ اور اگر اس مرض کے بعد وہ شخص صاحب فراش ہوجائے اور بستر پکڑ لے تو اسے نیا مرض شمار کیا جائے گا اور اس وقت اس کا تصرف صرف تہائی مال سے معتبر ہوگا۔

وَإِنْ وَهَبَ عِنْدَ مَا أَصَابَهُ ذٰلِكَ وَمَاتَ مِنْ أَيَّامِهِ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ إِذَا صَارَ صَاحِبَ فِرَاشٍ، لِأَنَّهُ يُخَافُ مِنْهُ الْمَوْتُ، وَلِهٰذَا يَتَدَاوٰى فَيَكُوْنُ مَرَضَ الْمَوْتِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمه: اور اگر مریض نے ان امراض میں سے کسی مرض کے لاحق ہونے کے وقت ہبہ کیا اور انھیں ایام میں مرگیا، سو اگر وہ صاحب فراش ہوگیا ہو تو تہائی مال سے معتبر ہوگا، کیوں کہ اس سے موت کا خوف ہے اسی لیے وہ علاج بھی کرتا ہے لہٰذا یہ مرض الموت ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اللغات:

﴿أصاب﴾ پہنچا، مصیبت آئی۔ ﴿صاحب فراش﴾ بسترنشین، معذور۔ ﴿یتداوی﴾ علاج معالجہ کرتا ہے، دوا استعمال کرتا ہے۔

غیر معتبر الوصیہ مریض:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپاہج یا مشلول الید وغیرہ ہو اور اسی دوران اس نے کسی کے لیے کوئی چیز ہبہ کردی اور پھر مرگیا تو اگر وہ شخص صاحبِ فراش ہوکر مرا ہو تو اس کا ہبہ تہائی مال سے نافذ ہوگا، کیونکہ صاحب فراش ہوجانے سے اس مرض سے موت کا خطرہ لاحق ہوچکا ہے اور وہ مرض الموت بن گیا ہے، اسی لیے انسان اس مرض کے علاج ومعالجہ میں بھی مشغول ہوجاتا ہے اور مرض الموت میں انسان کا تصرف صرف ثلث سے معتبر ہوتا ہے لہٰذا اس شخص کا تصرف بھی ثلث مال سے ہی معتبر ہوگا۔

بَابُ الْعِتْقِ فِيْ مَرَضِ الْمَوْتِ
یہ باب مرض الموت میں آزاد کرنے کے بیان میں ہے

مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت کے درجے میں ہے، اس لیے کہ مرض الموت کے وقت کا تبرع اس زمانہ میں ہوتا ہے جس میں اس کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو چکا ہوتا ہے اور وارث اور وراثت کی بحث کتاب الوصایا میں ہے، اسی لیے صاحبِ کتاب نے اس باب کو کتاب الوصایا میں بیان کیا ہے، لیکن چوں کہ صریح وصیت اصل ہے اور عتق یہاں فرع ہے اس لیے صریح کے بیان کو فرع سے مقدم کیا گیا ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَعْتَقَ فِيْ مَرَضِهٖ عَبْدًا أَوْ بَاعَ وَحَابٰى أَوْ وَهَبَ فَذٰلِكَ كُلُّهٗ جَائِزٌ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثُّلُثِ، وَيَضْرِبُ بِهٖ مَعَ أَصْحَابِ الْوَصَايَا، وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ فَهُوَ وَصِيَّةٌ مَكَانَ قَوْلِهٖ جَائِزٌ، وَالْمُرَادُ الْإِعْتِبَارُ مِنَ الثُّلُثِ، وَالضَّرْبُ مَعَ أَصْحَابِ الْوَصَايَا لَاحَقِيْقَةَ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهَا إِيْجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ وَهٰذَا مُنَجَّزٌ غَيْرُ مُضَافٍ، وَاعْتِبَارُهٗ مِنَ الثُّلُثِ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْوَرَثَةِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے مرض الموت میں غلام آزاد کیا یا بیع کر کے اس میں محابات کیا یا ہبہ کیا تو یہ سب جائز ہے اور ثلث سے معتبر ہے اور وہ شخص ثلث میں اصحاب الوصایا کے ساتھ شریک ہوگا اور قدوری کے بعض نسخوں میں جائز کی جگہ وصیۃ ہے اور اس سے ثلث سے معتبر ہونا مراد ہے اور اس شخص کا اصحاب الوصایا کے ساتھ شریک ہونا مراد ہے نہ کہ اصلی وصیت مراد ہے، اس لیے کہ وصیت بعد الموت والی ایجاب ہے اور اعتاق منجز ہے اور بعد الموت کی طرف مضاف نہیں ہے اور یہ ثلث سے معتبر ہے، کیونکہ اس کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿أعتق﴾ آزاد کیا۔ ﴿حابٰی﴾ تبرعاً اپنے مال کو کم قیمت میں فروخت کیا، محابات فی البیع کی۔ ﴿منجز﴾ فوری، غیر مشروط، غیر معلق۔

مرض الموت میں غلام آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنا غلام آزاد کرے یا کسی کے لیے بیع کر کے محابات کرلے یعنی گراں

قیمت مال انتہائی سستے دام میں فروخت کر دے یا کسی کے لیے کچھ ہبہ کر دے تو ان میں سے ہر ہر تصرف درست اور جائز ہے اور اس کا نفاذ متصرف کے تہائی مال سے ہوگا اور جس کے لیے تصرف کیا ہے وہ شخص ثلث مال تک ورثاء کا شریک ہوگا۔

وفي بعض النسخ الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری کے بعض نسخوں میں **فذلك كله جائز** کے بجائے **فهو وصية** کی عبارت درج ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے یعنی مریض کے یہ تصرفات جائز ہیں اور وصیت کی طرح ثلث مال سے ان کا نفاذ ہوگا۔

والضرب الخ: فرماتے ہیں کہ یہاں جو یہ کہا گیا ہے کہ موہوب لہ یا مشتری اصحاب الوصایا کے ساتھ شریک ہوگا یا فهو **فهو وصية** اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مذکورہ تصرف وصیت ہے، اس لیے کہ وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہوتی ہے جب کہ ہبہ اور بیع وغیرہ فوری طور پر نافذ ہونے والے تصرف ہیں، اس لیے **فهو وصية** کا مطلب ہے **فهو كالوصية باعتبار النفاذ من ثلث المال** یعنی تہائی مال سے نافذ ہونے میں یہ وصیت کی طرح ہیں اور تہائی مال سے ان کے معتبر اور صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرض الموت میں مریض کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور جس مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اس میں مالک صرف تہائی مال سے تبرع کر سکتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ مَا ابْتَدَأَ الْمَرِيْضُ إِيْجَابَهُ عَلٰى نَفْسِهِ كَالضَّمَانِ وَالْكَفَالَةِ فِيْ حَكْمِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّهُ يَتَّهِمُ فِيْهِ كَمَا فِي الْهِبَةِ، وَكُلُّ مَا أَوْجَبَهُ بَعْدَالْمَوْتِ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ، وَإِنْ أَوْجَبَهُ فِيْ حَالِ صِحَّتِهِ اِعْتِبَارًا بِحَالِ الْإِضَافَةِ دُوْنَ حَالِ الْعَقْدِ وَمَانَفَّذَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ فَالْمُعْتَبَرُ فِيْهِ حَالَةُ الْعَقْدِ، فَإِنْ كَانَ صَحِيْحًا فَهُوَ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ وَإِنْ كَانَ مَرِيْضًا فَمِنَ الثُّلُثِ، وَكُلُّ مَرَضٍ صَحَّ مِنْهُ فَهُوَ كَحَالِ الصِّحَّةِ، لِأَنَّ بِالْبُرْءِ تَبَيَّنَ أَنَّهُ لَاحَقَّ لِأَحَدٍ فِيْ مَالِهِ.

ترجمه: اور ایسے ہی ہر وہ تصرف جس کی مریض نے اپنے آپ پر واجب کرنے کی ابتداء کی ہو جیسے ضمان اور کفالہ وہ وصیت کے حکم میں ہے، کیونکہ ہبہ کی طرح مریض اس میں بھی متہم ہوگا۔

اور ہر وہ عقد جسے مریض نے موت کے بعد واجب کیا ہو وہ ثلث سے معتبر ہوگا اگر چہ اس نے اپنی صحت کے دوران اس کا ایجاب کیا ہو اضافت کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے نہ کہ حالتِ عقد کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اور مریض نے جس تصرف کو نافذ کر دیا ہو تو اس میں حالتِ عقد کا اعتبار ہے سو اگر صحیح ہو تو وہ پورے مال سے معتبر ہوگا اور اگر وہ شخص مریض ہو تو تہائی مال سے معتبر ہوگا۔ اور ہر وہ مرض جس سے مریض صحت یاب ہو جائے وہ حالتِ صحت کی طرح ہے، کیونکہ اچھا ہونے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کے مال میں کسی کا حق نہیں ہے۔

اللغات:

﴿ابتدأ﴾ پہل کی ہو۔ ﴿إيجاب﴾ واجب کرنا۔ ﴿برء﴾ تکلیف کا دور ہو جانا، مرض صحیح ہونا۔ ﴿تبيّن﴾ واضح ہوگیا۔

مرض الموت کے تصرفات:

اس عبارت میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ اگر مریض ابتداءً اپنے نفس پر کوئی چیز واجب کرے مثلاً وہ کسی کا ضامن بن جائے یا کفیل بن جائے تو یہ دونوں چیزیں بھی ثلث سے معتبر ہوں گی، جیسا کہ مریض کی وصیت ثلث مال سے معتبر ہوتی ہے۔ کیونکہ ثلث سے زائد ضمان یا کفالت واجب کرنے میں اسی طرح وہ متہم ہوگا جس طرح ہبہ وغیرہ میں وہ متہم ہوگا۔

(۲) عبارت کی دوسری کڑی یہ ہے کہ ہر وہ تصرف جسے مریض موت کے بعد واجب کرے جیسے وصیت ہے وہ تہائی مال سے معتبر ہوگا، خواہ مریض نے اسے بحالتِ صحت انجام دیا ہو یا بحالت مرض، کیونکہ اس میں حالتِ اضافت کا اعتبار ہے، حالتِ عقد کا اعتبار نہیں ہے اور وصیت چوں کہ بعد الموت کی طرف مضاف ہوکر تملیک ثابت ہوتی ہے اور بعد الموت میت کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اس لیے اس کا نفاذ تہائی مال سے ہوگا۔

اور وہ تصرف جسے مریض منجز اور فوری طور پر انجام دے اور اسے موت کی طرف مضاف نہ کرے اس میں حالتِ عقد کا اعتبار ہوگا جیسے اعتاق اور ہبہ وغیرہ ہے چنانچہ اگر بوقتِ تصرف وہ شخص تندرست ہو تو یہ تصرف پورے مال سے معتبر ہوگا اور اگر بوقتِ عقد متصرف مریض ہو تو اس کا تصرف تہائی مال سے معتبر ہوگا۔

وکل مرض الخ: یہ ایک دوسرا ضابطہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس مرض سے مریض کو صحت اور شفا حاصل ہو جائے وہ صحت ہے مرض نہیں ہے چنانچہ اگر بحالتِ مرض مریض کوئی تصرف کرے اور پھر شفایاب ہو جائے تو اس کا تصرف پورے مال سے معتبر ہوگا، کیونکہ صحت کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کے مال سے کسی کا حق وابستہ نہیں ہوا ہے۔

قَالَ وَإِنْ حَابٰی ثُمَّ أَعْتَقَ وَضَاقَ الثُّلُثُ عَنْهُمَا فَالْمُحَابَاةُ أَوْلٰی عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَإِنْ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰی فَهُمَا سَوَاءٌ، وَقَالَا الْعِتْقُ أَوْلٰی فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ، وَالْأَصْلُ فِيْهِ أَنَّ الْوَصَايَا إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهَا مَاجَاوَزَ الثُّلُثَ فَكُلٌّ مِنْ أَصْحَابِهَا يَضْرِبُ بِجَمِيْعِ وَصِيَّتِهٖ فِي الثُّلُثِ لَايُقَدَّمُ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ إِلَّا الْعِتْقَ الْمُوْقَعَ فِي الْمَرَضِ وَالْعِتْقَ الْمُعَلَّقَ بِمَوْتِ الْمُوْصِيْ كَالتَّدْبِيْرِ الصَّحِيْحِ وَالْمُحَابَاةِ فِي الْبَيْعِ إِذَا وَقَعَتْ فِي الْمَرَضِ، لِأَنَّ الْوَصَايَا قَدْ تَسَاوَتْ، وَالتَّسَاوِيْ فِيْ سَبَبِ الْإِسْتِحْقَاقِ يُوْجِبُ التَّسَاوِيَ فِيْ نَفْسِ الْإِسْتِحْقَاقِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر مریض نے محابات کرنے کے بعد آزاد کیا اور ثلث ان دونوں سے کم ہوگیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں محابات اولیٰ ہے۔ اور اگر مریض نے اعتاق کے بعد محابات کیا تو دونوں برابر ہیں۔ حضرات صاحبین علیہما الرحمہ فرماتے ہیں کہ دونوں مسئلوں میں عتق اولیٰ ہے۔ اور اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ وصایا میں سے اگر کوئی وصیت ثلث سے زائد نہ ہو تو اصحاب وصایا میں سے ہر شخص ثلث میں اپنی تمام وصیت کے ساتھ شریک ہوگا اور کسی کو کسی پر مقدم نہیں کیا جائے گا سوائے اس عتق کے جسے مرض الموت میں واقع کیا گیا ہو اور وہ عتق جو موصی کی موت پر معلق ہو جیسے تدبیر صحیح اور محابات فی البیع جب کہ مرض الموت میں واقع ہو، کیوں کہ

تمام وصایا برابر ہیں اور سبب استحقاق کی مساوات نفسِ استحقاق کی مساوات کو مستلزم ہے۔

اللغات:

﴿حابٰی﴾ بیع محابات کی۔ ﴿أعتق﴾ آزاد کیا۔ ﴿ضاق﴾ تنگ پڑ گیا۔ ﴿جاوز﴾ بڑھ گیا۔ ﴿تساوی﴾ برابری۔

محابات اور عتق جمع ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مریض نے مرض الموت میں پہلے محابات کی اور پھر آزاد کیا اور ترکہ کا ثلث دونوں کی ادائیگی اور نفاذ کے لیے ناکافی ہے تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں محابات اولیٰ ہے یعنی ثلث میں پہلے محابات کو جاری کیا جائے گا اور اگر کچھ بچتا ہے تو پھر اس میں عتق کا نفاذ ہوگا اور اگر مریض نے پہلے آزاد کیا پھر محابات کی تو حضرت الامام کے یہاں دونوں برابر ہیں اور غلام اور مشتری دونوں یکساں طور پر ثلث میں شریک ہوں گے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں دونوں صورتوں میں عتق اولیٰ ہے اور ثلث میں پہلے عتق کا نفاذ ہوگا اس کے بعد محابات کا نمبر آئے گا۔

والأصل فیه الخ: صاحب ہدایہ یہاں سے ایک ضابطہ اور جنرل فارمولہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے مال میں چند لوگوں کے لیے وصیتیں کر رکھی ہوں، لیکن کوئی بھی وصیت اس کے ترکہ کے ثلث سے متجاوز نہ ہو تو تمام موصیٰ لہم اور تمام اصحاب الوصایا ثلث میں برابر کے شریک ہوں گے اور کوئی کسی سے فائق اور برتر نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے موصی کا کل ترکہ مثلاً بارہ ہزار درہم ہے اور موصی نے اس میں سے نعمان کے لیے ایک ہزار کی وصیت کی ہے۔ سعدان کے لیے دو ہزار کی وصیت کی ہے، سلمان کے لیے بھی دو ہزار کی وصیت کی ہے اور سلیم کے لیے تین ہزار کی وصیت کی ہے اور ان سب کا مجموعہ آٹھ ہزار ہے اور ترکہ کا ثلث چار ہزار ہے، لیکن ان میں سے کوئی بھی وصیت ثلث سے زائد نہیں ہے، اس لیے ضابطے کے تحت تمام شرکاء ثلث یعنی چار ہزار میں شریک ہوں گے اور تقسیم کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر موصیٰ لہ کے لیے جتنے مال کی وصیت کی گئی ہے اسے اس کا نصف اور آدھا دیا جائے چنانچہ جن دو لوگوں کے لیے دو دو ہزار کی وصیت کی گئی ہے انھیں ایک ایک ہزار دیا جائے، جس کے لیے تین ہزار کی وصیت کی گئی ہے اسے پندرہ سو دیا جائے اور جس کے لیے ایک ہزار کی وصیت کی گئی ہے اسے پانچ سو دیا جائے تاکہ یہ کل ملا کر چار ہزار ہو جائے جو ترکہ کا ثلث ہے۔

إلا العتق الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ وصایا کے متعلق تو یہی حکم ہے جو ہم نے بیان کیا، لیکن اگر وصیت کے ساتھ تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز جمع ہو جائے تو پھر وہی چیز مقدم ہوگی اور اس کا حساب کتاب کرنے کے بعد جو بچے گا اس میں وصیت جاری ہوگی (۱) مرض الموت کا اعتاق (۲) مرض الموت کی تدبیر (۳) مرض الموت کی محابات۔ چنانچہ اگر مرض الموت میں مریض نے کسی کو آزاد کیا ہو تو ترکہ سے پہلے وہ غلام خارج کر دیا جائے گا پھر وصایا کا نفاذ ہوگا یا موصی اور مریض نے غلام کی آزادی کو اپنے انتقال پر معلق کیا ہو اور تدبیر صحیح کی ہو تو پہلے اس تدبیر کا نفاذ ہوگا۔ تدبیر صحیح یہ ہے کہ عتق کو صرف موت پر معلق کیا جائے اور تدبیر فاسد یہ ہے کہ موصی یہ کہے کہ میری موت کے ایک سال بعد میرا فلاں غلام آزاد ہے تو ایک سال کی قید لگانے سے تدبیر فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر مریض نے بیع میں محابات کر رکھی ہو تو ثلث میں پہلے محابات جاری ہوگی اس کے بعد بچے ہوئے مال میں اصحابِ وصایا کا حق ہوگا۔

اس کے علاوہ اگر موصی نے عتق اور محابات دونوں کو جمع کر دیا ہو تو اس صورت میں تقدیم کے حوالے سے حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جو شروع میں بیان کیا گیا ہے۔

وَإِنَّمَا قُدِّمَ الْعِتْقُ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ انِفًا، لِأَنَّهُ أَقْوٰى فَإِنَّهُ لَايَلْحَقُهُ الْفَسْخُ مِنْ جِهَةِ الْمُوْصِي وَغَيْرُهُ يَلْحَقُهُ، وَكَذٰلِكَ الْمُحَابَاةُ لَايَلْحَقُهُ الْفَسْخُ مِنْ جِهَةِ الْمُوْصِي، وَإِذَا قُدِّمَ ذٰلِكَ فَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ بَعْدَ ذٰلِكَ يَسْتَوِي فِيْهِ مَنْ سِوَاهُمَا مِنْ أَهْلِ الْوَصَايَا وَلَايُقَدَّمُ الْبَعْضُ عَلَى الْبَعْضِ.

ترجمہ: اور عتق کو مقدم کیا گیا ہے جسے ہم نے ابھی بیان کیا، کیونکہ عتق اقویٰ ہے اس لیے کہ اسے موصی کی طرف سے فسخ نہیں لاحق ہوسکتا اور عتق کے علاوہ کو فسخ لاحق ہوسکتا ہے، نیز محابات کو بھی موصی کی طرف سے فسخ نہیں لاحق ہوسکتا، اور جب انھیں مقدم کر دیا جائے تو ان کے بعد بچے ہوئے مال میں ان کے علاوہ دیگر اہل وصایا برابر کے شریک ہوں گے اور کسی کو کسی پر مقدم نہیں کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿قدّم﴾ مقدم کیا گیا ہے۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿یستوی﴾ برابر ہوں گے۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی دلیل:

یہاں سے عتق اور محابات فی البیع کو دیگر وصایا پر مقدم کرنے کی دلیل بیان کی گئی ہے اور اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ یہ دونوں (عتق اور محابات) تمام وصایا سے اقویٰ ہیں، کیوں کہ انھیں موصی کی طرف سے فسخ نہیں لاحق ہوسکتا اور موصی چاہ کر بھی ان میں فسخ نہیں کرسکتا جب کہ وصایا کو وہ جب چاہے فسخ کرسکتا ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ فسخ نہ ہونے والا فسخ ہوسکنے والے سے اقویٰ ہوتا ہے، اسی لیے عتق اور محابات تمام وصایا سے مقدم ہوں گے اور ان کے بعد ثلث سے جو مال بچے گا اس میں تمام اصحابِ وصایا برابر کے شریک ہوں گے، اور کوئی کسی سے مقدم نہیں ہوگا۔

لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَةِ أَنَّ الْعِتْقَ أَقْوٰى، لِأَنَّهُ لَايَلْحَقُهُ الْفَسْخُ وَالْمُحَابَاةُ يَلْحَقُهَا، وَلَامُعْتَبَرَ بِالتَّقْدِيْمِ فِي الذِّكْرِ لِأَنَّهُ لَايُوْجِبُ التَّقَدُّمَ فِي الثُّبُوْتِ، وَلَهُ أَنَّ الْمُحَابَاةَ أَقْوٰى لِأَنَّهَا تَثْبُتُ فِي ضِمْنِ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ فَكَانَ تَبَرُّعًا بِمَعْنَاهُ لَابِصِيْغَتِهِ، وَالْإِعْتَاقُ تَبَرُّعٌ صِيْغَةً وَمَعْنًى فَإِذَا وُجِدَتِ الْمُحَابَاةُ أَوَّلًا دَفَعَ الْأَضْعَفَ، وَإِذَا وُجِدَ الْعِتْقُ أَوَّلًا وَثَبَتَ وَهُوَ لَايَحْتَمِلُ الدَّفْعَ كَانَ مِنْ ضَرُوْرَتِهِ الْمُزَاحَمَةُ.

ترجمہ: مختلف فیہ مسئلے میں حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ عتق اقویٰ ہے کیونکہ اسے فسخ نہیں لاحق ہوسکتا جب کہ محابات کو فسخ لاحق ہوسکتا ہے اور بیان میں مقدم ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ تقدیم فی الذکر تقدم فی الثبوت کو واجب نہیں کرتی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ محابات اقویٰ ہے، کیونکہ محابات عقد معاوضہ کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے لہٰذا محابات اپنے معنی کے اعتبار سے تبرع ہوگا نہ کہ صیغہ کے اعتبار سے اور اعتاق صیغہ اور معنی دونوں اعتبار سے تبرع ہے، لہٰذا جب پہلے

محابات پائی گئی تو محابات اضعف (عتق) کو دور کردے گی۔ اور جب پہلے عتق پایا گیا اور وہ ثابت ہوگیا نیز وہ دفعِ محابات کا احتمال نہیں رکھتا تو اس کی ضروریات میں سے مزاحمت ہوگی۔

اللغات:

﴿عتق﴾ آزادی۔ ﴿تقديم﴾ مقدم کرنا۔ ﴿محاباة﴾ اپنے مال کو احسان اور تبرع کے طور پر کم قیمت میں فروخت کرنا۔
﴿إعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿مزاحمة﴾ مقابل ہونا۔

ائمہ کے دلائل:

اگر موصی اعتاق اور محابات دونوں کو جمع کردے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں محابات اولیٰ اور مقدم ہوگی جب کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں عتق اولیٰ اور مقدم ہوگا۔ اس پر حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ عتق محابات سے اولیٰ ہے، کیونکہ یہ نہ تو مُعتِق کی طرف سے فسخ قبول کرتا ہے اور نہ ہی مُعتَق کی طرف سے اور محابات موصی کی طرف سے بھلے فسخ قبول نہ کرے لیکن مشتری کی طرف سے اس میں فسخ ہوسکتا ہے، چنانچہ اگر موصی اور میت کے ورثاء محابات کی اجازت نہ دیں اور وہ میت کے مشتری سے فسخ عقد کے لیے کہیں تو مشتری کو فسخ کرنا پڑے گا۔ معلوم ہوا کہ محابات میں فسخ ہوسکتا ہے اور جب فسخ ہوسکتا ہے تو اس کے مقابلے میں عتق یقیناً اقویٰ اور اولیٰ ہوگا کیونکہ اس میں کسی بھی طرح فسخ نہیں ہوسکتا۔

ولا معتبر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی اور میت پہلے محابات کرے اور پھر اعتاق اور محابات کو اعتاق سے مقدم رکھے تو بھی حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں محابات اعتاق سے مقدم نہیں ہوگی، کیونکہ تقدیم وتاخیر میں حقیقی معنی اور اندرونی قوت کا اعتبار ہوتا ہے اور ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ باطنی معنی کے حوالے سے اعتاق محابات سے اقویٰ ہے اس لیے تقدیم بیانی کی بنیاد پر بھی محابات اعتاق سے مقدم نہیں ہوگی، اسی لیے فرمایا ہے: **العتق أولیٰ في المسئلتين أي سواء كان العتق مقدماً في الذكر أو مؤخراً۔**

وله الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ فسخ ہونا اور نہ ہونا یہ بہت دور کی بات اور سوچ ہے اور محابات عتق سے اقویٰ ہے، کیونکہ محابات عقدِ بیع کے ضمن میں ثابت ہوجاتی ہے اور یہ صرف معناً تبرع ہے، لفظ اور صیغہ کے اعتبار سے تبرع نہیں ہے جب کہ عتق اور اعتاق لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے تبرع ہے اور ظاہر ہے کہ جو صرف ایک اعتبار سے تبرع ہو وہ اس چیز سے یقیناً اقوی ہوگا جو دونوں اعتبار سے تبرع ہو، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ محابات اعتاق سے اقویٰ ہے اور اگر محابات اعتاق سے پہلے ہو تو سونے پہ سہاگا ہے یعنی اس صورت میں اعتاق کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ ہاں اگر اعتاق محابات سے پہلے ہو تو اعتاق سے محابات کا ایک بال بھی ٹیڑھا نہیں ہوگا، البتہ تقدیم فی الذکر کی وجہ سے دونوں کے مابین مزاحمت متحقق ہوجائے گی، اسی لیے اس صورت میں ہم نے فهما سواء کا حکم لگا دیا ہے۔

وَعَلٰى هٰذَا قَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ إِذَا حَابٰى ثُمَّ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰى قُسِّمَ الثُّلُثُ بَيْنَ الْمُحَابَتَيْنِ نِصْفَيْنِ لِتَسَاوِيْهِمَا ثُمَّ مَا أَصَابَ الْمُحَابَاةَ الْأَخِيْرَةَ قُسِّمَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْعِتْقِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ مُقَدَّمٌ عَلَيْهَا فَيَسْتَوِيَانِ، وَلَوْ أَعْتَقَ ثُمَّ

حَابٰى ثُمَّ أَعْتَقَ قُسِّمَ الثُّلُثُ بَيْنَ الْعِتْقِ الْأَوَّلِ وَالْمُحَابَاةِ، وَمَا أَصَابَ الْعِتْقَ قُسِّمَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْعِتْقِ الثَّانِي، وَعِنْدَهُمَا الْعِتْقُ أَوْلٰى بِكُلِّ حَالٍ.

ترجمہ: اور اسی پر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر مریض نے محابات کیا پھر آزاد کیا اس کے بعد پھر محابات کیا تو ثلث دونوں محاباتوں کے مابین نصف نصف تقسیم کردیا جائے۔ پھر محاباتِ ثانیہ کے حصے میں جو مال آئے اسے اس محابات اور عتق کے مابین تقسیم کردیا جائے، کیونکہ عتق اس سے مقدم ہے لہٰذا دونوں مساوی ہوں گے۔

اور اگر مریض نے آزاد کیا پھر محابات کی پھر آزاد کیا تو ثلث عتق اول اور محابات کے درمیان تقسیم کردیا جائے اور عتق کے حصے میں جو مال آئے اسے عتق اول اور عتقِ ثانی کے مابین تقسیم کیا جائے۔ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں ہر حال میں عتق اولیٰ ہے۔

اللغات:

﴿أعتق﴾ آزادی کیا۔ ﴿حابی﴾ بیع محابات کی۔ ﴿قسّم﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿یستویان﴾ دونوں برابر ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں محابات اگر مقدم ہے تو وہ عتق سے اولیٰ ہوگا اور اگر عتق مقدم ہے تو دونوں میں مساوات ہوگی۔ اسی پر متفرع کر کے صاحب ہدایہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر مریض نے محابات کیا پھر اعتاق کیا اور پھر محابات کیا تو اس صورت میں چوں کہ دو محابات جمع ہیں اس لیے ترکہ کا ثلث دونوں محاباتوں میں نصف نصف تقسیم کردیا جائے گا۔ پھر دوسری محابات سے پہلے عتق ہے، اس لیے عتق میں اور محابات ثانیہ میں مساوات ہوگی اور محابات ثانیہ کے حصے میں جو نصف ثلث ہے اسے ان دونوں کے مابین تقسیم کیا جائے گا۔

ولو أعتق الخ: یہ دوسرا مسئلہ ہے جو امام صاحب علیہ الرحمہ کے مسلک پر متفرع ہے۔ مریض نے آزاد کیا پھر محابات کی پھر آزاد کیا تو ثلث عتق اول اور محابات میں تقسیم کیا جائے گا اور عتقِ اول کے حصے میں جو آئے گا اسے عتق اول اور عتقِ ثانی کے مابین تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ دونوں عتق مساوی ہیں۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل اور تقسیم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق اور مطابق ہے ورنہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں ہر حال میں ایک ہی حکم ہے یعنی عتق ہی اولیٰ اور مقدم ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِأَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ بِهٰذِهِ الْمِائَةِ عَبْدٌ فَهَلَكَ مِنْهَا دِرْهَمٌ لَمْ يُعْتَقْ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَإِنْ كَانَتْ وَصِيَّتُهُ بِحَجَّةٍ يُحَجُّ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ مِنْ حَيْثُ يَبْلُغُ وَإِنْ لَمْ يَهْلِكْ مِنْهَا وَبَقِيَ شَيْءٌ مِنَ الْحَجَّةِ يُرَدُّ عَلَى الْوَرَثَةِ، وَقَالَا يُعْتَقُ عَنْهُ بِمَا بَقِيَ، لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِنَوْعِ قُرْبَةٍ فَيَجِبُ تَنْفِيْذُهَا مَا أَمْكَنَ اِعْتِبَارًا بِالْوَصِيَّةِ بِالْحَجِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ وصیت کی کہ اس کی طرف سے اِن سو دراہم کے عوض ایک غلام آزاد کردیا جائے لیکن ان سو میں سے ایک درہم ہلاک ہوگیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مابقی دراہم سے موصی کی طرف سے غلام نہیں آزاد کیا جائے گا۔ اور اگر اس کی وصیت حج کی تھی تو مابقی سے موصی کی طرف سے حج کیا جائے گا جہاں پہنچا جاسکے۔ اور اگر ان دراہم میں سے کچھ نہ ہلاک ہوا ہو اور حج سے کچھ درہم بچ جائیں تو مابقی ورثاء کو واپس دے دیا جائے گا۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ موصی کی جانب سے مابقی سے غلام آزاد کیا جائے گا، کیونکہ یہ ایک طرح کی قربت کی وصیت ہے، لہٰذا وصیت حج پر قیاس کرتے ہوئے حتی الامکان اسے نافذ کرنا ضروری ہے۔

اللغات:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿مائة﴾ ایک سو، یک صد۔ ﴿لم یعتق﴾ نہیں آزاد کیا جائے گا۔ ﴿یُحجّ﴾ حج کیا جائے گا۔ ﴿تنفیذ﴾ نافذ کرنا، بجا آوری۔

معین مالیت کی وصیت کرنا کہ اس سے غلام آزاد کیا جائے، یا یہ کہ اس سے حج کیا جائے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے ورثاء کو سو دراہم دیئے اور ان سے وصیت کردی کہ ان دراہم کے عوض میری طرف سے ایک غلام خرید کر آزاد کردینا۔ اب اگر ان دراہم میں سے ایک درہم ہلاک اور ضائع ہوجائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مابقی ۹۹ ر ننانوے دراہم سے غلام خرید کر موصی کی طرف سے آزاد نہیں کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر موصی نے سو درہم میں اپنی طرف سے حج کیے جانے کی وصیت کی تھی، لیکن ان میں سے ایک درہم ہلاک ہوگیا تو مابقی ۹۹ ر دراہم میں جہاں سے حج ممکن ہو ادا کیا جائے گا اور حج کی صورت میں اگر کوئی درہم ہلاک نہ ہو اور حج کی ادائیگی کے بعد کچھ دراہم بچ جائیں تو وہ ورثاء کو واپس کردیئے جائیں گے۔ الحاصل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اعتاق اور حج دونوں کی وصیتوں میں فرق ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں ان دونوں وصیتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ جس طرح ایک درہم کے ہلاک ہونے کے بعد وصیتِ حج باقی رہے گی اور موصی کی طرف سے ۹۹ ر دراہم میں حج کیا جائے گا اسی طرح ایک درہم ہلاک ہونے کے باوجود وصیتِ اعتاق باقی رہے گی اور اس کی طرف سے مابقی ۹۹ ر دراہم میں غلام خرید کر آزاد کیا جائے گا۔ اس لیے کہ جس طرح حج قربت ہے اسی طرح غلام آزاد کرنا بھی ایک قربت اور عبادت ہے اور اس حوالے سے دونوں میں یکسانیت ہے، لہٰذا تنفیذ وصیت میں بھی دونوں مساوی اور برابر ہوں گے۔

وَلَهٗ أَنَّهٗ وَصِيَّةٌ بِالْعِتْقِ لِعَبْدٍ يُشْتَرٰى بِمِائَةٍ، وَتَنْفِيْذُهَا فِيْمَنْ يُشْتَرٰى بِأَقَلَّ مِنْهُ تَنْفِيْذٌ لِغَيْرِ الْمُوْصٰى لَهٗ، وَذٰلِكَ لَايَجُوْزُ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِالْحَجِّ، لِأَنَّهَا قُرْبَةٌ مَحْضَةٌ هِيَ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالْمُسْتَحَقُّ لَمْ يَتَبَدَّلْ وَصَارَ كَمَا إِذَا أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِمِائَةٍ فَهَلَكَ بَعْضُهَا يُدْفَعُ الْبَاقِيْ إِلَيْهِ، وَقِيْلَ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ بِنَاءٌ عَلٰى أَصْلٍ اٰخَرَ مُخْتَلَفٍ فِيْهِ وَهُوَ أَنَّ الْعِتْقَ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى عِنْدَهُمَا حَتّٰى تُقْبَلَ الشَّهَادَةُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ دَعْوٰى فَلَمْ يَتَبَدَّلِ الْمُسْتَحَقُّ، وَعِنْدَهٗ حَقُّ الْعَبْدِ حَتّٰى لَاتُقْبَلَ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ دَعْوٰى فَاخْتَلَفَ الْمُسْتَحَقُّ، وَهٰذَا أَشْبَهُ.

ترجمہ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسے غلام کو خریدنے کی وصیت ہے جسے سو درہم میں خریدا جائے اور اس غلام میں وصیت نافذ کرنا جسے سو سے کم میں خریدا گیا ہو موصیٰ لہ کے غیر کے لیے وصیت کو نافذ کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ برخلاف حج کی وصیت کے، کیونکہ یہ خالص عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مستحق میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی نے کسی شخص کے لیے سو کی وصیت کی اور اس میں سے کچھ ہلاک ہو گیا تو باقی بچا موصیٰ لہ کو دیا جائے گا۔ اور کہا گیا کہ یہ مسئلہ ایک دوسری اصل پر مبنی ہے اور وہ بھی مختلف فیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں عتق اللہ تعالیٰ کا حق ہے حتی کہ اس پر دعوے کے بغیر بھی شہادت قبول کر لی جاتی ہے، لہٰذا مستحق نہیں بدلا۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عتق بندے کا حق ہے یہاں تک کہ دعوے کے بغیر اس پر بینہ قبول نہیں کیا جائے گا اور یہ صحت کے زیادہ مشابہ ہے۔

اللغات:

﴿عتق﴾ آزادی۔ ﴿یشتریٰ﴾ خریدا جائے۔ ﴿تنفیذ﴾ بجا آوری، نافذ کرنا۔ ﴿قربة محضة﴾ خالص نیکی۔ ﴿یدفع﴾ ادا کیا جائے گا۔

امام صاحب کی دلیل:

یہاں سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بیان کی جارہی ہے اور اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں موصی نے ایسے غلام کو خرید کر آزاد کرنے کی وصیت ہے جس کی قیمت سو درہم ہو لہٰذا اگر ہم ۹۹/ درہم والے غلام میں وصیت کو نافذ کریں تو موصی کا مقصد فوت ہو جائے گا اور اس نے جو موصیٰ لہ متعین کیا ہے اس میں تبدیلی ہو جائے گی حالانکہ ورثاء کو اس میں ردّ و بدل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے سو میں اگر ایک درہم بھی کم ہوتا ہے تو ہم موصی کی طرف سے اعتاق عبد کی اجازت نہیں دیں گے۔

اس کے برخلاف حج کا مسئلہ ہے تو حج میں مُستحق یعنی حج کسی بھی صورت میں نہیں بدلتا، کیونکہ حج خالص قربت ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اللہ کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، لہٰذا وصیت کو حج پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، اور حج کی وصیت ایسی ہے جیسے کسی مریض نے یہ وصیت کی کہ میرے مال سے فلاں کو سو درہم دے دیئے جائیں، اور جس مال کی اس نے نشان دہی کی تھی وہ سو درہم تھا مگر اس میں سے کچھ دراہم ہلاک ہو گئے تو ماقبی دراہم موصیٰ لہ کو دے دیئے جائیں گے اور وصیت نافذ ہوگی، کیونکہ یہاں موصیٰ لہ فلاں ہی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اسی طرح حج میں بھی مستحق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، لہٰذا دراہم کے کم زیادہ ہونے کی صورت میں حج میں بھی وصیت نافذ ہوگی، لیکن اعتاقِ عبد میں وصیت نافذ نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس میں مستحق کی تبدیلی لازم آتی ہے جو مراد موصی کے خلاف ہے۔

وقیل هذه المسألة الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے میں یہ مسئلہ درحقیقت اس اصول پر مبنی اور متفرع ہے جو حضرات صاحبین اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مابین مختلف فیہ ہے اور وہ اصل یہ ہے کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں عتق حق اللہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ عتق کے حوالے سے اگر غلام دعوی کرے تو ان حضرات کے یہاں دلیل اور بینہ کے بغیر اس کا دعوی مقبول ہے، لہٰذا جب عتق ان کے یہاں حق اللہ ہے اور حق اللہ میں مستحق کے اندر تبدیلی ہوتی ہے، اس لیے ۹۹ / والے

غلام کو خرید کر آزاد کرنے سے ان حضرات کے یہاں وصیت نافذ ہو جائے گی، اسی لیے انھوں نے اسے حج پر قیاس کیا ہے۔ کیونکہ حج میں بھی مستحق نہیں بدلتا۔

اس کے برخلاف حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عتق حق العبد ہے، کیونکہ اگر غلام عتق کا دعوی کرے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بدون بینہ وہ دعوی مقبول نہیں ہوگا۔ اور حق العبد میں موصی لہ کی تبدیلی ہو سکتی ہے لہٰذا ۹۹؍ دراہم والا غلام ۱۰۰؍ دراہم والے غلام سے الگ ہوگا اور امام صاحب کے یہاں اس غلام کو خرید کر آزاد کرنے سے موصی کی وصیت اور اس کی چاہت پوری نہیں ہوگی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس اصل پر ان حضرات کے اختلاف کو متفرع کرنا زیادہ بہتر اور صحیح ہے۔

قَالَ وَمَنْ تَرَكَ ابْنَيْنِ وَمِائَةَ دِرْهَمٍ وَعَبْدًا قِيْمَتُهُ مِائَةٌ وَقَدْ كَانَ أَعْتَقَهُ فِيْ مَرَضِهِ فَأَجَازَ الْوَارِثَانِ ذٰلِكَ لَمْ يَسْعَ فِيْ شَيْءٍ، لِأَنَّ الْعِتْقَ فِيْ مَرَضِ الْمَوْتِ وَإِنْ كَانَ فِيْ حُكْمِ الْوَصِيَّةِ وَقَدْ وَقَعَتْ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ إِلَّا أَنَّهَا تَجُوْزُ بِإِجَازَةِ الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ الْإِمْتِنَاعَ لِحَقِّهِمْ وَقَدْ أَسْقَطُوْهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے دو بیٹے، سو درہم اور ایک ایسا غلام ترکہ میں چھوڑا جس کی قیمت سو درہم ہے حالانکہ میت نے اسے اپنے مرض الموت میں آزاد کر دیا تھا اور دونوں وارثوں نے اس کی اجازت دے دی تو غلام کچھ بھی کمائی نہیں کرے گا، اس لیے کہ مرض الموت کا عتق اگر چہ وصیت کے حکم میں ہے اور ثلث سے زائد مال میں وصیت واقع ہوئی ہے، لیکن وہ وصیت ورثاء کی اجازت سے جائز ہے، کیونکہ وصیت سے امتناع حق ورثاء کی وجہ سے تھا اور ورثاء نے اسے ساقط کر دیا ہے۔

اللغات:

﴿ترك﴾ چھوڑا۔ ﴿أعتق﴾ آزاد کیا تھا۔ ﴿أجاز﴾ اجازت دی۔ ﴿لم يسع﴾ نہیں گنجائش ہوگی۔ ﴿ثلث﴾ ایک تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿امتناع﴾ روک، ممانعت۔

مرض الموت میں اعتاق کی ایک صورت:

صورتِ مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر میت کے دو بیٹے وارث ہوں اور اس کا ترکہ سو درہم نقد ہو اور سو درہم کی مالیت کا ایک غلام ہو لیکن میت نے اپنے مرض الموت میں اسے آزاد کر دیا ہو تو اس صورت میں قاعدے کے مطابق ترکہ کے تہائی حصے یعنی ۶۶؍ دراہم میں اس غلام کی آزادی نافذ ہوگی اور باقی حصہ کی آزادی کے لیے غلام کما کر دونوں وارثوں کو ۳۳؍ روپئے دے گا۔ اس لیے کہ یہاں عتق ثلث سے زائد میں واجب کیا گیا ہے اور ثلث سے زائد مقدار ورثاء کا حق ہے۔ ہاں اگر ورثاء پورے غلام میں عتق کے نفاذ کو ہری جھنڈی دکھا دیں تو اب مکمل غلام آزاد ہو جائے گا اور وہ ورثاء کے لیے ایک روپئے کا کام نہیں کرے گا، کیونکہ ثلث سے زائد حصہ میں عتق کا نفاذ ورثاء کے حق کی وجہ سے ممتنع تھا اور ورثاء نے اپنی اجازت سے وہ حق ساقط کر دیا ہے، لہٰذا غلام بدون سعایہ آزاد ہو جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِعِتْقِ عَبْدِهِ ثُمَّ مَاتَ فَجَنٰى جِنَايَةً وَدُفِعَ بِهَا بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّ الدَّفْعَ قَدْ صَحَّ لِمَا أَنَّ حَقَّ

وَلِيِّ الْجِنَايَةِ مُقَدَّمٌ عَلٰى حَقِّ الْمُوْصِيْ فَكَذٰلِكَ عَلٰى حَقِّ الْمُوْصٰى لَهُ، لِأَنَّهُ يَتَلَقَّى الْمِلْكَ مِنْ جِهَتِهِ إِلاَّ أَنَّ مِلْكَهُ فِيْهِ بَاقٍ وَإِنَّمَا يَزُوْلُ بِالدَّفْعِ، فَإِذَا خَرَجَ بِهِ عَنْ مِلْكِهِ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ كَمَا إِذَا بَاعَهُ الْمُوْصِيْ أَوْ وَارِثُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ، فَإِنَّ فَدَاهُ الْوَرَثَةُ كَانَ الْفِدَاءُ فِيْ مَالِهِمْ، لِأَنَّهُمْ هُمُ الَّذِيْنَ الْتَزَمُوْهُ، وَجَازَتِ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّ الْعَبْدَ طَهُرَ عَنِ الْجِنَايَةِ بِالْفِدَاءِ كَأَنَّهُ لَمْ يَجْنِ فَتَنْفُذُ الْوَصِيَّةُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے غلام کے عتق کی وصیت کی پھر مرگیا اور غلام نے جنایت کی اور غلام اس جنایت کی پاداش میں دے دیا گیا تو وصیت باطل ہوجائے گی، کیونکہ غلام دینا صحیح ہے، اس لیے کہ ولیٔ جنایت کا حق موصی کے حق پر مقدم ہے، لہٰذا موصیٰ لہ کے حق پر بھی مقدم ہوگا، کیونکہ موصیٰ لہ موصی کی طرف سے ملکیت حاصل کرتا ہے لیکن غلام میں موصی کی ملکیت باقی ہے اور غلام دینے سے ختم ہوجاتی ہے لہٰذا جب دفع سے غلام موصی کی ملکیت سے خارج ہوگیا تو وصیت باطل ہوجائے گی جیسے جب موصی کی موت کے بعد موصی نے یا اس کے وارث نے غلام بیچ دیا ہو۔ پھر اگر ورثاء نے غلام کا فدیہ دے دیا تو یہ فدیہ ان کے مال میں ہوگا، کیونکہ انھوں نے ہی اس کا التزام کیا ہے اور وصیت جائز ہے، اس لیے کہ فدیہ کی وجہ سے غلام جنایت سے پاک ہوگیا ہے گویا کہ اس نے جنایت نہیں کی، لہٰذا وصیت نافذ ہوجائے گی۔

اللغاتُ:

﴿جنٰی﴾ جرم کیا۔ ﴿جنایة﴾ جرم، قصور۔ ﴿دُفع﴾ سپرد کیا گیا۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿یتلقّٰی﴾ حاصل کرتا ہے، ملتا ہے۔ ﴿فداہ﴾ اس کا فدیہ دے دیا۔ ﴿التزموہ﴾ اس کو اپنے ذمے میں لیا ہے۔ ﴿طهر﴾ پاک ہوگیا ہے۔ ﴿لم یجنِ﴾ جرم کیا ہی نہیں۔

موصیٰ بالعتق غلام کا کسی جرم میں ماخوذ ہوجانا:

ایک شخص نے اپنے مرض الموت میں ورثاء سے یہ وصیت کی تھی کہ میرے فلاں غلام کو آزاد کردینا اور موصی کی موت کے بعد اس غلام نے کوئی جنایت کردی اور ورثاء نے اسے ولیٔ جنایت کے حوالے کردیا تو اب موصی نے اس غلام کے عتق کی جو وصیت کی تھی وہ باطل ہوجائے گی، کیونکہ ورثاء کا اس غلام کو ولیٔ جنایت کے حوالے کرنا صحیح ہے، کیونکہ ولیٔ جنایت کا حق موصی کے حق سے مقدم ہے۔ اور اس حوالگی کی وجہ سے اس غلام سے موصی کی ملکیت زائل ہوجائے گی اور جب ملکیت زائل ہوگئی تو ظاہر ہے کہ اس میں موصی کی وصیت بھی باطل ہوجائے گی اور جب موصی کی ملکیت ختم ہوگئی تو موصیٰ لہ کا حق بھی ختم ہوجائے گا، کیونکہ موصیٰ لہ کو موصی کی طرف سے ملکیت حاصل ہو رہی تھی، لہٰذا جب موصی خود ہی مالک نہیں ہے تو دوسرے کو کیا خاک مالک بنائے گا۔

إلاّ أن ملکه الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ حضرات کا دفع عبد کے بعد وصیت کو باطل قرار دینا مناسب نہیں ہے، بل کہ وصیت تو جنایت کے بعد غلام کے ولیٔ جنایت کے حوالے کرنے سے پہلے ہی باطل ہوجاتی ہے، لہٰذا بطلانِ وصیت کا حکم قبل الدفع لگانا چاہئے حالانکہ آپ نے بعد الدفع لگایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عبد جانی سے اس وقت تک موصی کی ملکیت زائل نہیں ہوگی جب تک وہ غلام ولیِّ جنایت کے حوالے نہیں کردیا جائے گا اور قبل الدفع اس میں موصی کی ملکیت باقی رہے گی، اسی لیے ہم نے قبل الدفع بطلانِ وصیت کا حکم نہیں لگایا ہے، ہاں جب ورثاء اس غلام کو ولیِّ جنایت کے حوالے کردیں گے تو وہ موصی کی ملکیت سے خارج ہوجائے گا اور اس میں وصیت باطل ہوجائے گی۔ جیسے اگر خود موصی اس غلام کو اپنی زندگی میں فروخت کردے یا اس کی موت کے بعد ورثاء اسے بیچ دیں تو ان صورتوں میں بھی وصیت باطل ہوجاتی ہے، کیونکہ ان صورتوں میں بھی غلام مشتری کے حوالے کردیا جاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دفع کے بعد ہی وہ غلام موصی کی ملکیت سے خارج ہوگا اور اسی وقت اس میں وصیت باطل ہوگی۔

فإن فداه الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر میت کے ورثاء عبد جانی کو ولیِّ جنایت کے حوالے نہ کریں اور اس کی جگہ فدیہ دے دیں تو یہ فدیہ ورثاء ہی کے مال سے معتبر ہوگا اور وہ اس سلسلے میں متبرع شمار ہوں گے، کیونکہ ان پر فدیہ دینا واجب نہیں تھا، لیکن انھوں نے اپنی خوشی سے یہ کام کیا ہے اور بدون وجوب بطیب خاطر کیا جانے والا کام تبرع ہوتا ہے، لہٰذا یہ فدیہ ورثاء کی طرف سے تبرع ہوگا اور فدیہ کے بعد اس غلام میں موصی کی وصیت جائز ہوگی، اس لیے کہ فدیہ سے غلام کو جنایت سے پاک صاف کردیا ہے اور غلام اس پوزیشن میں ہوگیا ہے گویا کہ اس نے جنایت ہی نہیں کی ہے لہٰذا اب اس کی وصیت کا راستہ بالکل صاف ہوگیا ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰی بِثُلُثِ مَالِهٖ لِاٰخَرَ فَأَقَرَّ الْمُوْصٰی لَهٗ وَالْوَارِثُ أَنَّ الْمَيِّتَ أَعْتَقَ هٰذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الْمُوْصٰی لَهٗ أَعْتَقَهٗ فِي الصِّحَّةِ وَقَالَ الْوَارِثُ أَعْتَقَهٗ فِي الْمَرَضِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْوَارِثِ وَلَا شَيْءَ لِلْمُوْصٰی لَهٗ إِلَّا أَنْ يَّفْضُلَ مِنَ الثُّلُثِ شَيْءٌ أَوْ تَقُوْمَ لَهُ الْبَيِّنَةُ أَنَّ الْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ، لِأَنَّ الْمُوْصٰی لَهٗ يَدَّعِي اِسْتِحْقَاقَ ثُلُثِ مَابَقِيَ مِنَ التَّرِكَةِ بَعْدَ الْعِتْقِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ لَيْسَ بِوَصِيَّةٍ وَلِهٰذَا يَنْفُذُ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ وَالْوَارِثُ يُنْكِرُ، لِأَنَّ مُدَّعَاهُ الْعِتْقُ فِي الْمَرَضِ وَهُوَ وَصِيَّةٌ، وَالْعِتْقُ فِي الْمَرَضِ مُقَدَّمٌ عَلَی الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ فَكَانَ مُنْكِرًا، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ الْيَمِيْنِ، وَلِأَنَّ الْعِتْقَ حَادِثٌ وَالْحَوَادِثُ تُضَافُ إِلٰی أَقْرَبِ الْأَوْقَاتِ لِلتَّيَقُّنِ بِهَا فَكَانَ الظَّاهِرُ شَاهِدًا لِلْوَارِثِ فَيَكُوْنُ الْقَوْلُ قَوْلَهٗ مَعَ الْيَمِيْنِ إِلَّا أَنْ يَفْضُلَ شَيْءٌ مِنَ الثُّلُثِ عَلٰی قِيْمَةِ الْعَبْدِ، لِأَنَّهٗ لَامُزَاحِمَ لَهٗ فِيْهِ أَوْ تَقُوْمَ لَهُ الْبَيِّنَةُ أَنَّ الْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ، لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالْبَيِّنَةِ كَالثَّابِتِ مُعَايَنَةً وَهُوَ خَصْمٌ فِي إِقَامَتِهَا لِإِثْبَاتِ حَقِّهٖ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے دوسرے کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی پھر موصی لہ اور وارث نے اس بات پر اتفاق اور اقرار کرلیا کہ میت نے اس غلام کو آزاد کردیا ہے لیکن موصی لہ نے کہا کہ میت نے اسے صحت میں آزاد کیا ہے اور وارث نے کہا کہ اسے بحالت مرض آزاد کیا ہے تو وارث کا قول معتبر ہوگا اور موصی لہ کے لیے کچھ نہیں ہوگا، الا یہ کہ ثلث سے کچھ بچ جائے یا موصی لہ کے لیے اس بات پر بینہ قائم ہوجائے کہ عتق بحالت صحت واقع ہوا ہے، کیونکہ موصی لہ عتق کے بعد ماقبی ترکہ کے ثلث کے استحقاق کا

دعویٰ کررہا ہے، اس لیے کہ بحالت صحت عتق وصیت نہیں ہے، اسی لیے یہ عتق پورے مال سے نافذ ہوتا ہے اور وارث اس کا منکر ہے، کیونکہ اس کا دعویٰ عتق فی المرض کا ہے اور یہ عتق وصیت ہے اور عتق فی المرض تہائی مال کی وصیت پر مقدم ہے لہٰذا وارث منکر ہوگا اور منکر کا قول اس کی یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔

اور اس لیے کہ عتق حادث ہے اور حوادثات اقرب الاوقات کی طرف مضاف ہوتے ہیں، کیونکہ اقرب الاوقات میں تیقن ہوتا ہے، لہٰذا ظاہر حال وارث کے لیے شاہد ہوگا اور یمین کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا، الاّ یہ کہ غلام کی قیمت پر ثلث میں سے کچھ بچ جائے، اس لیے کہ اس میں موصیٰ لہ کا کوئی مزاحم نہیں ہے۔ یا موصیٰ لہ کے لیے اس بات پر بینہ قائم ہوجائے کہ عتق بحالت صحت واقع ہوا ہے، کیونکہ بینہ سے ثابت ہونے والی چیز معاینہ کے طور پر ثابت شدہ چیز کے مثل ہوتی ہے۔ اور اپنے حق کو ثابت کرنے کے لیے اقامتِ بینہ کے حوالے سے موصیٰ لہ خصم ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿أقرّ﴾ اقرار کیا۔ ﴿یفضل﴾ بڑھ جائے، زائد ہو۔ ﴿بینة﴾ گواہی، ثبوت۔ ﴿ینفذ﴾ نافذ ہوگی۔ ﴿حادث﴾ بعد میں پیدا ہونے والی چیز یا صورت حال۔ ﴿خصم﴾ فریق مخالف۔

اعتاق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اور اس کے پاس ایک غلام بھی تھا، اس غلام کے متعلق موصیٰ لہ اور موصی کے وارث نے یہ اقرار کیا کہ موصی نے اسے آزاد کردیا تھا لیکن اعتاق کے وقت میں دونوں کا اختلاف ہوگیا موصیٰ لہ کہنے لگا کہ موصی نے اسے بحالتِ صحت آزاد کیا ہے اور وارث کہتا ہے کہ نہیں موصی نے اسے بحالت مرض آزاد کیا تھا تو اس اختلاف میں وارث کا قول معتبر ہوگا اور موصیٰ لہ کے لیے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہاں اگر ثلث سے کچھ مال بڑھ اور بچ جائے یا موصیٰ لہ اپنے قول پر بینہ قائم کردے تو اس صورت میں اس کی بات مانی جاسکتی ہے۔

لأن الموصیٰ الخ: صاحب ہدایہ موصیٰ لہ کے مقابلے وارث کے قول کے معتبر ہونے کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ موصیٰ لہ بحالتِ صحت عتق کا دعویٰ کرکے یہ بتانا چاہتا ہے کہ غلام کا عتق وصیت نہیں ہے، اس لیے وہ میت کے پورے ترکہ سے نافذ ہوگا اور اس کے جو مال بچے گا میں اس کے ثلث کے مستحق ہوں گے یعنی اس صورت میں اسے میت کے ترکہ سے زیادہ مال مل سکتا ہے جب کہ میت کا وارث کہتا ہے کہ میت نے اس غلام کو بحالت مرض آزاد کیا ہے اس لیے یہ عتق وصیت سے مقدم ہے اور میت کے ثلث مال سے اس کا نفاذ ہوگا اور یہ نفاذ وصیت پر مقدم ہوگا، لہٰذا نفاذِ عتق کے بعد اگر ثلث میں سے کچھ بچتا ہے تو موصیٰ لہ کو ملے گا ورنہ اسے کچھ نہیں ملے گا۔ گویا وارث موصیٰ لہ کے حق کا منکر ہے اور موصیٰ لہ اس کا مدعی ہے، اس لیے **البینة علی المدعي والیمین علی من أنکر** والے ضابطے کے تحت موصیٰ لہ اپنے دعوی پر بینہ پیش کرے ورنہ پھر منکر کی یمین کے ساتھ ہم اس کے انکار کو تسلیم کرلیں گے۔

ولأن العتق الخ: صورتِ مسئلہ میں منکر جو وارث ہے اس کے قول کے معتبر ہونے کی [illegible]ری دلیل یہ ہے کہ عتق حادث

اور جدید معاملہ ہے اور حادث کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ اسے اقرب الاوقات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور یہاں عتق کا قریب ترین وقت میت کے مرض کا وقت ہے، کیونکہ یہ وقت اس کی صحت کے بعد کا ہے لہٰذا اس حوالے سے ظاہر حال وارث کے حق میں شاہد ہوگیا اور فقہی ضابطہ الأصل أن من سَاعَدَهُ الظاهرُ فالقول قوله کے تحت وارث ہی کا قول معتبر ہوگا۔ ہاں اگر نفاذِ عتق کے بعد ثلث میں سے کچھ مال بچ جائے یا موصیٰ لہ جو مدعی ہے اپنے دعوے پر بینہ پیش کردے تو ان صورتوں میں اسے اس کا حق مل جائے گا، کیونکہ ماقبی مال میں اس کا کوئی مزاحم نہیں ہے اس لیے ثلث سے بچا ہوا مال اسے مل جائے گا اور اگر وہ اپنے دعوے پر بینہ پیش کردے گا تو اس کا بینہ مقبول ہوگا، کیونکہ ضابطہ ہے الثابت بالبینة کالثابت بالمشاهدة یعنی بینہ سے ثابت ہونے والی چیز مشاہدہ سے ثابت شدہ چیز کی طرح ہے۔

وهو خصم في إقامتها الخ: یہاں سے ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عتق حق العبد ہے اور حق العبد میں جب تک غلام کی طرف سے دعویٰ نہ ہو اس وقت تک اقامت بینہ نہیں ہوسکتا تو یہاں بینہ پیش کرنا کیسے درست ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وارث کا خصم موصیٰ لہ ہے اور موصیٰ لہ کی طرف سے دعویٰ موجود ہے اس لیے اس کی طرف سے اقامتِ بینہ بھی درست ہے، کیونکہ اپنا حق ثابت کرنے کے لیے موصیٰ لہ اقامتِ بینہ کا ضرورت مند ہے۔

قَالَ وَمَنْ تَرَكَ عَبْدًا فَقَالَ لِلْوَارِثِ أَعْتَقَ أَبُوْكَ فِي الصِّحَّةِ وَقَالَ رَجُلٌ لِي عَلٰى أَبِيْكَ أَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ صَدَقْتُمَا فَإِنَّ الْعَبْدَ يَسْعٰى فِي قِيْمَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَالَا يَعْتِقُ وَلَايُسْعٰى فِيْ شَيْءٍ، لِأَنَّ الدَّيْنَ وَالْعِتْقَ فِي الصِّحَّةِ ظَهَرَا مَعًا بِتَصْدِيْقِ الْوَارِثِ فِيْ كَلَامٍ وَاحِدٍ فَصَارَا كَأَنَّهُمَا كَانَا مَعًا، وَالْعِتْقُ فِي الصِّحَّةِ لَايُوْجِبُ السِّعَايَةَ وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمُعْتِقِ دَيْنٌ، وَلَهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالدَّيْنِ أَقْوٰى، لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ، وَالْإِقْرَارُ بِالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ وَالْأَقْوٰى يَدْفَعُ الْأَدْنٰى فَقَضِيَّتُهُ أَنْ يَبْطُلَ الْعِتْقُ أَصْلًا، إِلَّا أَنَّهُ بَعْدَ وُقُوْعِهِ لَايَحْتَمِلُ الْبُطْلَانَ فَيُدْفَعُ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى بِإِيْجَابِ السِّعَايَةِ، وَلِأَنَّ الدَّيْنَ أَسْبَقُ لِأَنَّهُ لَامَانِعَ مِنَ الْإِسْنَادِ فَيَسْتَنِدُ إِلٰى حَالَةِ الصِّحَّةِ وَلَايُمْكِنُ إِسْنَادُ الْعِتْقِ إِلٰى تِلْكَ الْحَالَةِ، لِأَنَّ الدَّيْنَ يَمْنَعُ الْعِتْقَ فِيْ حَالَةِ الْمَرَضِ مَجَّانًا فَتَجِبُ السِّعَايَةُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی غلام چھوڑا اور اس غلام نے وارث سے کہا مجھے تیرے والد نے اپنی صحت کے زمانے میں آزاد کردیا تھا اور ایک دوسرے شخص نے کہا میرا تیرے باپ پر ایک ہزار درہم قرض ہے اور وارث نے کہا تم دونوں سچے ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام اپنی قیمت میں کمائی کرے گا۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ غلام آزاد ہوجائے گا اور کچھ بھی کمائی نہیں کرے گا، کیونکہ ایک کلام سے وارث کی تصدیق سے دَین اور عتق دونوں ایک ساتھ بحالت صحت ظاہر ہوئے ہیں تو یہ ایسے ہوگئے

گویا کہ دونوں ایک ساتھ تھے اور حالتِ صحت کا عتق سعایہ واجب نہیں کرتا اگر چہ معتق پر دین ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قرض کا اقرار اقویٰ ہے، کیونکہ قرض پورے مال سے معتبر ہوتا ہے اور حالت مرض کا اقرار تہائی مال سے معتبر ہوتا ہے اور اقویٰ ادنیٰ کو دور کر دیتا ہے اور اس دفع کا تقاضہ یہ ہے کہ سرے سے عتق باطل ہو جائے گا، لیکن عتق واقع ہونے کے بعد بطلان کا احتمال نہیں رکھتا، لہٰذا سعایہ واجب کر کے معناً عتق کو دفع کیا جائے گا۔

اور اس لیے کہ دَین مقدم ہے، کیونکہ دین کے اسناد سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، لہٰذا حالت صحت کی طرف دین کی اسناد کی جائے گی جب کہ عتق کی حالت صحت کی طرف اسناد کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ حالت مرض میں مفت عتق سے دین مانع ہوتا ہے لہٰذا سعایہ واجب ہوگی۔

اللغات:

﴿ترك﴾ چھوڑا۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿الف﴾ ایک ہزار۔ ﴿یسعٰی﴾ کمائی کرے گا۔ ﴿دین﴾ قرض۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿قضیّته﴾ اس کا تقاضا ہے۔ ﴿إیجاب﴾ واجب کرنا۔ ﴿أسبق﴾ پہلے کیا۔ ﴿مَجّانًا﴾ مفت، بلاعوض۔

اعتاق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے اپنے ترکہ میں ایک غلام چھوڑا اور اس غلام نے میت کے بیٹے سے کہا کہ بھائی تمہارے والد نے اپنی صحت کے زمانے میں مجھے آزاد کر دیا تھا اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے اس بیٹے سے کہا کہ میرا تمہارے والد پر ایک ہزار درہم قرض ہے، میت کے بیٹے نے دونوں کی بات سن کر کہا صدقتما یعنی تم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہو تو اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا اور میت پر الف درہم دین ثابت ہوگا، لیکن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام پر اپنی قیمت کے بقدر کمائی کرنا واجب ہوگا جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں غلام بدون سعایہ آزاد ہوگا اور اس پر ایک روپیہ کمائی کرنا واجب نہیں ہوگا۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب میت کے وارث نے ایک ہی بات صدقتما سے غلام اور قرض دونوں کی تصدیق کی تو یہ واضح ہوگیا کہ عتق اور دین دونوں ایک ساتھ اور بحالت صحت واجب ہوئے ہیں اور حالتِ صحت میں واقع ہونے والا عتق سعایہ اور کمائی واجب نہیں کرتا اگر چہ معتق مدیون اور مقروض ہو لہٰذا صورتِ مسئلہ میں غلام بدون سعایہ آزاد ہوگا۔

وله أن الإقرار الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دین کا اقرار اور دین عتق سے اقویٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ حالتِ مرض کا دین پورے مال سے نافذ ہوتا ہے جب کہ حالتِ مرض کا عتق تہائی مال سے نافذ ہوتا ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ اقویٰ ادنیٰ کو دفع کر دیتا ہے اس لیے صورت مسئلہ میں دین جو عتق سے اقویٰ ہے اسے عتق کو یکسر ختم اور باطل کر دینا چاہئے تھا، لیکن عتق ایک مرتبہ واقع ہونے کے بعد بطلان کا احتمال نہیں رکھتا، اس لیے ظاہری اعتبار سے تو ہم اسے باطل نہیں کریں گے، لیکن معنوی اعتبار سے یہ باطل ہو جائے گا اور معنوی اعتبار سے بطلان کی صورت یہی ہے کہ عتق کو نافذ کر کے غلام پر سعایہ واجب کر دی جائے اسی لیے ہم نے صورتِ مسئلہ میں غلام پر سعایہ واجب کر دیا ہے۔

ولأن الدین الخ: یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دین عتق سے مقدم ہے، کیونکہ دین کو حالتِ صحت کی طرف منسوب کرنے کا راستہ صاف ہے جب کہ عتق کو حالتِ صحت کی طرف منسوب کرنے میں ایک خرابی تو یہ لازم آئے گی کہ ابعد الاوقات کی طرف اس کی اضافت ہوگی حالانکہ امر جدید کو اقرب الاوقات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ معتق مقروض ہے اور معتق کا مقروض ہونا حالت مرض میں عتق کے فری اور مفت واقع ہونے سے مانع ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی غلام مفت آزاد نہیں ہوگا بلکہ اس پر اپنی قیمت کے بقدر کمائی کر کے وارث کو دینا لازم آئے گا۔

وَعَلٰی هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَتَرَكَ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَقَالَ رَجُلٌ لِي عَلَى الْمَيِّتِ أَلْفُ دِرْهَمٍ دَيْنٌ، وَقَالَ الْآخَرُ كَانَ لِي عِنْدَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ وَدِيْعَةٌ فَعِنْدَهُ الْوَدِيْعَةُ أَقْوٰى وَعِنْدَهُمَا هُمَا سَوَاءٌ.

ترجمه: اور اسی اختلاف پر ہے جب کوئی شخص مرا اور ایک ہزار درہم ترکہ چھوڑا پھر ایک شخص نے کہا میرا مرحوم پر ایک ہزار درہم قرض ہے اور دوسرے شخص نے کہا میرے مرحوم کے پاس ایک ہزار درہم ودیعت تھے۔ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ودیعت اقویٰ ہے اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں دونوں برابر ہیں۔

اللغات:

﴿الف﴾ ہزار۔ ﴿دین﴾ قرض۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔

قرض اور امانت رکھوانے کے دعووں کی صورت میں ترجیح:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کا ترکہ ایک ہزار درہم ہے، ایک شخص آیا اور مرحوم کے وارث سے کہنے لگا کہ میرے ایک ہزار درہم میت پر قرض ہیں، اتنے میں دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرے ایک ہزار درہم میت کے پاس ودیعت ہیں تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ودیعت والے کا قول معتبر ہوگا اور وہ ایک ہزار درہم اسے دیئے جائیں گے اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں ودیعت اور دین دونوں کے دعوے دار الف درہم میں برابر شریک ہوں گے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قرض خواہ اگرچہ دین کا مدعی ہے اور دین ماوجب فی الذمه ہے، لیکن مدیون کی موت کے بعد اس کا حق عین میں منتقل ہو چکا ہے اور صاحبِ ودیعت بھی عین ہی کا مدعی ہے تو گویا دونوں عین کے مدعی ہوئے، اس لیے دونوں الف میں شریک ہوں گے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرض خواہ دین کا مدعی ہے اور دین ماوجب في الذمة ہوتا ہے اور صاحب ودیعت ودیعت کا مدعی ہے اور ودیعت کا تعلق عین سے ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئلہ میں جب عین کا مدعی موجود ہے تو وہ دین کے مدعی کو دفع کر دے گا اور پورا ترکہ میت لے گا۔

فَصْلٌ

وَمَنْ أَوْصٰى بِوَصَايَا مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ مِنْهَا قَدَّمَهَا الْمُوْصِيْ أَوْ أَخَّرَهَا، مِثْلُ الْحَجِّ وَالزَّكَاةِ وَالْكَفَّارَاتِ، لِأَنَّ الْفَرِيْضَةَ أَهَمُّ مِنَ النَّافِلَةِ، وَالظَّاهِرُ مِنْهُ الْبُدَايَةُ بِمَا هُوَ الْأَهَمُّ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حقوق اللہ میں سے چند وصایا کی وصیت کی تو ان میں سے فرائض کو مقدم کیا جائے گا خواہ موصی نے انھیں مقدم کیا ہو یا مؤخر کیا ہو جیسے حج، زکوۃ اور کفارات، کیونکہ فرض نفل سے اہم ہے اور موصی کی طرف سے ظاہر یہی ہے کہ اہم چیز سے ابتداء ہو۔

اللغات:

﴿قدمت﴾ مقدم کیا جائے گا، پہلے کیا جائے گا۔ ﴿بدایة﴾ ابتداء کرنا، شروع کرنا۔

حقوق اللہ کی وصیت میں ترتیب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے حقوق مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوۃ یا کفارات میں سے کوئی کفارہ نذر یا صدقۂ فطر یا کفارۂ یمین وغیرہ باقی اور لازم ہو اور مرنے والے نے ان کو ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو ورثاء پر ان کی ادائیگی واجب اور لازم ہوگی اور اس بات کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا کہ وہ سب سے پہلے فرائض ادا کریں اگر چہ مرحوم نے فرائض کی وصیت اور ان کے تذکرے کو نوافل سے مؤخر کیا ہو، لیکن ورثاء کو چاہئے کہ وہ پہلے فرائض ہی ادا کریں اور پھر نوافل پر دھیان دیں، کیونکہ فرائض نوافل سے اہم ہیں اور دستور یہ ہے کہ پہلے اہم کو ادا کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد جو دوسرے اور تیسرے نمبر پر ہو اس کا نمبر آتا ہے، لہٰذا یہاں بھی موصی پر جو حقوق واجب ہیں ان میں سے پہلے اہم کو ادا کیا جائے گا اور بعد میں غیر اہم یعنی نوافل وغیرہ کا نمبر آئے گا۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر موصی نے ان واجبات کو اداء کرنے کی وصیت نہ کی ہو تو ورثاء پر ان کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی بلکہ انھیں کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا۔

فَإِنْ تَسَاوَتْ فِي الْقُوَّةِ بُدِيَ بِمَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِيْ إِذَا ضَاقَ عَنْهَا الثُّلُثُ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ يَبْتَدِئُ بِالْأَهَمِّ، وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّهُ يَبْتَدِئُ بِالزَّكٰوةِ وَيُقَدِّمُهَا عَلَى الْحَجِّ وَهُوَ إِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ،

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ أَنَّهُ يُقَدِّمُ الْحَجَّ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: پھر اگر جملہ وصایا قوت میں برابر ہوں تو اس وصیت سے ابتداء کی جائے گی جسے موصی نے مقدم کیا ہو جب کہ ثلث ان تمام وصایا سے تنگ ہوجائے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ موصی اہم سے ابتداء کرے گا۔ اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ وارث زکوۃ سے ابتداء کرے اور اسے حج پر مقدم کرے۔ اور یہی امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ وارث حج کو مقدم کرے گا اور یہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اللغات:

﴿تساوت﴾ برابر ہوگئیں۔ ﴿بدی﴾ شروع کیا جائے گا۔ ﴿قدّمه﴾ جس کو اس نے پہلے کیا تھا۔ ﴿ضاق﴾ تنگ پڑ جائے۔ ﴿یبتدئ﴾ شروع کرے گا۔

ہم مرتبہ وصایا کی صورت میں ترتیب تقدیم وتاخر:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی کی تمام وصایا قوت اور مرتبے میں برابر ہوں مثلاً سب فرائض ہوں یا سب واجبات ہوں اور ترکے کا ثلث ان کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہو تو اس صورت میں موصی نے جسے پہلے بیان کیا ہے اسے ادا کیا جائے گا، مثلاً اس کے ذمے زکوۃ بھی ہو اور حج بھی ہو اور موصی نے حج کو مقدم کرکے بیان کیا ہو تو حج کو زکوۃ پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ موصی کا ظاہر حال یہی ہے کہ اس نے اہم چیز کو مقدم کیا ہوگا، لہٰذا اس صورت میں اس کی تقدیم مفید ہوگی۔

وذکر الطحاوی الخ: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اگر حج اور زکوۃ دونوں موصی کے ذمہ واجب الأداء ہوں تو وارث زکوۃ کی ادائیگی کو حج کی ادائیگی پر مقدم کرکے پہلے زکوۃ ادا کرے گا اور پھر حج۔ یہی امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اس صورت میں حج کو مقدم کیا جائے گا اور یہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

وَجْهُ الْأُولٰى أَنَّهُمَا وَإِنِ اسْتَوَيَا فِي الْفَرِيْضَةِ فَالزَّكٰوةُ تَعَلَّقَ بِهَا حَقُّ الْعِبَادِ فَكَانَ أَوْلٰى. وَجْهُ الْأُخْرٰى أَنَّ الْحَجَّ يُقَامُ بِالْمَالِ وَالنَّفْسِ، وَالزَّكٰوةُ بِالْمَالِ قَصْرًا عَلَيْهِ فَكَانَ الْحَجُّ أَقْوٰى، ثُمَّ تُقَدَّمُ الزَّكٰوةُ وَالْحَجُّ عَلَى الْكَفَّارَاتِ لِمَزِيَّتِهِمَا عَلَيْهَا فِي الْقُوَّةِ إِذْ قَدْ جَاءَ فِيْهَا مِنَ الْوَعِيْدِ مَالَمْ يَأْتِ فِي الْكَفَّارَةِ، وَالْكَفَّارَةُ بِالْقَتْلِ وَالظِّهَارِ وَالْيَمِيْنِ مُقَدَّمَةٌ عَلٰى صَدَقَةِ الْفِطْرِ، لِأَنَّهُ عُرِفَ وُجُوْبُهَا بِالْقُرْآنِ دُوْنَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَصَدَقَةُ الْفِطْرِ مُقَدَّمَةٌ عَلَى الْأُضْحِيَةِ لِلْإِتِّفَاقِ عَلٰى وُجُوْبِهَا وَالْإِخْتِلَافِ فِي الْأُضْحِيَةِ، وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ يُقَدَّمُ بَعْضُ الْوَاجِبَاتِ عَلَى الْبَعْضِ، قَالَ وَمَالَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَاقَدَّمَهُ الْمُوْصِيْ لِمَا بَيَّنَّا وَصَارَ كَمَا إِذَا صَرَّحَ بِذٰلِكَ.

ترجمہ: پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ حج اور زکوۃ دونوں اگرچہ فرضیت میں برابر ہیں، لیکن زکوۃ کے ساتھ بندوں کا حق متعلق ہے، اس لیے زکوۃ اولیٰ ہوگی۔ دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ حج مال اور جان دونوں سے ادا کیا جاتا ہے اور زکوۃ صرف مال پر منحصر ہو

کر مال ہی سے ادا کی جاتی ہے، لہٰذا حج اقویٰ ہوگا، پھر حج اور زکوۃ تمام کفارات سے مقدم ہوں گے، کیونکہ یہ دونوں قوت میں تمام کفارات سے افضل ہیں، اس لیے کہ ان کے متعلق وہ وعیدیں وارد ہیں جو کفارات کے متعلق نہیں وارد ہیں۔ اور کفارۂ قتل، کفارۂ ظہار اور کفارۂ یمین صدقۂ فطر پر مقدم ہوں گے، اس لیے کہ ان کا وجوب قرآن سے معلوم ہوا ہے نہ کہ صدقۂ فطر کا۔

اور صدقۂ فطر قربانی سے مقدم ہوگا، اس لیے کہ اس کے وجوب پر اتفاق ہے اور اضحیہ میں اختلاف ہے اور اسی قیاس پر بعض واجبات کو بعض سے مقدم کیا جائے گا۔ فرماتے ہیں کہ جو واجب نہیں ہے، اس میں اسے مقدم کیا جائے گا، جسے موصی نے مقدم کیا ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ ایسا ہو گیا جیسے موصی نے اس کی صراحت کی ہو۔

اللغاث:

﴿استویا﴾ دونوں برابر ہو گئے۔ ﴿یقام﴾ قائم کیا جاتا ہے۔ ﴿مزیة﴾ فضیلت، قدر۔ ﴿عُرِف﴾ پہچانا گیا ہے۔ ﴿أضیحة﴾ قربانی۔

مذکورہ بالا مسائل کے دلائل:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی پر حج اور زکوۃ دونوں واجب الأ دا ہوں ایک روایت کے مطابق زکوۃ کی ادائیگی حج سے مقدم ہوگی، کیونکہ اگر چہ حج اور زکوۃ دونوں فرضیت میں مساوی اور برابر ہیں لیکن زکوۃ سے حق اللہ کے ساتھ ساتھ حق العباد بھی متعلق ہے، اس لیے حج کی بہ نسبت زکوۃ اولیٰ اور اقوی ہوگی اور اس کی ادائیگی حج سے مقدم ہوگی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حج کی ادائیگی زکوۃ سے مقدم ہوگی، کیونکہ حج مال اور جان دونوں سے ادا کیا جاتا ہے جب کہ زکوۃ صرف مال سے ادا کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں مال اور جان دونوں چیزیں جمع ہوں وہ اس عبادت سے یقیناً اولیٰ ہوگی، جہاں صرف مال کا معاملہ ہو، اس لیے حج زکوۃ سے مقدم ہوگا۔

ثم تقدم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ زکوۃ، حج اور کفارات کے اجتماع کی صورت میں حج اور زکوۃ کی ادائیگی کفارات سے مقدم ہوگی، کیونکہ حج اور زکوۃ اسلام کے ارکان میں شامل ہیں اور انھیں کفارات وغیرہ پر فوقیت حاصل ہے۔ نیز حج اور زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کے متعلق جو وعیدات مروی ہیں وہ کفارات کے سلسلے میں نہیں وارد ہیں، اس لیے حج اور زکوۃ تمام کفارات سے مقدم ہوں گے، ہاں کفارات میں بعض بعض سے مقدم ہوں گے جیسے کفارۂ قتل کفارۂ ظہار اور یمین سے اقوی ہے، کیونکہ اس میں عبدِ معتق کا مومن ہونا شرط ہے اور کفارۂ یمین کفارۂ ظہار سے مقدم ہوگا اس لیے کہ کفارۂ یمین اللہ کے نام کی بے حرمتی کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جب کہ کفارۂ ظہار کا وجوب بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے سے ہوتا ہے۔

اور یہ تمام کفارات صدقۃ الفطر سے اقویٰ اور مقدم ہوں گے، کیونکہ ان کا وجوب کتاب اللہ سے ہے اور صدقۃ الفطر کا وجوب حدیث سے ہے اور کتاب اللہ سے ثابت شدہ چیز حدیث سے ثابت شدہ چیز کے مقابلے میں اقویٰ ہوتی ہے۔

و صدقة الفطر الخ: فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر اضحیہ سے اقویٰ اور مقدم ہے، کیونکہ صدقۂ فطر کے وجوب پر فقہاء کا اتفاق ہے جب کہ اضحیہ کے وجوب میں حضرات فقہاء کی آراء مختلف ہیں اور متفق علیہ امر، مختلف فیہ امر سے اقویٰ ہوتا ہے، **وعلی هذا القیاس** یعنی اسی طرح ایک نوع کے جتنے بھی امور میت پر واجب ہوں گے ان میں سے حسب مراتب تقدم وتاخر ہوگا جیسا کہ

کفارات میں اس کی مثالیں آچکی ہیں۔

ومالیس بواجب الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ جو چیزیں واجب نہیں ہیں اور از قبیل نفل اور تطوع ہیں ان میں اسی چیز کو مقدم کیا جائے گا جنھیں موصی نے مقدم کیا ہو مثلاً اگر موصی نے اپنی طرف سے نفل حج کی وصیت کی ہو یا نفلی اعتاق کی وصیت کی ہو تو ان میں سے جسے موصی نے ذکر اور وصیت میں مقدم کیا ہے، اس کے ورثاء بھی اسی کو مقدم کریں گے، کیونکہ یہ بات طے ہے کہ موصی نے جسے اہم سمجھا ہوگا اسی کو مقدم کیا ہوگا، لہٰذا اس کی تقدیم کا خیال رکھا جائے گا، جیسا کہ اس صورت میں اس کی تقدیم کو مقدم کیا جاتا ہے جب خود موصی یہ صراحت کردیتا ہے کہ جسے میں نے پہلے بیان کیا ہے اسی کو پہلے ادا کرنا۔

قَالُوْا إِنَّ الثُّلُثَ يُقَسَّمُ عَلَى جَمِيْعِ الْوَصَايَا مَا كَانَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَمَا كَانَ لِلْعَبْدِ فَمَا أَصَابَ الْقُرَبَ صُرِفَ إِلَيْهَا عَلَى التَّرْتِيْبِ الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ، وَيُقَسَّمُ عَلَى عَدَدِ الْقُرَبِ وَلَا يُجْعَلُ الْجَمِيْعُ كَوَصِيَّةٍ وَاحِدَةٍ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ الْمَقْصُوْدُ بِجَمِيْعِهَا رِضَا اللّٰهِ تَعَالٰى فَكُلُّ وَاحِدٍ فِيْ نَفْسِهَا مَقْصُوْدٌ فَيَنْفَرِدُ كَمَا يَنْفَرِدُ وَصَايَا الْآدَمِيِّيْنَ.

ترجمہ: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ ثلث کو ان تمام وصایا پر تقسیم کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے لیے اور بندے کے لیے ہیں اور جو قربات کے حصے میں آئے اسے قربات پر اسی طریقے کے مطابق تقسیم کیا جائے گا جسے ہم بیان کرچکے ہیں اور قربات کے عدد پر تقسیم کیا جائے گا اور تمام قربات کو وصیت واحدہ کی طرح نہیں قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ اگرچہ تمام سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہے لیکن ہر ہر قربت بذات خود مقصود ہے لہٰذا ہر قربت اسی طرح منفرد ہوگی، جیسے چند لوگوں کی وصیتیں منفرد ہوتی ہیں۔

اللغات:

﴿یقسّم﴾ تقسیم کیا جائے گا۔ ﴿أصاب﴾ پہنچا، حصے میں آیا۔ ﴿صرف﴾ پھرا جائے گا۔ ﴿قُرَب﴾ واحد قربۃ؛ نیکیاں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جمع کردینے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت نے، حج، زکوۃ اور کفارات کی وصیت کی اور کسی شخص کے لیے ثلث مال کی وصیت کی تو ان میں سے تین حقوق اللہ ہیں اور ایک حق العبد ہے اور ترکہ ثلث ہے تو اس ثلث کے چار حصے کئے جائیں گے، جن میں سے تین حصے حقوق اللہ کے ہوں گے اور ایک حصہ حق العبد ہوگا اور پھر حقوق اللہ کے حصوں میں ثلث سے جو مال آئے گا اسے ماقبل میں بیان کردہ ہماری ترتیب کے مطابق جو حق مقدم ہے اسی میں پہلے صرف کیا جائے گا یعنی زکوۃ کو حج سے مقدم کیا جائے گا اور حج دیگر کفارات سے مقدم ہوگا۔

ویقسم علی عدد القرب الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ثلث کو قربات کی تعداد پر تقسیم کیا جائے گا اور تمام قربات کو ایک وصیت قرار دے کر اور حق العبد کو دوسری وصیت قرار دے کر ثلث کو محض دو حصوں پر تقسیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اگرچہ تمام قربات کا مقصد ایک ہے یعنی اللہ کی رضا لیکن ہر ہر قربت بذات خود مقصود ہے اور مرحوم کی مطلوب ہے، اس لیے انھیں علاحدہ علاحدہ شمار کیا جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے میت نے فقراء کے لیے بھی وصیت کی اور مسافروں کے لیے بھی وصیت کی تو ان میں سے دونوں کو الگ الگ شمار کرکے ہر ایک کا حصہ الگ الگ متعین کیا جائے گا، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی ہر ہر قربت کا حصہ الگ الگ ہوگا ہاں جو مقدم ہوگی اسے مقدم کیا جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰی بِحَجَّةِ الْإِسْلَامِ أَحِجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِبًا، لِأَنَّ الْوَاجِبَ لِلّٰهِ تَعَالٰی الْحَجُّ مِنْ بَلَدِهٖ وَلِهٰذَا يُعْتَبَرُ فِيْهِ مِنَ الْمَالِ وَمَايَكْفِيْهِ مِنْ بَلَدِهٖ، وَالْوَصِيَّةُ لِأَدَاءِ مَاهُوَ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا قَالَ رَاكِبًا لِأَنَّهُ لَايَلْزَمُهُ أَنْ يَّحُجَّ مَاشِيًا فَانْصَرَفَ إِلَيْهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ وَجَبَ عَلَيْهِ.

ترجمه: جس شخص نے حج اسلام کی وصیت کی، اس کے ورثاء اس کی طرف سے ایک شخص کو موصی کے شہر سے حج کرائیں گے جو سوار ہوکر حج کرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے شہر سے حج کرنا واجب ہے، اسی لیے وجوب حج میں اتنا مال معتبر ہوگا جو موصی کے لیے اس کے شہر سے کافی ہو اور وصیت اسی چیز کی ادائیگی کے لیے ہے جو موصی پر واجب ہے، اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے راکباً فرمایا ہے، اس لیے کہ موصی پر پیدل حج کرنا لازم نہیں ہے لہٰذا دوسرے پر اسی طرح حج پھرے گا جس طرح موصی پر واجب ہے۔

اللغات:

﴿أحجّوا﴾ حج کروائیں گے۔ ﴿راکب﴾ سوار۔ ﴿ماشی﴾ پیدل چلنے والا۔ ﴿انصرف﴾ پھر گیا۔

حج کی وصیت کو پورا کرنے کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص پر حج فرض تھا لیکن اپنی زندگی میں وہ حج نہ کرسکا اور مرتے وقت اس نے وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرادیا جائے تو اس کے ورثاء پر لازم ہے کہ موصی کی طرف سے ایک شخص کو حج کرائیں اور اسے اتنی رقم دیں کہ وہ سواری کے ذریعے موصی کے شہر سے حج کرسکے، اس لیے کہ یہ حج بدل ہے اور چوں کہ موصی پر بھی اپنے شہر سے بذریعہ سواری حج کرنا لازم تھا، کیونکہ موصی کے پاس اس قدر مال موجود تھا، اسی لیے اس پر حج فرض ہوا تھا، لہٰذا جس طرح اصل حج فرض تھا اسی طرح حج بدل کرایا جائے گا تاکہ بدل ہر طرح سے اصل کے مماثل ہوجائے۔

قَالَ فَإِنْ لَمْ تَبْلُغِ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ أَحِجُّوْا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ، وَفِي الْقِيَاسِ لَايَحُجُّ عَنْهُ، لِأَنَّهُ أَمَرَ بِالْحَجِّ عَلٰی صِفَةٍ عُدِمْنَاهَا فِيْهِ غَيْرَ أَنَا جَوَّزْنَاهُ، لِأَنَّا نَعْلَمُ أَنَّ الْمُوْصِيْ قَصَدَ تَنْفِيْذَ الْوَصِيَّةِ فَيَجِبُ تَنْفِيْذُهَا مَا أَمْكَنَ، وَالْمُمْكِنُ فِيْهِ مَاذَكَرْنَاهُ وَهُوَ أَوْلٰی مِنْ إِبْطَالِهَا رَأْسًا وَقَدْ فَرَّقْنَا بَيْنَ هٰذَا وَبَيْنَ الْوَصِيَّةِ بِالْعِتْقِ مِنْ قَبْلُ.

ترجمه: پھر اگر وصیت نفقہ کو نہ پہنچے تو جہاں سے پہنچ سکے تو ورثاء اس کی طرف سے حج کرائیں اور قیاس میں اس کی طرف سے حج نہ کرایا جائے، کیونکہ موصی نے ایسی صفت پر حج کرنے کا حکم دیا ہے جو صفت اس کے مال میں ہم نے معدوم پائی ہے، لیکن ہم نے اسے جائز قرار دیا ہے، اس لیے کہ ہمیں معلوم ہے کہ موصی نے وصیت نافذ کرنے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا حتی الامکان اس کی تنفیذ واجب ہوگی اور اس میں وہی صورت ممکن ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور یہ بالکلیہ وصیت باطل کرنے سے اولیٰ ہے۔ اور وصیت بالحج اور وصیت بالعتق کے مابین جو فرق ہے اسے ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں۔

اللغات:

﴿نفقة﴾ خرچہ، اخراجات۔ ﴿أحجّوا﴾ حج کروائیں گے۔ ﴿عدمناها﴾ ہمیں نہیں ملی۔ ﴿جوّزنا﴾ ہم نے اجازت

دی ہے۔ ﴿رأسا﴾ بالکل مکمل طور پر۔

حج کی وصیت کو پورا کرنے کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے وصیت کی کہ میرے مال سے بستی ضلع سے میری طرف سے حج کرایا جائے، لیکن اس کے مال کا ثلث بستی سے حج کے لیے ناکافی ہے اور اتنے مال میں ممبی سے حج ہوسکتا ہے تو استحساناً ممبی سے حج کرایا جائے گا، لیکن قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ موصی کی طرف سے حج نہ کرایا جائے، کیونکہ موصی نے بستی ضلع سے حج کرانے کی وصیت کی ہے اور ممبی سے حج کرانے میں یہ صفت معدوم ہے، لہٰذا من کل وجہ اس کی وصیت کو نافذ کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے اس کی یہ وصیت ہی باطل ہے۔ لیکن استحساناً جہاں سے ممکن ہو موصی کی طرف سے حج کرادیا جائے، اس لیے کہ موصی کا مقصد فریضۂ حج کی ادائیگی ہے لہٰذا جہاں تک اور جہاں سے ممکن ہوسکے اس کی تکمیل کی جائے اور تکمیل اسی صورت میں ہوگی جو ہم نے بیان کی ہے کہ شہرِ موصی کے علاوہ دوسرے شہر سے حج کرا کے اس کی وصیت نافذ کردی جائے اور وصیت کو یکسر باطل نہ کیا جائے، کیونکہ ضابطہ ہے مالا یُدرك کله لایُترك کله یعنی جس چیز کو تمام تر لوازمات کے ساتھ حاصل نہیں کیا جاسکتا اسے یکسر چھوڑا بھی نہیں جاسکتا۔

وقد فرقنا الخ: صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وصیت بالحج اور وصیت بالعتق میں جو فرق ہے اسے ہم ماقبل میں بیان کرچکے ہیں۔

قَالَ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيْقِ وَأَوْصٰى أَنْ يُّحَجَّ عَنْهُ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهٖ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ إِسْتِحْسَانًا، وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا مَاتَ الْحَاجُّ عَنْ غَيْرِهٖ فِي الطَّرِيْقِ، لَهُمَا أَنَّ السَّفَرَ بِنِيَّةِ الْحَجِّ وَقَعَ قُرْبَةً وَسَقَطَ فَرْضُ قَطْعِ الْمَسَافَةِ بِقَدْرِهٖ وَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ فَيُبْتَدَأُ مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ كَأَنَّهٗ مِنْ أَهْلِهٖ، بِخِلَافِ سَفَرِ التِّجَارَةِ، لِأَنَّهٗ لَمْ يَقَعْ قُرْبَةً فَيُحَجُّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهٖ، وَلَهٗ أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَنْصَرِفُ إِلَى الْحَجِّ مِنْ بَلَدِهٖ عَلٰى مَاقَرَّرْنَاهُ أَدَاءً لِلْوَاجِبِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ وَجَبَ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جو شخص حج کا ارادہ کرکے اپنے شہر سے نکلا اور راستے میں مرگیا اور یہ وصیت کرگیا کہ اس کی طرف سے حج کیا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ استحساناً اس جگہ سے حج کرایا جائے گا جہاں وہ پہنچ چکا تھا۔ اور اسی اختلاف پر ہے جب دوسرے کی طرف سے حج کرنے والا راستے میں مرجائے۔

حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ حج کی نیت سے سفر قربت واقع ہو چکا ہے اور اس مکان کے بقدر قطع مسافت کا فریضہ ساقط ہو چکا ہے اور اللہ کے یہاں اس کا اجر ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا اسی جگہ سے ابتداء کی جائے گی گویا کہ موصی وہیں کا باشندہ ہے۔

برخلاف سفرِ تجارت کے، کیونکہ وہ قربت واقع نہیں ہوا ہے، لہٰذا موصی کی جانب سے اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی کے شہر سے حج کرانے کی طرف وصیت لوٹ جائے گی اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کر چکے ہیں تاکہ واجب کو واجب شدہ طریقے کے مطابق ادا کیا جا سکے۔ واللہ اعلم۔

اللغاتُ:

﴿حاجّ﴾ حج کرنے والا۔ ﴿طریق﴾ راستہ۔ ﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿یحجّ﴾ حج کیا جائے۔ ﴿بلدہ﴾ اس کا شہر۔ ﴿بلغ﴾ پہنچ جائے۔ ﴿قربۃ﴾ عبادت کا کام۔ ﴿تنصرف﴾ پھر جائے گا۔

حج کے راستے میں مرنے والے کی وصیت بالحج:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے خالص حج کے ارادے سے نکلا، راستے میں وہ بیمار ہوا اور اس نے اپنی طرف سے حج کرائے جانے کی وصیت کی پھر اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے ورثاء پر اس کی طرف سے حج کرانا لازم ہے، لیکن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مرحوم کے شہر سے کسی کو بھیج کر حج کرایا جائے گا امام زفر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ اس شخص کی وفات ہوئی ہے وہاں سے کسی کو اس کی طرف سے حج کے لیے بھیجا جائے گا اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کا یہ قول استحسان پر مبنی ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے حج بدل کے لیے جا رہا تھا اور راستے میں اس کا انتقال ہوگیا تو حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں مقام وفات سے دوسرے کو بھیجا جائے گا جب کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصی کے شہر سے بھیجا جائے گا۔

لھما الخ: حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک شخص اپنے گھر سے بنیتِ حج نکلا ہے تو جتنی مسافت طے کر کے وہ مرا ہے وہ سب قربت شمار ہوگی اور اس مسافت کے بقدر اس کے ذمے سے مسافت کا فریضہ ساقط ہو جائے گا اور اسے اتنی مسافت طے کرنے کا پورا ثواب ملے گا، لہٰذا جہاں سے مسافت باقی ہے وہاں سے کسی کو بھیج کر اس مرحوم کی طرف سے حج کرایا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ مرحوم اسی جگہ کا باشندہ ہے اس لیے اس کی طرف سے اسی جگہ سے حج کرایا جا رہا ہے۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص تجارت کی نیت سے مکہ مکرمہ جا رہا تھا اور راستے میں اس کا انتقال ہونے لگا اسی دوران وہ حج کی وصیت کر کے مر گیا تو اس کی طرف سے اس کے شہر ہی سے حج کرایا جائے گا، کیونکہ اس شخص نے جو مسافت طے کی ہے وہ قربت نہیں واقع ہوئی ہے اور نہ ہی اس مقدار میں اس کی طرف سے فریضہ ساقط ہوا ہے اس لیے اس شخص کی طرف سے تو بالاتفاق اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

ولہ أن الوصیۃ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب حاجی حج مکمل کرنے سے پہلے ہی جاں بحق ہوگیا تو اس کا سفر حج کے لیے نہیں شمار کیا جائے گا بل کہ وہ اور تاجر دونوں برابر ہوں گے اور جس طرح تاجر کی وصیت میں اس کے شہر سے حج کرایا جاتا ہے اسی طرح اس شخص کی وصیت میں بھی حج کی ابتداء اس کے شہر سے ہوگی، کیونکہ ماقبل میں یہ مسئلہ آچکا ہے کہ اگر کوئی شخص حج کی وصیت کرے تو اس کا حج اس کے شہر سے کرایا جاتا ہے تاکہ حج جن صفات کے ساتھ اصل پر واجب تھا انھی صفات کے ساتھ بدل اور نائب بھی اسے ادا کرے۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْأَقَارِبِ وَغَيْرِهِمْ

یہ باب اقارب اور غیر اقارب کے لیے وصیت کرنے کے بیان میں ہے

اس سے پہلے عام لوگوں کے لیے وصیت کرنے کے مسائل بیان کئے گئے ہیں اور اب اس باب میں مخصوص لوگوں کے لیے وصیت کا بیان ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ عام خاص سے مقدم ہوتا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے عموم والے ابواب کو پہلے بیان کیا ہے اور اب یہاں سے مخصوص ابواب کا بیان ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِجِيْرَانِهٖ فَهُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَقَالَا هُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ وَغَيْرُهُمْ مِمَّنْ يَسْكُنُ مَحَلَّةَ الْمُوْصِيْ وَيَجْمَعُهُمْ مَسْجِدُ الْمَحَلَّةِ، وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ، وَقَوْلُهٗ قِيَاسٌ، لِأَنَّ الْجَارَ مِنَ الْمُجَاوَرَةِ وَهِيَ الْمُلَاصَقَةُ حَقِيْقَةً وَلِهٰذَا يَسْتَحِقُّ الشُّفْعَةَ بِهٰذَا الْجِوَارِ، وَلِأَنَّهٗ لَمَّا تَعَذَّرَ صَرْفُهٗ إِلَى الْجَمِيْعِ يُصْرَفُ إِلٰى أَخَصِّ الْخُصُوْصِ وَهُوَ الْمُلَاصِقُ. وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ أَنَّ هٰؤُلَاءِ كُلَّهُمْ يُسَمَّوْنَ جِيْرَانًا عُرْفًا، وَقَدْ تَأَيَّدَ بِقَوْلِهٖ ❶ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَاصَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ" وَفَسَّرَهٗ بِكُلِّ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ، وَلِأَنَّ الْمَقْصَدَ بِرُّ الْجِيْرَانِ وَاسْتِحْبَابُهٗ يَنْتَظِمُ الْمُلَاصِقَ وَغَيْرَهٗ إِلَّا أَنَّهٗ لَابُدَّ مِنَ الْاِخْتِلَاطِ وَذٰلِكَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْمَسْجِدِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصیٰ لہم ملاصقون ہیں۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ملاصقون بھی ہیں اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی ہیں جو موصی کے محلے میں سکونت پذیر ہیں اور جنھیں محلے کی مسجد جمع کرتی ہے اور یہ استحسان ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول قیاس ہے۔ اس لیے کہ جار مجاورۃ سے مشتق ہے اور مجاورۃ حقیقت میں ملاصقہ ہے، اسی لیے ملاصق اسی جوار کی وجہ سے مستحق شفعہ ہوتا ہے۔ اور اس لیے کہ جب تمام پڑوسیوں کی طرف وصیت پھیرنا متعذر ہے تو اسے سب سے خاص کی طرف پھیرا جائے گا اور وہ ملاصق ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تمام لوگ عرف میں جیران کہے جاتے ہیں اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر ہر اس شخص کے ساتھ کی ہے جو اذان سنے۔ اور اس لیے کہ وصیت کا مقصد پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرنا ہے اور بر کا استحباب ملاصق اور غیر ملاصق دونوں کو شامل ہے، تاہم

اختلاط ضروری ہے اور اختلاط اتحادِ مسجد کی صورت میں حاصل ہوجائے گا۔

اللغات:

﴿جیران﴾ واحد جار؛ پڑوسی۔ ﴿ملاصقون﴾ ساتھ ملے ہوئے۔ ﴿یسکن﴾ رہائش پذیر ہوتا ہے۔ ﴿مجاورۃ﴾ ہم نشینی، ساتھ۔ ﴿ملاصقة﴾ ساتھ ملا ہوا ہونا۔ ﴿یسمّون﴾ بلائے جاتے ہیں۔ ﴿تایّد﴾ پکا ہوگیا۔ ﴿نداء﴾ پکار، مراد اذان۔ ﴿برّ﴾ نیکی کرنا، بھلا کرنا۔ ﴿لا بدّ﴾ ناگزیر ہے۔

تخریج:

❶ اخرجه الحاكم فی المستدرك فی كتاب الصلاة، حدیث: ۲۲۵/۸۹۸.

''پڑوسیوں'' کے لیے وصیت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا تہائی حصہ میرے پڑوسیوں کے لیے ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پڑوسیوں سے وہ پڑوسی مراد ہوں گے جن کے گھر موصی کے گھر سے متصل ہوں اور قیاس بھی اسی کا مقتضی ہے جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں جیران سے وہ پڑوسی مراد ہوں گے جن کے گھر موصی کے گھر سے ملے ہوں اور وہ پڑوسی بھی مراد ہوں گے جو موصی کے محلے میں رہتے ہوں اور وہ لوگ بھی مراد ہوں گے جو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہوں اور یہ قول استحسان پر مبنی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ لفظ جار مجاورت سے مشتق ہے اور مجاورۃ کے حقیقی اور اصلی معنی ہیں ملاصقت اور اتصال لہٰذا اس معنی کے پیش نظر جن پڑوسیوں کے گھر موصی کے گھر سے متصل ہوں گے وہی لوگ وصیت کے مستحق ہوں گے یہی وجہ ہے کہ شفعہ کا مستحق بھی جارِ ملاصق ہی ہوتا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے محلّہ یا مسجد کے پڑوسی مستحقِ شفعہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا جار ملاصق جس طرح دیگر پڑوسیوں کو شفعہ سے محروم کردیتا ہے اسی طرح یہ دوسروں کو وصیت سے بھی محروم کردے گا۔

ولأنه لمّا تعذّر الخ: حضرت الامامؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ موصی نے مطلق جیران کے لیے وصیت کی ہے اور اس اطلاق میں اس کے تمام پڑوسی شامل ہیں، لیکن ان تمام کو ثلث میں سے حصہ دینا ناممکن اور متعذر رہے، اس لیے اس وصیت کو مطلق کے فرد کامل یعنی اخص الخاص جیران کی طرف پھیرا جائے گا اور اخص الخاص جیران وہی لوگ ہیں جن کے گھر موصی کے گھر سے متصل اور ملاصق ہیں، لہٰذا اس حوالے سے بھی جیران سے ملاصقون مراد ہوں گے۔

وجه الاستحسان الخ: استحسان کی دلیل یہ ہے کہ جو لوگ ایک محلّہ میں رہتے ہیں اور ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہیں وہ سب عرفاً آپس میں پڑوسی کہلاتے ہیں۔ اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مقدس سے بھی ہوتی ہے **لاصلوۃ لجار المسجد إلاّ في المسجد** کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں مقبول ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر یہ منقول ہے کہ جو شخص اذان سنے وہ جار ہے معلوم ہوا ہے کہ جار وہی نہیں ہے جس کا گھر مسجد سے متصل ہو، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی جار اور جیران کا اطلاق ان لوگوں کے ساتھ خاص نہیں ہوگا جن کے مکانات موصی کے گھر سے متصل ہوں گے، بل کہ اس میں وہ تمام لوگ داخل ہوں گے جو موصی کے محلّہ کے باشندہ ہوں گے یا اس کی مسجد کے نمازی ہوں گے۔

ولأن المقصد الخ: اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ موصی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرے اور بھلائی جارِ ملاصق اور جارِ غیر ملاصق دونوں کو شامل ہے اور غیر ملاصق میں اختلاط مسجد سے ہوگا، اسی لیے **یجمعهم مسجد المحلة** سے اسی کو آشکارا کیا گیا ہے اور اسی میل جول اور اختلاط کی نشان دہی کی گئی ہے۔

وَمَاقَالَهُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْجِوَارُ إِلَى أَرْبَعِينَ دَارًا بَعِيدٌ وَمَايُرْوٰى ❶ فِيهِ ضَعِيفٌ، وَقَالُوا وَيَسْتَوِي فِيهِ السَّاكِنُ وَالْمَالِكُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ، لِأَنَّ اسْمَ الْجَارِيَةِ يَتَنَاوَلُهُمْ، وَيَدْخُلُ فِيهِ الْعَبْدُ السَّاكِنُ عِنْدَهُ لِإِطْلَاقِهِ، وَلَايَدْخُلُ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَهُ وَصِيَّةٌ لِمَوْلَاهُ وَهُوَ غَيْرُ سَاكِنٍ.

ترجمه: اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ پڑوس چالیس گھروں تک ہے یہ بعید ہے اور اس سلسلے میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے، حضرات مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اس میں ساکن، مالک، مرد، عورت، مسلمان ذمی سب برابر ہیں، کیونکہ لفظ جاران سب کو شامل ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہنے والا غلام بھی اس میں داخل ہوگا اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں وہ غلام داخل نہیں ہوگا، کیونکہ غلام کے لیے وصیت اس کے مولیٰ کی وصیت ہے حالانکہ مولیٰ ساکن نہیں ہے۔

اللغات:

﴿جوار﴾ پڑوس۔ ﴿اربعین﴾ چالیس۔ ﴿ساکن﴾ رہائش پذیر۔ ﴿ذکر﴾ مذکر۔

تخریج:

❶ اخرجه البيهقى فى السنن الكبرىٰ فى كتاب الوصايا، حديث رقم: ۱۲۶۱۲.

''جوار'' کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جو یہ منقول ہے کہ لفظ جار کا اطلاق چاروں طرف سے دس گھروں کو شامل ہے یہ بات بعید از فہم ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو بیہقی نے روایت کیا ہے: **عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال أوصاني جبرئيل علیہ السلام بالجار إلى أربعين دارا عشرة من هٰهنا وعشرة من هٰهنا وعشرة من هٰهنا وعشرة من هٰهنا** لیکن یہ روایت ضعیف اور نا قابل استدلال ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی منکر الحدیث ہے۔

قالوا ويستوي الخ: حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ جار میں مالک، کرایہ دار، مرد، عورت، مسلمان اور ذمی سب داخل ہیں، اس لیے کہ لفظِ جاران سب کو شامل ہے اسی طرح اگر کوئی غلام موصی کے محلے میں کرایے پر رہتا ہو تو وہ بھی جار میں داخل ہوگا، کیونکہ لفظ جار مطلق ہے اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں وہ غلام اس میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ غلام کے لیے جو وصیت ہے وہ در حقیقت اس کے مولیٰ کی وصیت ہے اور مولیٰ اس محلے کا باشندہ نہیں ہے، اس لیے حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں عبدِ ساکن وصیت میں داخل نہیں ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَصْهَارِهِ فَالْوَصِيَّةُ لِكُلِّ ذِيْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْ اِمْرَأَتِهِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❶ لَمَّا تَزَوَّجَ صَفِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَعْتَقَ كُلَّ مَنْ مَلَكَ مِنْ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهَا إِكْرَامًا لَهَا، وَكَانُوْا يُسَمُّوْنَ أَصْهَارَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهٰذَا التَّفْسِيْرُ اِخْتِيَارُ مُحَمَّدٍ وَأَبِيْ عُبَيْدَةَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اصہار کے لیے وصیت کی تو اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لیے وصیت ہوگی اس واقعہ کی وجہ سے جو مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو جو بھی ان کے ذی رحم محرم کا مالک تھا اس نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اکرام میں اسے آزاد کر دیا تھا۔ اور یہ لوگ حضرت نبی کریم ﷺ کے اصہار کے نام سے موسوم تھے اور یہ تفسیر حضرت امام محمد اور ابو عبیدہ کی اختیار کردہ ہے۔

اللغات:

﴿اصہار﴾ واحد صہر؛ سسرالی رشتہ دار۔ ﴿تزوّج﴾ شادی کی۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب العتق باب بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ، حدیث رقم: ۳۹۳۱.

''سسرالی رشتہ داروں'' کے لیے وصیت میں کون کون داخل ہوگا:

اصہار صہر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خسر۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے اصہار کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں بیوی کے تمام ذی رحم محرم لوگ داخل ہوں گے اور ان تمام لوگوں کو وصیت ملے گی، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا تو اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے جتنے بھی ذی رحم محرم حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ملکیت تھے سب نے ان تمام لوگوں کو آزاد کر دیا تھا اور یہ لوگ حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اصہار سے مشہور ومعروف تھے۔

صاحب ہدایہ نے یہاں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا ہے، لیکن یا تو یہ کاتب کا سہو ہے یا پھر مصنف علیہ الرحمہ کا تسامح ہے، کیونکہ اصہار کا یہ واقعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا نہیں ہے، بل کہ یہ واقعہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ہے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا غزوۂ بنو المصطلق میں قیدیوں کے ساتھ قید ہو کر آئیں اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں پڑیں، لیکن ان سے عقد کتابت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں بدل کتابت کے متعلق سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں اس پر آپ ﷺ نے ان کا بدل کتابت ادا کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔ حضرات صحابہ کو جب یہ اطلاع ملی کہ حضرت نے ان سے نکاح فرمالیا ہے تو جس صحابی کے قبضے میں بنو مصطلق کا کوئی قیدی تھی اس صحابی نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے اعزاز میں اسے آزاد کر دیا تھا اور علت یہ بیان کی گئی تھی کہ یہ لوگ اب حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اصہار ہیں۔ یہ ہے اصل واقعہ، لیکن تسامح سے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی جگہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام لکھ دیا گیا ہے۔

وَكَذَا يَدْخُلُ فِيهِ كُلُّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْ زَوْجَةِ أَبِيهِ وَزَوْجَةِ ابْنِهِ وَزَوْجَةِ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ، لِأَنَّ الْكُلَّ أَصْهَارٌ.

ترجمہ: اسی طرح اس میں موصی کے باپ کی بیوی کا ہر ذی رحم محرم داخل ہے اور موصی کے بیٹے کی بیوی کا اور موصی کے ہر ذی رحم محرم کی بیوی کا بھی ہر ذی رحم محرم داخل ہے، اس لیے کہ یہ سب اصہار ہیں۔

''سسرالی رشتہ داروں'' کے لیے وصیت میں کون کون داخل ہوگا:

مسئلہ یہ ہے کہ لفظ اصہار عام ہے لہٰذا اس میں جس طرح اپنی بیوی کے ذو رحم محرم داخل ہیں، اسی طرح باپ کی بیوی کے ذو رحم محرم، بیٹے کی بیوی کے ذو رحم محرم اور ہر ذو رحم محرم کی بیوی کے ذو رحم محرم داخل ہیں، کیونکہ یہ سب اصہار ہیں اور لفظ اُصہار کے تحت داخل اور شامل ہیں۔

وَلَوْ مَاتَ الْمُوْصِيْ وَالْمَرْأَةُ فِيْ نِكَاحِهِ أَوْ فِيْ عِدَّتِهِ مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ فَالصِّهْرُ يَسْتَحِقُّ الْوَصِيَّةَ، وَإِنْ كَانَتْ فِيْ عِدَّةٍ مِنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ لَايَسْتَحِقُّهَا، لِأَنَّ بَقَاءَ الصِّهْرِيَّةِ بِبَقَاءِ النِّكَاحِ وَهُوَ شَرْطٌ عِنْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: اور اگر موصی مرجائے اور بیوی اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی سے اس کی عدت میں ہو تو خسر وصیت کا مستحق ہوگا۔ اور اگر بیوی طلاق بائن کی عدت میں ہو تو صہر مستحقِ وصیت نہیں ہوگا، کیونکہ صہریت کی بقاء بقائے نکاح سے ہوتی ہے اور موت کے وقت نکاح کی بقاء شرط ہے۔

اللغات:

﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿صہر﴾ سسرالی رشتہ دار۔ ﴿صہریة﴾ سسرالی رشتہ داری۔

مذکورہ بالا صورت میں بیوی کی حیثیت کا مسئلہ پر اثر:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر موصی کے انتقال کے وقت اس کی بیوی اس کے نکاح میں ہو یا اس کی طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو صہر مستحقِ وصیت ہوگا، کیونکہ بقائے نکاح سے رشتۂ زوجیت قائم ہے اور صہریت اسی پر مبنی ہے، لہٰذا جب زوجیت قائم ہے تو صہریت بھی قائم ہوگی اور صہر مستحقِ وصیت ہوگا۔ لیکن اگر بیوی طلاق بائن کی عدت میں ہو تو صہر مستحق وصیت نہیں ہوگا۔ کیونکہ طلاقِ بائن کی وجہ سے موصی کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی ہے اور صہریت زوجیت کی بقاء پر موقوف تھی، اس لیے جب زوجیت معدوم ہے تو صہریت بھی معدوم ہوگی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَخْتَانِهِ فَالْوَصِيَّةُ لِزَوْجِ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ وَكَذَا مَحَارِمُ الْأَزْوَاجِ، لِأَنَّ الْكُلَّ يُسَمّٰى خَتَنًا، قِيْلَ هٰذَا فِيْ عُرْفِهِمْ، وَفِيْ عُرْفِنَا لَايَتَنَاوَلُ إِلَّا أَزْوَاجَ الْمَحَارِمِ، وَيَسْتَوِيْ فِيْهِ الْحُرُّ وَالْعَبْدُ وَالْأَقْرَبُ

وَالْأَبْعَدُ، لِأَنَّ اللَّفْظَ يَتَنَاوَلُ الْكُلَّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اختان کے لیے وصیت کی تو موصی کے ہر ذی رحم محرم کے شوہر کے لیے وصیت ہوگی نیز ازواج کے محارم بھی اس میں داخل ہوں گے اس لیے کہ سب کو ختن کہا جاتا ہے، کہا گیا ہے کہ یہ ان کے عرف میں ہے اور ہمارے عرف میں یہ صرف محارم کے ازواج کو شامل ہوگا۔ اور اس میں آزاد، غلام، اقرب اور ابعد سب برابر ہیں، کیونکہ لفظ ختن سب کو شامل ہے۔

اللغات:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿أختان﴾ واحد ختن؛ داماد وغیرہ۔ ﴿زوج﴾ شوہر۔ ﴿لایتناول﴾ نہیں شامل ہوگا۔ ﴿حرّ﴾ آزاد۔ ﴿اقرب﴾ زیادہ قریبی۔

''دامادوں'' کے لیے وصیت میں کون کون شریک ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے اختان اور دامادوں کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں موصی کی ہر ذی رحم محرم کے شوہر داخل ہوں گے، مثلاً بہن، بیٹی اور پھوپھی وغیرہ کے شوہروں کے لیے یہ وصیت ہوگی۔ اور اگر وصیت عورت کی طرف سے ہو تو اس کے شوہر کے ذی رحم محرم اس میں داخل ہوں گے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک ختن ہے۔

قیل هذا الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ اہل کوفہ کا عرف ہے اور ہمارے عرف میں اختان سے صرف محارم عورتوں کے اختان مراد ہیں۔ اور ان ازواج میں عموم ہوگا اور آزاد، غُلام موصی کے قریبی رشتے دار اور دور کے رشتے دار سب داخل ہوں گے، کیونکہ لفظ ختن ان تمام کو شامل ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَقَارِبِهٖ فَهِيَ لِلْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبُ مِنْ كُلِّ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ، وَلَايَدْخُلُ فِيْهِ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَيَكُوْنُ ذٰلِكَ لِلْاِثْنَيْنِ فَصَاعِدًا وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ صَاحِبَاهُ الْوَصِيَّةُ لِكُلِّ مَنْ يُنْسَبُ إِلٰى أَقْصٰى أَبٍ لَهٗ فِي الْإِسْلَامِ وَهُوَ أَوَّلُ أَبٍ أَسْلَمَ أَوْ أَوَّلُ أَبٍ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ وَإِنْ لَمْ يُسْلِمْ عَلٰى حَسْبِ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ الْمَشَائِخُ. وَفَائِدَةُ الْاِخْتِلَافِ تَظْهَرُ فِيْ أَوْلَادِ أَبِيْ طَالِبٍ فَإِنَّهٗ أَدْرَكَ الْإِسْلَامَ وَلَمْ يُسْلِمْ، لَهُمَا أَنَّ الْقَرِيْبَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْقَرَابَةِ فَيَكُوْنُ اِسْمًا لِمَنْ قَامَتْ بِهٖ فَيَنْتَظِمُ بِحَقِيْقَتِهٖ مَوَاضِعَ الْخِلَافِ، وَلَهٗ أَنَّ الْوَصِيَّةَ أُخْتُ الْمِيْرَاثِ، وَفِي الْمِيْرَاثِ يُعْتَبَرُ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ، وَالْمُرَادُ بِالْجَمْعِ الْمَذْكُوْرِ فِيْهِ اِثْنَانِ فَكَذَا فِي الْوَصِيَّةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی تو وہ موصی کے ذی رحم محرم میں سے اقرب فالاقرب کے لیے ہوگی۔ اور اس میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوں گے۔ اور یہ وصیت دو یا دو سے زائد کے لیے ہوگی۔ یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ وصیت ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو اسلام میں آخری باپ کی طرف منسوب ہو اور اب آخر وہ پہلا باپ ہے جو مسلمان ہوا ہو یا وہ پہلا ہے جس نے اسلام کا زمانہ نہ پایا ہو اگر چہ وہ مسلمان نہ ہوا ہو حسب

اختلاف مشائخ۔

اور اختلاف کا فائدہ اولاد ابوطالب میں ظاہر ہوگا کہ ابوطالب نے اسلام کا زمانہ پایا لیکن مسلمان نہیں ہوئے۔

حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ قریب قرابت سے مشتق ہے، لہٰذا ہر اس شخص کا نام قریب ہوگا جس کے ساتھ قرابت قائم ہو لہٰذا اپنی حقیقت کے اعتبار سے قریب مواضع اختلاف کو شامل ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں اقرب فالأ قرب کا اعتبار کیا جاتا ہے اور میراث میں ذکر کرنے والی جمع سے دو مراد ہوئے ہیں، لہٰذا وصیت کی جمع سے بھی دو مراد ہوں گے۔

اللغاتُ:

﴿أقارب﴾ قریبی رشتہ دار۔ ﴿فصاعدًا﴾ اور اس سے زیادہ کے لیے۔ ﴿أقصٰی﴾ سب سے زیادہ دور۔

''اقارب'' کے لیے وصیت میں شامل ہونے والے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے اقربا کے لیے وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ وصیت موصی کے ذو رحم محرم میں سے اقرب فالاقرب کے لیے ہوگی، اس میں کم از کم دو لوگ داخل ہوں گے اور موصی کے والدین اور اس کی اولاد اس میں داخل نہیں ہوگی۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ وصیت ان تمام لوگوں کو شامل ہوگی جو موصی کے اس آخری باپ کی طرف منسوب ہیں جس نے پہلے اسلام قبول کیا ہو جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اسلام قبول کیا ہے تو اگر ان کے خانوادے کا کوئی فرد اس طرح کی وصیت کرے تو حضرت علی تک ان کی ساری اولاد اس وصیت کی مستحق ہوگی۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ موصی کا وہ باپ جس نے پہلے پہل اسلام کا زمانہ پایا ہو اور وہ مسلمان نہ ہوا ہو جیسے ابوطالب ہیں کہ ابتداء ہی میں اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان نہ ہوئے۔ اس قول کے اعتبار سے اگر کوئی علوی وصیت کرتا ہے تو اس میں حضرت علیؓ کی اولاد بھی داخل ہوگی اور حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہم کی اولاد بھی داخل ہوگی کیونکہ یہ سب مل کر ابوطالب کی اولاد ہیں، لیکن پہلے قول یعنی أول أب أسلم کے تحت صرف اولاد علیؓ ہی وصیت کی مستحق ہوگی، اسی کو صاحب ہدایہ نے **وفائدۃ الاختلاف الخ:** سے بیان کیا ہے۔

لهما الخ: صورت مسئلہ میں حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ **أقرباء قریب** کی جمع ہے اور قریب قرابت سے مشتق ہے اور ہر وہ شخص قریب ہے جس کے ساتھ قرابت متعلق ہو اگر چہ وہ ذو رحم محرم نہ ہو، اس لیے ہر قریبی شخص اس وصیت کا مستحق ہوگا اگر چہ وہ محرم نہ ہو اسی کو صاحب کتاب **فینتظم مواضع الخلاف** سے بیان کیا ہے۔

وله الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث میں **أقرب فالأقرب** کے اعتبار سے استحقاق ثابت ہوتا ہے، لہٰذا وصیت میں بھی اقرب فالأ قرب کے اعتبار سے استحقاق ثابت ہوگا، نیز میراث میں جمع سے کم از کم دو فرد مراد ہوتے ہیں، لہٰذا وصیت میں بھی جمع سے کم از کم دو فرد مراد ہوں گے، اسی لیے ہم نے اقرب فالأ قرب کے اعتبار سے صورتِ مسئلہ میں استحقاق ثابت کیا ہے اور کم از کم دو لوگوں کو اس وصیت کا حق دار قرار دیا ہے۔

وَالْمَقْصَدُ مِنْ هٰذِهِ الْوَصِيَّةِ تَلَافِيْ مَافَرَطَ فِيْ إِقَامَةِ وَاجِبِ الصِّلَةِ وَهُوَ يَخْتَصُّ بِذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ مِنْهُ

وَلَایَدْخُلُ فِیْهِ قَرَابَةُ الْوَلَادِ فَإِنَّهُمْ لَایُسَمُّوْنَ أَقْرِبَاءَ، وَمَنْ سَمّٰی وَالِدَهٗ قَرِیْبًا كَانَ مِنْهُ عُقُوْقًا، وَهٰذَا لِأَنَّ الْقَرِیْبَ فِيْ عُرْفِ اللِّسَانِ مَنْ یَّتَقَرَّبُ إِلٰی غَیْرِهٖ بِوَسِیْلَةِ غَیْرِهٖ، وَتَقَرُّبُ الْوَالِدِ وَالْوَلَدِ بِنَفْسِهٖ لَابِغَیْرِهٖ، وَلَامُعْتَبَرَ بِظَاهِرِ اللَّفْظِ بَعْدَ انْعِقَادِ الْإِجْمَاعِ عَلٰی تَرْكِهٖ فَعِنْدَهٗ یُقَیَّدُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ، وَعِنْدَهُمَا بِأَقْصَی الْأَبِ فِي الْإِسْلَامِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رحمۃ اللہ علیہ بِالْأَبِ الْأَدْنٰی.

ترجمه: اور اس وصیت کا مقصد اس کوتاہی کی تلافی ہے جو واجب صلہ کی ادائیگی میں موصی کی طرف سے ہوئی ہے۔ اور یہ صلہ رحمی موصی کے ذی رحم محرم کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس میں ولاد کی قرابت داخل نہیں ہوگی، کیونکہ انھیں اقرباء سے نہیں موسوم کیا جاتا اور جو شخص اپنے والد کو قریبی کہے وہ اپنے والد کا نافرمان ہوگا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ عرف عام میں قریب وہ ہے جو اپنے غیر کی جانب اپنے غیر کے وسیلے سے قرابت بنائے اور والد اور اولاد کی قرابت بذات خود ہے نہ کہ غیر سے۔ اور ترکِ ظاہر پر اجماع منعقد ہونے کے بعد ظاہر لفظ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اقرباء اس قید کے ساتھ مقید ہوں گے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے یہاں اسلام میں آخری باپ کے ساتھ مقید ہوں گے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قریبی باپ کے ساتھ مقید ہوں گے۔

اللغات:

﴿تلافی﴾ بدل دینا۔ ﴿فرط﴾ کوتاہی کی۔ ﴿صلة﴾ رشتہ داری کے حقوق۔ ﴿یختص﴾ خاص ہوگا۔ ﴿عقوق﴾ والدین کی نافرمانی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تعلیل:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اقرباء سے ذو رحم محرم مراد لیا ہے، اس کی ایک دلیل تو ماقبل میں بیان کی جا چکی ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس وصیت سے موصی کا مقصد یہ ہے کہ موصی وصیت کر کے صلہ رحمی میں واقع شدہ کوتاہی کی تلافی کر لے اور صلہ رحمی ذو رحم محرم کے ساتھ خاص ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی اقرباء سے ذو رحم محرم مراد ہوں گے۔ لیکن اس میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ انھیں اقرباء نہیں کہا جاتا اور جو بد بخت اپنے والد کو قریبی کہتا ہے اس سے بڑا احسان ناشناس اور نافرمان کوئی نہیں ہوتا۔ نیز عرف لسانی میں بھی وہی شخص قریبی کہلاتا ہے جو کسی غیر کی طرف بذریعہ غیر قربت حاصل کرے اور والد اور ولد بنفس خود موصی سے قربت رکھتے ہیں، لہٰذا اس حوالے سے بھی والد اور ولد اقرباء کی فہرست سے خارج ہوں گے۔

ولامعتبر بظاهر اللفظ الخ: فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اقرباء سے ذو رحم محرم مراد ہیں، لیکن اس میں تمام ذو رحم شامل نہیں ہیں، کیونکہ یہاں ظاہر لفظ کا اعتبار خارج کر دیا گیا ہے اور اقرب کی موجودگی میں ابعد کو محروم کر دیا گیا ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اقارب سے موصی کے ذو رحم محرم مراد ہیں جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے یہاں اس سے اسلام میں آخری باپ کی اولاد مراد ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قریبی باپ کی اولاد مراد ہے۔

قَالَ وَإِذَا أَوْصٰى لِأَقَارِبِهٖ وَلَهٗ عَمَّانِ وَخَالَانِ فَالْوَصِيَّةُ لِعَمَّيْهِ عِنْدَهٗ اِعْتِبَارًا لِلْأَقْرَبِ كَمَا فِي الْإِرْثِ وَعِنْدَهُمَا أَرْبَاعًا إِذْ هُمَا لَايَعْتَبِرَانِ الْأَقْرَبَ. وَلَوْ تَرَكَ عَمًّا وَخَالَيْنِ فَلِلْعَمِّ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ، وَالنِّصْفُ لِلْخَالَيْنِ، لِأَنَّهٗ لَابُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِ مَعْنَى الْجَمْعِ وَهُوَ الْإِثْنَانِ فِي الْوَصِيَّةِ كَمَا فِي الْمِيْرَاثِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى لِذِيْ قَرَابَتِهٖ حَيْثُ يَكُوْنُ لِلْعَمِّ كُلُّ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّ اللَّفْظَ لِلْفَرْدِ فَيَحْرُزُ الْوَاحِدُ كُلَّهَا إِذْ هُوَ الْأَقْرَبُ، وَإِنْ كَانَ لَهٗ عَمٌّ وَاحِدٌ فَلَهٗ نِصْفُ الثُّلُثِ لِمَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی اور اس کے دو چچا اور دو ماموں ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اقرب کا اعتبار کرتے ہوئے دونوں چچاؤں کے لیے وصیت ہوگی جیسے میراث میں ہوتا ہے، اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں چار حصوں پر وصیت تقسیم ہوگی، کیونکہ صاحبین رحمہما اللہ اقرب کا اعتبار نہیں کرتے، اور اگر موصی نے ایک چچا اور دو ماموں چھوڑے تو چچا کو نصف وصیت ملے گی اور نصف دونوں ماموں کے لیے ہے، کیونکہ معنیٔ جمع کا اعتبار ضروری ہے اور معنیٔ جمع وصیت میں دو ہیں جیسے میراث میں۔ برخلاف اس صورت کے جب موصی نے اپنے قرابت دار کے لیے وصیت کی ہو تو پوری وصیت چچا کے لیے ہوگی، کیونکہ یہ لفظ واحد کے لیے ہے، لہٰذا ایک ہی شخص پوری وصیت کو لے لے گا، اس لیے کہ اقرب یہی ہے۔ اور اگر اس کے ایک چچا ہو تو اسے ثلث کا نصف ملے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿عمّ﴾ چچا۔ ﴿خال﴾ ماموں۔ ﴿قرابت﴾ رشتہ داری۔ ﴿یحرز﴾ جمع کرلے گا، روک لے گا۔

ائمہ میں اختلاف کا ثمرہ:

اس عبارت میں وصیت سے متعلق چار مسائل بیان کئے گئے ہیں:

① ایک شخص نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں دو چچا اور دو ماموں ہوں تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پوری وصیت دونوں چچاؤں کو ملے گی، کیونکہ ان کے یہاں اُقرب فالأ قرب کا اعتبار ہے اور چچا ماموں سے اقرب ہے، لہٰذا چچا مقدم ہوگا اور دونوں مل کر پوری وصیت لے لیں گے اور ماموؤں کو کچھ نہیں ملے گا۔

اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں پوری وصیت کے چار حصے کئے جائیں گے اور سب کو برابر برابر حصہ دیا جائے گا، کیونکہ یہ اقارب کے لیے وصیت ہے اور اقارب میں ماموں بھی داخل ہیں، اس لیے وہ بھی وصیت میں شریک ہوں گے۔

② دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے اقرباء کے لیے وصیت کی ہو اور اس اقرباء میں صرف ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا نصف وصیت کا مستحق ہوگا اور دوسرا نصف دونوں ماموں کے لیے ہوگا، کیونکہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے اور جمع کے لیے کم از کم دو فرد ہونا ضروری ہے، لہٰذا چچا اور ماموں سب مستحقِ وصیت ہوں گے جیسے میراث میں اسی طرح کی تقسیم جاری ہے۔

③ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے واحد کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے اپنے قرابت دار کے لیے وصیت کی اور اُقرباء یعنی جمع کا

صیغہ نہیں استعمال کیا اور اس کے ایک چچا ہو اور دو ماموں ہوں تو اس صورت میں پوری وصیت چچا لے لے گا اور ماموں محروم ہو جائیں گے، کیوں کہ چچا موصی کا اقرب ہے اور اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو کوئی حق نہیں ملتا۔ اس لیے اس صورت میں صرف چچا کو وصیت ملے گی اور ماموؤں کو کچھ نہیں ملے گی۔

④ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے اپنے اقرباء کے لیے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں صرف ایک ہی چچا ہو تو وہ چچا موصیٰ بہ یعنی ثلث کا نصف لے لے گا اور باقی نصف ورثاء کا ہوگا، کیونکہ أقرباء جمع کا صیغہ ہے اور اقل جمع کی مقدار دو ہے لہٰذا ثلث کا نصف اُقرب لے گا اور نصف ورثاء کو ملے گا تا کہ جمع کے مقتضا پر عمل ہو جائے۔

وَلَوْ تَرَكَ عَمًّا وَعَمَةً وَخَالًا وَخَالَةً فَالْوَصِيَّةُ لِلْعَمِّ وَالْعَمَّةِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ لِاسْتِوَاءِ قَرَابَتِهَا وَهِيَ أَقْوٰى، وَالْعَمَّةُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ وَارِثَةً فَهِيَ مُسْتَحِقَّةٌ لِلْوَصِيَّةِ كَمَا لَوْ كَانَ الْقَرِيْبُ رَقِيْقًا أَوْ كَافِرًا، وَكَذَا إِذَا أَوْصٰى لَذَوِي قَرَابَتِهٖ أَوْ لِأَقْرِبَائِهٖ أَوْ لِأَنْسَابِهٖ فِيْ جَمِيْعِ مَاذَكَرْنَا، لِأَنَّ كُلَّ ذٰلِكَ لَفْظُ جَمْعٍ، وَلَوْ انْعَدَمَ الْمَحْرَمُ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ لِأَنَّهَا مُقَيَّدَةٌ بِهٰذَا الْوَصْفِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے ایک چچا، ایک پھوپھی، ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑا ہو تو وصیت چچا اور پھوپھی کے مابین برابر برابر ہوگی، کیوں کہ ان کہ قرابت مساوی ہے اور یہ اقویٰ قرابت ہے اور پھوپھی اگر چہ وارث نہیں ہے لیکن وہ مستحق وصیت ہے جیسے اگر قریب رقیق یا کافر ہو۔

اور ایسے ہی جب موصی نے اپنے قرابت داروں کے لیے یا اپنے اقرباء کے لیے یا اپنے نسب والوں کے لیے وصیت کی ان تمام صورتوں میں جو ہم بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ ہر ایک لفظ جمع ہے اور اگر محرم معدوم ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ وصیت اس وصف کے ساتھ مقید ہے۔

اللغات:

﴿عم﴾ چچا۔ ﴿عمة﴾ پھوپھی۔ ﴿خال﴾ ماموں۔ ﴿سویّة﴾ برابری۔ ﴿استواء﴾ برابری ہونا۔ ﴿رقیق﴾ غلام۔ ﴿مقیّدة﴾ مشروط، معلق۔

ائمہ میں اختلاف کا ثمرہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لیے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ موجود ہوں تو چچا اور پھوپھی کو ثلث کا نصف نصف ملے گا اور خالہ ماموں محروم ہو جائیں گے، کیونکہ چچا اور پھوپھی کی قرابت ماموں اور خالہ کی قرابت سے اقویٰ ہے اور پھوپھی اگر چہ اپنے بھتیجے کی وارث نہیں ہے، لیکن وہ اس کے اقرباء میں داخل ہے اور خالہ اور ماموں سے زیادہ قرابت والی ہے، اس لیے وہ چچا کے ساتھ وصیت کی مستحق ہوگی۔ جیسے اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لیے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں صرف غلام یا کافر موجود ہوں تو وہ وصیت کے مستحق ہوں گے اگر چہ وہ مورث کی وراثت کے حق دار نہیں ہیں یہی حال

پھوپھی کا بھی ہے۔

وكذا إذا أوصى الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی نے ذوی قرابت کے لیے وصیت کی یا اقرباء کے لیے وصیت کی یا انسباء کے لیے وصیت کی تو ان صورتوں کے وہی احکام ہوں گے جو ماقبل میں اقرباء کے لیے وصیت کرنے کے تحت بیان کئے گئے ہیں، کیونکہ ذوی قرابت اور انسبا بھی اقرباء کی طرح جمع کے صیغے ہیں، لہٰذا جو حکم اقرباء کا ہے وہ ان کا بھی ہوگا۔

اور اگر اقرباء کے لیے وصیت کی گئی اور موصی کا کوئی محرم نہیں ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وصیت باطل ہوگی، کیونکہ یہ وصیت صلہ رحمی ہے اور صلہ رحمی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ذو رحم محرم کے ساتھ خاص ہے لہٰذا جب یہ وصف معدوم ہوگا تو موصوف یعنی وصیت بھی باطل ہو جائے گی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِأَهْلِ فُلَانٍ فَهِيَ عَلٰى زَوْجَتِهِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يَتَنَاوَلُ مَنْ يَعُوْلُهُمْ وَتَضُمُّهُمْ نَفَقَتُهُ اِعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ وَهُوَ مُؤَيَّدٌ بِالنَّصِّ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى "وَأْتُوْنِيْ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ" وَلَهُ أَنَّ اِسْمَ الْأَهْلِ حَقِيْقَةٌ فِي الزَّوْجَةِ يَشْهَدُ بِذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى "وَسَارَ بِأَهْلِهِ" وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ تَأَهَّلَ بِبَلْدَةِ كَذَا وَالْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْحَقِيْقَةِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے فلاں کے اہل کے لیے وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فلاں کی زوجہ کے لیے وصیت ہوگی، حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ وصیت ان لوگوں کو شامل ہوگی جو اس کی زیر پرورش ہیں اور جنھیں اس کا نفقہ شامل ہے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اور یہ نص سے مؤید ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں اپنے اہل وعیال کے ساتھ میرے پاس آ جاؤ۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اہل زوجہ کے لیے حقیقت ہے جس کی شہادت یہ ارشاد باری ہے ''کہ اپنی بیوی کو لے کر چلے'' اور اسی سے اہل عرب کا قول تأهّل ببلدة كذا ہے اور مطلق حقیقت کی طرف راجع ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿أوصٰى﴾ وصیت کی۔ ﴿زوجة﴾ بیوی۔ ﴿يتناول﴾ شامل ہوگی۔ ﴿من يعولهم﴾ جو ان سے خرچ وصول کرتے ہیں۔ ﴿سار﴾ چلا۔ ﴿تأهّل﴾ شادی کرلی۔ ﴿ينصرف﴾ پھرے گا، راجع ہوگا۔

''اہل فلاں'' کے لیے وصیت:

صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے فلاں کے اہل کے لیے وصیت کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فلاں کی بیوی مستحق وصیت ہوگی جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں فلاں کی بیوی بچے اور نوکر چاکر سب اس میں داخل ہوں گے، کیوں کہ عرف عام میں اہل کے تحت یہ سب لوگ شامل اور داخل ہیں۔ اور پھر قرآن کریم سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے چنانچہ اللہ جل شانہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں و أتوني بأهلكم أجمعين فرمایا ہے اور یہاں اہل سے صرف زوجہ نہیں مراد ہے، بلکہ بچے اور خادم سب مراد ہیں، لہٰذا اہل کے لیے جو وصیت ہے اس میں بھی بیوی بچے سب داخل ہوں گے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اَھل کا حقیقی معنی صرف زوجہ ہے جیسا کہ خود قرآن کریم اس پر شاہد عدل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ربانی ہے وسار بأهله اور یہاں اَھل سے ان کی زوجہ مراد ہیں اسی طرح اہل عرب کے محاورے میں بھی اَھل سے زوجہ ہی مراد ہوتی ہے چنانچہ اگر اہل عرب تأهل ببلدة كذا کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں نے فلاں شہر میں اہلیہ بنایا یعنی شادی کی، معلوم ہوا کہ اہل حقیقت میں زوجہ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور کسی قرینہ کی بنیاد پر اس میں عموم ہوتا ہے جیسا کے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں أجمعين کا اضافہ یہ بتا رہا ہے کہ اھل سے زوجہ کے علاوہ دیگر لوگ بھی مراد ہیں اور اگر اہل مطلق ہو تو اس سے صرف زوجہ مراد ہوتی ہے اور بلا وجہ اس میں عموم پیدا کرنا مناسب نہیں ہے۔

وَلَوْ أَوْصٰى لِآلِ فُلَانٍ فَهُوَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ، لِأَنَّ الْآلَ الْقَبِيْلَةُ الَّتِيْ يُنْسَبُ إِلَيْهَا، وَلَوْ أَوْصٰى لِأَهْلِ بَيْتِ فُلَانٍ يَدْخُلُ فِيْهِ أَبُوْهُ وَجَدُّهُ، لِأَنَّ الْأَبَ أَصْلُ الْبَيْتِ.

ترجمه: اور اگر کسی نے آل فلاں کے لیے وصیت کی تو وہ فلاں کے اہل بیت کے لیے ہوگی، کیونکہ آل وہ قبیلہ ہے جس کی طرف فلاں کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی نے فلاں کے اہل بیت کے لیے وصیت کی تو اس میں فلاں کا باپ اور اس کا دادا دونوں داخل ہوں گے، کیونکہ اب بیت کی اصل ہے۔

اللغاتُ:

﴿أوصٰى﴾ وصیت کی۔ ﴿جدّ﴾ دادا۔

''آل فلاں'' کے لیے وصیت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی شخص کے آل کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں موصیٰ لہ کے خاندان اور پورے قبیلے والے شامل ہوں گے، کیونکہ آل سے مراد قبیلہ اور خاندان ہے لہٰذا موصیٰ لہ کا خاندان اس میں شامل ہوگا۔ اور اگر موصی نے کسی کے اہل بیت کے لیے وصیت کی تو اس کے اہل خانہ اور اس کے باپ دادا اس میں شامل ہوں گے، کیونکہ باپ دادا ہی بیت کے اصل اور سربراہ ہیں اور انھی کے ذریعے بیت کا وجود قائم ہے۔

وَلَوْ أَوْصٰى لِأَهْلِ نَسَبِهِ أَوْ لِجِنْسِهِ فَالنَّسَبُ عِبَارَةٌ عَمَّنْ يُنْسَبُ إِلَيْهِ، وَالنَّسَبُ يَكُوْنُ مِنْ جِهَةِ الْآبَاءِ، وَجِنْسُهُ أَهْلُ بَيْتِ أَبِيْهِ دُوْنَ أُمِّهِ، لِأَنَّ الْإِنْسَانَ يَتَجَنَّسُ بِأَبِيْهِ، بِخِلَافِ قَرَابَتِهِ حَيْثُ يَكُوْنُ مِنْ جَانِبِ الْأُمِّ وَالْأَبِ.

ترجمه: اور اگر موصی نے اپنے اہل نسب یا اپنی جنس کے لیے وصیت کی تو نسب ان لوگوں سے عبارت ہوگا جن کی طرف موصی منسوب کیا جاتا ہے اور نسب آباء کی طرف سے ہوتا۔ اور اس کی جنس اس کے باپ کے اہل بیت ہیں نہ کہ اس کی ماں کے، کیونکہ انسان اپنے باپ کی جنس سے شمار ہوتا ہے۔ برخلاف اس کی قرابت کے اس لیے کہ قرابت ماں باپ دونوں کی طرف سے ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿جهة﴾ سمت، طرف۔ ﴿آباء﴾ والد، باپ دادا وغیرہ۔

اہل نسب اور اہل جنت کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے اپنے اہل نسب کے لیے وصیت کی یا اپنی جنس کے لیے وصیت کی تو نسب اور جنس دونوں صورتوں میں اس کے باپ کا خاندان اور اس کی برادری کے لوگ مستحقِ وصیت ہوں گے، اس لیے کہ انسان کا نسب اور جنس دونوں چیزیں باپ کی طرف سے معتبر ہوتی ہیں، چنانچہ اگر کسی کا باپ خان اور چودھری ہے تو اس کا لڑکا بھی خان ہی ہوگا اگر چہ ماں شیخ اور انصاری ہو اس لیے نسب حسب اور جنس سب میں باپ کی حالت اور پوزیشن معتبر ہوگی۔ ہاں اگر کوئی اپنے قرابت داروں کے لیے وصیت کرے تو اس میں ماں اور باپ دونوں کے قریبی لوگ شامل ہوں گے، کیونکہ قرابت عام ہے اور ماں باپ دونوں کی طرف سے مستحق ہوتی ہے۔

وَلَوْ أَوْصٰى لِأَيْتَامِ بَنِي فُلَانٍ أَوْ لِعُمْيَانِهِمْ أَوْ لِزَمْنَاهُمْ أَوْ لِأَرَامِلِهِمْ إِنْ كَانُوْا قَوْمًا يُحْصَوْنَ دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ فُقَرَاؤُهُمْ وَأَغْنِيَاؤُهُمْ ذُكُوْرُهُمْ وَأَنَاثُهُمْ، لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَحْقِيْقُ التَّمْلِيْكِ فِيْ حَقِّهِمْ، وَالْوَصِيَّةُ تَمْلِيْكٌ وَإِنْ كَانُوْا لَايُحْصَوْنَ فَالْوَصِيَّةُ فِي الْفُقَرَاءِ مِنْهُمْ، لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ الْوَصِيَّةِ الْقُرْبَةُ وَهِيَ فِيْ سَدِّ الْخُلَّةِ وَرَدِّ الْجُوْعَةِ وَهٰذِهِ الْأَسَامِيُّ تُشْعِرُ بِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ فَجَازَ حَمْلُهُ عَلَى الْفُقَرَاءِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے بنوفلاں کے یتیموں کے لیے یا ان کے اندھوں کے لیے یا ان کے اپاہجوں کے لیے یا ان کی بیواؤں کے لیے وصیت کی تو اگر موصی لہم اس حال میں ہوں کہ انھیں شمار کیا جاسکتا ہو تو وصیت میں ان کے فقراء، ان کے مالدار اور ان کے مرد وعورتیں سب شامل ہوں گے، کیونکہ ان کے حق میں تملیک کو ثابت کرنا ممکن ہے اور وصیت تملیک ہے۔

اور اگر انھیں شمار کرنا ممکن نہ ہو تو وصیت ان کے فقراء کے لیے ہوگی، کیونکہ وصیت کا مقصد عبادت ہے اور عبادت حاجت دور کرنے اور بھوک مٹانے میں ہے اور یہ اسماء تحقق حاجت کی خبر دے رہے ہیں لہٰذا اسے فقراء پر محمول کرنا جائز ہے۔

اللغات:

﴿أيتام﴾ واحد یتیم۔ ﴿عميان﴾ واحد أعمٰی؛ اندھے۔ ﴿أرامل﴾ واحد أرملة؛ بیوائیں۔ ﴿يحصون﴾ قابل شمار۔ ﴿تمليك﴾ مالک بنانا۔ ﴿قربة﴾ نیکی، عبادت۔ ﴿سد الخلّة﴾ حاجت روائی۔ ﴿جوعة﴾ بھوک۔ ﴿أسامي﴾ واحد اسم؛ نام۔ ﴿تُشْعِر﴾ سمجھاتے ہیں۔

کسی قبیلے کے اندھوں یتیموں یا اپاہجوں کے لیے وصیت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی قوم کے یتیموں کے لیے وصیت کی یا کسی قوم کے اندھوں یا اپاہجوں یا بیواؤں کے

لیے وصیت کی تو یہ دیکھا جائے گا کہ موصی لہم کو گنا اور شمار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پہلی صورت ہو یعنی انھیں گنا اور شمار کیا جا سکتا ہو تو اس صورت میں موصی لہم کا ہر ہر فرد وصیت میں داخل اور شامل ہوگا خواہ وہ محتاج اور فقیر ہو یا مالدار ہو بہرصورت سب مستحق وصیت ہوں گے، کیونکہ جب موصی لہم کا احصاء ممکن ہے تو انھیں مالک بنانا بھی ممکن ہے اس لیے سب کے سب مستحقِ وصیت ہوں گے اگر چہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر موصی لہم کا احصاء اور شمار ممکن نہ ہو تو اس صورت میں صرف فقراء اور محتاج لوگ ہی مستحق وصیت ہوں گے اور موصی لہم میں سے جو لوگ مالدار ہوں گے وہ وصیت سے محروم رہیں گے، کیونکہ اس صورت میں موصی کا مقصد حاجت دور کرنا اور موصی لہم کی بھوک ختم کرنا ہے اور اندھے اپاہج اور فقراء کے نام ہی سے محتاج اور مفلسی عیاں ہے، اس لیے انھی کو مستحقِ وصیت قرار دینے میں موصی کا مقصد حاصل ہوگا لہٰذا وصیت کو فقراء پر محمول کیا جائے گا۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى لِشُبَّانِ بَنِيْ فُلَانٍ وَهُمْ لَايُحْصَوْنَ أَوْ لِأَيَامٰى بَنِيْ فُلَانٍ وَهُمْ لَايُحْصَوْنَ حَيْثُ تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي اللَّفْظِ مَايُنْبِئُ عَنِ الْحَاجَةِ فَلَايُمْكِنُ صَرْفُهُ إِلَى الْفُقَرَاءِ وَلَايُمْكِنُ تَصْحِيْحُهُ تَمْلِيْكًا فِيْ حَقِّ الْكُلِّ لِلْجَهَالَةِ الْمُتَفَاحِشَةِ وَتَعَذَّرَ الصَّرْفُ إِلَيْهِمْ، وَفِي الْوَصِيَّةِ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ يَجِبُ الصَّرْفُ إِلَى اِثْنَيْنِ مِنْهُمْ اِعْتِبَارًا لِمَعْنَى الْجَمْعِ، وَأَقَلُّهُ اِثْنَانِ فِي الْوَصَايَا عَلٰى مَامَرَّ.

ترجمہ: برخلاف اس صورت کے جب موصی نے بنوفلاں کے جوانوں کے لیے وصیت کی اور وہ شمار نہیں کیے جا سکتے یا بنوفلاں کے ایامیٰ کے لیے وصیت کی اور وہ بھی گنے نہیں جا سکتے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ لفظ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو حاجت کی خبر دے لہٰذا اسے فقراء کی طرف پھیرنا ممکن نہیں ہے اور سب کو مالک بنا کر وصیت کی تصحیح ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ جہالت شدید ہے اور وصیت کو سب کی طرف پھیرنا متعذر ہے۔

اور فقراء و مساکین کے لیے وصیت کرنے میں معنیٰ جمع کا اعتبار کرتے ہوئے ان میں سے دو کی طرف پھیرنا ضروری ہے اور وصایا میں جمع کا اقل فرد دو ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔

اللغات:

﴿شبّان﴾ واحد شابّ؛ جوان۔ ﴿أیامیٰ﴾ واحد أیم؛ بن بیاہی لڑکیاں اور لڑکے۔ ﴿صرف﴾ خرچ کرنا۔

کسی قبیلے کے نوجوانوں کے لیے وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بنوفلاں کے جوانوں کے لیے وصیت کی یا بنوفلاں کے ایامیٰ کے لیے وصیت کی اور ان کی تعداد کو شمار نہیں کیا جا سکتا تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ شبان اور ایامیٰ دونوں میں سے کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حاجت اور ضرورت کا پتہ چل سکے اور وصیت کو فقراء کے لیے متعین کر دیا جائے اور اس وصیت کو تمام شبان اور ایامیٰ کی طرف پھیرنا اور ان تمام میں تقسیم کر کے انھیں اس کا مالک بنانا بھی ممکن نہیں ہے، کیونکہ موصی لہم کی تعداد بے شمار ہے اور ان میں جہالت فاحشہ ہے اور

جہالت فاحشہ نفاذِ وصیت سے مانع ہے۔ اسی لیے صورت مسئلہ میں ہم نے وصیت کو باطل قرار دے دیا ہے۔

وفي الوصية الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی نے فقراء اور مساکین کے لیے وصیت کی تو کم از کم دو فقیر اور دو مسکین تک وصیت پہنچانا ضروری ہے، کیونکہ فقراء اور مساکین دونوں جمع کے صیغے ہیں اور جمع کا اقل فرد دو ہے، لہٰذا دونوں فریق کے دو دو آدمیوں کو وصیت دینا ضروری ہے۔

فائدہ: أيامیٰ أيم کی جمع ہے جس کے معنی ہیں نوجوان لڑکیاں اور لڑکے اور یہاں اس سے شادی شدہ لڑکے بھی مراد ہو سکتے ہیں، بہر حال یہاں اس سے مذکر ہی مراد ہے، کیونکہ اس کے بعد وهم **لايحصون** مذکر ہی کا صیغہ ہے۔

وَلَوْ أَوْصٰى لِبَنِيْ فُلَانٍ يَدْخُلُ فِيْهِ الْإِنَاثُ فِيْ قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ أَوَّلُ قَوْلِهٖ وَهُوَ قَوْلُهُمَا، لِأَنَّ جَمْعَ الذُّكُوْرِ يَتَنَاوَلُ الْإِنَاثَ ثُمَّ رَجَعَ وَقَالَ يَتَنَاوَلُ الذُّكُوْرَ خَاصَّةً، لِأَنَّ حَقِيْقَةَ الْإِسْمِ لِلذُّكُوْرِ وَانْتِظَامُهٗ لِلْإِنَاثِ تَجَوُّزٌ وَالْكَلَامُ لِحَقِيْقَتِهٖ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ بَنُوْ فُلَانٍ اسْمَ قَبِيْلَةٍ أَوْ فَخِذٍ حَيْثُ يَتَنَاوَلُ الذُّكُوْرَ وَالْإِنَاثَ، لِأَنَّهٗ لَيْسَ يُرَادُ بِهَا أَعْيَانُهُمْ إِذْ هُوَ مُجَرَّدُ الْإِنْتِسَابِ كَبَنِيْ آدَمَ وَلِهٰذَا يَدْخُلُ فِيْهِ مَوْلَى الْعِتَاقَةِ وَالْمُوَالَاةِ وَحُلَفَاؤُهُمْ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے بنوفلاں کے لیے وصیت کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول اول کے مطابق اس میں عورتیں داخل ہوں گی، اور یہی حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے اس لیے کہ جمع مذکر عورتوں کو شامل ہوتی ہے۔ پھر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے رجوع کر لیا اور یوں فرمایا کہ یہ جمع صرف مردوں کو ہی شامل ہوگی، کیونکہ لفظ کی حقیقت مردوں کے لیے ہے اور اس کا عورتوں کو شامل ہونا مجازا ہے۔ اور کلام اپنی حقیقت پر محمول ہوتا ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب بنوفلاں قبیلہ یا فخذ کا نام ہو چنانچہ یہ مردوں اور عورتوں کو شامل ہوگا، کیونکہ اس سے ان کے اعیان نہیں مراد لیے جاتے اس لیے کہ یہ صرف انتساب ہے جیسے بنوآدم، اسی لیے اس میں مولی العتاقہ، مولی الموالات اور ان کے حلفاء داخل ہیں۔

اللغات:

﴿إناث﴾ خواتین۔ ﴿فخذ﴾ بڑا قبیلہ۔ ﴿أعيان﴾ متعین افراد۔ ﴿حلفاء﴾ واحد حلیف؛ اتحادی۔

''بنوفلاں'' کے لیے وصیت میں کون داخل ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بنوفلاں کے لیے وصیت کی تو حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں اس وصیت میں بنو فلاں کے مرد اور عورتیں سب داخل ہوں گی اور یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول ہے، کیونکہ جمع مذکر مؤنث کو بھی شامل ہوتی ہے، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ بنوفلاں میں صرف مرد ہی مرد شامل ہوں گے اور عورتیں اس میں شامل نہیں ہوں گی، کیونکہ بنو کا لفظ مردوں کے لیے خاص ہے اور یہ لفظ بطور مجاز عورتوں کو شامل ہوتا ہے اور لفظ کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا مجازی معنی پر محمول کرنے سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے یہاں بنو سے صرف مرد لوگ ہی مراد ہوں گے۔

بخلاف ما إذا كان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ بنوفلاں کسی قبیلے یا کسی فخذ کا نام ہو تو پھر اس میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوں گی، کیونکہ اس صورت میں بنو سے مراد صرف مرد نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ تو محض انتساب ہے جیسے بنوآدم سے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف نسبت ہوتی ہے اور بنو میں مولی العتاقہ، مولی الموالات اور ان کے حلیف سب داخل ہوں گے۔ یعنی اس صورت میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی بنو میں عورتوں کو شامل اور داخل قرار دیتے ہیں۔

فائدہ: **مولی العتاقه:** جس قوم نے کسی غلام کو آزاد کیا تو ان کا آزاد کردہ غلام انھی میں سے شمار ہوگا۔

مولی الموالات: جو شخص کسی خاندان اور قبیلہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا وہ ان کا مولی الموالات کہلاتا ہے۔

حُلَفَاء: حلیف کی جمع ہے قسم اور یمین کے ساتھ آپس تعاون میں جمع ہونے والوں کو حلیف کہا جاتا ہے۔

فخذ: عرب کے چھے قبائل میں سے ایک قبیلے کا نام جس کے تحت کئی فصیلں داخل ہوتی ہیں۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى فِيْهِ سَوَاءٌ، لِأَنَّ اِسْمَ الْوَلَدِ يَنْتَظِمُ الْكُلَّ اِنْتِظَامًا وَاحِدًا، وَمَنْ أَوْصٰى لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. لِأَنَّهُ لَمَّا نَصَّ عَلٰى لَفْظِ الْوَرَثَةِ آذَنَ ذٰلِكَ بِأَنَّ قَصْدَهُ التَّفْضِيْلُ كَمَا فِي الْمِيْرَاثِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ولد فلاں کے لیے وصیت کی تو وصیت ان کے مابین مشترک ہوگی اور اس میں مرد وعورت برابر کے شریک ہوں گے، کیونکہ لفظ ولد انتظام واحد کے ساتھ سب کو شامل ہے۔

جس شخص نے فلاں کے ورثاء کے لیے وصیت کی تو وصیت ان کے مابین للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق ہوگی، کیونکہ جب موصی نے لفظ ورثاء کی تصریح کردی تو اس نے اس بات کی خبر دے دی کہ اس کا ارادہ تفضیل کا ہے جیسے میراث میں ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿سواء﴾ برابری سے۔ ﴿ینتظم﴾ شامل ہوتا ہے۔ ﴿ورثة﴾ واحد وارث۔ ﴿حظ﴾ حصہ۔ ﴿نص﴾ واضح الفاظ میں بیان کردیا۔ ﴿قصد﴾ ارادہ۔ ﴿تفضیل﴾ ترجیح دینا۔

''ولد فلاں'' یا ''ورثۂ فلاں'' کے لیے وصیت کے شرکاء:

عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

① اگر کسی نے ولد فلان کے لیے وصیت کی تو اس میں فلاں کے بیٹے اور بیٹی سب شامل ہوں گے اور دونوں کو برابر وصیت ملے گی، اس لیے کہ لفظ ولد مطلق اولاد کو شامل ہے اور اولاد میں بیٹے بیٹی سب داخل ہیں، لہٰذا وصیت میں سب لوگ شریک ہوں گے۔

② دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے فلاں کے ورثاء کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت ورثاء میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق تقسیم ہوگی، یعنی ورثاء میں سے عورتوں کو جتنا مال ملے گا اس کا دوگنا مردوں کو ملے گا، کیونکہ جب موصی نے ورثاء کی تصریح کردی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینا چاہتا ہے اور ترجیح کا طریقہ یہی ہے کہ ورثاء میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق تقسیم کی جائے۔ جیسے میراث میں یہی طریقہ جاری ہے۔

وَمَنْ أَوْصٰى لِمَوَالِيْهِ وَلَهٗ مَوَالٍ أَعْتَقَهُمْ وَمَوَالٍ أَعْتَقُوْهُ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِيْ بَعْضِ كُتُبِهٖ أَنَّ الْوَصِيَّةَ لَهُمْ جَمِيْعًا وَذَكَرَ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ أَنَّهٗ يُوْقَفُ حَتّٰى تَصَالَحُوْا، لَهٗ أَنَّ الْإِسْمَ يَتَنَاوَلُهُمْ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمْ يُسَمّٰى مَوْلٰى فَصَارَ كَالْإِخْوَةِ، وَلَنَا أَنَّ الْجِهَةَ مُخْتَلِفَةٌ، لِأَنَّ أَحَدَهُمَا يُسَمّٰى مَوْلَى النِّعْمَةِ وَالْاٰخَرُ مُنْعَمٌ عَلَيْهِ فَصَارَ مُشْتَرَكًا فَلَايَنْتَظِمُهُمَا لَفْظٌ وَاحِدٌ فِيْ مَوْضِعِ الْإِثْبَاتِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَايُكَلِّمُ مَوَالِيْ فُلَانٍ حَيْثُ يَتَنَاوَلُ الْأَعْلٰى وَالْأَسْفَلَ، لِأَنَّهٗ مَقَامُ النَّفْيِ، وَلَاتَنَافِيْ فِيْهِ.

ترجمہ: جس نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی اور موصی کے کچھ موالی ایسے ہیں جنھیں موصی نے آزاد کیا ہے اور کچھ موالی ایسے ہیں جنہوں نے موصی کو آزاد کیا ہے تو وصیت باطل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ وصیت ان تمام لوگوں کے لیے ہوگی اور دوسری جگہ فرمایا کہ رُکا جائے گا یہاں تک کہ موالی مصالحت کرلیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ موالی ان تمام کو شامل ہے، کیونکہ ان میں سے ہرایک کو مولیٰ کہا جاتا ہے تو یہ اِخوۃ کی طرح ہوگیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جہت مختلف ہے، کیونکہ ان میں سے ایک کو مولی النعمہ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو مولیٰ مُنعَم علیہ کہا جاتا ہے تو یہ لفظ مشترک ہوگیا، لہٰذا موضعِ اثبات میں لفظِ واحد دونوں کو شامل نہیں ہوگا۔

برخلاف اس صورت کے جب کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کے موالی سے بات نہیں کرے گا تو یہ اعلیٰ اور اسفل سب کو شامل ہوگا، کیونکہ یہ مقامِ نفی ہے اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اللغات:

﴿موالی﴾ آزاد کرنے والے اور آزاد کردہ۔ ﴿أعتقوہ﴾ اس کو آزاد کیا ہے۔ ﴿تصالحوا﴾ آپس میں مصالحت کرلیں۔ ﴿یتناولھم﴾ ان سب کو شامل ہے۔ ﴿أسفل﴾ نچلا، پست۔

''موالی'' کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی اور اس کے دوطرح کے موالی ہیں کچھ تو وہ ہیں جنھیں خود موصی نے آزاد کیا ہے اور کچھ وہ ہیں جن لوگوں نے موصی کو آزاد کیا ہے اور موصی نے موالی معتَق یا موالی معتِق میں سے کسی کی تصریح نہیں کی تو ہمارے یہاں موصی لہم کے مجہول ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہوجائے گی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں دوقول منقول ہیں:

(۱) ان کی بعض کتابوں میں ہے کہ وصیت صحیح ہے اور دونوں طرح کے موالی کو شامل ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وصیت کے متعلق توقف کیا جائے گا اور جب دونوں موالی آپس میں نصف نصف وصیت تقسیم کرنے پر راضی ہوجائیں گے تب اس کو صحیح اور نافذ کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ موالی ہر قسم کے موالی کو شامل ہے جیسے لفظ اِخوۃ ہر طرح کے بھائیوں کو شامل ہے لہٰذا اس میں معتِق اور معتَق دونوں طرح کے موالی شامل اور داخل ہوں گے اور سب وصیت کے حق دار ہوں گے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر چہ لفظ موالی دونوں طرح کے موالیوں کو لفظاً شامل ہے لیکن معناً یہ سب کو شامل نہیں ہے، کیونکہ اس کی جہت مختلف ہے اس لیے کہ موالی معتِق من حیث النعمہ ہے اور موالی معتَق من حیث المنعم علیہ ہے لہٰذا لفظ موالی من حیث الجہۃ مشترک ہے اور مشترک مواضع اثبات میں سب کو شامل نہیں ہوتا اور ایک قسم اور ایک نوع کو شامل کرنے میں ترجیح بلا مرجح ہے جب کہ دونوں کو شامل کرنے میں جہالت ہے اور موصی کے مقصد کا اظہار نہیں ہے، اس لیے بطلانِ وصیت کے علاوہ یہاں کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

اس کے برخلاف مشترک اگر مواضع نفی میں ہو تو وہاں عموم ہوتا ہے جیسے اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کے موالی سے بات نہیں کروں گا تو اس میں ہر طرح کے موالی شامل ہوں گے، کیونکہ لفظ مشترک مقام نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے اور بر سبیل عموم اعلیٰ اور اسفل سب کو شامل ہوتا ہے۔

وَيَدْخُلُ فِيْ هٰذِهِ الْوَصِيَّةِ مَنْ أَعْتَقَهُ فِي الصِّحَّةِ وَالْمَرَضِ، وَلَايَدْخُلُ مُدَبَّرُوْهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهٖ، لِأَنَّ عِتْقَ هٰؤُلَاءِ يَثْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْوَصِيَّةُ تُضَافُ إِلٰى حَالَةِ الْمَوْتِ فَلَابُدَّ مِنْ تَحَقُّقِ الْإِسْمِ قَبْلَهُ، وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ أَنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ، لِأَنَّ سَبَبَ الْإِسْتِحْقَاقِ لَازِمٌ، وَيَدْخُلُ فِيْهِ عَبْدٌ قَالَ لَهُ مَوْلَاهُ إِنْ لَمْ أَضْرِبْكَ فَأَنْتَ حُرٌّ، لِأَنَّ الْعِتْقَ يَثْبُتُ قُبَيْلَ الْمَوْتِ عِنْدَ تَحَقُّقِ عِجْزِهٖ.

ترجمہ: اور اس وصیت میں وہ موالی داخل ہوں گے، جنہیں موصی نے بحالتِ صحت اور بحالتِ مرض آزاد کیا ہو اور موصی کے مدبر اور اس کی امہات اولاد داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ ان کا عتق موت کے بعد ثابت ہوگا اور وصیت حالتِ موت کی طرف مضاف ہوتی ہے، لہٰذا تحقق ضروری ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ لوگ بھی (وصیت میں) داخل ہوں گے، کیونکہ سببِ استحقاق لازم ہے۔ اور اس میں وہ غلام بھی داخل ہوگا جسے اس کے مولیٰ نے کہہ دیا ہو کہ اگر میں تجھے نہ ماروں تو تو آزاد ہے، کیونکہ موت سے کچھ پہلے جب مولیٰ ضرب سے عاجز ہو جائے گا تو اس کے عتق ثابت ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿مدبر﴾ مالک کے مرنے کے بعد خود بخود آزاد ہونے والا غلام۔ ﴿حرّ﴾ آزاد ہے۔ ﴿عجز﴾ لاچاری۔

''موالیٰ'' کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں اس کے وہ تمام موالی شامل اور داخل ہوں گے، جن کو موصی نے صحت اور مرض دونوں حالتوں میں آزاد کیا ہے، کیونکہ وہ سب موالی ہیں اور موالی کے تحت داخل ہیں، اس لیے سب مستحق وصیت ہوں گے، ہاں موصی کے مدبر اور اس کی امہات اولاد اس وصیت سے مستثنیٰ ہیں اور یہ سب اس میں شامل اور داخل نہیں ہوں گے، کیونکہ مدبر اور امہات اولاد کا عتق موصی کی موت کے بعد ثابت ہوگا جب کہ وصیت حالت موت کی طرف

مضاف ہوتی ہے، اس لیے مستحقِ وصیت ہونے کے لیے ان کا حالتِ موت کے وقت آزاد ہونا ضروری ہے حالانکہ موصی کی موت کے وقت یہ آزاد نہیں ہیں لہٰذا یہ مستحق وصیت بھی نہیں ہوں گے۔

وعن أبي یوسف رحمۃ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ مدبرون ہ کے متعلق حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ یہ لوگ وصیت میں داخل ہوں گے، کیونکہ اگر چہ فی الوقت یہ آزاد نہیں ہیں لیکن ان کی آزادی کا سبب اتنا پختہ اور قوی ہے کہ موصی کی موت کے بعد انھیں آزاد ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

ویدخل فیه الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا اگر میں نے تجھے نہ مارا تو تو آزاد ہے اور مار نے سے پہلے موصی مر گیا تو یہ غلام آزاد ہو جائے گا، کیونکہ جب موصی موت کے وقت تک اسے نہیں مار سکا تو موت کے وقت ضرب سے اس کا عجز متحقق ہو گیا اس لیے موت سے پہلے وہ آزاد ہو گیا، لہٰذا وہ موصی کی وصیت کا مستحق ہوگا، اس لیے استحقاقِ وصیت کے لیے جو چیز شرط تھی وہ پائی گئی۔

وَلَوْ كَانَ لَهُ مَوَالٍ وَأَوْلَادُ مَوَالٍ وَمَوَالِي مَوَالَاتٍ يَدْخُلُ فِيهَا مُعْتَقُوْهُ وَأَوْلَادُهُمْ دُوْنَ مَوَالِي الْمَوَالَاتِ، وَعَنْ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ أَيْضًا، وَالْكُلُّ شُرَكَاءُ، لِأَنَّ الْإِسْمَ يَتَنَاوَلُهُمْ عَلَى السَّوَاءِ، وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَقُوْلُ الْجِهَةُ مُخْتَلِفَةٌ فِي الْمُعْتَقِ الْإِنْعَامُ وَفِي الْمَوَالِي عَقْدُ الْإِلْتِزَامِ، وَالْإِعْتَاقُ لَازِمٌ فَكَانَ الْإِسْمُ لَهُ أَحَقُّ، وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمْ مَوَالِي الْمَوَالِي، لِأَنَّهُمْ مَوَالِي غَيْرُهُ حَقِيقَةً، بِخِلَافِ مَوَالِيهِ وَأَوْلَادُهُمْ لِأَنَّهُمْ يَنْسِبُوْنَ إِلَيْهِ بِإِعْتَاقٍ وُجِدَ مِنْهُ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مَوَالٍ وَلَا أَوْلَادُ الْمَوَالِي، لِأَنَّ اللَّفْظَ لَهُمْ مَجَازٌ فَيُصْرَفُ إِلَيْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ اِعْتِبَارِ الْحَقِيقَةِ.

ترجمه: اور اگر موصی کے موالی ہوں اور موالی کی اولاد ہوں اور موالی موالات ہو تو موصی کے معتقین اور ان کی اولاد وصیت میں داخل ہوں گے اور موالی موالات داخل نہیں ہوں گے، حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ موالی موالات بھی داخل ہوں گے اور سب شریک ہوں گے کیونکہ لفظ موالی سب کو یکساں طور پر شامل ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہت مختلف ہے معتق میں انعام کی جہت ہے اور موالی میں عقد التزام کی جہت ہے اور اعتاق لازم ہے، لہٰذا یہ لفظ معتق کے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔ اور ان میں موالی کے موالی داخل نہیں ہوں گے کیونکہ یہ حقیقتاً موصی کے علاوہ کے موالی ہیں۔ برخلاف موصی کے موالی اور ان کی اولاد کے، کیونکہ یہ موصی کی طرف ایسے اعتاق کی وجہ سے منسوب ہیں جو موصی کی طرف سے پایا گیا ہے۔

برخلاف اس صورت کے جب موصی کے نہ تو موالی ہوں اور نہ ہی موالی کی اولاد ہوں، کیونکہ ان کے لیے موالی کا لفظ مجاز ہے لہٰذا حقیقت کا اعتبار معتذر ہونے کی صورت میں مجاز کی طرف پھیرا جائے گا۔

اللغات:

﴿معتقوہ﴾ اس کو آزاد کرنے والے۔ ﴿علی السواء﴾ برابری کے ساتھ۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔

''موالی'' کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے موالی کے لیے وصیت کی اور موصی کے موالی بھی ہیں، موالی کی اولاد بھی ہیں اور موالی موالات بھی ہیں تو قولِ جمہور کے مطابق موصی کے موالی اور ان کی اولاد وصیت میں داخل ہوں گے، لیکن موالی موالات یعنی جن لوگوں نے موصی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے وہ مستحق وصیت نہیں ہوں گے۔ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ موالی الموالات بھی وصیت میں داخل ہوں گے اور موالی اور ان کی اولاد کے ساتھ ثلث میں شریک ہوں گے، کیونکہ موالی کا لفظ ان سب کو یکساں طور پر شامل ہے اور سب کو موالی کہا جاتا ہے اور چوں کہ موصی نے مطلق موالی کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لیے ہر طرح کے موالی اس میں شامل اور داخل ہوں گے۔

لیکن جمہور کی طرف سے امام محمد علیہ الرحمہ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ موالی اگرچہ عام ہے، لیکن اس کی جہات مختلف ہیں چنانچہ ایک قوم معتَق اور مُنعَم علیہم ہونے کی وجہ سے موالی ہے اور دوسری قوم عقد موالات کا التزام کرنے کی وجہ سے موالی ہے اور اختلاف جہات کے باوجود یہاں ترجیح ممکن ہے یعنی منعم علیہم کے حق میں چوں کہ اعتاق لازم ہے اور فسخ نہیں ہوسکتا، اس لیے وہی لوگ موالی بننے اور وصیت کے لائق ہونے کے زیادہ لائق ہیں، لہٰذا ہم نے انھی کو مستحق وصیت قرار دیا ہے اور موالی الموالات میں اعتاق بہت زیادہ پختہ نہیں ہے، لہٰذا یہ لوگ موصی کی وصیت میں داخل نہیں ہوں گے۔ اور نہ ہی موالی کے موالی یعنی موصی کے معتَقین کے معتَقین اس میں داخل ہوں گے، کیونکہ یہ لوگ موصی کے موالی نہیں ہیں، بل کہ اس کے غیر کے موالی ہیں۔

اس کے برخلاف موصی کے موالی اور ان کی اولاد سب مستحق وصیت ہوں گے، کیونکہ یہ لوگ موصی کی طرف سے اعتاق کی وجہ سے موصی کی طرف منسوب ہیں اور بلاواسطہ تو نہیں لیکن بالواسطہ یقیناً موصی کے موالی ہیں، اس لیے جو بلاواسطہ موصی کے موالی ہیں ان کا دامن پکڑ کر یہ لوگ بھی موصی کے موالیوں کی فہرست میں شامل ہوکر مستحق وصیت ہوں گے۔

اور اگر موصی کے نہ تو موالی ہوں اور نہ ہی موالی کی اولاد ہوں اور موالی الموالات ہوں تو اس صورت میں یہ لوگ مستحق وصیت ہوں گے، کیونکہ لفظ موالی موالی کے لیے حقیقت ہے اور موالی الموالات کے لیے مجاز ہے اور چوں کہ یہاں اس کے حقیقی معنی موجود نہیں ہیں اور اس پر عمل کرنا متعذر ہے اس لیے موالی کے مجازی معنی پر عمل ہوگا اور موالی الموالات مستحق وصیت ہوں گے۔ کیونکہ فقہ کا یہ مشہور قاعدہ ہے: **إذا تعذّر العمل علی الحقیقة یصار إلی المجاز** کہ جب حقیقت پر عمل کرنا متعذر ہو تو مجاز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور یہاں چوں کہ لفظ موالی کے حقیقی معنی پر عمل کرنا متعذر ہے اس لیے مجازی معنی پر عمل ہو رہا ہے۔

وَلَهٗ كَانَ لَهٗ مُعْتَقٌ وَاحِدٌ وَمَوَالِي الْمَوَالِيْ فَالنِّصْفُ لِمُعْتَقِهٖ وَالْبَاقِيْ لِلْوَرَثَةِ لِتَعَذُّرِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقِيْقَةِ وَالْمَجَازِ.

ترجمہ: اور اگر موصی کا ایک معتق ہو اور موالی الموالات ہوں تو ثلث کا نصف اس کے معتق کا ہے اور باقی ورثاء کا ہے، اس لیے کہ حقیقت اور مجاز میں جمع متعذر ہے۔

اللغات:

﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿تعذّر﴾ ناممکن ہونا۔

''موالی'' کے لیے وصیت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے موالی کے لیے وصیت کی اور اس کے موالی میں صرف ایک ہی شخص ہے اور باقی موالی الموالی ہیں تو اس صورت میں موصیٰ بہ یعنی ثلث کا نصف معتق لے گا اور مابقی ورثاء کو دے دیا جائے گا، کیونکہ اگر ہم مابقی مال موالی الموالی کو دیں تو ایک ہی چیز میں حقیقت اور مجاز یعنی معتق اور موالی الموالی دونوں کا اجتماع لازم آئے گا، حالانکہ حقیقت اور مجاز کا اجتماع دشوار ہے۔ اس لیے اس صورت میں حقیقت پر عمل کرنے کے بعد بچا ہوا مال ورثاء کو دے دیا جائے گا تا کہ حقیقت اور مجاز کے اجتماع سے بچا جا سکے۔

وَلَايَدْخُلُ فِيْهِ مَوَالٍ أَعْتَقَهُمْ اِبْنُهُ أَوْ أَبُوْهُ، لِأَنَّهُمْ لَيْسُوْا بِمَوَالِيْهِ لَاحَقِيْقَةً وَلَامَجَازًا، وَإِنَّمَا يَحْرُزُ مِيْرَاثَهُمْ بِالْعُصُوْبَةِ، بِخِلَافِ مُعْتَقِ الْمُعْتَقِ لِأَنَّهُ يُنْسَبُ إِلَيْهِ بِالْوَلَاءِ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: اور اس میں وہ موالی داخل نہیں ہوں گے جنھیں موصی کے بیٹے یا باپ نے آزاد کیا ہو، کیونکہ وہ نہ تو حقیقتاً موصی کے موالی ہیں اور نہ ہی مجازاً اور موصی عصوبت کی وجہ سے ان کی میراث لیتا ہے۔ برخلاف معتق کے معتق کے، کیونکہ وہ ولاء کے ذریعے موصی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللغات:

﴿أعتقهم﴾ آزاد کیا ہے۔ ﴿يحرز﴾ لیتا ہے۔ ﴿عصوبة﴾ عصبہ ہونا۔

''موالی'' کے لیے وصیت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی تو اس وصیت میں وہ موالی داخل نہیں ہوں گے جنھیں موصی کے باپ نے یا اس کے بیٹے نے آزاد کیا ہے، کیونکہ باپ یا بیٹے کے موالی نہ تو حقیقتاً موصی کے موالی ہیں اور نہ ہی مجازاً تو آخر کس بنیاد پر ہم انھیں مستحقِ وصیت قرار دے دیں۔

وإنما يحرز الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی کے باپ یا اس کے بیٹے میں سے کسی کے مولیٰ کا انتقال ہو جاتا ہے اور موصی کا باپ یا بیٹا موجود نہ ہو تو خود موصی اس کے ترکہ کا مستحق ہوگا اور یہ استحقاق سببی عصوبت کی بنیاد پر ہوگا یعنی موصی اس صورت میں ان کا وارث ہوگا، لیکن یہ لوگ کسی بھی صورت میں موصی کی وصیت کے حق دار نہیں ہوں گے۔

بخلاف معتق المعتق الخ: یعنی موصی کے معتق کا معتق موصی کی وصیت کا مستحق ہوگا، کیونکہ موصی اس کے ولاء کا مستحق ہے اور ولاء کے ذریعے وہ معتق موصی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

نوٹ: ہدایہ کے نسخوں میں **بخلاف معتق البعض** کی عبارت ہے جو غالبًا کاتب کا سہو ہے اور اصل عبارت **بخلاف معتق المعتق** ہے۔ (کفایہ، بنایہ)

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنٰى وَالْخِدْمَةِ وَالثَّمَرَةِ

یہ باب سکنیٰ، خدمت اور پھل کی وصیت کرنے کے بیان میں ہے

اس سے پہلے ان وصایا کا بیان تھا جو اعیان سے متعلق تھے اور اب ان وصایا کا بیان ہے جو منافع سے متعلق ہیں اور منافع ہیں جیسے باغ کے پھل، خدمت اور رہائش کی وصیت اور منافع اعیان سے موخر ہوتے ہیں، اسی لیے اس باب کو اعیان کے بعد بیان کیا جارہا ہے۔

قَالَ وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُكْنٰى دَارِهٖ سِنِيْنَ مَعْلُوْمَةً وَتَجُوْزُ بِذٰلِكَ أَبَدًا، لِأَنَّ الْمَنَافِعَ يَصِحُّ تَمْلِيْكُهَا فِيْ حَالَةِ الْحَيَاةِ بِبَدْلٍ وَغَيْرِ بَدَلٍ فَكَذَا بَعْدَ الْمَمَاتِ لِحَاجَتِهٖ كَمَا فِي الْأَعْيَانِ وَيَكُوْنُ مَحْبُوْسًا عَلٰى مِلْكِهٖ فِيْ حَقِّ الْمَنْفَعَةِ حَتّٰى يَتَمَلَّكَهَا الْمُوْصٰى لَهٗ عَلٰى مِلْكِهٖ كَمَا يَسْتَوْفِي الْمَوْقُوْفُ عَلَيْهِ مَنَافِعَ الْوَقْفِ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِ الْوَاقِفِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی رہائش کی چند متعین سالوں کے لیے وصیت جائز ہے اور ہمیشہ کے لیے بھی ان کی وصیت جائز ہے، کیونکہ بحالت حیات بدل اور غیر بدل کے ساتھ منافع کی تملیک صحیح ہے، لہٰذا موت کے بعد بھی صحیح ہوگی، کیونکہ موصی کو اس کی حاجت ہے جیسے اعیان میں ہے۔ اور موصیٰ بہ منفعت کے حق میں موصی کی ملکیت پر محبوس ہوگا حتی کہ موصیٰ لہ موصی کی ملکیت پر منفعت کا مالک ہوگا جیسے موقوف علیہ وقف کے منافع کو واقف کی ملکیت کے حکم پر حاصل کرتا ہے۔

اللغات:

﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿سکنیٰ﴾ رہائش۔ ﴿سنین﴾ کئی سال۔ ﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔ ﴿محبوس﴾ روکا گیا۔ ﴿یتملّك﴾ مالک بن جاتا ہے۔ ﴿یستوفی﴾ پورا وصول کر لیتا ہے۔

منافع کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے منافع کی وصیت کرے مثلاً کسی کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کرے یا اپنے گھر میں کسی کی رہائش کی وصیت کرے یا کسی کے لیے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کرے تو ان تمام صورتوں میں وصیت درست

اور جائز ہے بشرطیکہ منافع حاصل کرنے کی مدت معلوم اور متعین ہو یا ہمیشہ ہمیش کے لیے وصیت کی گئی ہو، اس لیے کہ جس طرح انسان اپنی زندگی میں اجرت لے کر یا بدون اجرت کسی کو منافع کا مالک بنا سکتا ہے اسی طرح اپنی موت کے بعد بھی وہ کسی کو مالک بنا سکتا ہے کیونکہ اسے اس کی حاجت ہے اور پھر جب انسان عین یعنی نفس عبد اور نفس دار وغیرہ کی وصیت کر سکتا ہے تو ان کے منافع کی بدرجہ اولیٰ وصیت کر سکتا ہے البتہ موصی لہ صرف منافع کا مالک ہوگا۔ اعیان کا مالک نہیں ہوگا اور اعیان موصی کی ملکیت پر برقرار رہیں گے، جیسے موقوف علیہ وقف کے منافع کو واقف کی ملکیت کے حکم پر وصول کرتا ہے اور اصل کی ملکیت واقف کی رہتی ہے اسی طرح یہاں بھی موصی لہ صرف منافع کو وصول کرے گا اور اصل چیز یعنی عین موصی ہی کی ملکیت ہوگی۔

وَتَجُوْزُ مُوَقَّتًا وَمُؤَبَّدًا كَمَا فِي الْعَارِيَةِ فَإِنَّهَا تَمْلِيْكٌ عَلَى أَصْلِنَا، بِخِلَافِ الْمِيْرَاثِ، لِأَنَّهُ خِلَافَةٌ فِيْمَا يَتَمَلَّكُهُ الْمُوْرِثُ وَذٰلِكَ فِيْ عَيْنٍ تَبْقٰي، وَالْمَنْفَعَةُ عَرَضٌ لَايَبْقٰي، وَكَذَا الْوَصِيَّةُ بِغَلَّةِ الْعَبْدِ وَالدَّارِ، لِأَنَّهُ بَدَلُ الْمَنْفَعَةِ فَأَخَذَ حُكْمَهَا وَالْمَعْنٰى يَشْمِلُهُمَا.

ترجمه: اور یہ وصیت موقت اور مؤبد دونوں طرح جائز ہے جیسے عاریت میں ہے، کیونکہ عاریت ہماری اصل پر تملیک ہے۔ برخلاف میراث کے، کیونکہ میراث خلافت ہے اس چیز میں جس کا مورث مالک ہے اور خلافت ایسی عین میں ہوتی ہے جو باقی رہتی ہے اور منفعت عرض ہوتی جو باقی نہیں رہتی۔ ایسے ہی غلام اور گھر کی آمدنی کی وصیت کرنا اس لیے کہ یہ منفعت کا بدل ہے لہٰذا آمدنی منفعت کا حکم لے لے گی اور معنی ان دونوں کو شامل ہے۔

اللغات:

﴿مؤقت﴾ ایک خاص وقت کے لیے۔ ﴿مؤبّد﴾ ہمیشہ کے لیے۔ ﴿عارية﴾ ادھار۔ ﴿تمليك﴾ مالک بنانا۔ ﴿عرض﴾ بذاتہ قائم نہ ہو سکنے والی شے۔ ﴿غلة﴾ کمائی، آمدنی۔

منافع کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ منافع کی وصیت جائز ہے اور یہ جواز موقت اور مؤبد دونوں طرح سے ہے یعنی ہمیشہ کے لیے بھی منافع کی وصیت جائز ہے اور کچھ ایام کے لیے بھی جائز ہے، کیونکہ منافع عاریت کی طرح ہیں اور ہمارے یہاں عاریت تملیک ہے لہٰذا منافع بھی ازقبیل تملیک ہوں گے، اس کے برخلاف میراث کا معاملہ ہے تو میراث تملیک نہیں بلکہ خلافت ہے اور خلافت باقی رہنے والے اعیان میں جاری ہوتی ہے حالانکہ منافع عرض ہیں اور باقی بھی نہیں رہتے، اس لیے منافع میں خلافت یعنی میراث جاری نہیں ہوگی۔

وكذا الوصية الخ: فرماتے ہیں کہ جس طرح غلام اور دار کی وصیت جائز ہے اسی طرح غلام اور دار سے حاصل ہونے والے کرایے اور آمدنی کی وصیت بھی جائز ہے، کیونکہ یہ آمدنی ان کی منفعت کا بدل ہے، لہٰذا جو حکم مبدل کا ہے وہی بدل کا بھی ہوگا اور چوں کہ مبدل کی وصیت جائز ہے لہٰذا بدل کی وصیت بھی جائز ہوگی۔

قَالَ فَإِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ يُسَلَّمُ إِلَيْهِ لِيَخْدِمَهُ، لِأَنَّ حَقَّ الْمُوْصٰى لَهُ فِي الثُّلُثِ لَاتُزَاحِمُهُ الْوَرَثَةُ وَإِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ خَدِمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَالْمُوْصٰي لَهُ يَوْمًا، لِأَنَّ حَقَّهُ فِي الثُّلُثِ وَحَقُّهُمْ فِي الثُّلُثَيْنِ كَمَا فِي الْوَصِيَّةِ فِي الْعَيْنِ وَلَاتُمْكِنُ قِسْمَةُ الْعَبْدِ أَجْزَاءً لِأَنَّهُ لَايَتَجَزّٰى فَصِرْنَا إِلَى الْمُهَايَاةِ إِيْفَاءً لِلْحَقَّيْنِ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِسُكْنَى الدَّارِ إِذَا كَانَتْ لَاتَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ حَيْثُ تُقْسَمُ عَيْنُ الدَّارِ أَثْلَاثًا لِلْاِنْتِفَاعِ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الْقِسْمَةُ بِالْأَجْزَاءِ وَهُوَ أَعْدَلُ لِلتَّسْوِيَةِ بَيْنَهُمَا زَمَانًا وَذَاتًا، وَفِي الْمُهَايَاتِ تَقْدِيْمُ أَحَدِهِمَا.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ پھر اگر غلام کا رقبہ ثلث سے نکل جائے تو غلام موصیٰ لہ کے سپرد کردیا جائے گا تاکہ غلام اس کی خدمت کرے، کیونکہ موصیٰ لہ کا حق ثلث میں ہے اور اس میں ورثاء اس کے مزاحم نہیں ہیں۔ اور اگر غلام کے علاوہ موصی کے پاس مال نہ ہو تو غلام دو دن ورثاء کی خدمت کرے اور ایک دن موصیٰ لہ کی خدمت کرے، کیونکہ موصیٰ لہ کا حق ثلث میں ہے اور ورثاء کا حق دو ثلث میں ہے جیسے عین کی وصیت میں اور اجزاء کر کے غلام کی تقسیم ممکن نہیں ہے، کیونکہ غلام متجزی نہیں ہے لہٰذا دونوں حق ثابت کرنے کے لیے ہم نے مہایات کی طرف رجوع کیا۔

برخلاف گھر کی رہائش کی وصیت کے جب دار ثلث سے نہ نکلتا ہو تو انتفاع کے لیے دار کا عین تین حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ اجزاء کے ساتھ تقسیم ممکن ہے اور ان کے مابین زمان اور ذات کے اعتبار سے برابری کی وجہ سے یہی اعدل ہے اور مہایات میں ان میں سے ایک کی تقدیم ہے۔

اللغات:

﴿رقبة﴾ غلام کی ذات۔ ﴿يسلّم﴾ سپرد کیا جائے گا۔ ﴿موصٰى له﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿لا تزاحم﴾ مقابلہ نہیں کریں گے۔ ﴿خدم﴾ خدمت کرے گا۔ ﴿لا يتجزّىٰ﴾ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا۔ ﴿صرنا﴾ ہم پھر گئے۔ ﴿ايفاء﴾ پوری ادائیگی کے لیے۔ ﴿مهايات﴾ باری باری منافع حاصل کرنا۔

خدمت کی وصیت اور غلام خادم کی ترکے میں حیثیت:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی شخص کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی اور موصی کے پاس اس غلام کے علاوہ اتنا مال ہے جو دو ثلث سے زیادہ ہے اور موصیٰ بہ غلام ثلث سے نکل جاتا ہے تو وہ غلام موصیٰ لہ کے سپرد کردیا جائے گا تاکہ وہ موصیٰ لہ کی خدمت کرتا رہے، کیونکہ موصیٰ لہ موصی کے مال میں ثلث کا مستحق ہے اور اس میں موصی کے ورثاء موصیٰ لہ کے مزاحم نہیں ہیں، اس لیے وہ غلام موصیٰ لہ کی خدمت کرے گا۔

اور اگر اس غلام کے علاوہ موصی کے پاس دوسرا مال نہ ہو تو اب اس غلام میں تقسیم اس طرح ہوگی کہ وہ غلام ایک دن موصیٰ لہ کی خدمت کرے گا اور دو دن ورثاء کی، اس لیے کہ ورثاء دو ثلث کے مستحق ہیں اور موصیٰ لہ ایک ثلث کا، لہٰذا اسی حساب سے غلام کی خدمت بھی ان کے مابین تقسیم ہوگی۔ جیسے اعیان کی وصیت میں اسی طرح ایک اور دو حصے کر کے تقسیم ہوتی ہے اور چوں کہ غلام کو کاٹ

کر اور اس کے اجزاء بنا کر تقسیم ممکن نہیں ہے، اس لیے دونوں فریقوں کو ان کا حق دینے کے لیے مہایات کی طرف رجوع کیا گیا ہے تاکہ دونوں فریقوں کو ان کے حقوق مل جائیں۔

اس کے برخلاف اگر کسی نے کسی شخص کے لیے رہائش دار کی وصیت کی اور موصی کے پاس اس گھر کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہ ہو تو اس صورت میں ورثاء اور موصیٰ لہ کے مابین گھر کے تین حصے کر کے اسے تقسیم کر دیا جائے گا، تاکہ دونوں فریق کو ان کا حصہ مل جائے اور وہ لوگ اس سے نفع حاصل کر سکیں۔ اور ایسا کرنا ممکن بھی ہے کہ اس میں اجزاء کے حساب سے گھر کی تقسیم بھی ممکن ہے اور اس صورت میں زمان اور ذات دونوں اعتبار سے دونوں فریق نفع اندوز ہوسکیں گے، یعنی ایک ہی وقت میں مکان دونوں حصہ داروں کو مل جائے۔ ذات سے مراد مکان ہے۔

وَلَوِ اقْتَسَمُوا الدَّارَ مُهَايَاةً مِنْ حَيْثُ الزَّمَانِ تَجُوْزُ أَيْضًا، لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ وَهُوَ الْأَعْدَلُ أَوْلَى وَلَيْسَ لِلْوَرَثَةِ أَنْ يَبِيعُوْا مَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ مِنْ ثُلُثَيِ الدَّارِ، وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رحمہ اللہ علیہ أَنَّ لَهُمْ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ خَالِصُ مِلْكِهِمْ، وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ حَقَّ الْمُوْصٰى لَهُ ثَابِتٌ فِيْ سُكْنٰى جَمِيْعِ الدَّارِ بِأَنْ ظَهَرَ لِلْمَيِّتِ مَالٌ اٰخَرُ وَتَخْرُجُ الدَّارُ مِنَ الثُّلُثِ وَكَذَا لَهُ حَقُّ الْمُزَاحَمَةِ فِيْمَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ إِذَا خَرِبَ مَافِيْ أَيْدِيْهِمْ وَالْبَيْعُ يَتَضَمَّنُ إِبْطَالَ ذٰلِكَ فَمُنِعُوْا عَنْهُ.

ترجمہ: اور اگر انھوں نے زمانہ کے اعتبار سے بطور مہایات گھر کو تقسیم کیا تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ حق انھی کا ہے لیکن اول اولیٰ ہے اور یہی اعدل ہے اور ورثاء کو یہ حق نہیں ہے کہ ان کے قبضے میں جو گھر کے دو ثلث ہیں انھیں فروخت کر دیں۔ حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ورثاء کو فروخت کرنے کا حق ہے، اس لیے کہ یہ خالص ان کی ملکیت ہے۔

ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ موصیٰ لہ کا حق پورے گھر کے سکنیٰ میں ثابت ہے بایں طور کہ میت کے لیے دوسرا مال ظاہر ہوجائے اور گھر ثلث سے نکل جائے، نیز موصیٰ لہ کو اس گھر میں جو ورثاء کے قبضے میں ہے حقِ مزاحمت حاصل ہے جب وہ گھر خراب ہوجائے جو موصیٰ لہ کے قبضے میں ہے اور بیع اس حق کے ابطال کو متضمن ہے لہٰذا ورثاء کو اس سے روکا جائے گا۔

اللغات:

﴿مہایات﴾ باری باری منفعت حاصل کرنا۔ ﴿أعدل﴾ زیادہ عدل والا ہے۔ ﴿بیعوا﴾ بیچ ڈالیں۔ ﴿موصی لہ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿یتضمّن﴾ ضمناً شامل ہوتا ہے۔

بطور مہایات تقسیم کا جواز:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دار کے حصے کر کے اس کی تقسیم بہتر اور اولیٰ ہے، لیکن اگر موصیٰ لہ اور ورثا مل کر آپس میں گھر کو بطور مہایات تقسیم کرلیں تو یہ بھی جائز ہے، اور ورثاء کے پاس جو دو ثلث دار ہے اگر ورثاء اسے فروخت کرنا چاہیں تو ظاہر الروایہ میں انھیں

اس کا حق نہیں ہے۔ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ ورثاء اپنا حصہ فروخت کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ ان ہی کا حق ہے اور انھیں اپنے حق میں تصرف کا اختیار ہے۔

ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر میت کے پاس اس مکان کے علاوہ دوسرا مال نکل جائے اور موصی بہ مکان ثلث سے خارج ہو جائے تو موصیٰ لہ کو پورے مکان میں سکنی کا حق حاصل ہوگا اور اگر موصیٰ لہ کا حصہ خراب ہو جائے تو جو حصہ ورثاء کے قبضے میں ہے اس میں موصیٰ لہ کو حقِ مزاحمت بھی حاصل ہوگا اور موصیٰ لہ اپنے حصے کے برابر ورثاء سے مطالبہ کرے گا اب ظاہر ہے کہ اگر ہم ورثاء کو ان کا حق فروخت کرنے کی اجازت دے دیں تو موصیٰ لہ کا یہ حق باطل ہو جائے گا، اسی لیے ہم نے ورثاء کو بیع سے منع کر دیا ہے۔

قَالَ فَإِنْ كَانَ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهُ عَادَ إِلَى الْوَرَثَةِ، لِأَنَّ الْمُوْصِيْ أَوْجَبَ الْحَقَّ لِلْمُوْصٰى لَهُ يَسْتَوْفِي الْمَنَافِعَ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِهِ فَلَوِ انْتَقَلَ إِلٰى وَارِثِ الْمُوْصٰى لَهُ اِسْتَحَقَّهَا اِبْتِدَاءً مِنْ ذٰلِكَ الْمُوْصِيْ مِنْ غَيْرِ مَرْضَاتِهِ وَذٰلِكَ لَايَجُوْزُ، وَلَوْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهُ فِيْ حَيَاةِ الْمُوْصِي بَطَلَتْ، لِأَنَّ إِيْجَابَهَا تَعَلَّقَ بِالْمَوْتِ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر موصیٰ لہ مر جائے تو موصی بہ ورثاء کی طرف عود کر آئے گا، کیونکہ موصی نے موصیٰ لہ کے لیے حق ثابت کر دیا ہے تا کہ وہ اس کی ملکیت کے حکم پر منافع وصول کر سکے۔ اور اگر موصی بہ موصیٰ لہ کے وارث کی طرف منتقل ہو جائے تو وارث موصی کی طرف سے اس کی مرضی کے بغیر ابتداء منافع کا مستحق ہوگا اور یہ جائز نہیں ہے۔

اور اگر موصیٰ لہ موصی کی زندگی میں مر جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیوں کہ وصیت کا ایجاب موصی کی موت پر معلق ہے جیسا کہ ہم پہلے اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿عاد﴾ لوٹ آئے گا۔ ﴿یستوفی﴾ وصول کرے۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔

رہائش کی وصیت والا مکان کس کی ملک ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کو کوئی مکان رہائش کے لیے بطور وصیت دیا ہو اور موصی نے موصیٰ لہ کو اس مکان کا مالک نہ بنایا ہو تو جب تک موصیٰ لہ بقید حیات ہے اس وقت تک وہ اس سے نفع اندوز ہوگا اور جب موصیٰ لہ کا انتقال ہو جائے گا تو وہ مکان موصی کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا اور موصیٰ لہ کے ورثاء کو نہیں ملے گا، کیونکہ موصی نے موصیٰ لہ کو اپنی ملکیت کی بقاء پر اس مکان سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دی تھی۔ اب اگر ہم اسے موصیٰ لہ کے ورثاء کو دے دیں تو موصی کی مرضی کے بغیر ابتداءً ورثاء کا اس مکان میں استحقاق ماننا پڑے گا حالانکہ دوسرے کے مکان میں مالکِ مکان کے بغیر استحقاق ثابت کرنا ناجائز ہے، اس لیے موصیٰ لہ کی موت کے بعد وہ مکان موصی کے ورثاء کو ملے گا۔

ولو مات الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی کی زندگی میں موصیٰ لہ کا انتقال ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ موصی کا وصیت کرنا ایجاب ہے اور موصیٰ لہ کا قبول کرنا ''قبول'' ہے اور موصیٰ لہ کی طرف سے قبولیت کا اثر موصی کی موت کے بعد ظاہر

ہوتا ہے لیکن یہاں قبول کرنے والا موصی کی موت سے پہلے ہی مر چکا ہے اس لیے قبول کا راستہ مسدود ہو گیا لہٰذا موصی کا ایجاب یعنی وصیت کرنا باطل ہو گیا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ماقبل میں فصل في اعتبار حالة الوصية کے عنوان میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

وَلَوْ أَوْصٰى بِغَلَّةِ عَبْدِهٖ أَوْ دَارِهٖ فَاسْتَخْدَمَهٗ بِنَفْسِهٖ أَوْ سَكَنَهَا بِنَفْسِهٖ قِيْلَ يَجُوْزُ ذٰلِكَ، لِأَنَّ قِيْمَةَ الْمَنَافِعِ كَعَيْنِهَا فِيْ تَحْصِيْلِ الْمَقْصُوْدِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهٗ لَايَجُوْزُ، لِأَنَّ الْغَلَّةَ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيْرُ وَقَدْ وَجَبَتِ الْوَصِيَّةُ بِهَا، وَهٰذَا اِسْتِيْفَاءُ الْمَنَافِعِ وَهُمَا مُتَغَايِرَانِ وَمُتَفَاوِتَانِ فِيْ حَقِّ الْوَرَثَةِ، فَإِنَّهٗ لَوْ ظَهَرَ دَيْنٌ يُمْكِنُهُمْ أَدَاؤُهٗ مِنَ الْغَلَّةِ بِالْإِسْتِرْدَادِ مِنْهُ بَعْدَ اِسْتِغْلَالِهَا وَلَايُمْكِنُهُمْ مِنَ الْمَنَافِعِ بَعْدَ اِسْتِيْفَائِهَا بِعَيْنِهَا.

ترجمه: اگر موصی نے اپنے غلام یا اپنے گھر کی آمدنی کی وصیت کی پھر موصی لہ نے خود غلام سے خدمت لے لی یا خود ہی گھر میں رہنے لگا تو ایک قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے، کیوں کہ منافع کی قیمت مقصود حاصل کرنے میں عین منافع کی طرح ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ آمدن دراہم یا دنانیر ہیں اور انھیں کی وصیت ہوئی ہے اور یہ منافع کی وصولیابی ہے حالانکہ یہ دونوں متغائر ہیں اور ورثاء کے حق میں متفاوت ہیں چنانچہ اگر میت پر قرض نکل آئے تو ورثاء کے لیے موصی لہ کے منافع سے آمدنی حاصل کرنے کے بعد اس سے آمدنی واپس لے کر قرض ادا کرنا ممکن ہے اور عین منافع کو حاصل کرنے کے بعد منافع سے قرض ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللغات:

﴿غلّة﴾ آمدن، کمائی۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿سكن﴾ رہنے لگا۔ ﴿استيفاء﴾ پوری وصولی۔

کسی ذریعہ آمدن کی کمائی کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مثلاً نعمان کے لیے یہ وصیت کی کہ نعمان میرے غلام کی مزدوری لیا کرے یا میرے فلاں مکان کا کرایہ وصول کر کے اپنا کام چلایا کرے، لیکن بھائی نعمان خود ہی اس مکان میں رہنے لگے اور اس غلام سے ٹانگیں دبوانے لگے تو بھائی نعمان کے اس عمل کے جواز اور عدم جواز میں حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے دو قول ہیں (۱) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نعمان کا یہ فعل درست اور جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب موصی نے نعمان کو غلام اور مکان کی آمدنی لینے کا حق اور اختیار دے دیا ہے تو اس کے لیے عین منافع کو حاصل کرنے کا بھی حق ہوگا، اس لیے مقصود کی تحصیل میں غلہ اور منافع دونوں برابر ہیں، لہٰذا موصیٰ لہ غلہ وصول کرے یا منافع دونوں اس کے لیے درست ہیں۔

(۲) والأصح الخ: فرماتے ہیں کہ دوسرے اور اصح قول کے مطابق موصیٰ لہ کو صرف آمدنی وصول کرنے کا حق ہے اور منافع حاصل کرنے کا حق نہیں ہے، کیوں کہ موصیٰ بہ آمدنی ہے، منافع نہیں ہیں اور آمدنی اور منافع میں کھلا ہوا تضاد اور تغایر ہے اور یہ چیزیں ورثاء کے حق میں بھی متفاوت ہیں، اس لیے کہ اگر وصیت کے بعد میت پر دین محیط نکل آئے تو ورثاء کو حق ہے کہ موصیٰ لہ نے منافع سے جو آمدنی حاصل کی ہے اس آمدنی کو واپس لے کر قرض دیا جائے، لیکن اگر موصیٰ لہ منافع حاصل کرلے گا تو ظاہر ہے کہ اس سے قرض کی ادائیگی نہیں ہو سکے گی، اس لیے اس حوالے سے بھی موصیٰ لہ کے لیے موصیٰ بہ کے علاوہ یعنی منافع کو حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

وَلَيْسَ لِلْمُوْصٰى لَهُ بِالْخِدْمَةِ وَالسُّكْنٰى أَنْ يُّوَاجِرَ الْعَبْدَ وَالدَّارَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ لَهُ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ بِالْوَصِيَّةِ مَلَكَ الْمَنْفَعَةَ فَيَمْلِكُ تَمْلِيْكَهَا مِنْ غَيْرِهِ بِبَدَلٍ أَوْ غَيْرِ بَدَلٍ، لِأَنَّهَا كَالْأَعْيَانِ عِنْدَهُ. بِخِلَافِ الْعَارِيَةِ، لِأَنَّهَا إِبَاحَةٌ عَلٰى أَصْلِهِ وَلَيْسَ بِتَمْلِيْكٍ.

ترجمه: اورموصیٰ لہ بالخدمت والسکنیٰ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ غلام اور گھر اجرت پر دیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے یہ حق ہے، کیونکہ وصیت کی وجہ سے موصیٰ لہ منفعت کا مالک ہو چکا ہے لہٰذا موصیٰ لہ اپنے علاوہ ؛منفعت کا مالک بنانے کا مالک ہوگا، خواہ بدل کے عوض ہو یا بدون بدل ہو، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں منفعت اعیان کی طرح ہے۔ برخلاف عاریت کے، اس لیے کہ ان کی اصل کے مطابق عاریت اباحت ہے تملیک نہیں ہے۔

اللغات:

﴿موصٰى لهٗ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿یواجر﴾ اجارہ پر دے، کرائے پر دے۔ ﴿سکنٰی﴾ رہائش۔
﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔

خدمت اور رہائش کا موصی لہ ان چیزوں کو کرائے پر نہیں دے سکتا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کے لیے اپنے غلام کی خدمت یا اپنے گھر میں رہائش کی وصیت کی تو ہمارے یہاں یہ وصیت خدمت اور رہائش ہی کی ہوگی اور موصیٰ لہ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ مذکورہ غلام یا گھر کرایے پر دے کر ان کی آمدنی حاصل کرے، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں موصیٰ لہ کو انھیں کرایے پر دینے کا حق حاصل ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ موصیٰ لہ وصیت کی وجہ سے عبد اور دار کی منفعت کا مالک ہو چکا ہے لہٰذا وہ دوسرے کو ان کی منفعت کا مالک بنا سکتا ہے، خواہ عوض لے کر بنائے یا بدون عوض بنائے، بہرصورت اسے یہ حق حاصل ہے۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں منفعت اعیان کی طرح ہے اور موصیٰ لہ بالأعیان دوسرے کو مالک بنانے کا حق دار ہے، لہٰذا موصیٰ لہ بالمنفعۃ بھی دوسرے کو منفعت کی تملیک کا مالک اور مستحق ہوگا۔

بخلاف العاریة الخ: فرماتے ہیں کہ عاریت کا معاملہ اور مسئلہ وصیت کے برخلاف ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی سے عاریت پر کوئی چیز لے تو مستعیر دوسرے کو وہ چیز عاریت پر نہیں دے سکتا، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عاریت اباحت ہے تملیک نہیں ہے، لہٰذا جب مستعیر خود ہی اس چیز کا مالک نہیں ہے تو دوسرے کو کیا خاک وہ اس کا مالک بنائے گا، فقہ کا ضابطہ یہ ہے کہ **من لایَملِكُ شیأ لایُمَلّکه غیرہ** یعنی جو شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہے وہ دوسرے کو اس چیز کا مالک نہیں بنا سکتا۔

وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّةَ تَمْلِيْكٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ مُضَافٌ إِلٰى مَابَعْدَ الْمَوْتِ فَلَايَمْلِكُ تَمْلِيْكَهُ بِبَدَلٍ اِعْتِبَارًا بِالْإِعَارَةِ فَإِنَّهَا تَمْلِيْكٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ عَلٰى أَصْلِنَا وَلَايَمْلِكُ الْمُسْتَعِيْرُ الْإِجَارَةَ لِأَنَّهَا تَمْلِيْكٌ بِبَدَلٍ كَذَا هٰذَا.

وَتَحْقِيْقُهُ أَنَّ التَّمْلِيْكَ بِبَدَلٍ لَازِمٌ وَبِغَيْرِ بَدَلٍ غَيْرُ لَازِمٍ، وَلَايُمَلِّكُ الْأَقْوٰى بِالْأَضْعَفِ وَالْأَكْثَرُ بِالْأَقَلِّ، وَالْوَصِيَّةُ تَبَرُّعٌ غَيْرُ لَازِمٍ، إِلَّا أَنَّ الرُّجُوْعَ لِلْمُتَبَرِّعِ لَا لِغَيْرِهٖ، وَالْمُتَبَرِّعُ بَعْدَ الْمَوْتِ لَايُمْكِنُهُ الرُّجُوْعُ فَلِهٰذَا انْقَطَعَ، أَمَّا هُوَ فِيْ وَضْعِهٖ فَغَيْرُ لَازِمٌ.

ترجمه: ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت بدون بدل تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہے لہٰذا عاریت پر قیاس کرتے ہوئے موصیٰ لہ بدل کے ذریعے اس کی تملیک کا مالک نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہماری اصل کے مطابق عاریت حالتِ حیات میں تملیک بغیر البدل ہے اور مستعیر اجارے کا مالک نہیں ہے، اس لیے کہ اجارہ بدل کے عوض تملیک ہے، ایسے ہی یہ بھی ہے۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ تملیک بالبدل لازم ہے اور بغیر البدل لازم نہیں ہے اور اضعف کے ذریعے اقویٰ اور اقل کے ذریعے اکثر مملوک نہیں ہوتا اور وصیت ایک غیر لازم تبرع ہے، لیکن متبرع ہی کو حق رجوع حاصل ہے نہ کہ اس کے غیر کو، اور موت کے بعد متبرع کے لیے بھی رجوع ممکن نہیں ہے، لہٰذا رجوع منقطع ہوگیا۔ رہا وصیت کرنا تو وہ اپنی وضع کے اعتبار سے لازم نہیں ہے۔

اللغات:

﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔ ﴿إعارة﴾ ادھار کے طور پر دینا۔ ﴿تبرّع﴾ غیر واجب نفلی عمل۔

ہماری دلیل:

یہاں سے ہماری دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عاریت کی طرح وصیت بھی بغیر بدل کی تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف مضاف ہے، لہٰذا جب موصی نے موصیٰ لہ کو بغیر بدل اور بغیر عوض کے موصیٰ بہ کا مالک بنایا ہے تو موصیٰ لہ کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ وہ عوض اور بدل لے کر دوسرے کو اس کا مالک بنائے جیسا کہ مستعیر دوسرے کو عاریت پر لی ہوئی چیز کا مالک نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اسے کرایے پر دے سکتا ہے، اسی طرح موصیٰ لہ بھی کسی کو موصیٰ بہ کا مالک نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اسے اجارہ اور کرایہ پر دے سکتا ہے۔ اس کی مزید تحقیق یہ ہے کہ تملیک بالبدل لازم ہوتی ہے اور تملیک بدون البدل غیر لازم ہوتی ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ اقل سے اکثر کا اور اضعف سے اقویٰ کا نہ تو مالک بنا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو بنایا جا سکتا ہے اور چوں کہ وصیت غیر لازم تبرع ہے جو اجارہ سے اضعف ہے، کیونکہ اجارہ تبرع لازم ہے، اس لیے وصیت سے موصیٰ لہ اجارہ کی تملیک کا مالک نہیں ہوگا اور اس کے لیے موصیٰ بہ کو اجارہ پر دینا صحیح نہیں ہوگا، اور وصیت اگرچہ عقد غیر لازم ہے اور تبرع غیر لازم ہے، لیکن تبرع میں صرف متبرع ہی کو حق رجوع حاصل ہے، لہٰذا موصی کی موت کے بعد یہ حق ختم ہوجائے گا اور موصی کی موت کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہے۔

وَلِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ عَلٰى أَصْلِنَا وَفِيْ تَمْلِيْكِهَا بِمَالٍ إِحْدَاثُ صِفَةِ الْمَالِيَّةِ فِيْهَا تَحْقِيْقًا لِلْمُسَاوَاةِ فِيْ عَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ فَإِنَّمَا تَثْبُتُ هٰذِهِ الْوِلَايَةُ لِمَنْ يَمْلِكُهَا تَبَعًا لِمِلْكِ الرَّقَبَةِ أَوْ لِمَنْ يَمْلِكُهَا بِعَقْدِ الْمُعَاوَضَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ مُمَلِّكًا لَهَا بِالصِّفَةِ الَّتِيْ تَمَلَّكَهَا، أَمَّا إِذَا تَمَلَّكَهَا مَقْصُوْدَةً بِغَيْرِ عِوَضٍ ثُمَّ مَلَّكَهَا بِعِوَضٍ كَانَ مُمَلِّكًا

أَكْثَرَ مِمَّا تَمَلَّكَهُ مَعْنًى وَهٰذَا لَايَجُوْزُ.

ترجمه: اوراس لیے کہ ہماری اصل کے مطابق منفعت مال نہیں ہے اور مال کے ذریعہ اسے مالک بنانے میں عقد معاوضہ میں مساوات ثابت کرنے کے لیے منفعت میں مالیت کی صفت پیدا کرنا ہے، لہٰذا یہ ولایت اسی شخص کے لیے ثابت ہوگی جو ملکِ رقبہ کی تبعیت سے اس کا مالک ہوا ہو یا اس شخص کو حاصل ہوگی جو عقد معاوضہ کی وجہ سے منفعت کا مالک ہوا ہو یہاں تک کہ یہ شخص جس صفت کے ساتھ منفعت کا مالک ہوا ہے اسی صفت کے ساتھ اس کی تملیک کا بھی مالک ہوگا۔ لیکن اگر وہ شخص مقصود بنا کر بغیر عوض منفعت کا مالک ہوا ہو پھر عوض لے کر وہ منفعت کا مالک بنائے تو معناً وہ اس سے زیادہ کا مالک بنانے والا ہوگا جس کا وہ مالک ہوا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

اللغات:

﴿منفعة﴾ فائدہ۔ ﴿أصلنا﴾ ہمارا ضابطہ۔ ﴿إحداث﴾ پیدا کرنا۔ ﴿مساواة﴾ برابری۔ ﴿مملّك﴾ مالک بنانے والا۔ ﴿تملّك﴾ مالک۔ ﴿عوض﴾ بدل، معاوضہ۔

ہماری دلیل:

یہ ہماری دوسری دلیل ہے اوراس کا حاصل یہ ہے کہ ہماری اصل کے مطابق منفعت مال نہیں ہے، اب اگر ہم موصیٰ لہ بالخدمت والسکنیٰ کو موصیٰ بہ اجارہ پر دینے کی اجازت دے دیں تو منفعت جو مال نہیں ہے اسے مال قرار دینا پڑے گا، کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اوراس میں جانبین سے مال ضروری ہے اس لیے عقد معاوضہ میں مساوات پیدا کرنے کے لیے غیر مال کو مال بنانا پڑے گا حالانکہ موصیٰ لہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ غیر مال میں مال کی صفت پیدا کردے، اس لیے اس حوالے سے بھی موصیٰ لہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ موصیٰ بہ اجرت پر دے۔

فإنما تثبت الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ منافع میں صرف دولوگ ہی مال کی صفت پیدا کرسکتے ہیں (۱) وہ شخص جو ملکِ رقبہ کے طور پر منفعت کا مالک ہوا ہو جیسے مشتری اور وارث (۲) اور وہ شخص جو عقد معاوضہ کی وجہ سے منعفت کا مالک ہوا ہو جیسے مستاجر تو انھیں یہ حق ہے کہ جس صفت پر یہ منفعت کے مالک ہوئے ہیں یعنی عوض اور اجرت دے کر اسی صفت پر یعنی عوض اور اجرت لے کر دوسروں کو یہ اس منفعت کا مالک بنائیں، لیکن جو فری فنڈ اور مفت میں بدون عوض بذریعہ وصیت کسی منفعت کا مالک ہوا ہے اسے ہرگز ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ وہ عوض لے کر کسی کو اس منفعت کا مالک بنائے ورنہ تو جس چیز کا وہ مالک ہے اس سے زائد کا وہ مالک بنانے والا ہوگا حالانکہ یہ درست اور جائز نہیں ہے، اسی لیے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ موصیٰ لہ موصیٰ بہ کی اجرت اور عوض لے کر کسی کو اس کا مالک نہیں بنا سکتا۔

وَلَيْسَ لِلْمُوْصٰى لَهٗ أَنْ يُخْرِجَ الْعَبْدَ مِنَ الْكُوْفَةِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْمُوْصٰى لَهٗ وَأَهْلُهٗ فِيْ غَيْرِ الْكُوْفَةِ فَيُخْرِجُهٗ إِلٰى أَهْلِهٖ لِلْخِدْمَةِ هُنَالِكَ إِذَا كَانَ يَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ إِنَّمَا تَنْفُذُ عَلٰى مَا يُعْرَفُ مِنْ مَقْصُوْدِ الْمُوْصِيْ

فَإِذَا كَانُوْا فِيْ مِصْرِهٖ فَمَقْصُوْدُهٗ أَنْ يُّمَكِّنَهٗ مِنْ خِدْمَتِهٖ فِيْهِ بِدُوْنِ أَنْ يُّلْزِمَهٗ مَشَقَّةَ السَّفَرِ، وَإِذَا كَانُوْا فِيْ غَيْرِهٖ فَمَقْصُوْدُهٗ أَنْ يَحْمِلَ الْعَبْدَ إِلٰى أَهْلِهٖ لِيَخْدِمَهُمْ.

ترجمہ: اور موصیٰ لہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ (موصیٰ بہ) غلام کو کوفہ سے باہر نکالے الّا یہ کہ موصیٰ لہ اور اس کے اہل خانہ کہیں اور رہائش پذیر ہوں تو وہ غلام کو وہاں اپنے اہل کی خدمت کے لیے نکال سکتا ہے بشرطیکہ غلام ثلث سے خارج ہو جاتا ہو۔ کیونکہ وصیت اسی طریقے پر نافذ ہوتی ہے جو موصی کے مقصد سے معلوم ہے پھر جب موصیٰ لہ کے اہل موصی کے شہر میں ہوں تو موصی کا مقصد یہ ہے کہ وہ غلام پر سفر کی مشقت لازم کیے بغیر اسی شہر میں موصیٰ لہ کو غلام سے خدمت لینے کی قدرت دینا چاہتا ہے۔ اور اگر موصیٰ لہ کے اہل شہر موصی کے علاوہ میں ہوں تو موصی کا مقصد یہ ہے کہ موصیٰ لہ غلام کو اپنے گھر لیجائے تاکہ غلام اس کے گھر والوں کی خدمت کر سکے۔

اللغات:

﴿موصیٰ لہ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو۔ ﴿یخرج﴾ نکالے۔ ﴿تنفذ﴾ پوری ہوگی۔ ﴿مصر﴾ شہر۔

خدمت کی وصیت والے غلام کو اس کے شہر سے نکالنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی تو موصیٰ لہ کا اس غلام کو شہر سے باہر لے جانا موصی کی چاہت اور اس کے ارادے پر موقوف ہوگا اور یہ ارادہ قرائن سے معلوم ہوگا چنانچہ اگر موصی اور موصیٰ لہ دونوں کوفہ کے باشندے ہوں لیکن موصیٰ لہ کے اہل کوفہ میں نہ رہتے ہوں اور غلام ثلث سے خارج ہو یعنی موصی کے پاس اس کے علاوہ دو ثلث مال ہو تو اس صورت میں موصیٰ لہ غلام کو کوفہ سے باہر لے جاسکتا ہے تاکہ جہاں اس کے اہل ہوں وہاں وہ غلام ان کی خدمت کرے، کیونکہ موصی کا مقصد یہی ہے کہ موصیٰ بہ یعنی غلام موصیٰ لہ کی خدمت کرے اور ظاہر ہے کہ جہاں موصیٰ لہ کے اہل ہوں گے وہیں خدمت کی ضرورت بھی ہوگی، اس لیے اس صورت میں موصیٰ لہ غلام کو شہر موصی سے باہر لیجا سکتا ہے، لیکن اگر موصیٰ لہ کے اہل خانہ موصی ہی کے شہر میں مقیم ہوں تو اس صورت میں موصیٰ لہ غلام کو اس شہر سے باہر نہیں لے جا سکتا، کیونکہ اب موصی کا مقصد یہ ہے کہ غلام پر سفر کی مشقت نہ آئے اور وہ اسی شہر میں رہ کر موصیٰ لہ اور اس کے اہل خانہ کی خدمت کرے لہٰذا اس صورت میں موصیٰ لہ کو اخراج عبد کا حق نہیں ہوگا۔

وَلَوْ أَوْصٰى بِغَلَّةِ عَبْدِهٖ أَوْ بِغَلَّةِ دَارِهٖ يَجُوْزُ أَيْضًا، لِأَنَّهٗ بَدَلُ الْمَنْفَعَةِ فَأَخَذَ حُكْمَ الْمَنْفَعَةِ فِيْ جَوَازِ الْوَصِيَّةِ بِهٖ كَيْفَ وَأَنَّهٗ عَيْنٌ حَقِيْقَةً، لِأَنَّهٗ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيْرُ فَكَانَ بِالْجَوَازِ أَوْلٰى، وَلَوْلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ غَيْرُهٗ كَانَ لَهٗ ثُلُثُ غَلَّةِ تِلْكَ السَّنَةِ، لِأَنَّهٗ مَالٌ عَيْنٌ يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ بِالْأَجْزَاءِ.

ترجمہ: اور اگر اپنے غلام یا اپنے دار کی آمدنی کی وصیت کی تو یہ وصیت بھی جائز ہے، کیونکہ یہ منفعت کا بدل ہے لہٰذا جواز وصیت

میں منفعت کا حکم لے لے گی اور کیوں نہ لے جب کہ یہ درحقیقت عین ہے، کیونکہ آمدنی یا تو دراہم ہیں یا دنانیر ہیں، لہٰذا اس کی وصیت تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی۔ اور اگر موصی کے پاس اس کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو موصیٰ لہ کو اس کی آمدنی کا ثلث ملے گا، کیونکہ آمدنی مالِ عین ہے اور اس میں تقسیم بالأ جزاء کا احتمال ہے۔

اللغاتُ:

﴿غلّة﴾ آمدن، کمائی۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿منفعة﴾ فائدہ۔ ﴿عین﴾ متعین ہو جانے والی شے۔

اپنے غلام یا اپنے گھر کی آمدن کی وصیت کرنا:

یہ مسئلہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے لیکن صاحب کتاب آئندہ مسئلے کے لیے بطور تمہید اسے دوبارہ بیان کر رہے ہیں، بہر حال صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام یا گھر کی آمدنی کی دوسرے کے لیے وصیت کرے تو یہ وصیت درست اور جائز ہے، کیونکہ یہ منافع کا بدل ہے اور جب منافع کی وصیت جائز ہے تو بدل کی وصیت بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی اور جواز وصیت کے حوالے سے بدل مبدل یعنی منفعت کا حکم لے لے گا اور پھر بدل اور آمدنی تو دراہم و دنانیر ہیں اور یہ حقیقتاً عین ہیں، اس لیے ان کی وصیت کے جواز کا راستہ تو بالکل کھلا اور کلیئر ہے۔

ولو لم یکن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر موصی کے پاس موصیٰ بہ یعنی غلام یا گھر کے علاوہ دوسرا مال نہ ہو اور اس کے ورثاء اس بات پر راضی نہ ہوں کہ موصیٰ بہ کی پوری آمدنی موصیٰ لہ کو ملے تو اس صورت میں موصیٰ لہ کو آمدنی کا ثلث ملے گا، کیونکہ آمدنی عین ہے اور اجزاء اور حصہ کے ذریعے اس کی تقسیم ممکن ہے اس لیے تقسیم بالاجزاء ہی ہوگی اور تقسیم بالمہایات نہیں ہوگی۔

فَلَوْ أَرَادَ الْمُوْصٰى لَهٗ قِسْمَةَ الدَّارِ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْوَرَثَةِ لِيَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَشْتَغِلُ ثُلُثَهَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ إِلَّا فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَإِنَّهٗ يَقُوْلُ الْمُوْصٰى لَهٗ شَرِيْكُ الْوَارِثِ وَلِلشَّرِيْكِ ذٰلِكَ فَكَذٰلِكَ لِلْمُوْصٰى لَهٗ إِلَّا أَنَّا نَقُوْلُ الْمُطَالَبَةُ بِالْقِسْمَةِ تَبْتَنِيْ عَلٰى ثُبُوْتِ الْحَقِّ لِلْمُوْصٰى لَهٗ فِيْمَا يُلَاقِيْهِ الْقِسْمَةَ، إِذْ هُوَ الْمُطَالِبُ، وَلَاحَقَّ لَهٗ فِيْ عَيْنِ الدَّارِ وَإِنَّمَا حَقُّهٗ فِي الْغَلَّةِ فَلَايَمْلِكُ الْمُطَالَبَةَ بِقِسْمَةِ الدَّارِ.

ترجمه: پھر اگر موصیٰ لہ اپنے اور ورثاء کے مابین گھر تقسیم کرنا چاہے تاکہ وہی گھر کا ثلث کرایہ پر دے تو اسے یہ حق نہیں ہوگا۔ مگر امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں (حق ہوگا) چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ موصیٰ لہ وارث کا شریک ہے اور شریک کو یہ حق ہے، لہٰذا موصیٰ کو بھی ہوگا، لیکن ہم کہتے ہیں کہ تقسیم کا مطالبہ موصیٰ لہ کے لیے اس چیز میں ثبوت حق پر مبنی ہے جو تقسیم سے متصل ہے، کیونکہ وہی مطالب ہے اور عین دار میں موصیٰ لہ کا کوئی حق نہیں ہے، اس کا حق تو آمدنی میں ہے، لہٰذا وہ تقسیم دار کے مطالبہ کا حق دار نہیں ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿موصٰى له﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ ﴿تبتنی﴾ مبنی ہوتا ہے۔

موصی بالغلۃ گھر کی ترکے میں حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصیٰ لہ کے لیے گھر کی آمدنی کی وصیت درست اور جائز ہے اور اس گھر کے علاوہ موصی کے پاس کوئی دوسرا مال نہ ہونے کی صورت میں اسے آمدنی کا ثلث ملے گا۔ اب اگر موصیٰ لہ یہ چاہے کہ اس گھر کا بٹوارہ کر کے ثلث لے لے اور خود ہی کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی لیا کرے تو قولِ محقق اور قولِ جمہور کے مطابق اسے یہ حق نہیں ہے، البتہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک روایت کے مطابق موصیٰ لہ کو یہ حق ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ موصی کے ترکہ میں موصیٰ لہ وارث کا شریک ہے اور شریک کو گھر کی تقسیم کے مطالبے کا حق ہے، لہٰذا موصیٰ لہ کو بھی یہ حق ہوگا کہ وہ گھر کی تقسیم کا مطالبہ کرے۔

قول جمہور کی دلیل یہ ہے کہ موصیٰ لہ کے لیے تقسیمِ دار کے مطالبے کا حق اس وقت ہوتا جب دار میں اس کا حصہ ہوتا اور حالت یہ ہے کہ یہاں دار میں موصیٰ لہ کا حق نہیں ہے، بل کہ اس کا حق فقط آمدنی میں ہے، لہٰذا وہ آمدنی کو تو ہر طرح سے تقسیم کر سکتا ہے، لیکن دار کی تقسیم کا نام بھی نہیں لے سکتا۔

وَلَوْ أَوْصٰى لَهٗ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَ لِاٰخَرَ بِرَقَبَتِهٖ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ فَالرَّقَبَةُ لِصَاحِبِ الرَّقَبَةِ، وَالْخِدْمَةُ عَلَيْهَا لِصَاحِبِ الْخِدْمَةِ، لِأَنَّهٗ أَوْجَبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَيْئًا مَعْلُوْمًا عَطْفًا مِنْهُ لِأَحَدِهِمَا عَلَى الْاٰخَرِ فَتُعْتَبَرُ هٰذِهِ الْحَالَةُ بِحَالَةِ الْإِنْفِرَادِ.

ترجمہ: اور اگر موصی نے کسی کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے غلام کے رقبہ کی اور وہ غلام تہائی سے نکل جاتا ہے تو رقبہ صاحبِ رقبہ کے لیے ہوگا اور صاحبِ خدمت کے لیے اس پر خدمت ہوگی، کیونکہ موصی نے ان میں سے ہر ایک کے لیے شئ معلوم کا ایجاب کیا ہے اپنی طرف سے ان میں ایک کا دوسرے پر عطف کرتے ہوئے، لہٰذا حالت عطف کو حالت انفراد پر قیاس کیا جائے گا۔

اللغاتُ:

﴿رقبة﴾ غلام کی ذات۔ ﴿أوجب﴾ ثابت کر دیا ہے۔ ﴿انفراد﴾ اکیلے ہونے کی صورت میں۔

خدمت اور رقبہ کی متصل وصیت کرنا:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نعمان کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی اور سلمان کے لیے اس کے رقبہ کی وصیت کی اور ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور یوں کہا کہ میں نے نعمان کے لیے خدمت کی وصیت کی اور سلمان کے لیے رقبہ کی وصیت کی اور غلام ثلث سے خارج ہو جاتا ہے تو موصیٰ لہ بالخدمت کے لیے خدمت ہوگی اور موصیٰ لہ بالرقبہ کے لیے رقبہ ہوگا، اس لیے کہ موصی نے ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ طور پر علاحدہ علاحدہ شئ یعنی خدمت اور رقبہ کا ایجاب کیا ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا حصہ اسی حساب سے دیا جائے گا، جیسے اگر موصی الگ الگ اور انفرادی طور پر دونوں کے لیے وصیت کرتا تو بھی انھیں اسی حساب سے حصہ دیا جائے گا، یعنی عطف والی حالت کو انفرادی حالت پر قیاس کیا جائے گا۔

ثُمَّ لَمَّا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ لِصَاحِبِ الْخِدْمَةِ فَلَوْ لَمْ يُوْصِ فِي الرَّقَبَةِ بِشَيْءٍ لِصَارَتِ الرَّقَبَةُ مِيْرَاثًا لِلْوَرَثَةِ مَعَ كَوْنِ الْخِدْمَةِ لِلْمُوْصٰى لَهُ فَكَذَا إِذَا أَوْصٰى بِالرَّقَبَةِ لِإِنْسَانٍ اٰخَرَ وَهِيَ تَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ أَوْ أَوْصٰى لِرَجُلٍ بِخَاتَمٍ وَ لِاٰخَرَ بَفَصِّهِ أَوْ قَالَ هٰذِهِ الْقَوْصَرَةُ لِفُلَانٍ وَمَافِيْهَا مِنَ التَّمْرَةِ لِفُلَانٍ كَانَ كَمَا أَوْصٰى، وَلَاشَيْءَ لِصَاحِبِ الظَّرْفِ فِي الْمَظْرُوْفِ فِيْ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ كُلِّهَا.

ترجمہ: پھر جب صاحبِ خدمت کے لیے وصیت صحیح ہے تو اگر رقبہ کے متعلق کوئی وصیت نہ کرتا تو رقبہ ورثاء کی میراث ہوجاتا اس حال میں کہ خدمت موصیٰ کے لیے ہوتی، تو اسی طرح جب موصی نے دوسرے شخص کے لیے رقبہ کی وصیت کی ہو (یہی حکم ہوگا) کیوں کہ وصیت میراث کی بہن ہے اس حیثیت سے کہ دونوں میں موت کے بعد ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

اور اس کی بہت سے نظیریں ہیں مثلاً یہ کہ جب موصی نے کسی شخص کے لیے باندی کی وصیت کی اور جو باندی کے پیٹ میں ہے اس کی وصیت دوسرے کے لیے کی اور باندی ثلث سے نکل جاتی ہے۔ یا کسی شخص کے لیے انگوٹھی کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے اس کے نگینہ کی وصیت کی یا یوں کہا یہ ٹوکری فلاں کے لیے ہے اور اس میں جو کھجوریں ہیں وہ دوسرے فلاں کے لیے ہیں تو یہ اسی طرح ہوگا جیسے اس نے وصیت کی ہے اور ان تمام مسائل میں صاحبِ ظرف کے لیے مظروف میں کچھ نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿صحّت﴾ صحیح ہوچکی۔ ﴿لم یوص﴾ وصیت نہ کی۔ ﴿موصٰی له﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ ﴿خاتم﴾ انگوٹھی۔ ﴿فصّ﴾ نگینہ۔ ﴿قوصرة﴾ ٹوکری۔ ﴿تمرة﴾ کھجور۔

مذکورہ بالا مسئلہ کی توجیہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب غلام کے رقبہ کی وصیت دوسرے کے لیے ہو اور خدمت کی وصیت دوسرے کے لیے ہو تو یہ صحیح ہے، کیونکہ اگر موصی کسی کے لیے رقبہ کی وصیت نہ کرتا اور صرف خدمت کی وصیت کرتا تو ظاہر ہے کہ رقبہ ورثاء کے لیے ہوتا اور خدمت موصیٰ لہ کے لیے اور اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے اس لیے کہ جس طرح میراث میں مورث کی موت کے بعد ورثاء کے لیے ملکیت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح وصیت میں بھی موصی کی موت کے بعد ہی موصی لہ کے لیے ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ الحاصل جب ایک غلام میں موصیٰ لہ اور ورثاء مشترک ہوسکتے ہیں تو پھر اس میں دو موصیٰ لہ بدرجۂ اولیٰ مشترک ہوسکیں گے اور ایک کے لیے رقبہ کی وصیت اور دوسرے کے لیے خدمت کی وصیت صحیح ہوگی۔

ولها نظائر الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ایک چیز میں دو لوگوں کا اشتراک اور اجتماع صرف صورت مسئلہ ہی میں نہیں ہے، بلکہ اس کی اور بھی بہت سے مثالیں اور نظیریں ہیں جن میں سے تین کو یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

(۱) ایک شخص نے وصیت کی کہ میری فلاں باندی نعمان کی ہے اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ سلمان کے لیے ہے اور وہ باندی موصی کے ثلث سے خارج ہوجاتی ہے تو یہ وصیت درست ہے۔

(۲) کسی نے اپنی انگوٹھی کی وصیت ایک شخص کے لیے کی اور اس کے نگینے کی وصیت دوسرے کے لیے کی تو یہاں بھی وصیت مشترک ہے اور درست ہے۔

(۳) سلیم نے وصیت کی کہ یہ ٹوکری نعمان کی ہے اور اس میں جو پھل ہیں وہ سلمان کے ہیں تو حسب وصیت ٹوکری نعمان کی ہوگی اور پھل نعمان کے ہوں گے۔ اب دیکھئے ان تینوں نظیروں میں موصیٰ بہ ایک ہی چیز ہے اور وہ الگ الگ حوالوں سے دولوگوں کے درمیان مشترک ہے لہٰذا جس طرح ان نظائر میں مشترک وصیت صحیح ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی غلام واحد کی وصیت خدمت اور رقبہ کے حوالے سے دولوگوں کے حق میں صحیح ہوگی۔

ولا شیئ الخ: فرماتے ہیں کہ یہ جو تین نظیریں پیش کی گئی ہیں ان میں باندی، انگوٹھی اور ٹوکری ظرف ہیں اور حمل، نگینہ اور پھل مظروف ہیں لہٰذا نہ تو صاحب ظرف کو مظروف میں حصہ ملے گا اور نہ ہی مظروف والے کو ظرف میں حصہ ملے گا۔

أَمَّا إِذَا فَصَّلَ أَحَدَ الْإِيْجَابَيْنِ عَنِ الْآخَرِ فِيْهَا فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَعَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْأَمَةُ لِلْمُوْصٰى لَهُ بِهَا، وَالْوَلَدُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَكَذٰلِكَ فِيْ أَخَوَاتِهَا لِأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ بِإِيْجَابِهِ فِي الْكَلَامِ الثَّانِيْ تَبَيَّنَ أَنَّ مُرَادَهُ مِنَ الْكَلَامِ الْأَوَّلِ إِيْجَابُ الْأَمَةِ لِلْمُوْصٰى لَهُ بِهَا دُوْنَ الْوَلَدِ، وَهٰذَا الْبَيَانُ مِنْهُ صَحِيْحٌ وَإِنْ كَانَ مَفْصُوْلًا، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ لَاتُلْزِمُ شَيْئًا فِيْ حَالِ حَيَاةِ الْمُوْصِيْ فَكَانَ الْبَيَانُ الْمَفْصُوْلُ فِيْهِ وَالْمَوْصُوْلُ سَوَاءً كَمَا فِيْ وَصِيَّةِ الرَّقَبَةِ وَالْخِدْمَةِ، وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ اِسْمَ الْخَاتِمِ يَتَنَاوَلُ الْحَلْقَةَ وَالْفَصَّ وَكَذٰلِكَ اِسْمَ الْجَارِيَةِ يَتَنَاوَلُهَا وَمَا فِيْ بَطْنِهَا، وَاسْمَ الْقَوْصَرَةِ كَذٰلِكَ وَمِنْ أَصْلِنَا أَنَّ الْعَامَّ الَّذِيْ مُوْجَبُهُ ثُبُوْتُ الْحُكْمِ عَلٰى سَبِيْلِ الْإِحَاطَةِ بِمَنْزِلَةِ الْخَاصِّ.

ترجمہ: لیکن اگر موصی نے دو ایجابوں میں سے ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں یہی حکم ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر باندی اسی کی ہوگی جس کے لیے باندی کی وصیت کی گئی ہو اور بچہ ان کے مابین نصف نصف ہوگا اور ایسا ہی اس کی اخوات میں بھی ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کلام ثانی میں موصی کے ایجاب سے یہ واضح ہوگیا کہ کلام اول سے موصی کی مراد اس شخص کے لیے باندی کا ایجاب ہے جس کے لیے اس نے باندی کی وصیت کی ہے اور اس کے لیے بچہ کا ایجاب مقصود نہیں ہے اور موصی کا یہ بیان صحیح ہے اگر چہ مفصول ہے، اس لیے کہ موصی کی زندگی میں وصیت کوئی چیز واجب نہیں کرتی، لہٰذا اس میں مفصول اور موصول بیان برابر ہے جیسے رقبہ اور خدمت کی وصیت میں ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ خاتم حلقہ اور نگینہ دونوں کو شامل ہے ایسے ہی لفظ جاریہ جاریہ اور اس کے پیٹ کے حمل کو شامل ہے اور یہی حال لفظ ٹوکری کا بھی ہے۔ اور ہماری اصل یہ ہے کہ وہ عام جس کا موجب بر سبیل احاطہ حکم کا ثبوت ہو وہ خاص کے

درجے میں ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿فصّل﴾ علیحدہ علیحدہ ذکر کیا۔ ﴿أمة﴾ باندی۔ ﴿تبیّن﴾ واضح ہوگیا۔ ﴿لا تلزم﴾ لازم نہیں کرتی۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔ ﴿خاتم﴾ انگوٹھی۔ ﴿فصّ﴾ نگینہ۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں دونوں وصیتوں کے مابین فصل کرنے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی باندی اور حمل کی وصیت ایک ساتھ نہ کرے بلکہ اس میں فصل کردے اور پہلے نعمان کے لیے باندی کی وصیت کرے اور پھر درمیان میں فصل کردے یعنی کوئی دسری بات یا کوئی دسرا کام کرنے کے بعد سلمان کے لیے اس کے حمل کی وصیت کرے تو اس میں حضرات صاحبین عِیَسَیْا کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ماقبل والے مسئلے کی طرح ہے یعنی اس صورت میں بھی باندی نعمان کی ہوگی اور بچہ سلمان کا ہوگا اور وصل ہی کی طرح فصل کا بھی حکم ہوگا۔

جب کہ امام محمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے یہاں وصل اور فصل کا حکم الگ الگ ہے، لہٰذا فصل والی اس صورت میں امام محمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے یہاں باندی نعمان کی ہوگی اور بچے میں نعمان سلمان دونوں شریک ہوں گے۔ اور دونوں کو نصف نصف ملے گا۔ ان حضرات کا یہی اختلاف انگوٹھی اور نگینہ میں اور ٹوکری اور پھل کی وصیت میں بھی ہے یعنی امام ابو یوسف رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے یہاں دونوں موصی لہ کو الگ الگ کر کے دونوں چیزیں دی جائیں گی اور امام محمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے یہاں انگوٹھی اور ٹوکری موصی لہ اول کے لیے ہوگی اور نگینہ اور پھل دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا۔

حضرت اما ابو یوسف رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی دلیل یہ ہے کہ صورتِ مسئلہ میں موصی کا کلام ثانی یعنی دوسرے شخص کے لیے حمل اور ولد کی وصیت کرنا بیانِ تغییر نہیں ہے، بل کہ وہ تفسیر محض ہے اور جب اس کا کلام ثانی تغییر نہیں ہے تو اس میں وصل ضروری نہیں ہوگا، وصل تغییر کے لیے ضروری ہے۔ اور جب موصی نے کلام ثانی سے ولد کی وصیت کی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ کلام اول سے جو اس نے باندی کے لیے وصیت کی ہے وہ وصیت صرف باندی ہی کے لیے ہے اور اسی کی ذات تک محدود ہے اور اس وصیت میں بچہ داخل نہیں ہے، بلکہ دوسری وصیت دوسرے شخص کے لیے ہے اور موصی کا یہ بیان صحیح ہے اگر چہ فصل کے بعد ہے، کیونکہ وصیت سے موصی کی زندگی میں کوئی چیز لازم نہیں ہوتی اور موصی بہ موصی کی موت کے بعد لازم اور ثابت ہوتا ہے اور چوں کہ لزوم سے پہلے یہ وضاحت آگئی ہے کہ بچہ دوسرے کے لیے ہے تو اگر چہ یہ وضاحت مفصول ہے لیکن پھر بھی صحیح ہے جیسے اگر موصی رقبۂ غلام کی وصیت ایک شخص کے لیے کرے اور خدمت غلام کی وصیت دوسرے کے لیے کرے تو دونوں موصی لہ کا حق ایک دوسرے سے الگ ہوگا خواہ موصولاً یہ وصیت ہو یا مفصولاً بہر دوصورت رقبہ اور خدمت علاحدہ علاحدہ طور پر دونوں کے لیے ہوں گی اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی باندی اور بچہ دونوں کے لیے علاحدہ علاحدہ ہوں گے اور کسی میں بھی اشتراک نہیں ہوگا۔

ولمحمد أن اسم الخاتم الخ: یہاں سے حضرت امام محمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خاتم، جاریہ اور قوصرۃ یہ تینوں الفاظ عام ہیں چنانچہ خاتم انگوٹھی اور نگینہ سب کو شامل ہے اسی طرح جاریہ باندی اور مافی بطنہا کو شامل ہے۔

قوصرہ ٹوکرہ اور مافیہا کو شامل ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جو عام بر سبیلِ احاطہ شمول رکھتا ہے وہ خاص کے حکم میں ہوتا ہے۔ اب جب موصی نے نعمان کے لیے خاتم یا جاریہ یا قوصرہ کی وصیت کی تو عام کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے موصی لہ کے لیے خاتم کے ساتھ نگینہ، جاریہ کے ساتھ ولد اور قوصرۃ کے ساتھ پھل بھی وصیت بن گیا، لیکن جب اس نے نگینہ یا ولد یا پھل کی وصیت دوسرے کے لیے کردی تو اب اس میں تعارض ہوگیا اور چوں کہ خاتم، جاریہ یا قوصرہ کی وصیت نہیں کی ہے، اس لیے یہ چیزیں تو موصی لہ اول کے لیے سالم رہیں گی تعارض تو نگینہ، ولد اور پھل میں ہے۔ اور صورت مسئلہ میں عام اور خاص دونوں قطعی ہیں، عام خاتم وغیرہ کے نگینہ وغیرہ کو بر سبیل عموم شامل ہونے کی وجہ سے قطعی ہے اور نگینہ وغیرہ علاحدہ سے خاص ہیں ہی لہٰذا جب دونوں قطعی ہیں اور دونوں کے دعوے دار موجود ہیں تو پھر تعارض ثابت ہے اور اس تعارض کو ختم کرنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ نگینہ یا ولد یا پھل میں دونوں کا اشتراک ثابت کردیا جائے اور دونوں کو نصف نصف دے دیا جائے۔

فَقَدْ اِجْتَمَعَ فِي الْفَصِّ وَصِيَّتَانِ وَكُلٌّ مِنْهُمَا وَصِيَّةٌ بِإِيْجَابٍ عَلٰى حِدَةٍ فَيُجْعَلُ الْفَصُّ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ، وَلَايَكُوْنُ إِيْجَابُ الْوَصِيَّةِ فِيْهِ لِلثَّانِي رُجُوْعًا عَنِ الْأَوَّلِ كَمَا إِذَا أَوْصٰى لِلثَّانِي بِالْخَاتِمِ، بِخِلَافِ الْخِدْمَةِ مَعَ الرَّقَبَةِ، لِأَنَّ اِسْمَ الرَّقَبَةِ لَايَتَنَاوَلُ الْخِدْمَةَ وَإِنَّمَا يَخْدُمُهُ الْمُوْصٰى لَهٗ بِحُكْمِ أَنَّ الْمَنْفَعَةَ حَصَلَتْ عَلٰى مِلْكِهٖ فَإِذَا أَوْجَبَ الْخِدْمَةَ لِغَيْرِهٖ لَايَبْقٰى لِلْمُوْصٰى لَهٗ فِيْهِ حَقٌّ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْكَلَامُ مَوْصُوْلًا، لِأَنَّ ذٰلِكَ دَلِيْلُ التَّخْصِيْصِ وَالْاِسْتِثْنَاءِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهٗ أَوْجَبَ لِصَاحِبِ الْخَاتِمِ الْحَلْقَةَ خَاصَّةً دُوْنَ الْفَصِّ.

ترجمہ: چنانچہ نگینہ میں دو وصیتیں جمع ہوگئیں اور ان میں سے ہر ایک علاحدہ ایجاب کے ساتھ وصیت ہے، لہٰذا نگینہ ان کے مابین دو نصف کردیا جائے گا اور اس میں دوسرے کے لیے وصیت کا ایجاب پہلے سے رجوع نہیں ہوگا جیسے اس صورت میں جب موصی نے دوسرے کے لیے خاتم کی وصیت کی۔ برخلاف رقبہ کے ساتھ خدمت کی وصیت کے، کیونکہ لفظ رقبہ خدمت کو شامل نہیں ہے اور موصی لہ اس وجہ سے خدمت لیتا ہے کہ منفعت اس کی ملکیت پر حاصل ہوئی ہے پھر جب موصی نے موصی لہ بالرقبہ کے علاوہ کے لیے خدمت کا ایجاب کیا تو اس میں موصی لہ کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔

برخلاف اس صورت کے جب کلام موصول ہو، کیونکہ یہ تخصیص اور استثناء کی دلیل ہے، تو یہ واضح ہوگیا کہ موصی نے صاحب خاتم کے لیے خاص کر حلقہ کا ایجاب کیا ہے نہ کہ نگینہ کا۔

اللغات:

﴿فص﴾ نگینہ۔ ﴿خاتم﴾ انگوٹھی۔ ﴿موصٰی لہ﴾ جس کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ ﴿موصول﴾ متصل ہے، ملا ہوا ہے۔ ﴿تخصیص﴾ خاص کرنا۔

نگینہ اور انگوٹھی کی دو آدمیوں کے لیے وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ماقبل والی تفصیل سے یہ بات سامنے آگئی کہ انگوٹھی کا حلقہ تو موصی لہ اول کے لیے ہے اور اس کے

نگینہ میں دو وصیتیں جمع ہیں اور دونوں الگ الگ ایجاب سے ہیں اس لیے نگینہ کو دونوں موصیٰ لہ کے مابین آدھا آدھا تقسیم کر دیں گے اور دوسرے کے لیے جو وصیت ہے اسے اول سے رجوع نہیں قرار دیں گے، کیونکہ اول اور ثانی کے حق میں وصیت الگ الگ ہے، لہٰذا دونوں اس کے مستحق ہوں گے اور ایک کی وجہ سے دوسرے کا حق نہیں ختم ہوگا۔

بخلاف الخدمة الخ: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ان مسائل کو رقبہ اور خدمت کی وصیت پر قیاس کیا تھا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان مسائل ثلاثہ کو رقبہ اور خدمت کی وصیت والے مسئلے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ لفظ رقبہ میں خدمت کسی طرح سے بھی داخل اور شامل نہیں ہے جب کہ خاتم میں فص داخل اور شامل ہے تو جب مقیس علیہ اور مقیس میں اس قدر تفاوت ہے تو بھلا آخر کیسے قیاس درست ہے۔

رہا سوال موصیٰ لہ بالرقبہ کے غلام سے خدمت لینے کا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موصیٰ لہ بالرقبہ اس لیے غلام سے خدمت نہیں لیتا کہ رقبہ خدمت کو شامل ہے بل کہ وہ تو اس لیے خدمت لیتا ہے کہ خدمت کے منافع موصیٰ لہ ہی کی ملکیت پر حاصل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر موصی موصیٰ لہ بالرقبہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے خدمت کی وصیت کر دے تو پھر اس موصیٰ لہ بالرقبہ کا حق خدمت سے ختم ہو جائے گا اور اس کے لیے خدمت لینا صحیح نہیں ہوگا۔

بخلاف ما إذا كان الكلام الخ: فرماتے ہیں کہ اگر موصی نے دوسرے کے لیے متصلاً نگینہ کی وصیت کر دی تو اس صورت میں کلام ثانی یعنی دوسری وصیت استثناء اور تخصیص کی دلیل ہوگی اور یہ سمجھا جائے گا کہ موصی موصیٰ لہ اول کو صرف حلقہ دینا چاہتا ہے اور نگینہ وہ دوسرے کو دے رہا ہے، لہٰذا اس صورت میں نگینہ موصیٰ لہ ثانی کا ہوگا اور اس میں صاحب خاتم کی دال نہیں گلے گی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى لِآخَرَ بِثَمَرَةِ بُسْتَانِهٖ ثُمَّ مَاتَ وَفِيْهِ ثَمَرَةٌ فَلَهٗ هٰذِهِ الثَّمَرَةُ وَحْدَهَا، وَإِنْ قَالَ لَهٗ ثَمَرَةُ بُسْتَانِيْ أَبَدًا فَلَهٗ هٰذِهِ الثَّمَرَةُ وَثَمَرَتُهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ مَاعَاشَ، وَإِنْ أَوْصٰى لَهٗ بِغَلَّةِ بُسْتَانِهٖ فَلَهُ الْغَلَّةُ الْقَائِمَةُ وَغَلَّتُهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ، وَالْفَرْقُ أَنَّ الثَّمَرَةَ اِسْمٌ لِلْمَوْجُوْدِ عُرْفًا فَلَايَتَنَاوَلُ الْمَعْدُوْمَ إِلَّا بِدَلَالَةٍ زَائِدَةٍ مِثْلُ التَّنْصِيْصِ عَلَى الْأَبَدِ، لِأَنَّهٗ لَايَتَأَبَّدُ إِلَّا بِتَنَاوُلِ الْمَعْدُوْمِ، وَالْمَعْدُوْمُ مَذْكُوْرٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا، أَمَّا الْغَلَّةُ تَنْتَظِمُ الْمَوْجُوْدَ وَمَايَكُوْنُ بِعَرْضِ الْوُجُوْدِ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرٰى.

ترجمہ: جس نے دوسرے کے لیے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی پھر موصی مرگیا اور باغ میں پھل ہیں تو موصیٰ لہ کے لیے صرف یہی پھل ہوں گے۔ اور اگر موصی نے یوں کہا کہ اس کے لیے ہمیشہ میرے باغ کے پھل ہیں تو اسے یہ پھل بھی ملیں گے اور آئندہ جب تک وہ زندہ رہے گا اسے پھل ملتے رہیں گے۔ اور اگر موصی نے موصیٰ لہ کے لیے اپنے باغ کی آمدنی کی وصیت کی تو اسے موجودہ آمدنی اور آئندہ حاصل ہونے والی آمدنی ملے گی۔ اور فرق یہ ہے کہ پھل عرفاً موجود کا نام ہے، لہٰذا دلالت زائدہ کے بغیر وہ ابدی نہیں ہوگا اور معدوم قابل ذکر ہوتا ہے اگر چہ وہ شئ نہ ہو۔ رہی آمدنی تو وہ موجود کو بھی شامل ہوتی ہے اور جو یکے بعد دیگرے معرض وجود میں آئے اسے بھی شامل ہوتی ہے۔

اللغات:

❀أوصٰی❀ وصیت کی۔ ❀ثمرة❀ پھل۔ ❀بستان❀ باغ۔ ❀ماعاش❀ جب تک زندہ رہا۔ ❀غلّة❀ آمدن، کمائی۔
❀لا یتناول❀ نہیں مشتمل ہوگا۔

اپنے باغ کے پھلوں کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر نعمان نے مثلاً سلمان کے لیے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کی اور یوں کہا کہ میرے باغ کے پھل سلمان کے لیے ہیں، پھر موصی کا انتقال ہوگیا تو اس کے باغ میں جو پھل موجود ہوں گے، موصیٰ لہ صرف انھی پھلوں کا مستحق ہوگا اور آئندہ کے پھلوں کا مستحق نہیں ہوگا۔ ہاں اگر موصی یوں کہہ دے کہ سلمان کے لیے ہمیشہ میرے باغ کے پھل ہیں یعنی اس نے ابدی طور پر اس کے لیے پھلوں کی وصیت کردی تو اس سال کے پھل بھی سلمان کے ہوں گے اور آئندہ جب تک سلمان زندہ رہے گا اس وقت تک وہ موصی کے باغ سے پھل لیتا رہے گا۔

اس کے برخلاف اگر موصی نے سلمان کے لیے اپنے باغ کی آمدنی کی وصیت کی تو موصیٰ لہ اس سال کی بھی آمدنی لے گا اور آئندہ سالوں کی بھی لے گا اگر چہ موصی نے ابدیت کی صراحت نہ کی ہو پھر بھی موصیٰ لہ زندگی بھر آمدنی کا مستحق ہوگا۔

والفرق أن الثمرة الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ثمرۃ اور غلہ یعنی پھل اور آمدنی میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ عرف میں ثمرۃ ان پھلوں کو کہتے ہیں جو فی الحال موجود ہوں، اس لیے پھل کی وصیت معدوم پھلوں کو شامل نہیں ہوگی، اس لیے کہ جب تک موجود کے ساتھ معدوم کی شمولیت نہیں ہوگی اس وقت تک لفظ ثمرہ میں تابید نہیں ہوگی اور معدوم اگر چہ فی الوقت کوئی شئ نہیں ہے لیکن ذکر کے قابل ہے اس لیے تابید کے لیے اس کی شمولیت ضروری ہے اور شمولیت کے لیے تابید کی صراحت ضروری ہے، لہٰذا جہاں تابید ہے وہاں ہم نے موصیٰ لہ کو تاحیات مستحق قرار دے دیا ہے اور جہاں تابید نہیں ہے وہاں موصیٰ لہ کے لیے ہم نے صرف موجودہ پھلوں کا استحقاق ثابت کیا ہے۔

اس کے برخلاف لفظ غلہ ہے تو وہ عرف اور وضع دونوں اعتبار سے مؤبد ہے اور موجود اور معدوم دونوں کو شامل ہے کیونکہ آمدنی وہی ہے جو یوماً فیوماً حاصل ہوتی رہے، اس لیے لفظ غلہ سے وصیت کرنے کی صورت میں موصیٰ لہ کے لیے دائمی طور پر آمدنی ثابت ہوگی، اگر چہ موصی تابید کی صراحت نہ کرے۔ صاحب ہدایہ اسے مثال سے واضح کررہے ہیں دیکھئے۔

يُقَالُ فُلَانٌ يَأْكُلُ مِنْ غَلَّةِ بُسْتَانِهِ وَمِنْ غَلَّةِ أَرْضِهِ وَدَارِهِ فَإِذَا أُطْلِقَتْ تَتَنَاوَلُهُمَا عُرْفًا غَيْرَ مَوْقُوْفٍ عَلٰى دَلَالَةٍ أُخْرٰى، أَمَّا الثَّمَرَةُ إِذَا أُطْلِقَتْ لَايُرَادُ بِهَا إِلَّا الْمَوْجُوْدُ فَلِهٰذَا يَفْتَقِرُ الْإِنْصِرَافُ إِلٰى دَلِيْلٍ زَائِدٍ.

ترجمه: کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے باغ کی آمدنی کھاتا ہے، اپنی زمین کی آمدنی اور اپنے گھر کی آمدنی کھاتا ہے پھر جب لفظ غلہ مطلق بولا جائے تو یہ عرفاً موجود معدوم دونوں کو شامل ہوگا اور دوسری دلالت پر موقوف نہیں ہوگا، لیکن ثمرۃ جب مطلق بولا جائے تو اس سے صرف موجود مراد ہوگا، اسی لیے دلیل زائد کی طرف انصراف کی ضرورت ہوگی۔

اللغات:

﴿غلة﴾ آمدن، کمائی۔ ﴿بستان﴾ باغ۔ ﴿أطلقت﴾ مطلق رکھا گیا۔ ﴿تتناول﴾ شامل ہوگا۔ ﴿ثمرة﴾ پھل۔
﴿یفتقر﴾ محتاج ہوگا۔ ﴿انصراف﴾ پھرنا۔

توجیہ مسئلہ مذکورہ بالا:

پھل اور آمدنی کا فرق اس مثال سے بھی واضح ہے چنانچہ اگر کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ اپنے باغ کی آمدنی کھاتا ہے یا اپنے گھر یا اپنی زمین کی آمدنی سے کھاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس سے کھاتا ہے اور پھل کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ پھل ہمیشہ کھایا جاتا ہے، لہٰذا جب غلہ مطلق بولا جائے گا تو اس سے موجود اور معدوم دونوں مراد ہوں گے اور اس کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن جب لفظ ثمرۃ مطلق بولا جائے تو اس سے صرف موجود پھل مراد ہوں گے اور جب تک تابید پر کوئی دلیل نہیں ہوگی اس وقت تک یہ معدوم کو شامل نہیں ہوگا، اسی لیے فرمایا فلھذا یفتقر الانصراف إلی دلیل زائد۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰی لِرَجُلٍ بِصُوْفِ غَنَمِهٖ أَبَدًا أَوْ بِأَوْلَادِهَا أَوْ بِلَبَنِهَا ثُمَّ مَاتَ فَلَهٗ مَافِيْ بُطُوْنِهَا مِنَ الْوَلَدِ وَمَافِيْ ضُرُوْعِهَا مِنَ اللَّبَنِ وَمَا عَلٰی ظُهُوْرِهَا مِنَ الصُّوْفِ يَوْمَ يَمُوْتُ الْمُوْصِيْ سَوَاءٌ قَالَ أَبَدًا أَوْ لَمْ يَقُلْ، لِأَنَّهٗ إِيْجَابٌ عِنْدَ الْمَوْتِ فَيُعْتَبَرُ قِيَامُ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ يَوْمَئِذٍ، وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ، وَالْفَرْقُ أَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبٰی تَمْلِيْكَ الْمَعْدُوْمِ، لِأَنَّهٗ لَايَقْبَلُ الْمِلْكَ إِلَّا أَنَّ فِي الثَّمَرَةِ وَالْغَلَّةِ الْمَعْدُوْمَةِ جَاءَ الشَّرْعُ بِوُرُوْدِ الْعَقْدِ عَلَيْهَا كَالْمُعَامَلَةِ وَالْإِجَارَةِ فَاقْتَضٰی ذٰلِكَ جَوَازَهٗ فِي الْوَصِيَّةِ بِالطَّرِيْقِ الْأَوْلٰی، لِأَنَّ بَابَهَا أَوْسَعُ، أَمَّا الْوَلَدُ الْمَعْدُوْمُ وَأُخْتَاهُ فَلَايَجُوْزُ إِيْرَادُ الْعَقْدِ عَلَيْهَا أَصْلًا، وَلَاتَسْتَحِقُّ بِعَقْدٍ مَّا فَكَذٰلِكَ لَايَدْخُلُ تَحْتَ الْوَصِيَّةِ، بِخِلَافِ الْمَوْجُوْدِ مِنْهَا لِأَنَّهٗ يَجُوْزُ اِسْتِحْقَاقُهَا بِعَقْدِ الْبَيْعِ تَبَعًا وَبِعَقْدِ الْخُلَعِ مَقْصُوْدًا فَكَذَا بِالْوَصِيَّةِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی شخص کے لیے دائمی طور پر اپنی بکریوں کی اُون کی وصیت کی یا بکریوں کی اولاد یا ان کے دودھ کی وصیت کی پھر موصی مرگیا تو موصیٰ لہ کے لیے وہ بچے ہوں گے جو بکریوں کے پیٹ میں ہیں اور ان کی چھاتیوں میں موجود دودھ ہوگا اور ان کی پشت پر موجود اون ہوگی جس دن موصی مرے گا خواہ اس نے اَبدًا کہا ہو یا نہ کہا ہو، کیونکہ یہ موت کے وقت کا ایجاب ہے، لہٰذا اس دن ان چیزوں کا موجود ہونا معتبر ہوگا۔ اور یہ ماقبل والے مسئلے کے برخلاف ہے۔

اور فرق یہ ہے کہ قیاس معدوم کی تملیک کا منکر ہے، کیونکہ معدوم ملک کو قبول نہیں کرتا لیکن ثمرۂ معدومہ اور غلۂ معدومہ پر عقد وارد ہونے کے متعلق شریعت وارد ہوئی ہے جیسے مساقات اور اجارہ لہٰذا یہ بدرجۂ اولیٰ اس کی وصیت کے جواز کا مقتضی ہوگا، کیونکہ وصیت کا باب بہت وسیع ہے۔ رہا ولد معدوم اور اس کی اخوات تو ان پر عقد وارد کرنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے اور نہ ہی کسی عقد سے

ان کا استحقاق ہوسکتا ہے لہٰذا یہ وصیت کے تحت داخل نہیں ہوں گے۔ برخلاف ان میں سے موجود کے، کیونکہ عقد بیع کے تابع کر کے ان کا استحقاق جائز ہے اور عقد خلع کے ساتھ مقصود بن کر جائز ہے تو اسی طرح وصیت کے ساتھ بھی ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللغاتُ:

﴿صوف﴾ اون۔ ﴿غنم﴾ بھیڑ بکریاں۔ ﴿لبن﴾ دودھ۔ ﴿بطون﴾ واحد بطن: پیٹ۔ ﴿ضروع﴾ واحد ضرع: تھن۔ ﴿ظھور﴾ واحد ظھر: کمر۔ ﴿یأبٰی﴾ انکار کرتا ہے۔

بکریوں کی اون دودھ یا بچوں کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کے لیے یہ وصیت کی کہ اسے ہمیشہ میری بکریوں کی اون دی جائے یا بکریوں کے بچے دیئے جائیں یا اسے ہمیشہ میری بکریوں کا دودھ دیا جائے اور پھر موصی کا انتقال ہوجائے تو موصیٰ لہ کو وہی اون یا دودھ اور بچے ملیں گے جو بوقت وصیت بکریوں میں موجود ہوں گے، کیونکہ وصیت موت ہی کے وقت ایجاب بنے گی، لہٰذا موصی کی موت کے وقت ان اشیاء کا موجود ہونا ضروری ہے، لہٰذا موصی کی موت کے وقت بکریوں میں جو اون اور دودھ اور بچے موجود ہوں گے، موصیٰ لہ انھی کا مستحق ہوگا اور آئندہ کے اون اور دودھ وغیرہ کا مستحق نہیں ہوگا اگرچہ موصی اس میں تابید کی شرط لگادے۔

اس کے برخلاف ثمرہ اور غلہ کا معاملہ ہے تو ثمرہ لفظ تابید سے موبد ہوجاتا ہے اور غلہ خود ہی تابید اور دوام پر دال ہے، اس لیے ان میں تابید سے ابدیت اور دائمیت ثابت ہوگی، لیکن صوف، اولاد اور لبن میں ابدیت ثابت نہیں ہوگی۔

والفرق الخ: صاحب کتاب صوف وغیرہ میں اور ثمرہ وغلہ میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صوف، اولاد اور لبن سب معدوم ہیں، اسی طرح ثمرہ اور غلہ بھی معدوم ہے، اس لیے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ معدوم کی تملیک ہی صحیح نہ ہو، کیونکہ معدوم میں تملیک مفید نہیں ہے، کیونکہ معدوم ملکیت کو قبول ہی نہیں کرتا، لہٰذا ان تمام اشیاء میں وصیت کی ابدیت درست نہیں ہے، لیکن ثمرہ اور غلہ میں معدوم ہونے کے باوجود شریعت نے عقد مساقات اور عقد اجارہ کے ورود کو جائز قرار دیا ہے، اس لیے ان کی وصیت بھی جائز ہوگی اور اس میں تابید بھی متحقق ہوگی۔ اور ان کے علاوہ لبن، صوف اور اولاد کے معدوم ہونے کی صورت میں شریعت نے ان پر کوئی عقد جائز نہیں قرار دیا ہے اور نہ ہی کسی عقد سے ان کا استحقاق ثابت کیا ہے، اس لیے یہ بحالت عدم کسی بھی عقد کے تحت نہیں آئیں گے اور وصیت بھی چوں کہ ایک عقد ہے، لہٰذا بحالت عدم یہ وصیت کے تحت بھی داخل نہیں ہوں گے اور بوقت وصیت ان کی جو پوزیشن ہوگی وہی موصیٰ لہ کو ملے گی اور آئندہ اسے کچھ نہیں ملے گا۔

بخلاف الموجود منھا الخ: فرماتے ہیں کہ صوف، لبن اور اولاد میں سے جو چیزیں موجود ہیں ان میں عقد بیع کے ضمن میں تبعاً عقد اور استحقاق دونوں چیزیں درست ہیں چنانچہ اگر کسی نے بکری بیچی تو بکری کے تابع ہوکر اس کا اون اور دودھ سب بیع میں داخل ہوں گے اور خلع میں تو قصداً یہ اشیاء عقد میں داخل ہوتی ہیں، چنانچہ اگر کسی بیوی نے اپنے شوہر سے یہ کہہ کر خلع کیا کہ میری بکری کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ بدلِ خلع ہے تو قصداً اس بچے پر خلع صحیح ہے، لہٰذا ان میں سے موجود پر جس طرح عقد بیع اور عقد خلع درست ہے اسی طرح وصیت بھی ان میں سے موجود پر درست ہے، لیکن معدوم پر درست نہیں ہے اور تابید کا تعلق معدوم ہی سے ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تابید کی صراحت کے باوجود ان میں تابید صحیح اور ثابت نہیں ہے۔

بَابُ وَصِيَّةِ الذِّمِّي

یہ باب ذمی کی وصیت کے بیان میں ہے

اس سے پہلے مسلمانوں کی وصیت کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور اب یہاں سے ذمیوں کی وصیت سے متعلق احکام ومسائل بیان کیے جائیں گے، کیونکہ معاملات کے حق میں ذمی مسلمانوں کے تابع ہیں اور ظاہر ہے کہ تابع کا نمبر متبوع کے بعد ہی ہوتا ہے۔

قَالَ وَإِذَا صَنَعَ يَهُوْدِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ بِيْعَةً أَوْ كَنِيْسَةً فِيْ صِحَّتِهٖ ثُمَّ مَاتَ فَهُوَ مِيْرَاثٌ، لِأَنَّ هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْوَقْفِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، وَالْوَقْفُ عِنْدَهٗ يُوْرَثُ وَلَايَلْزَمُ فَكَذَا هٰذَا، وَأَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّ هٰذِهٖ مَعْصِيَةٌ فَلَا تَصِحُّ عِنْدَهُمَا.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر یہودی یا نصرانی نے اپنی صحت کے زمانے میں بیعہ یا کنیسہ بنایا پھر وہ مرگیا تو اس کی بنائی ہوئی چیز میراث ہے، کیونکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ وقف کے درجے میں ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وقف میراث ہوتا ہے، لازم نہیں ہوتا لہٰذا یہ بھی ایسے ہی ہوگا۔ رہا صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں تو یہ معصیت ہے لہٰذا ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿صنع﴾ بنایا۔ ﴿بیعة﴾ عیسائی عبادت گاہ۔

کافر کی بنائی ہوئی عبادت گاہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی یہودی نے کنیسہ بنایا یا کسی نصرانی نے بیعہ بنایا اور صحت کی حالت میں بنایا اور پھر صانع کی موت ہوگئی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیعہ اور کنیسہ کو اس کے ورثاء کے مابین تقسیم کیا جائے گا، اس لیے کہ حضرت الامام کے یہاں یہ تعمیر وقف کے درجے میں ہے اور وقف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میراث میں تقسیم ہوتا ہے، لازم نہیں ہوتا، اسی لیے حضرت الامام کے یہاں یہ مرنے والے کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف حضرات صاحبین کے یہاں وقف لازم تو ہوتا ہے لیکن وہی وقف لازم ہوتا ہے جو معصیت نہ ہو اور کنیسہ اور بیعہ معصیت ہے، اس لیے اس کا وقف ہی صحیح نہیں ہے اور، جب وقف صحیح نہیں ہے تو

اسے میراث میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

قَالَ وَلَوْ أَوْصٰى بِذٰلِكَ لِقَوْمٍ مُسَمِّيْنَ فَهُوَ مِنَ الثُّلُثِ مَعْنَاهُ إِذَا أَوْصٰى أَنْ تُبْنٰى دَارُهُ بِيْعَةً أَوْ كَنِيْسَةً فَهُوَ جَائِزٌ مِنَ الثُّلُثِ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ فِيْهَا مَعْنَى الْإِسْتِخْلَافِ وَمَعْنَى التَّمْلِيْكِ، وَلَهُ وِلَايَةُ ذٰلِكَ فَأَمْكَنَ تَصْحِيْحُهُ عَلٰى اِعْتِبَارِ الْمَعْنَيَيْنِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر بنوانے والے نے بیعہ یا کنیسہ کی کسی معین قوم کے لیے وصیت کی تو وہ تہائی مال سے معتبر ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ یہ وصیت کرے کہ اس کے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنا دیا جائے تو اس کی وصیت ثلث سے جائز ہے، کیونکہ وصیت میں استخلاف اور تملیک کے معنیٰ ہیں اور ذمی کو اس کی ولایت حاصل ہے، لہٰذا دونوں معنوں کے اعتبار سے اس کی تصحیح ممکن ہے۔

اللغاتُ:

﴿مسمّین﴾ نامزد کیے ہوئے۔ ﴿تبنٰی﴾ بنایا جائے، تعمیر کیا جائے۔ ﴿بیعة﴾ گرجا، چرچ۔ ﴿کنیسة﴾ سینا گاگ، یہودی عبادت گاہ۔

کافر کی اپنے گھر کو عبادت گاہ بنا دینے کی وصیت کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ذمی نے کسی معین قوم کو یہ وصیت کی کہ میرے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنا دیا جائے تو اس کی یہ وصیت درست اور جائز ہے اور تہائی مال سے اس کا نفاذ ہوگا، کیونکہ وصیت میں دو معنی پائے جاتے ہیں (۱) استخلاف (۲) تملیک اور ذمی استخلاف کا بھی مالک ہے اور تملیک کا بھی مالک ہے، لہٰذا دونوں معنوں کے اعتبار سے اس کی وصیت صحیح ہے اس لیے استخلاف والے معنی کا اعتبار کر کے ہم نے ثلث میں اس کو جائز قرار دیا اور تملیک کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ معین قوم کے لیے اس کی وصیت صحیح ہے تا کہ انھیں کما حقہ اس کا مالک بنایا جا سکے۔

قَالَ وَإِنْ أَوْصٰى بِدَارِهٖ كَنِيْسَةً لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسَمِّيْنَ جَازَتِ الْوَصِيَّةُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَالَا الْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّ هٰذِهٖ مَعْصِيَةٌ حَقِيْقَةً وَإِنْ كَانَ فِيْ مُعْتَقَدِهِمْ قُرْبَةً وَالْوَصِيَّةُ بِالْمَعْصِيَةِ بَاطِلَةٌ لِمَا فِيْ تَنْفِيْذِهَا مِنْ تَقْرِيْرِ الْمَعْصِيَةِ، وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ هٰذِهٖ قُرْبَةٌ فِيْ مُعْتَقَدِهِمْ وَنَحْنُ أُمِرْنَا بِأَنْ نَتْرُكَهُمْ وَمَا يَدِيْنُوْنَ فَتَجُوْزُ بِنَاءً عَلٰى اِعْتِقَادِهِمْ، أَلَا يُرٰى أَنَّهُ لَوْ أَوْصٰى بِمَا هُوَ قُرْبَةٌ حَقِيْقَةً مَعْصِيَةٌ فِيْ مُعْتَقَدِهِمْ لَاتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ اِعْتِبَارًا لِاِعْتِقَادِهِمْ فَكَذَا عَكْسُهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر یہودی نے غیر متعین قوم کے لیے اپنا گھر کنیسہ بنانے کی وصیت کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وصیت جائز ہے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وصیت باطل ہے، کیونکہ یہ حقیقتاً معصیت ہے اگر چہ ذمیوں کے اعتقاد میں قربت

ہے اور معصیت کی وصیت باطل ہے، کیونکہ اسے نافذ کرنے میں معصیت کا اثبات ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ان کے اعتقاد میں قربت ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ انھیں ان کے اعتقاد پر چھوڑ دیں، لہٰذا ان کے اعتقاد پر بناء کرتے ہوئے وصیت جائز ہے، کیا دِکھتا نہیں کہ اگر ذمی نے ایسی چیز کی وصیت کی جو در حقیقت قربت ہو لیکن ان کے اعتقاد میں معصیت ہو تو ان کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے وصیت جائز نہیں ہے تو ایسے ہی اس کا برعکس بھی ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿کنیسة﴾ سینا گاگ، یہودی معبد۔ ﴿معصیة﴾ گناہ، نافرمانی کا کام۔ ﴿معتقد﴾ اعتقادات۔ ﴿قربة﴾ نیکی کا عمل۔ ﴿اُمِرنا﴾ مأمور ہیں۔ ﴿ما یدینون﴾ جو وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔

کافر کی اپنے گھر کو عبادت گاہ بنا دینے کی وصیت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمی نے غیر معین اور غیر محصور قوم کے لیے یہ وصیت کی کہ وہ اس کے گھر کو بیعہ یا کنیسہ بنادیں تو اس وصیت کے جواز میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں بھی وصیت جائز ہے جب کہ حضرات صاحبین علیہما الرحمہ کے یہاں یہ وصیت باطل ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہ درحقیقت ایک معصیت ہے اور معصیت کی وصیت باطل ہے اگر چہ ذمیوں کے اعتقاد میں بیعہ اور کنیسہ بنانا قربت اور عبادت ہے، لیکن ہمارے یہاں یہ معصیت ہے اور اس کی وصیت کو نافذ کرنے میں معصیت کا اثبات لازم آرہا ہے، جو کسی بھی حال میں صحیح نہیں ہے۔

ولأبي حنیفة رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بیعہ اور کنیسہ بنانا ذمیوں کے اعتقاد میں قربت اور عبادت ہے اور ہمیں ان کے اعتقاد سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے منع کر دیا گیا ہے، لہٰذا حقیقت میں معصیت ہونے کے باوجود ان کے اعتقاد اور دین کے پیش نظر اس وصیت کو جائز قرار دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر ذمی اپنے گھر کو مسجد بنانے کی وصیت کرے تو فی نفسہ یہ وصیت قربت ہے، لیکن ان کے اعتقاد میں چوں کہ یہ معصیت ہے اور جواز اور عدم جواز کا مدار ان کے اعتقاد ہی پر ہوتا ہے لہٰذا ان کے اعتقاد کی طرف نظر کرتے ہوئے مسجد بنانے کی وصیت باطل ہے۔

ثُمَّ الْفَرْقُ لِأَبِيْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ بَیْنَ بَنَاءِ الْبِیْعَةِ وَالْکَنِیْسَةِ وَبَیْنَ الْوَصِیَّةِ بِهٖ أَنَّ الْبِنَاءَ نَفْسَهُ لَیْسَ بِسَبَبٍ لِزَوَالِ مِلْكِ الْبَانِيْ، وَإِنَّمَا یَزُوْلُ مِلْکُهُ بِأَنْ یَصِیْرَ مُحْرَزًا خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰی کَمَا فِيْ مَسَاجِدِ الْمُسْلِمِیْنَ، وَالْکَنِیْسَةُ لَمْ تَصِرْ مُحْرَزَةً لِلّٰهِ تَعَالٰی حَقِیْقَةً فَتَبْقٰی مِلْکًا لِلْبَانِيْ فَتُوْرَثُ عَنْهُ، وَلِأَنَّهُمْ یَبْنُوْنَ فِیْهَا الْحُجُرَاتِ وَیَسْکُنُوْنَهَا فَلَمْ یَتَحَرَّزْ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْعِبَادِ، وَفِيْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ یُوْرَثُ الْمَسْجِدُ أَیْضًا لِعَدَمِ تَحَرُّزِهٖ، بِخِلَافِ الْوَصِیَّةِ، لِأَنَّهُ وُضِعَ لِإِزَالَةِ الْمِلْكِ إِلَّا أَنَّهُ اِمْتَنَعَ ثُبُوْتُ مُقْتَضَاهُ فِيْ غَیْرِ مَا هُوَ قُرْبَةٌ عِنْدَهُمْ فَبَقِيَ مَاهُوَ قُرْبَةٌ عَلٰی مُقْتَضَاهُ

فَيَزُوْلُ مِلْكُهُ فَلَا يُوْرَثُ.

ترجمہ: پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیعہ اور کنیسہ بنانے میں اور اس کی وصیت کرنے میں فرق یہ ہے کہ نفسِ بناء ملکِ بانی کے زوال کے سبب نہیں ہے اور اس کی ملکیت اس طور پر زائل ہوتی ہے کہ وہ محرز اور اللہ کے لیے خالص ہو جائے جیسے مسلمانوں کی مسجدیں ہیں۔ اور کنیسہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لیے محرز نہیں ہوتا، لہٰذا یہ بانی کی ملکیت بن کر باقی رہے گا اور اسے میراث میں تقسیم کیا جائے گا اور اس لیے بھی کہ یہ لوگ کنیسہ میں کمرے بنا کر ان میں رہتے ہیں تو اس کے ساتھ بندوں کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے وہ محرز نہیں ہوا اور اس صورت میں محرز نہ ہونے کی وجہ سے مسجد بھی میراث ہو جائے گی۔ برخلاف وصیت کے، کیونکہ وصیت ازالۂ ملک کے لیے وضع کی گئی ہے، لیکن جو ان کے اعتقاد میں قربت نہ ہو اس میں وصیت کے مقتضیٰ کا ثبوت ممتنع ہے، لہٰذا جو قربت ہے اس کی وصیت اپنے مقتضیٰ پر باقی رہے گی اور بانی کی ملکیت زائل ہو جائے گی، اس لیے وہ میراث نہیں بنے گی۔

اللغات:

﴿بناء﴾ تعمیر کرنا۔ ﴿بانی﴾ تعمیر کرنے والا، معمار۔ ﴿محرز﴾ لینے والا۔ ﴿تُورث﴾ وارث بنتے ہیں۔ ﴿حجرات﴾ واحد حجرہ؛ کمرے۔

امام صاحب پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب:

یہاں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ جب ذمی بیعہ یا کنیسہ بنانے کی وصیت کرتا ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز قرار دیتے ہیں اور اگر وہ اپنی زندگی میں بیعہ یا کنیسہ بنا دے تو اس کی وصیت باطل قرار دے کر حضرت الامام اس میں میراث جاری کرتے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ اسی کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بناء اور وصیت میں فرق ہے لہٰذا دونوں کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانکنا درست نہیں ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ نفسِ بناء سے بانی کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، کیونکہ کنیسہ یا بیعہ بنانے سے اس صورت میں بانی کی ملکیت زائل ہوتی جب یہ خالص اللہ کے لیے محرز ہوتی حالانکہ کنیسہ میں یہود رہائشی کمرے بنوا کر اس میں قیام کرتے ہیں اور اس کے ساتھ حق العباد متعلق ہوتا ہے اور جب کنیسہ اور بیعہ میں بانی کی ملکیت باقی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی موت کے بعد وہ چیز اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگی اور اس میں وصیت باطل ہوگی۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کی جو مسجدیں ہیں وہ خالص اللہ کے لیے محرز اور وقف ہوتی ہیں اور مساجد سے واقف کی ملکیت یکسر زائل ہو جاتی ہے، اسی لیے مساجد میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی مسلمان عارضی طور پر اپنی زمین میں مسجد بنا لے پھر اس کے اوپر اپنا گھر بنا لے تو عدم احراز کی وجہ سے یہ مسجد بھی میراث میں تقسیم ہونے لگے گی۔

اس کے برخلاف وصیت کا معاملہ ہے تو وصیت کی وضع ہی اسی لیے ہوئی ہے تاکہ موصیٰ بہ موصی کی ملکیت سے خارج ہو جائے، البتہ اس میں یہ دھیان رکھا جائے گا کہ وصیت اسی چیز میں صحیح اور مؤثر ہوگی جو ذمیوں کے اعتقاد میں قربت ہوگی اور جو چیز ان کے اعتقاد میں قربت نہیں ہوگی، اس میں وصیت نہ تو صحیح ہوگی اور نہ ہی مؤثر ہوگی اور جس چیز میں وصیت صحیح ہوگی اس سے موصی

کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور زوالِ ملک کے بعد وہ چیز موصی کے ورثاء میں تقسیم نہیں ہو سکے گی۔

ثُمَّ الْحَاصِلُ أَنَّ وَصَايَا الذِّمِّيِّ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ مِنْهَا أَنْ تَكُوْنَ قُرْبَةً فِيْ مُعْتَقَدِهِمْ وَلَاتَكُوْنُ قُرْبَةً فِيْ حَقِّنَا وَهُوَ مَاذَكَرْنَاهُ، وَمَا إِذَا أَوْصَى الذِّمِّيُّ بِأَنْ تُذْبَحَ خَنَازِيْرُهُ وَتُطْعَمَ الْمُشْرِكِيْنَ، وَهٰذِهِ عَلَى الْخِلَافِ إِذَا كَانَ لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسَمِّيْنَ كَمَا ذَكَرْنَاهُ وَالْوَجْهُ مَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: پھر حاصل یہ ہے کہ ذمی کی وصیتیں چار قسموں پر ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ وصیت ان کے اعتقاد میں قربت ہو اور ہمارے حق میں قربت نہ ہو اور یہ وہی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر ذمی نے یہ وصیت کی کہ اس کے خنزیروں کو ذبح کیا جائے اور مشرکین کو کھلایا جائے یہی مختلف فیہ صورت ہے جب وصیت غیر معین قوم کے لیے ہو جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں اور دلیل وہی ہے جسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿قربة﴾ نیکی کا کام۔ ﴿معتقد﴾ اعتقاد، ایمان۔ ﴿تذبح﴾ ذبح کیا جائے۔ ﴿تطعم﴾ کھلا دیا جائے۔ ﴿غیر مسمین﴾ غیر نامزد، نامعلوم۔

ذمی کی وصیت کی اقسام:

صاحب ہدایہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل اور دلائل کے بیان سے فارغ ہو کر خلاصے کے طور پر فرماتے ہیں کہ بھائی ذمی کی وصایا چار قسموں پر ہیں، ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ وہ ایسی چیز کی وصیت کرے جو ان کے حق میں قربت ہو اور ہمارے حق میں زحمت اور معصیت ہو جیسے بیعہ اور کنیسہ کی وصیت یا ذمی کی یہ وصیت کہ اس کے خنزیروں کو ذبح کر کے مشرکین کو کھلا دیا جائے تو یہ بھی اس کے حق میں قربت ہے اور ہمارے حق میں معصیت ہے اب اگر غیر معین قوم کے لیے یہ وصیت ہو تو اس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف ہے یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ وصیت درست ہے اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں باطل ہے اور ماقبل میں جو فریقین کے دلائل ہیں وہ اس میں بھی جاری ہیں۔

وَمِنْهَا مَا إِذَا أَوْصَى بِمَايَكُوْنُ قُرْبَةً فِيْ حَقِّنَا وَلَايَكُوْنُ قُرْبَةً فِيْ مُعْتَقَدِهِمْ كَمَا إِذَا أَوْصَى بِالْحَجِّ أَوْ بِأَنْ يُبْنٰى مَسْجِدُ الْمُسْلِمِيْنَ أَوْ بِأَنْ يُسْرَجَ فِيْ مَسَاجِدِ الْمُسْلِمِيْنَ وَهٰذِهِ الْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ بِالْإِجْمَاعِ اِعْتِبَارًا لِاعْتِقَادِهِمْ إِلَّا إِذَا كَانَ لِقَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ لِوُقُوْعِهِ تَمْلِيْكًا، لِأَنَّهُمْ مَعْلُوْمُوْنَ وَالْجِهَةُ مَشْوَرَةٌ.

ترجمہ: اور ان میں سے دوسری صورت یہ ہے کہ جب ذمی نے اس چیز کی وصیت کی جو ہمارے حق میں قربت ہو اور ان کے اعتقاد میں قربت نہ ہو جیسے اگر وہ حج کی وصیت کرے یا مسلمانوں کی مسجد بنانے کی وصیت یا یہ وصیت کرے کہ مسلمانوں کی مسجدوں میں چراغ جلایا جائے تو ان کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے بالاتفاق یہ وصیت باطل ہے الا یہ کہ کسی معین قوم کے لیے وصیت ہو تو اس

کے تملیک واقع ہونے کی وجہ سے (وصیت صحیح ہے) کیونکہ موصی لہم معلوم ہیں اور جہت مشورہ ہے۔

اللغات:

﴿اوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿قربة﴾ نیکی کا کام۔ ﴿معتقد﴾ ایمان، عقیدہ۔ ﴿یبنٰی﴾ تعمیر کیا جائے۔ ﴿یسرج﴾ چراغ جلایا جائے۔ ﴿اعیان﴾ متعین افراد۔ ﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔

دوسری قسم:

ذمی کی وصیت کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ ایسی چیز کی وصیت کرے جو ہمارے حق میں قربت ہو لیکن ذمیوں کے اعتقاد میں قربت نہ ہو مثلاً ذمی یہ وصیت کرے کہ میرے مال سے کسی مسلمان کو حج کرادیا جائے یا مسلمانوں کی مسجد تعمیر کردی جائے یا میرے مال سے مسلمانوں کی مساجد میں چراغ جلا دیا جائے۔ تو ان صورتوں میں اگر غیر معین قوم کے لیے وصیت ہے تب تو ذمیوں کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے بالاتفاق وصیت باطل ہے۔ اور اگر کسی معین قوم کے لیے وصیت ہے تو جائز ہے، اس لیے کہ موصی لہم معلوم اور متعین ہیں اور یہ وصیت ان کے حق میں تملیک بن کر درست ہے۔ رہا اس کا یہ کہنا کہ میرے مال سے حج کرادیا جائے یا مسجد بنا دی جائے تو اس کو اس کی طرف سے امر لابدی نہیں قرار دیں گے، کیونکہ یہ اس کے اعتقاد کے خلاف ہے۔ ہاں یہ اس کی طرف سے مشورہ ہوگا اور موصی لہم جہاں چاہیں گے اس کے مال یعنی موصٰی بہ کو خرچ کرنے کے مجاز ہوں گے۔

وَمِنْهَا إِذَا أَوْصٰى بِمَا يَكُوْنُ قُرْبَةً فِيْ حَقِّنَا وَفِيْ حَقِّهِمْ بِأَنْ يُسْرَجَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ أَوْ يُغْزٰى التُّرْكُ وَهُوَ مِنَ الرُّوْمِ، وَهٰذَا جَائِزٌ سَوَاءٌ كَانَ الْقَوْمُ بِأَعْيَانِهِمْ أَوْ بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمْ، لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِمَا هُوَ قُرْبَةٌ حَقِيْقَةً وَفِيْ مُعْتَقَدِهِمْ أَيْضًا.

ترجمه: اور ان میں تیسری قسم یہ ہے کہ جب ذمی نے ایسی چیز کی وصیت کی جو ہمارے اور ان کے حق میں قربت ہو جیسے اس نے بیت المقدس میں چراغ جلانے کی وصیت کی یا ترک یعنی روم سے جنگ کی وصیت کی تو یہ جائز ہے خواہ قوم معین ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ یہ ایسی چیز کی وصیت ہے جو حقیقتاً قربت ہے اور ان کے اعتقاد میں بھی قربت ہے۔

اللغات:

﴿قربة﴾ نیکی کا کام۔ ﴿یسرج﴾ چراغ جلائے جائیں۔ ﴿یغزی﴾ جنگ کی جائے۔ ﴿معتقد﴾ عقیدہ۔

تیسری قسم:

یہ ذمی کی وصایا کی تیسری قسم ہے جو ہمارے یہاں بھی قربت ہے اور ان کے اعتقاد میں بھی قربت ہے مثلاً بیت المقدس میں چراغ جلانے کی وصیت یا رومیوں سے جنگ کرنے کی وصیت کہ ہمارے اور ان کے دونوں فریقوں کے یہاں یہ قربت ہے، اس لیے مطلقاً یہ وصیت جائز ہے خواہ موصی لہم معین ہوں یا نہ ہوں، بہر دوصورت یہ وصیت صحیح ہے، کیونکہ صحتِ وصیت کا مدار قربت پر ہے اور یہاں جانبین میں قربت موجود ہے۔

وَمِنْهَا إِذَا أَوْصٰى بِمَا لَايَكُوْنُ قُرْبَةً لَا فِيْ حَقِّنَا وَلَا فِيْ حَقِّهِمْ كَمَا إِذَا أَوْصٰى لِلْمُغَنِّيَاتِ وَالنَّائِحَاتِ فَإِنَّ هٰذَا غَيْرُ جَائِزٍ، لِأَنَّهُ مَعْصِيَةٌ فِيْ حَقِّنَا وَفِيْ حَقِّهِمْ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ لِقَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ فَيَصِحُّ تَمْلِيْكًا وَاسْتِخْلَافًا.

ترجمه: اورانھیں میں سے ہے جب ذمی نے ایسی چیز کی وصیت کی جو نہ تو ہمارے حق میں قربت ہے اور نہ ہی ان کے حق میں جیسے اگر اس نے گانے والی عورتوں اور نوحہ کرنے والی عورتوں کی وصیت کی تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ہمارے حق میں بھی معصیت ہے اوران کے حق میں بھی معصیت ہے۔لیکن اگر معین قوم کے لیے ہوتو صحیح ہے تملیک اور استخلاف دونوں اعتبار سے۔

اللغات:

﴿مغنّیات﴾ گلوکار عورتیں۔ ﴿نائحات﴾ نوحہ کرنے والیاں۔ ﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔

چوتھی قسم:

وصایا ذمی کے اقسام اربعہ میں سے یہ سب سے آخری اور چوتھی قسم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ذمی کسی ایسی چیز کی وصیت کرے جو نہ ہمارے حق میں قربت ہو اور نہ ہی ذمیوں کے حق میں قربت ہو مثلاً وہ گانے والی عورتوں کے لیے وصیت کرے یا نوحہ کرنے والیوں کے لیے وصیت کرے تو یہ وصیت درست اور جائز نہیں ہے، اس لیے کہ گانا گانا اور نوحہ کرنا ہمارے حق میں بھی معصیت ہے اور ذمیوں کے حق میں بھی معصیت ہے اور معصیت کی وصیت درست نہیں ہے۔

ہاں اگر کسی معین قوم کے لیے یہ وصیت ہو تو اس صورت میں وصیت درست ہے، لیکن من حیث القربت نہیں، بل کہ من حیث التملیک والاستخلاف اور تملیک واستخلاف میں قربت نہیں دیکھی جاتی۔

وَصَاحِبُ الْهَوٰى إِنْ كَانَ لَايُكَفَّرُ فَهُوَ فِيْ حَقِّ الْوَصِيَّةِ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِيْنَ، لِأَنَّا أُمِرْنَا بِبِنَاءِ الْأَحْكَامِ عَلَى الظَّاهِرِ، وَإِنْ كَانَ يُكَفَّرُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ فَيَكُوْنُ عَلَى الْخِلَافِ الْمَعْرُوْفِ فِيْ تَصَرُّفَاتِهِ بَيْنَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَصَاحِبَيْهِ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، وَفِي الْمُرْتَدَّةِ الْأَصَحُّ أَنَّهُ تَصِحُّ وَصَايَاهَا، لِأَنَّهَا تَبْقٰى عَلَى الرِّدَّةِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ أَوْ يُسْلِمُ.

ترجمه: اور صاحب بدعت کی اگر تکفیر نہ کی جاتی ہو تو وصیت کے حق میں وہ مسلمانوں کے درجے میں ہے، کیونکہ ہمیں ظاہر پر احکام مبنی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر اس کی تکفیر کی جاتی ہو تو وہ مرتد کے درجے میں ہوگا، لہٰذا وہ اسی اختلاف پر ہوگا جو امام اعظم رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے مابین اس کے تصرفات کے متعلق مشہور ہے۔ اور مرتدہ کے بارے میں اصح یہ ہے کہ اس کے وصایا صحیح ہوں گے، کیونکہ وہ ردت پر باقی رہ سکتی ہے۔ برخلاف مرتد کے، اس لیے کہ وہ قتل کیا جائے گا یا مسلمان ہوگا۔

اللغات:

﴿صاحب الھویٰ﴾ بدعتی۔ ﴿لایکفّر﴾ تکفیر نہ کی جاتی ہو۔ ﴿امرنا﴾ ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ﴿بناء﴾ بنیاد رکھنا۔

﴿یقتل﴾ قتل کیا جاتا ہے۔

اہل بدعت کی وصیتیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بدعتی مسلمان کی تکفیر نہ کی جاتی ہو اور وہ کفریہ اعمال کا ارتکاب نہ کرتا ہو تو وصیت کے حق میں وہ مسلمانوں کے درجے میں ہے اور جن امور میں مسلمانوں کی وصیت نافذ ہوتی ہے ان میں اس کی وصیت بھی نافذ ہوگی، کیونکہ ہمیں ظاہر حال پر حکم لگانے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ظاہر حال کے مطابق ہم مسلمان کو مسلمان ہی سمجھیں گے اور اس کی وصیت کو نافذ قرار دیں گے، لیکن اگر بدعتی کی تکفیر کی جاتی ہو تو وہ مرتد کے درجے میں ہوگا اور مرتد کے متعلق حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف مشہور ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مرتد کے تصرفات موقوف ہوتے ہیں اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں، لہٰذا اسی اختلاف پر اس کی وصیت بھی ہوگی۔

لیکن اگر وصیت کرنے والی عورت ہو اور وہ سڑی ہوئی بدعتی ہو تو مرتدہ ہونے کے باوجود وہ وصیت کے حق میں ذمیہ کی طرح ہوگی اور ذمیہ کی طرح اس کے تصرفات نافذ ہوں گے، کیونکہ عورت ردّت پر باقی رہ سکتی ہے، لیکن مرد اگر مرتد ہو تو وہ ردت پر قائم نہیں رہ سکتا، اس لیے کہ اس کے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں (۱) قتل (۲) اسلام، لہٰذا مرتد ذمی کے حق میں نہیں ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَأَوْصٰى لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ بِمَالِهٖ كُلِّهٖ جَازَ، لِأَنَّ امْتِنَاعَ الْوَصِيَّةِ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ لِحَقِّ الْوَرَثَةِ وَلِهٰذَا يَنْفُذُ بِإِجَازَتِهِمْ وَلَيْسَ لِوَرَثَتِهٖ حَقٌّ مَرْعِيٌّ لِكَوْنِهِمْ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ إِذْ هُمْ أَمْوَاتٌ فِيْ حَقِّنَا، وَلِأَنَّ حُرْمَةَ مَالِهٖ بِاعْتِبَارِ الْأَمَانِ، وَالْأَمَانُ كَانَ لِحَقِّهٖ لَا لِحَقِّ وَرَثَتِهٖ، وَلَوْ كَانَ أَوْصٰى بِأَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ أُخِذَتِ الْوَصِيَّةُ وَيُرَدُّ الْبَاقِيْ عَلٰى وَرَثَتِهٖ وَذٰلِكَ مِنْ حَقِّ الْمُسْتَأْمِنِ أَيْضًا، وَلَوْ أَعْتَقَ عَبْدَهٗ عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ دَبَّرَ عَبْدَهٗ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ فَذٰلِكَ صَحِيْحٌ مِنْهُ مِنْ غَيْرِ اعْتِبَارِ الثُّلُثِ لِمَا بَيَّنَّا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب حربی امان لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا اور اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے لیے اپنے پورے مال کی وصیت کی تو جائز ہے، کیونکہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کا ممتنع ہونا حق ورثاء کی وجہ سے ہے، اسی لیے ان کی اجازت سے ثلث سے زائد وصیت نافذ ہو جاتی ہے اور حربی مستامن کے ورثاء کے لیے کوئی ایسا حق نہیں ہے جس کی رعایت کی جائے، کیونکہ ورثاء دار الحرب میں ہیں، اس لیے ہمارے حق میں وہ مردے ہیں اور اس لیے کہ مستامن کے مال کی حرمت امان کی وجہ سے ہے اور امان اس کا حق ہے، اس کے ورثاء کا حق نہیں ہے۔

اور اگر حربی مستامن نے پورے مال سے کم کی وصیت کی تو وصیت کے بقدر لے لیا جائے گا اور باقی ورثاء کو واپس کردیا جائے گا اور یہ بھی مستامن کے حق کی وجہ سے ہوگا۔

اور اگر اس نے بوقت موت اپنا غلام آزاد کیا یا دار الاسلام میں اپنے غلام کو مکاتب بنایا تو یہ اس کی طرف سے ثلث کا اعتبار کیے بغیر صحیح ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغاتُ:

﴿حربی﴾ غیر ذمی کافر۔ ﴿مرعیٌّ﴾ جس کی رعایت رکھی جائے۔ ﴿أخذت﴾ لیا جائے گا۔ ﴿دبّر﴾ مدبر بنایا۔

حربی مستأمن کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان طلب کر کے امن کے ویزا پر دار الاسلام آیا اور دار الاسلام میں اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے لیے اپنے پورے مال کی وصیت کر دی تو یہ وصیت درست اور جائز ہے اگر چہ ثلث سے زائد کی ہے، کیونکہ ثلث سے زائد مال کی وصیت کا امتناع ورثاء کے حق کی وجہ سے ہے اور صورتِ مسئلہ میں حربی کے مال سے ورثاء کا کوئی حق ہی متعلق نہیں ہے، کیونکہ اس کے ورثاء کافر اور حربی ہیں اور حربی ہمارے حق میں مُردوں کی طرح ہے نیز موصی مستامن کے مال کی حرمت اس کے امان کی وجہ سے ہے اور امان صرف موصی کو حاصل ہے اس کے ورثاء کو حاصل نہیں ہے، اس لیے اِس حوالے سے بھی حق ورثاء کی رعایت نہیں کی جائے گی اور موصی کے پورے مال میں وصیت صحیح ہوگی۔

ولو کان أوصیٰ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر حربیِ مستامن نے پورے مال کی وصیت نہ کی ہو بلکہ کچھ مال کی وصیت کی ہو تو جتنے مال کی وصیت کی گئی ہو اتنا مال لے کر ماقی مال موصی کے ورثاء کو دے دیا جائے گا، لیکن یہ دینا حق موصی کی وجہ سے ہوگا نہ کہ حق ورثاء کی وجہ سے اور اس لیے وہ مال اس کے ورثاء کو دیا جائے گا، تاکہ مستامن کے حق کی رعایت ہو جائے اور اس کا مال صحیح جگہ پہنچ جائے۔

ولو أعتق عبدہ الخ: فرماتے ہیں کہ اگر حربیِ مستامن دار الاسلام میں مرنے لگے اور بوقت موت اس نے اپنا غلام آزاد کر دیا یا مدبّر بنا دیا تو یہ اعتاق اور تدبیر درست ہے اور اس میں ثلث کا اعتبار نہیں ہے، بل کہ پورے غلام میں اعتاق اور تدبیر صحیح ہے، کیونکہ ثلث کا اعتبار حق ورثاء کی وجہ سے ہوتا ہے اور حربی کے ورثاء ہمارے حق میں مردہ ہیں اس لیے ان کے حق کی رعایت نہیں ہوگی۔

وَكَذٰلِكَ لَوْ أَوْصٰى لَهُ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ بِوَصِيَّةٍ جَازَ، لِأَنَّهُ مَادَامَ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ فِي الْمُعَامَلَاتِ بِمَنْزِلَةِ الذِّمِّيِّ وَلِهٰذَا تَصِحُّ عُقُوْدُ التَّمْلِيْكَاتِ مِنْهُ فِيْ حَالِ حَيَاتِهِ وَيَصِحُّ تَبَرُّعُهُ فِيْ حَيَاتِهِ فَكَذَا بَعْدَ مَمَاتِهِ، وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ لَايَجُوْزُ، لِأَنَّهُ مُسْتَأْمِنٌ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ، إِذْ هُوَ عَلٰى قَصْدِ الرُّجُوْعِ وَيُمَكَّنُ مِنْهُ وَلَايُمَكَّنُ مِنْ زِيَادَةِ الْمَقَامِ عَلَى السَّنَةِ إِلَّا بِالْجِزْيَةِ.

ترجمه: ایسے ہی اگر حربیِ مستامن کے لیے کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی وصیت کی تو جائز ہے، کیونکہ جب تک وہ دار الاسلام میں ہے تو وہ معاملات میں ذمی کے درجے میں ہے، اسی لیے مسلمان کی طرف سے مسلمان کی زندگی میں مستامن کے ہاتھ تملیکات کے عقود صحیح ہیں اور مسلمان کی زندگی میں اس کا تبرع صحیح ہے، لہٰذا اس کی موت کے بعد بھی صحیح ہے۔ حضرات شیخینؒ سے مروی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ اہل حرب کا مستامن ہے اور رجوع کے ارادے پر ہے اسے رجوع کی قدرت دی جائے گی، لیکن حربی کو جزیہ

کے بغیر ایک سال سے زیادہ ٹھہرنے کی قدرت نہیں دی جائے گی۔

اللغاتُ:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿مادام﴾ جب تک وہ رہے۔ ﴿تملیکات﴾ مالک بنانا۔ ﴿تبرّع﴾ نفل اور احسان کے طور پر کوئی عمل۔ ﴿مستأمن﴾ امان طلب کرنے والا۔

حربی مستأمن سے معاملت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان یا ذمی حربی مستامن کے لیے کسی چیز کی وصیت کرے یا اپنی زندگی میں اس سے عقود یعنی بیع اور اجارہ وغیرہ کا معاملہ کرے یا اسے ہبہ اور ہدیہ کرے تو یہ ساری چیزیں درست اور جائز ہیں اور ان میں شریعت کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور ممانعت نہیں ہے، لہٰذا اپنی زندگی میں مسلمان حربی مستامن کے ساتھ عقود کر سکتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی مسلمان اس کے ساتھ عقد وصیت کر سکتا ہے، کیونکہ وصیت موصی کی موت کے بعد ہی ثابت اور متحقق ہوتی ہے اور اس جواز اور صحت کی وجہ یہ ہے کہ حربی مستامن جب تک دار الاسلام میں رہتا ہے اس وقت تک معاملات میں وہ ذمی کے درجے میں ہوتا ہے اور ذمی کے ساتھ مسلمان کے عقود اور وصایا درست ہیں، لہٰذا حربی مستامن کے ساتھ بھی یہ چیزیں صحیح ہوں گی۔

وعن أبي الخ: فرماتے ہیں کہ حضرات شیخین عِیۡسِیَّہ سے غیر ظاہر الروایہ میں منقول ہے کہ حربی مستامن کے لیے مسلمان کا وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ حربی ہے اور دار الحرب جانے کی چاہت اس کے دل میں موجود ہے یہ تو صرف چند ایام کے لیے دار الاسلام آیا ہے اور جزیہ دیئے بغیر وہ ایک سال سے زیادہ ٹھہر نہیں سکتا، اس لیے اس کے حق میں وصیت مفید ہی نہیں ہوگی، لہٰذا اس کے لیے مسلمان کا وصیت کرنا ہی صحیح نہیں ہے۔

وَلَوْ أَوْصَى الذِّمِّيُّ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ أَوْ لِبَعْضِ وَرَثَتِهٖ لَايَجُوْزُ اِعْتِبَارًا بِالْمُسْلِمِيْنَ لِأَنَّهُمْ اِلْتَزَمُوْا أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ فِيْمَا يَرْجِعُ إِلَى الْمُعَامَلَاتِ، وَلَوْ أَوْصٰى لِخِلَافِ مِلَّتِهٖ جَازَ اِعْتِبَارًا بِالْإِرْثِ إِذِ الْكُفْرُ كُلُّهٗ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ، وَلَوْ أَوْصٰى لِحَرْبِيٍّ فِيْ دَارِالْإِسْلَامِ لَايَجُوْزُ، لِأَنَّ الْإِرْثَ مُمْتَنِعٌ لِتَبَايُنِ الدَّارَيْنِ، وَالْوَصِيَّةُ أُخْتُ الْمِيْرَاثِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور اگر ذمی نے ثلث سے زائد کی وصیت کی یا اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کی تو مسلمانوں پر قیاس کرتے ہوئے جائز نہیں ہے، کیونکہ معاملات سے متعلق امور میں ذمیوں نے احکام اسلام کا التزام کیا ہے۔ اور اگر ذمی نے اپنی ملت کے خلاف کے لیے وصیت کی تو وراثت پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہے، کیونکہ تمام کفر ملت واحدہ ہے۔

اور اگر ذمی نے دار الاسلام میں رہتے ہوئے کسی حربی کے لیے وصیت کی تو جائز نہیں ہے، کیونکہ تباین دارین کی وجہ سے میراث ممتنع ہے اور وصیت میراث کی بہن ہے۔ واللہ اعلم۔

اللغات:

﴿ثلث﴾ تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿التزموا﴾ اپنے پر لازم کیا ہے۔ ﴿تباین﴾ آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہونا۔

ذمی کی ناجائز وصیت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمی نے تہائی مال سے زائد کی وصیت کی یا اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت جائز نہیں ہے، کیونکہ ذمی معاملات میں احکام اسلام کے پابند ہیں اور مسلمانوں کے لیے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا یا اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کرنا درست نہیں ہے، اس لیے ذمیوں کے لیے بھی یہ کام درست نہیں ہے۔

ایک یہودی ذمی ہے اگر وہ اپنی ملت کے مخالف کسی نصرانی ذمی کے لیے وصیت کرے تو یہ وصیت جائز ہے، کیونکہ یہودی ذمی نصرانی ذمی کا وارث ہوسکتا ہے، اس لیے کہ کفر ملتِ واحدہ ہے لہٰذا جب اختلاف دین کے باوجود ایک کافر دوسرے کا وارث ہوسکتا ہے تو ایک کافر دوسرے کافر کے لیے وصیت بھی کرسکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر دارالاسلام میں رہتے ہوئے کوئی ذمی دار الحرب کے کسی کافر کے لیے وصیت کرے تو یہ وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ دارالاسلام اور دارالحرب میں تباین ہے اور تباین دارین ہی کی وجہ سے ان کی آپس میں میراث ممتنع ہے اور چوں کہ وصیت میراث کی بہن ہے لہٰذا جب میراث جائز نہیں ہے تو وصیت بھی جائز نہیں ہوگی۔

بَابُ الْوَصِيِّ وَمَا يَمْلِكُهُ

یہ باب وصی اور اس کی ملکیت (اختیار) کے بیان میں ہے

موصی کی موت کے بعد جوشخص اس کے اموال اور اس کی جائداد کا نظم ونسق سنبھالتا ہے اور مرحوم اسے ان کاموں کے لیے متعین کر جاتا ہے اسے وصی کہتے ہیں اور وصی کے احکام موصیٰ لہ کے احکام ومسائل سے کم ہیں اور موصیٰ لہ کے احکام زیادہ ہیں اس لیے پہلے موصیٰ لہ کے احکام بیان کیے گئے اور اب وصی کے احکام ومسائل بیان کیے جارہے ہیں۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى إِلٰى رَجُلٍ فَقَبِلَ الْوَصِيُّ فِيْ وَجْهِ الْمُوْصِيْ وَرَدَّهَا فِيْ غَيْرِ وَجْهِهٖ فَلَيْسَ بِرَدٍّ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ مُعْتَمِدًا عَلَيْهِ فَلَوْ صَحَّ رَدُّهٗ فِيْ غَيْرِ وَجْهِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ أَوْبَعْدَ مَمَاتِهٖ صَارَ مَغْرُوْرًا مِنْ جِهَتِهٖ فَرُدَّ رَدُّهٗ بِخِلَافِ الْوَكِيْلِ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بِغَيْرِ عَيْنِهٖ أَوْ بِبَيْعِ مَالِهٖ حَيْثُ يَصِحُّ رَدُّهٗ فِيْ غَيْرِ وَجْهِهٖ لِأَنَّهٗ لَاضَرَرَ هُنَاكَ، لِأَنَّهٗ حَيٌّ قَادِرٌ عَلَى التَّصَرُّفِ بِنَفْسِهٖ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی کو وصی بنایا اور وصی نے موصی کے سامنے وصایت کو قبول کرلیا اور اس کی عدم موجودگی میں وصی نے اسے رد کردیا تو یہ رد نہیں ہے، کیونکہ میت نے وصی پر اعتماد کرکے اپنا راستہ اپنالیا اب اگر اس کی غیر موجودگی میں اس کی زندگی میں وصی کا رد صحیح ہوجائے یا اس کے مرنے کے بعد صحیح ہوجائے تو وہ وصی کی جانب سے دھوکہ دیا ہوا کہلائے گا، لہٰذا وصی کا رد مسترد کردیا جائے گا۔ برخلاف اس شخص کے جو کسی غیر معین غلام خریدنے کا وکیل ہو یا اس کا مال فروخت کرنے کا وکیل ہو تو موکل کی عدم موجودگی میں بھی اس کا ردّ صحیح ہے، کیونکہ یہاں کوئی ضرر نہیں ہے، اس لیے کہ موکل زندہ ہے اور بذات خود تصرف کرنے پر قادر ہے۔

اللغاتُ:

﴿قبل﴾ قبول کرلیا۔ ﴿ردّ﴾ رد کردیا، لوٹا دیا، ٹھکرا دیا۔ ﴿مضٰی﴾ چل پڑا۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔ ﴿حیّ﴾ زندہ۔

وصایت کا قبول اور ردّ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ سلیم نے مرض الموت میں نعمان کو اپنا وصی بنایا اور نعمان نے اس کے سامنے اس وصایت کو قبول کرلیا اور پھر سلیم کی عدم موجودگی میں وصی یعنی نعمان نے اس وصایت کو رد کردیا تو وصی کا رد کرنا معتبر نہیں ہوگا، کیونکہ موصی وصی پر اعتماد کرکے

اس دنیا سے جا چکا ہے، اب اگر اس کی غیر موجودگی میں اس کی زندگی میں اس کے مرنے کے بعد ہم وصی کے رد کو صحیح مان لیں تو اس سے موصی کا ضرر ہوگا کہ اس کے اموال ضائع ہو جائیں گے اور وہ وصی کی طرف سے دھوکہ کھانے والا ہوگا حالانکہ مسلمان کو دھوکہ دینا حرام ہے، اس لیے وصی کو حرام کاری اور موصی کو دھوکہ خوری سے بچانے کے لیے ہم نے یہاں وصی کے ردّ کو یکسر ردّ کر دیا ہے۔

بخلاف الوکیل الخ: فرماتے ہیں کہ اس کے برخلاف اگر سلیم نے نعمان کو کوئی غیر معین غلام خریدنے کا وکیل بنایا یا اپنا مال فروخت کرنے کا وکیل بنایا اور وکیل نے موکل کی عدم موجودگی میں اس وکالت کو رد کر دیا تو یہ ردّ صحیح ہے اور معتبر ہے، کیونکہ وکالت میں اس ردّ سے موکل کی صحت اور اس کے مال پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس لیے کہ موکل زندہ ہے اور تصرف پر قادر ہے، لہٰذا وکیل کے بغیر بھی اس کا کام ہو جائے گا اور اس کا چراغ جل جائے گا اس لیے یہاں وکیل کا رد معتبر ہے۔

فَإِنْ رَدَّهَا فِيْ وَجْهِهِ فَهُوَ رَدٌّ، لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلْمُوْصِيْ وِلَايَةُ إِلْزَامِهِ التَّصَرُّفَ، وَلَاغُرُوْرَ فِيْهِ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُنِيْبَ غَيْرَهُ، وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ وَلَمْ يَرُدَّ حَتّٰى مَاتَ الْمُوْصِيْ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَبِلَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ، لِأَنَّ الْمُوْصِيْ لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الْإِلْزَامِ فَبَقِيَ مُخَيَّرًا فَلَوْ أَنَّهُ بَاعَ شَيْئًا مِنْ تَرِكَتِهِ فَقَدْ لَزِمَتْهُ، لِأَنَّ ذٰلِكَ دَلَالَةُ الْإِلْتِزَامِ وَالْقَبُوْلِ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ بَعْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: پھر اگر وصی نے موصی کے سامنے وصایت رد کر دی تو رد ہو جائے گی، کیونکہ موصی کو وصی پر تصرف لازم کرنے کی ولایت نہیں ہے اور نہ اس میں دھوکہ ہے، کیونکہ موصی کے لیے اس کے غیر کو نائب بنانا ممکن ہے۔ اور اگر وصی نے نہ قبول کیا نہ رد کیا یہاں تک کہ موصی مر گیا تو وصی کو اختیار ہے اگر چاہے قبول کرے اور اگر چاہے تو قبول نہ کرے، کیونکہ موصی کو ولایتِ التزام نہیں حاصل ہے، لہٰذا وصی بااختیار باقی رہا۔ پھر اگر وصی نے موصی کے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کر دی تو اس پر وصایت لازم ہو جائے گی، کیونکہ بیچنا التزام اور قبول کی دلیل ہے اور قبول کرنا موتِ موصی کے بعد معتبر ہے۔

اللغات:

﴿وجهه﴾ اس کے سامنے۔ ﴿الزام﴾ لازم کرنا۔ ﴿غرور﴾ دھوکہ دینا۔ ﴿ینیب﴾ نائب بنا دے۔ ﴿التزام﴾ اپنے ذمے لینا۔

وصایت کا ردّ:

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وصایت قبول کرنے کے بعد وصی موصی کی عدم موجودگی میں وصایت کو رد کرے تو رد صحیح نہیں ہے، لیکن اگر وصی موصی کے سامنے رد کر دے تو رد صحیح اور معتبر ہے، کیونکہ موصی کو وصی پر کوئی چیز لازم کرنے کا حق نہیں ہے اور سامنے رد کرنے میں وصی کی طرف سے دھوکہ بھی نہیں ہے کہ موصی اس کے علاوہ دوسرے کو اپنا نائب بنا سکتا ہے اس لیے موصی کے سامنے وصی کا رد صحیح ہے، اسی کو اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔

وإن لم یقبل الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ وصی نے موصی کے سامنے نہ تو وصایت کو قبول کیا اور نہ ہی رد کیا اور موصی مر گیا تو

وصی کو اختیار ہے اگر چاہے تو وصایت قبول کرلے اور اگر چاہے تو رد کردے، کیونکہ جب موصی کو ولایت الزام حاصل نہیں ہے اس لیے ابتداءً وصایت لازم نہیں ہوئی تھی اور اب چوں کہ موصی مر چکا ہے لہٰذا وصی کو رد اور قبول دونوں میں ایک کا اختیار ہوگا، اور اسی صورت میں اگر وصی نے موصی کے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کردی تو اس پر وصایت لازم ہوجائے گی، اس لیے کہ موصی کے ترکہ سے وصی کا فروخت کرنا اس کی طرف سے قبولیت وصایت پر اقدام ہے اور اس کی دلیل ہے۔ اور چوں کہ یہ قبولیت موصی کی موت کے بعد ہی معتبر ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی وصی کا یہ فعل قبولیت کی دلیل ہے۔

وَيَنفُذُ الْبَيْعُ لِصُدُوْرِهٖ مِنَ الْوَصِيِّ وَسَوَاءٌ عَلِمَ بِالْوَصَايَةِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ، بِخِلَافِ الْوَكِيْلِ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِالتَّوْكِيْلِ فَبَاعَ حَيْثُ لَايَنفُذُ، لِأَنَّ الْوَصَايَةَ خِلَافَةٌ، لِأَنَّهٗ يَخْتَصُّ بِحَالِ انْقِطَاعِ وِلَايَةِ الْمَيِّتِ فَتَنقُلُ الْوِلَايَةُ إِلَيْهِ وَإِذَا كَانَتْ خِلَافَةً لَايَتَوَقَّفُ عَلَى الْعِلْمِ كَالْوِرَاثَةِ، أَمَّا التَّوْكِيْلُ إِنَابَةٌ لِثُبُوْتِهٖ فِيْ حَالِ قِيَامِ وِلَايَةِ الْمُنِيْبِ فَلَايَصِحُّ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهٖ كَإِثْبَاتِ الْمِلْكِ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ، وَقَدْ بَيَّنَّا طَرِيْقَ الْعِلْمِ وَشَرْطَ الْإِخْبَارِ فِيْمَا تَقَدَّمَ مِنَ الْكُتُبِ.

ترجمہ: اور بیع نافذ ہوجائے گی وصی کی طرف سے اس کے صادر ہونے کی وجہ سے خواہ اسے وصایت کا علم ہو یا نہ ہو۔ برخلاف وکیل کے جب وہ توکیل کو نہ جانے اور بیچ دے تو بیع نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ وصایت خلافت ہے اس لیے کہ وہ میت کی ولایت منقطع ہونے کی حالت کے ساتھ مختص ہے لہٰذا وصی کی طرف وصایت منتقل ہوجائے گی اور جب وصایت خلافت ہے تو وہ علم پر موقوف نہیں ہوگی جیسے وراثت۔ رہی توکیل تو وہ انابت ہے، کیونکہ وہ مُنیب کی ولایت کی موجودگی میں بھی ثابت ہوتی ہے تو وکیل کے علم کے بغیر توکیل صحیح نہیں ہوگی، جیسے بیع وشراء کے ذریعے ملکیت کا اثبات۔ اور علم کے طریقے اور اخبار کی شرط کو گذشتہ کتابوں میں ہم بیان کرچکے ہیں۔

اللغات:

﴿صدور﴾ صادر ہونا، واقع ہونا۔ ﴿سواء﴾ برابر ہے۔ ﴿توکیل﴾ وکیل بنانا۔ ﴿یختص﴾ خاص ہوتی ہے۔ ﴿انقطاع﴾ ختم ہوجانا۔ ﴿لا یتوقف﴾ موقوف نہیں ہوگا۔

وصی کا تصرف بیع:

مسئلہ یہ ہے کہ وصی اگر موصی کے ترکہ میں سے کوئی چیز فروخت کردے تو اس کی بیع نافذ ہوجائے گی خواہ وصی کو وصایت کا علم ہو یا نہ ہو اور یہ بیع نافذ ہونے کے ساتھ ساتھ وصایت قبول کرنے کی دلیل بھی ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے کسی کو اپنا سامان بیچنے کا وکیل بنایا اور وکیل کو توکیل کا علم نہیں ہوسکا اور اس نے کوئی چیز فروخت کردی تو اس کی بیع نافذ نہیں ہوگی۔ وصایت اور توکیل میں فرق یہ ہے کہ وصایت خلافت ہے اور توکیل انابت ہے۔ خلافت یہ ہے کہ اس میں اصل یعنی موصی کی موت کے بعد ہی خلیفہ یعنی وصی کو تصرف کا اختیار ملے گا۔ اور انابت یہ ہے کہ اس میں اصل یعنی مُنیب کی موجودگی میں بھی وکیل کو تصرف کا اختیار رہتا ہے۔ اب خلافت اور انابت کے متعلق ایک ضابطہ یہ ہے کہ خلافت کے ثبوت میں علم کی ضرورت نہیں رہتی جیسے وراثت میں علم کی ضرورت نہیں ہوتی اور بدون علم بھی وراثت ثابت ہوجاتی ہے اسی طرح وصی کے علم کے بغیر اس کے حق میں وصایت بھی ثابت ہوجاتی ہے۔ اس

کے برخلاف انابت میں جب تک نائب کو اس کا علم نہیں ہوجاتا اس وقت تک نیابت ثابت نہیں ہوگی۔ جیسے بیع وشراء کے ذریعے ملکیت کا اثبات مثلاً نعمان نے سلیم کے لیے ایک گاڑی خریدی اور سلیم کو اس کا علم نہیں ہے، اسی حال میں سلیم نے اس گاڑی میں کچھ تصرف کردیا تو اس پر بیع لازم نہیں ہوگی، کیونکہ سلیم کو ابھی اس بیع کے متعلق کوئی علم ہی نہیں ہے اور بدون علم وکالت لازم نہیں ہوتی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ علم کے طریقوں اور اخبار کی شرطوں کو ہم متعدد کتابوں میں بیان کرچکے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں کتب سے ہدایہ میں جو کتاب أدب القاضي، کتاب الوکالة اور کتاب الشفعة ہے وہ مراد ہے۔ بہرحال جب یہ ثابت ہوگیا کہ وصایت خلافت ہے اور اس میں علم ضروری نہیں ہے تو اسی ضابطے کے حوالے سے ہم نے کہا کہ وصی کو وصایت کا علم ہو یا نہ ہو بہر صورت اس کی بیع نافذ ہوجائے گی اور وکیل کو اگر توکیل کا علم نہ ہو تو اس کی توکیل معتبر نہیں ہوگی۔

وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ حَتّٰى مَاتَ الْمُوْصِيْ فَقَالَ لَا أَقْبَلُ ثُمَّ قَالَ أَقْبَلُ فَلَهُ ذٰلِكَ إِنْ لَمْ يَكُنِ الْقَاضِيْ أَخْرَجَهُ مِنَ الْوَصِيَّةِ حِيْنَ قَالَ لَا أَقْبَلُ، لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ قَوْلِهٖ لَا أَقْبَلُ لَا يَبْطُلُ الْإِيْصَاءُ، لِأَنَّ فِيْ إِبْطَالِهٖ ضَرَرًا بِالْمَيِّتِ، وَضَرَرُ الْوَصِيِّ فِي الْإِبْقَاءِ مَجْبُوْرٌ بِالثَّوَابِ، وَدَفْعُ الْأَوَّلِ وَهُوَ أَعْلٰى أَوْلٰى إِلَّا أَنَّ الْقَاضِيْ إِذَا أَخْرَجَهُ عَنِ الْوَصَايَةِ يَصِحُّ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ، إِذْ لِلْقَاضِيْ وِلَايَةُ دَفْعِ الضَّرَرِ، وَرُبَّمَا يَعْجِزُ عَنْ ذٰلِكَ فَيَتَضَرَّرُ بِبَقَاءِ الْوَصَايَةِ فَيَدْفَعُ الْقَاضِي الضَّرَرَ عَنْهُ وَيَنْصِبُ حَافِظًا لِمَالِ الْمَيِّتِ مُتَصَرِّفًا فِيْهِ فَيَنْدَفِعُ الضَّرَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَلِهٰذَا يَنْفُذُ إِخْرَاجُهُ فَلَوْ قَالَ بَعْدَ إِخْرَاجِ الْقَاضِيْ إِيَّاهُ أَقْبَلُ لَمْ يُلْتَفَتْ إِلَيْهِ، لِأَنَّهُ قَبِلَ بَعْدَ بُطْلَانِ الْوَصَايَةِ بِإِبْطَالِ الْقَاضِيْ.

ترجمہ: اور اگر وصی نے (وصایت) قبول نہیں کیا یہاں تک کہ موصی مرگیا پھر وصی نے کہا میں نہیں قبول کرتا پھر کہتا ہے میں قبول کرتا ہوں تو اسے یہ حق ہے اگر اس کے لا أقبل کہنے کے وقت قاضی نے اسے وصیت سے خارج نہ کیا ہو کیوں کہ محض اس کے لا أقبل کہنے سے وصایت باطل نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس کے ابطال میں میت کا ضرر ہے اور وصایت کی بقاء میں جو وصی کو ضرر ہے، ثواب کے ذریعے اس کی تلافی کردی جائے گی اور اول کو دفع کرنا جب کہ وہ اعلیٰ ہے اولیٰ ہے، لیکن اگر قاضی وصی کو وصایت سے خارج کردے تو یہ بھی صحیح ہے، کیونکہ وہ اس سلسلے میں مجتہد ہے اس لیے کہ قاضی کو دفعِ ضرر کی ولایت حاصل ہے۔

اور کبھی کبھی وصی وصایت (کی ذمہ داری نبھانے) سے عاجز ہوتا ہے تو بقائے وصایت سے نقصان اٹھاتا ہے لہٰذا وصی سے قاضی ضرر دور کردیتا ہے اور میت کے مال کے لیے کوئی نگراں مقرر کرتا ہے جو اس مال میں تصرف کرتا ہے اور جانبین سے ضرر دور ہوجاتا ہے اسی لیے قاضی کا اخراج نافذ ہوگا۔ پھر اگر قاضی کے وصی کو نکالنے کے بعد وصی نے کہا أقبل (میں قبول کرتا ہوں) تو اس پر کان نہیں دھرا جائے گا، کیونکہ وصی نے قاضی کے ابطال سے بطلانِ وصایت کے بعد قبول کیا ہے۔

اللغاتُ:

﴿أخرج﴾ نکال دیا ہو۔ ﴿فله ذلك﴾ تو اس کو اس بات کا اختیار ہے۔ ﴿مجرّد﴾ محض۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔ ﴿يتضرّر﴾ وہ ضرر اٹھاتا ہے۔

وصایت کے ردّ کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی نے دوسرے کو اپنا وصی بنایا اور وصی نے موصی کی زندگی میں نہ تو قبول کیا اور نہ رد کیا پھر جب موصی مرگیا تو وصی نے کہا لا أقبل مجھے وصایت منظور نہیں ہے پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگا اچھا ٹھیک ہے منظور ہے تو اب اگر اس کے لا أقبل کہنے کے بعد قاضی نے اسے وصایت سے خارج نہ کیا ہو تو دوبارہ اس کا أقبل کہہ کر وصایت قبول کرنا درست ہے، کیونکہ محض لا أقبل کہنے سے وہ شخص وصایت سے خارج نہیں ہوا ہے اور قاضی نے اگر اسے خارج نہ کیا ہو تو دوبارہ اس کے لیے وصایت قبول کرنا درست اور جائز ہے۔ اور یہ جواز اس وجہ سے ہے کہ وصایت باطل کرنے میں میت کا ضرر ہے اور اس کے اموال کے ضیاع کا خدشہ ہے اور اس کی بقاء میں اگر کسی درجے میں وصی کو ضرر ہوگا تو وصایت کی ذمہ داری نبھانے پر اسے جو ثواب ملے گا اس ثواب سے وصی کے ضرر کی تلافی ہو جائے گی۔

اسے اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ یہاں دو ضرر جمع ہیں: (۱) میت کا ضرر (۲) وصی کا ضرر اور ان دونوں میں سے میت کا ضرر اقویٰ ہے، لہٰذا اسے دور کر کے ادنیٰ یعنی وصی کا ضرر برداشت کرلیا جائے گا، کیونکہ فقہ کا ضابطہ ہے: إِذَا اجْتَمَعَ مَفْسَدَتَانِ رُوْعِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ أَخَفِّهِمَا۔ یعنی جب ایک ہی مسئلے میں دو خرابیاں جمع ہو جائیں تو ان میں سے اخف کو اختیار کر کے اقویٰ کو دفع کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئلہ میں بھی وصی کا ضرر اخف ہے اس لیے اسے برداشت کرلیا جائے گا اور موصی کا ضرر اقویٰ ہے، لہٰذا اسے دفع کر دیا جائے گا۔

إلا أن القاضي الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قاضی نے پہلی مرتبہ وصی کے لا أقبل کہتے ہی اسے وصایت سے خارج کر دیا ہو تو قاضی کا اخراج صحیح اور معتبر ہوگا، کیونکہ قاضی کا یہ فعل اور فیصلہ اجتہادی امور میں سے ہے اور امور اجتہادیہ میں قاضی کا فیصلہ لازم ہوا کرتا ہے کیونکہ قاضی کو دفعِ ضرر کی ولایت حاصل ہے، لہٰذا اس کا اخراج لازم ہوگا اور اس کے بعد ایک نہیں ایک لاکھ مرتبہ وصی أقبل أقبل کہے، وصایت اس کے حق میں عود نہیں کرے گی۔

وربما یعجز عن الخ: فرماتے ہیں کہ قاضی کی ولایت عام اور تام ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی وصی نکما ہو اور وصایت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دینے پر قادر نہ ہو۔ لہٰذا قاضی اپنے پاور کا استعمال کر کے اس وصی کو خارج کر دے گا اور اس کی جگہ میت کے مال کی حفاظت اور اس میں تصرف کرنے کے لیے ایک دوسرا وصی مقرر کرے گا اور قاضی کے اس فعل سے موصی اور وصی دونوں کو راحت ملے گی، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ قاضی کا اخراج نافذ ہوگا اور اخراج کے بعد وصایت کے حوالے سے وصی کی کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى إِلٰى عَبْدٍ أَوْ كَافِرٍ أَوْ فَاسِقٍ أَخْرَجَهُمُ الْقَاضِيُ عَنِ الْوَصَايَةِ وَنَصَبَ غَيْرَهُمْ، وَهٰذَا اللَّفْظُ يُشِيْرُ إِلٰى صِحَّةِ الْوَصِيَّةِ، لِأَنَّ الْإِخْرَاجَ يَكُوْنُ بَعْدَهَا وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ فِي الْأَصْلِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ بَاطِلَةٌ، قِيْلَ مَعْنَاهُ فِيْ جَمِيْعِ هٰذِهِ الصُّوَرِ أَنَّ الْوَصِيَّةَ سَتَبْطُلُ، وَقِيْلَ فِي الْعَبْدِ مَعْنَاهُ بَاطِلٌ حَقِيْقَةً لِعَدَمِ وِلَايَتِهٖ

وَاسْتِبْدَادِهٖ، وَفِيْ غَيْرِهٖ مَعْنَاهُ سَتَبْطُلُ، وَقِيْلَ فِي الْكَافِرِ بَاطِلٌ أَيْضًا لِعَدَمِ وِلَايَتِهٖ عَلَى الْمُسْلِمِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی غلام یا کافر یا فاسق کو وصی بنایا تو قاضی انہیں وصایت سے نکال کر ان کی جگہ دوسروں کو مقرر کرے گا۔ اور یہ لفظ اس بات کا مشیر ہے کہ وصیت صحیح ہے، کیونکہ صحت کے بعد ہی اخراج ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں بیان کیا ہے کہ وصیت باطل ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ ان تمام صورتوں میں عنقریب وصیت باطل کردی جائے گی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ غلام کے متعلق اس کے معنی حقیقتاً باطل ہونے کے ہیں غلام کی عدمِ ولایت اور عدم استقلال کی وجہ سے۔ اور غلام کے علاوہ میں اس کے معنی ہیں عنقریب باطل کردی جائے گی۔ اور کہا گیا کہ کافر کے حق میں بھی باطل ہے، کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔

اللغات:

﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿فاسق﴾ بدکار۔ ﴿استبداد﴾ استقلال، تفرد۔ ﴿ستبطل﴾ باطل ہو جائے گا۔

نا اہل کو وصی مقرر کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام کو وصی بنایا یا کافر یا فاسق کو وصی بنایا تو قاضی کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ان سب کو وصایت سے خارج کردے اور ان کی جگہ آزاد یا دین دار اور امانت دار لوگوں کو وصی بنائے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا أخرجهم کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کو وصی بنانا صحیح ہے، کیونکہ اخراج اسی صورت میں متحقق ہوگا جب ان کو وصایت مل چکی ہو۔ اور مبسوط میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وصیت ہی باطل ہے، لیکن یہ بطلان کس درجے میں ہے اس میں حضراتِ مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے مختلف اقوال ہیں، فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ بطلان سے مراد یہ ہے کہ غلام، کافر اور فاسق کی وصیت باطل قرار دیئے جانے کے قابل ہے اور اسے باطل کردینا چاہئے، لہٰذا مایؤول کے اعتبار سے فھي باطلة کہا گیا ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ غلام کے حق میں تو بطلان اپنی حقیقت پر محمول ہے، یعنی اس کے حق میں سرے سے وصیت باطل ہے، کیونکہ نہ تو غلام کو کسی پر ولایت ہے اور نہ ہی اپنی ذات پر ولایت ہے، اور نہ ہی اسے استقلال اور خودمختاری حاصل ہے، بلکہ وہ تو ماتحتی کی زندگی جی رہا ہے۔ اس لیے اس کے حق میں واقعی وصیت باطل ہے۔

وقیل ایک قول یہ ہے کہ کافر کے حق میں بھی بطلان اپنی حقیقت پر ہے، اس لیے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے اور وہ مسلمان کا ولی بننے کے قابل نہیں ہے۔

وَوَجْهُ الصِّحَّةِ ثُمَّ الْإِخْرَاجُ أَنَّ أَصْلَ النَّظْرِ ثَابِتٌ لِقُدْرَةِ الْعَبْدِ حَقِيْقَةً وَوِلَايَةُ الْفَاسِقِ عَلٰى أَصْلِنَا وَوِلَايَةُ الْكَافِرِ فِي الْجُمْلَةِ، إِلَّا أَنَّهٗ لَمْ يَتِمَّ النَّظْرُ لِتَوَقُّفِ وِلَايَةِ الْعَبْدِ عَلٰى إِجَازَةِ الْمَوْلٰى وَتَمَكُّنِهٖ مِنَ الْحَجْرِ بَعْدَهَا، وَالْمُعَادَاةِ الدِّيْنِيَّةِ الْبَاعِثَةِ لِلْكَافِرِ عَلٰى تَرْكِ النَّظْرِ فِيْ حَقِّ الْمُسْلِمِ وَاتِّهَامِ الْفَاسِقِ بِالْخِيَانَةِ فَيُخْرِجُهُ الْقَاضِيْ مِنَ الْوَصَايَةِ وَيُقِيْمُ غَيْرَهٗ مَقَامَهٗ إِتْمَامًا لِلنَّظْرِ، وَشُرِطَ فِي الْأَصْلِ أَنْ يَكُوْنَ الْفَاسِقُ مُخَوَّفًا عَلَيْهِ فِي الْمَالِ

وَهٰذَا يَصْلُحُ عُذْرًا فِيْ إِخْرَاجِهٖ وَتَبْدِيْلِهٖ بِغَيْرِهٖ.

ترجمہ: اور صحت کی پھر اخراج کی وجہ یہ ہے کہ اصل شفقت ثابت ہے، اس لیے کہ غلام حقیقتاً قادر ہے اور ہماری اصل کے مطابق فاسق کی ولایت اور فی الجملہ کافر کی ولایت کی وجہ سے (ان میں بھی نظر متحقق ہے) لیکن شفقت تام نہیں ہے، کیوں کہ غلام کی ولایت مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے اور اجازت کے بعد مولیٰ روکنے پر قادر بھی ہے اور شفقت اس دینی دشمنی کی وجہ سے بھی تام نہیں ہے جو کافر کو مسلمان کے حق میں ترکِ شفقت پر آمادہ کرنے والی ہے۔ اور فاسق کے خیانت سے متہم ہونے کی وجہ سے، لہٰذا قاضی ان میں سے ہر ایک کو وصایت سے نکال کر اتمامِ شفقت کے لیے اس کے علاوہ کو اس کے قائم مقام بنائے گا۔

اور مبسوط میں یہ شرط لگائی ہے کہ فاسق ایسا ہو جس پر مال کے متعلق (خیانت کا) خوف ہو اور یہ چیز فاسق کو نکالنے اور اس کی جگہ دوسرے کو بدلنے کے لیے عذر بن سکتی ہے۔

اللغاتُ:

﴿نظر﴾ شفقت۔ ﴿لم یتمّ﴾ مکمل نہیں ہوا۔ ﴿توقّف﴾ موقوف ہونا۔ ﴿اتهام﴾ متہم ہونا۔ ﴿مخوّف﴾ خوف کیا جاتا ہے۔

نااہل کو وصی مقرر کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ جن حضرات نے غلام، فاسق اور کافر کے لیے وصایت کو بھی صحیح قرار دیا ہے اور قاضی کے اخراج کو بھی صحیح قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ وصایت، اس لیے صحیح ہے کہ ان تینوں میں شفقت کا مادہ موجود ہے اور یہ شفیق اور مہربان ہو سکتے ہیں، لیکن ان کی شفقت ناقص اور ناتمام ہے اس لیے قاضی جی کی طرف سے ان کی برخاستگی اور معزولی بھی صحیح ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ ان لوگوں میں شفقت کیسے اور کیوں کر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غلام حقیقتاً تصرف پر قادر ہے اور عاقل بالغ غلام قاعدے سے تصرف کر سکتا ہے اسی طرح ہماری اصل کے مطابق فاسق بھی ولایت تصرف کا حامل ہے اور رہا کافر تو فی الجملہ اور کسی نہ کسی درجے میں اسے بھی یہ ولایت حاصل ہے، اس لیے کہ کافر، مسلمان غلام کو خرید کر اس کا مالک ہو سکتا ہے، لہٰذا ان حوالوں سے غلام، کافر اور فاسق تینوں میں شفقت موجود ہے، لیکن یہ شفقت ناقص اور ناتمام ہے چنانچہ غلام کی ولایت اس کے آقا کے رحم وکرم پر موقوف ہے اگر وہ اجازت دے دیں تو ٹھیک ورنہ غلام سدا بہار عاجز ہے، نیز اس کو ملنے والی اجازت بھی حتمی اور یقینی نہیں ہوتی، بل کہ عارضی ہوتی ہے اور جب بھی اس کا آقا چاہے اسے سلب کر سکتا ہے۔

رہا مسئلہ کافر کا تو وہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے اور کبھی بھی اسلام دشمنی اسے مسلمان کے حق میں الفت ومحبت اور شفقت ختم کرنے پر مجبور کر سکتی ہے اور فاسق خائن ہوتا ہے اور خیانت کے ساتھ متہم ہوتا ہے، لہٰذا اس سے بھی مسلمانوں کو خیر کی توقع نہیں ہے اس لیے ان وجوہات کے پیش نظر قاضی کو یہ حق ہے کہ ان لوگوں کی وصایت کو رد کر کے ان کی جگہ شریف، نیک، دین دار اور امانت دار لوگوں کو وصی بنائے۔

وشرط الخ: فرماتے ہیں کہ فاسق کی وصایت رد اور رِجیکٹ (Reject) کرنے کے لیے امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا متہم بالخیانت ہونا اور مال میں خرد برد کرنے کے حوالے سے اس پر الزام عائد ہونا ضروری ہے، لیکن اگر وہ

خائن اور مال ضائع کرنے والا نہ ہو تو پھر اس کی وصایت رد کرنے پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى إِلٰى عَبْدِ نَفْسِهٖ وَفِي الْوَرَثَةِ كِبَارٌ لَمْ تَصِحَّ الْوَصِيَّةُ، لِأَنَّ لِكَبِيْرٍ أَنْ يَمْنَعَهٗ أَوْ يَبِيْعَ نَصِيْبَهٗ فَيَمْنَعُهُ الْمُشْتَرِيْ فَيَعْجِزُ عَنِ الْوَفَاءِ بِحَقِّ الْوَصَايَةِ فَلَايُفِيْدُ فَائِدَتَهٗ، وَإِنْ كَانُوْا صِغَارًا كُلُّهُمْ فَالْوَصِيَّةُ إِلَيْهِ جَائِزَةٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَلَاتَجُوْزُ عِنْدَهُمَا وَهُوَ الْقِيَاسُ، وَقِيْلَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مُضْطَرِبٌ فِيْهِ يُرْوٰى مَرَّةً مَعَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَتَارَةً مَعَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّ الْوِلَايَةَ مُنْعَدِمَةٌ لِمَا أَنَّ الرِّقَّ يُنَافِيْهَا، وَلِأَنَّ فِيْهِ إِثْبَاتَ الْوِلَايَةِ لِلْمَمْلُوْكِ عَلَى الْمَالِكِ وَهٰذَا قَلْبُ الْمَشْرُوْعِ، وَلِأَنَّ الْوِلَايَةَ الصَّادِرَةَ مِنَ الْأَبِ لَايَتَجَزّٰى وَفِيْ اِعْتِبَارِ هٰذِهٖ تَجْزِيَتُهَا لِأَنَّهٗ لَايَمْلِكُ بَيْعَ رَقَبَتِهٖ، وَهٰذَا نَقْضُ الْمَوْضُوْعِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے غلام کو وصی بنایا اور اس کے ورثاء میں بالغ موجود ہوں تو وصیت صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ بالغ کو حق ہے کہ وہ غلام کو روک دے یا اپنا حصہ فروخت کردے اور مشتری غلام کو منع کردے اور غلام (حق وصایت) پورا کرنے سے بے بس ہوجائے اس لیے (صورت مسئلہ میں) وصایت مفید نہیں ہوگی۔ اور اگر سارے ورثاء چھوٹے ہوں تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام کو وصی بنانا جائز ہے، اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے۔ اور کہا گیا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس سلسلے میں مضطرب ہے کبھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے اور کبھی امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ۔

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ (غلام میں) ولایت معدوم ہے، کیونکہ رقیت ولایت کے منافی ہے اور اس لیے کہ اس میں مالک پر مملوک کے لیے ولایت کا اثبات ہے جو قلبِ مشروع ہے۔ اور اس لیے کہ باپ کی طرف سے صادر ہونے والی ولایت متجزی نہیں ہوتی اور اس وصیت کو معتبر ماننے میں ولایت کی تجزی لازم آتی ہے، کیونکہ غلام اپنے رقبہ کو فروخت کرنے کا مالک نہیں ہے اور یہ نقضِ موضوع ہے۔

اللغات:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿کبار﴾ واحد کبیر؛ بڑے۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿یعجز﴾ لاچار ہو جائے۔ ﴿وفاء﴾ پوری ادائیگی۔ ﴿قلب﴾ پلٹنا، پھیرنا۔

اپنے ہی غلام کو وصی بنانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے غلام ہی کو اپنا وصی بنادیا اور اس کے تمام یا بعض ورثاء بالغ ہوں تو کسی بھی امام کے یہاں یہ وصیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ جو بالغ ورثاء ہیں ان میں سے ہر ایک کو یہ حق ہے کہ وہ مذکورہ غلام کو تصرف سے منع کردیں اور اگر غلام زیادہ ہوشیاری کرنے لگے تو وہ اپنا حصہ (اس غلام میں سے) فروخت کردے اور جو شخص اسے خریدے وہ غلام کو تصرف سے روک دے اور غلام وصایت کی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر اور بے بس ہوجائے اور وصایت نفع بخش نہ ہو۔ اس لیے جب غلام

کو وصی بنانے سے موصی کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اسے وصی بنانا بیکار ہے، اسی لیے حضرات فقہاء نے اس صورت میں وصیت ہی کو باطل قرار دے دیا ہے۔

وإن کانوا صغارا الخ: ہاں اگر موصی کے تمام ورثاء چھوٹے ہوں اور از خود تصرف پر قادر نہ ہوں تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام کو وصی بنانا جائز ہے لیکن حضرات صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے یہاں اس صورت میں عدم جواز کا اعلان ہے اور قیاس کا بھی یہی نعرہ ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ واضح نہیں ہو سکا ہے وہ کبھی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جاتے ہیں اور کبھی حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

وجه القیاس الخ: قیاس اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وصایت کا بار اٹھانے کے لیے موصی کا اہل ولایت میں سے ہونا ضروری ہے حالانکہ غلام میں صفتِ ولایت معدوم ہے، کیونکہ وہ رقیق ہے اور رقیت ولایت کے منافی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ غلام مملوک ہے اور آقا مالک ہے، اب اگر ہم غلام کی وصایت کو درست قرار دے دیں تو قلب مشروع لازم آئے گا اور غلام جو مملوک ہے وہ وصایت کی وجہ سے اپنے آقا کے مال کا اور خود آقا کا مالک ہوگا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اور غلام کی وصایت صحیح ماننے سے تیسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ باپ کی طرف سے صادر ہونے والی ولایت غیر متجزی ہوتی ہے، یعنی باپ سے بیٹوں کو جو ولایت ملتی ہے اس میں تجزی نہیں ہوتی جب کہ موصی سے غلام کو جو ولایت ملے گی وہ متجزی ہوگی، کیونکہ غلام موصی کے سامان تو فروخت کر سکتا ہے، لیکن اپنے آپ کو نہیں فروخت کر سکتا حالانکہ وہ بھی موصی ہی کا مملوک ہے اور ولایت کا متجزی ہونا نقضِ موضوع ہے۔ اس لیے ان خرابیوں کے پیش نظر غلام کو وصی بنانا درست نہیں ہے۔ اگر چہ موصی کے ورثاء چھوٹے ہوں اور نابالغ ہوں۔

وَلَهُ أَنَّهُ مُخَاطَبٌ مُسْتَبِدٌّ بِالتَّصَرُّفِ فَيَكُوْنُ أَهْلًا لِلْوِصَايَةِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ وِلَايَةٌ فَإِنَّ الصِّغَارَ وَإِنْ كَانُوْا مُلَّاكًا لَيْسَ لَهُمْ وِلَايَةُ الْمَنْعِ فَلَا مُنَافَاةَ، وَإِيْصَاءُ الْمَوْلٰى إِلَيْهِ يُؤْذِنُ بِكَوْنِهِ نَاظِرًا لَهُمْ، وَصَارَ كَالْمُكَاتَبِ، وَالْوِصَايَةُ قَدْ تَتَجَزّٰى عَلٰى مَا هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، أَوْ نَقُوْلُ يُصَارُ إِلَيْهِ كَيْ لَا يُؤَدِّيْ إِلَى إِبْطَالِ أَصْلِهِ وَتَغْيِيْرِ الْوَصْفِ لِتَصْحِيْحِ الْأَصْلِ أَوْلٰى.

ترجمه: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ غلام مخاطب ہے اور تصرف میں مستقل ہے، لہٰذا وہ وصایت کا اہل ہوگا اور اس پر کسی کو ولایت نہیں ہے، کیونکہ بچے اگر چہ مالک ہیں، لیکن انھیں روکنے کی ولایت نہیں ہے، اس لیے کوئی منافات نہیں ہے۔ اور مولیٰ کا اسے وصی بنانا بچوں کے لیے غلام کے مشفق ہونے کی خبر دیتا ہے اور یہ مکاتب کی طرح ہوگیا۔ اور وصایت متجزی ہوتی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے یا ہم کہتے ہیں کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے گا تا کہ یہ اصل ایصاء کے ابطال کا سبب نہ بنے اور اصل کی تصحیح کے لیے وصف کو بدلنا اولیٰ ہے۔

اللغات:

﴿مستبدّ﴾ اکیلے ہی کر سکتا ہے۔ ﴿صغار﴾ واحد صغیر؛ بچے۔ ﴿ملّاك﴾ واحد مالک۔ ﴿ناظر﴾ شفقت کرنے والا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں امام صاحب کا مذہب:

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر موصی کے ورثاء بچے اور چھوٹے ہوں تو اپنے غلام کو وصی بنانا درست اور جائز ہے اور اس جواز کی دلیل یہ ہے کہ غلام عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے امور کا مخاطب ہے، اس لیے تصرف میں مستقل اور خود مختار ہے اور اس پر کسی کو ولایت بھی حاصل نہیں ہے کہ منع اور حجر کا سوال پیدا ہو، اس لیے کہ موصی کے ورثاء اگر چہ اس غلام کے مالک ہیں لیکن اپنی کم عمری کی وجہ سے انھیں غلام کو روکنے اور منع کرنے کا حق نہیں ہے، اس لیے اس کی ولایت ثابت ہے اور رقیت سے اس کا ٹکراؤ نہیں ہے اور پھر موصی کا اسے وصی بنانا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ وہ غلام اپنے موصی کا معتبر اور پسندیدہ ہے اور موصی نے اسے اپنے بچوں کے حق میں بہتر اور مشفق سمجھنے کے بعد ہی اسے یہ ذمہ داری سونپی ہے، لہٰذا اس کی وصایت صحیح ہے۔ اور جیسے اگر موصی اپنے مکاتب کو وصی بناتا تو صحیح ہوتا، اسی طرح جب اس نے اپنے رقیق کو وصی بنادیا تو یہ بھی درست اور جائز ہے۔

والوصاية الخ: رہا سوال وصایت کے متجزی ہونے کا تو اس کے دو جواب ہیں (۱) پہلا جواب تو یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق ان کے یہاں وصایت میں تجزی ہوسکتی ہے، لہٰذا اس پہلو کو لے کر ان پر اعتراض کرنا ہی بیکار ہے۔ (۲) اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم وصایت میں تجزی نہیں مانیں گے تو اصل ایصاء کو باطل کرنا پڑے گا جیسا کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ نے کیا ہے جب کہ اس میں تجزی ماننے سے صرف وصف ایصاء میں تغیر ہوگا اور ایک عام آدمی بھی اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ اصل میں تغیر برداشت کرلینا اسے باطل کرنے سے اولیٰ اور عمدہ ہے، لہٰذا وصایت میں تجزی ہونا مان لیا جائے گا اور اسے باطل ہونے نیز عاقل بالغ کے کلام کو لغو قرار دینے سے بچالیا جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى إِلٰى مَنْ يَعْجِزُ عَنِ الْقِيَامِ بِالْوَصِيَّةِ ضَمَّ إِلَيْهِ الْقَاضِيْ غَيْرَهُ رِعَايَةً لِحَقِّ الْمُوْصِيْ وَالْوَرَثَةِ، وَهٰذَا لِأَنَّ تَكْمِيْلَ النَّظْرِ يَحْصُلُ بِضَمِّ الْاٰخَرِ إِلَيْهِ لِصِيَانَتِهِ وَبَعْضِ كِفَايَتِهِ فَيَتِمُّ النَّظْرُ بِإِعَانَةِ غَيْرِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ایسے آدمی کو وصی بنادیا جو ادائے وصیت سے عاجز ہو تو موصی اور ورثاء کے حق کی رعایت کے لیے قاضی اس کے ساتھ دوسرے آدمی کو ملا دے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ وصی کے ساتھ دوسرے کو ملانے سے شفقت کی تکمیل ہوجائے گی، کیونکہ دوسرے سے وصی کی صیانت بھی ہوگی اور کچھ کفایت بھی ہوگی لہٰذا دوسرے کی اعانت سے شفقت تام ہوجائے گی۔

اللغات:

﴿أوصٰى﴾ وصیت کی۔ ﴿صيانة﴾ حفاظت کرنا۔ ﴿إعانة﴾ مدد کرنا۔

عاجز کو وصی بنانا:

مسئلہ تو آسان اور واضح ہے کہ اگر کسی نے کسی نااہل اور عاجز شخص کو وصی بنادیا تو اب قاضی کی یہ ذمے داری ہے کہ اس کے ساتھ کسی ہوشیار اور چالاک آدمی کو بھی شامل کردے اور ان دونوں کو وصایت کے فرائض انجام دینے کی تاکید وتلقین کرے۔ ایسا کرنے سے موصی اور اس کے ورثاء کا بھی فائدہ ہوگا اور خود وصی کا بھی فائدہ ہوگا۔ موصی اور ورثاء کا فائدہ تو اس طرح ہوگا کہ دونوں کے مل کر

کام کرنے سے ان کے حق میں شفقت مکمل طور پر نمایاں ہوگی۔ اور وصی کا فائدہ اس طور پر ہوگا کہ معاون ملنے سے اس کو تقویت ملے گی اور اس کا کام آسان ہوجائے گا۔

وَلَوْشَكَى إِلَيْهِ الْوَصِيُّ ذٰلِكَ لَايُجِيْبُهُ حَتّٰى يَعْرِفَ ذٰلِكَ حَقِيْقَةً، لِأَنَّ الشَّاكِيْ قَدْ يَكُوْنُ كَاذِبًا تَخْفِيْفًا عَلٰى نَفْسِهٖ، وَإِذَا ظَهَرَ عِنْدَ الْقَاضِيْ عَجْزُهٗ أَصْلًا اِسْتَبْدَلَ بِهٖ رِعَايَةً لِلنَّظْرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، وَلَوْ كَانَ قَادِرًا عَلَى التَّصَرُّفِ اَمِيْنًا فِيْهِ لَيْسَ لِلْقَاضِيْ أَنْ يُخْرِجَهٗ، لِأَنَّهٗ لَوْ اِخْتَارَ غَيْرَهٗ كَانَ دُوْنَهٗ لِمَا أَنَّهٗ كَانَ مُخْتَارَ الْمَيِّتِ وَمَرْضِيَّهٗ فَإِبْقَاؤُهٗ أَوْلٰى، وَلِهٰذَا قُدِّمَ عَلٰى أَبِ الْمَيِّتِ مَعَ وُفُوْرِ شَفَقَتِهٖ فَأَوْلٰى أَنْ يُقَدَّمَ عَلٰى غَيْرِهٖ.

ترجمه: اور اگر وصی نے قاضی سے اپنی بے بسی کی شکایت کی تو قاضی اس کی بات نہ مانے یہاں تک کہ واقعتاً اسے جان لے، کیونکہ شکایت کرنے والا اپنے نفس پر تخفیف کی خاطر کبھی جھوٹ بول دیتا ہے، اور جب قاضی کے پاس یقینی طور پر اس کا عجز ظاہر ہوجائے تو جانبین سے شفقت کی رعایت کرتے ہوئے قاضی اسے بدل دے۔ اور اگر وصی تصرف پر قادر ہو اور تصرف میں امانت دار ہو تو قاضی کو اسے برخاست کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اگر قاضی اس کے علاوہ کو اختیار کرے گا تو وہ غیر اس سے کم تر ہوگا، کیونکہ پہلا وصی میت کا منتخب کردہ اور اس کا پسندیدہ تھا، لہٰذا اسے باقی رکھنا زیادہ بہتر ہے اسی لیے وہ میت کے باپ پر مقدم کیا جاتا ہے جب کہ باپ کی شفقت کامل ہوتی ہے تو باپ کے علاوہ پر تو بدرجۂ اولیٰ اسے مقدم کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿شکی﴾ شکایت کی۔ ﴿لا یجیبهٗ﴾ اس کی بات مت مانے۔ ﴿کاذب﴾ جھوٹا۔ ﴿تخفیف﴾ ہلکا کرنے کے لیے۔ ﴿استبدل به﴾ اس کو تبدیل کردے۔ ﴿مرضیّ﴾ پسندیدہ۔ ﴿إبقاء﴾ بچانا، باقی رکھنا۔

وصی کا عجز کی شکایت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر وصی خود قاضی سے اپنی عاجزی اور بے بسی کی شکایت کرے تو قاضی محض اس کی شکایت پر اسے وصایت سے نہ نکالے، کیونکہ بعض لوگ کام چور ہوتے ہیں اور جی چرانے کے لیے کذب بیانی کرتے ہیں۔ لہٰذا قاضی کو چاہیے کہ اچھی طرح اس کی تحقیق کرائے اور تحقیق سے جب محقق طور پر یہ واضح ہوجائے کہ واقعی وصی مجبور ہے اور وہ وصایت کی ذمہ داری نہیں ادا کرسکے گا تو اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو وصی بنادے، تاکہ اس سے ورثاء کے حق کی بھی رعایت اور حفاظت ہو اور وصی کے حق میں بھی رعایت ہو۔

ولو کان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر پہلا وصی تصرف پر قادر ہو اور اس سلسلے میں امانت دار ہو تو قاضی کو اسے برخاست کرنے اور وصایت سے نکالنے کا ہرگز حق نہیں ہے، کیونکہ یہ میت کا منتخب کیا ہوا اور اس کا پسندیدہ وصی ہے اور ہوسکتا ہے کہ قاضی جسے اس کی جگہ مقرر کرنا چاہ رہا ہو وہ اس سے خراب اور بے ایمان ہو اس لیے بلاوجہ اور بدون عذر قاضی کو میت کے مقرر کردہ وصی کو ہٹانے کا حق نہیں ہوگا اور پھر جب یہ وصی میت کے باپ پر مقدم ہے حالانکہ باپ کی شفقت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے تو باپ کے علاوہ دوسرے لوگ کس کھیت کی مولی ہیں کہ اس پر اپنی برتری جتلائیں اس لیے اگر وصیٔ اول میں کوئی کمی اور خرابی نہ ہو تو وصایت کا

سب سے زیادہ مستحق وہی ہوگا۔

وَكَذَا إِذَا شَكَى الْوَرَثَةُ أَوْ بَعْضُهُمُ الْوَصِيَّ إِلَى الْقَاضِيْ فَإِنَّهُ لَايَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَعْزِلَهُ حَتّٰى تَبْدُوَلَهُ مِنْهُ خِيَانَةٌ، لِأَنَّهُ اِسْتَفَادَ الْوِلَايَةَ مِنَ الْمَيِّتِ غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا ظَهَرَتِ الْخِيَانَةُ فَالْمَيِّتُ إِنَّمَا نَصَبَهُ وَصِيًّا لِأَمَانَتِهٖ وَقَدْ فَاتَتْ، وَلَوْكَانَ فِي الْأَحْيَاءِ لَأَخْرَجَهُ مِنْهَا فَعِنْدَ عِجْزِهٖ يَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهُ كَأَنَّهُ لَاوَصِيَّ لَهُ.

ترجمه: ایسے ہی جب ورثاء نے یا کسی وارث نے قاضی سے وصی کی شکایت کی تو قاضی کے لیے وصی کو معزول کرنا مناسب نہیں ہے، یہاں تک کہ قاضی کے سامنے وصی کی طرف سے خیانت ظاہر ہوجائے، اس لیے کہ وصی نے میت سے ولایت حاصل کی ہے، لیکن جب خیانت ظاہر ہو، اس لیے کہ میت نے اس کی امانت کی وجہ سے اسے وصی بنایا تھا اور وہ فوت ہوچکی ہے اور اگر موصی زندہ ہوتا تو وصی کو وصایت سے خارج کردیتا، لہٰذا موصی کے عاجز ہونے کی صورت میں قاضی اس کے قائم مقام ہوگا گویا کہ میت کا وصی ہی نہیں ہے۔

اللغات:

﴿شکی﴾ شکایت کی۔ ﴿لاینبغی﴾ مناسب نہیں ہے۔ ﴿یعزله﴾ اس کو معزول کردے۔ ﴿تبدوا﴾ ظاہر ہوجائے۔ ﴿استفاد﴾ فائدہ حاصل کیا ہے۔ ﴿ینوب﴾ نائب ہوگا۔

ورثاء کے وصی پر اعتراض کرنے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی کے تمام ورثاء نے یا کچھ وارثوں نے قاضی سے وصی کی شکایت کی تو قاضی کو چاہیے کہ محض شکایت سن کر فوراً معزول نہ کرے، ہاں جب قاضی کے سامنے وصی کی خیانت ظاہر ہوجائے تو اس پر کاروائی کرے، لیکن جلد بازی میں قاضی کوئی فیصلہ نہ کرے، کیونکہ موجودہ وصی کو میت کی طرف سے ولایت حاصل ہوئی ہے، اس لیے اسے برخاست کرنے میں عجلت نہیں کی جائے گی، لیکن جب اس کی خیانت ظاہر ہوجائے تو اسے بھگانے میں دیر نہیں کی جائے گی اور پہلی فرصت میں اسے باہر کا راستہ دکھایا جائے گا۔ اس لیے کہ موصی نے اسے امانت دار سمجھ کر وصی بنایا تھا حالانکہ وہ خائن نکل آیا اور ظاہر ہے کہ اگر اس وقت موصی زندہ ہوتا تو اسے وصایت سے برطرف کردیتا لیکن مرنے کی وجہ سے وہ برطرف کرنے سے عاجز ہوگیا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے قاضی اس کا نائب بن کر وصی کو برطرف کردے گا اور یہ کہا جائے گا کہ میت نے کسی کو وصی ہی نہیں بنایا تھا لہٰذا قاضی دوسرے شخص کو از سرِ نو اس کا وصی مقرر کرے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى إِلَى اثْنَيْنِ لَمْ يَكُنْ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ دُوْنَ صَاحِبِهٖ، إِلَّا فِيْ أَشْيَاءَ مَعْدُوْدَةٍ نُبَيِّنُهَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ يَتَفَرَّدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالتَّصَرُّفِ فِيْ جَمِيْعِ الْأَشْيَاءِ، لِأَنَّ الْوِصَايَةَ سَبِيْلُهَا الْوِلَايَةُ وَهِيَ وَصْفٌ شَرْعِيٌّ لَاتَتَجَزّٰى فَيَثْبُتُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا

كَمَلًا كَوِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ لِلْأَخَوَيْنِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْوَصَايَةَ خِلَافَةٌ وَ إِنَّمَا تَتَحَقَّقُ إِذَا انْتَقَلَتِ الْوِلَايَةُ إِلَيْهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ كَانَ ثَابِتًا لِلْمُوْصِيْ وَقَدْ كَانَ بِوَصْفِ الْكَمَالِ، لِأَنَّ اِخْتِيَارَ الْأَبِ إِيَّاهُمَا يُؤْذِنُ بِاخْتِصَاصِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالشَّفَقَةِ فَيَنْزِلُ ذٰلِكَ مَنْزِلَةَ قَرَابَةِ كُلِّ وَاحِدٍ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے دولوگوں کو وصی بنایا تو حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں ان میں سے ایک کو دوسرے ساتھی کے بغیر تصرف کا حق نہیں ہے مگر چند چیزوں میں جنھیں انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہرایک تمام چیزوں میں تصرف کرنے میں متفرد ہوگا۔ اس لیے کہ وصایت کا طریقہ ولایت ہے اور ولایت ایک شرعی وصف ہے جو متجزی نہیں ہوتا لہٰذا ان میں سے ہرایک کے لیے یہ ولایت کامل طور پر ثابت ہوگی جیسے دو بھائیوں کے لیے ولایت انکاح (کامل طور پر ثابت ہوتی ہے) اور یہ اس لیے کہ وصایت خلافت ہے اور خلافت اس وقت متحقق ہوتی ہے جب وصی کی طرف اسی طریقے سے ولایت منتقل ہو جس طرح موصی کے لیے ثابت تھی اور موصی کے لیے یہ ولایت وصفِ کمال کے ساتھ ثابت تھی۔

اور اس لیے کہ باپ کا ان دونوں کو اختیار کرنا ان میں سے ہرایک کے شفقت کے ساتھ مختص ہونے کی خبر دیتا ہے لہٰذا اس اختصاص کو ہرایک کی قرابت کے درجے میں اتار لیا جائے گا۔

اللغات:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿معدودة﴾ گنی چنی۔ ﴿یؤذن﴾ آگاہ کرتا ہے۔ ﴿اختصاص﴾ خاص ہونا۔ ﴿قرابة﴾ رشتہ داری۔

بیک وقت دو آدمیوں کو وصی بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک ساتھ دولوگوں کو اپنا وصی بنایا تو حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں وہ دونوں ایک ساتھ تصرف کرنے کے مجاز ہوں گے اور چند چیزوں کو چھوڑ کر بقیہ تمام چیزوں میں ان میں سے کسی ایک کے لیے انفرادی طور پر تصرف کا حق نہیں ہوگا۔ جب کہ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کی وصایت ہرایک کے لیے علی سبیل الکمال ہوگی اور ہر چیز میں ان میں سے ہر کسی کو انفراداً تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ اس سلسلے میں حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تین دلیلیں پیش کی ہیں:

1. پہلی دلیل یہ ہے کہ وصایت بذریعہ ولایت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ موصی وصی کو اپنے اموال کی ذمہ داری سونپتا اور سپرد کرتا ہے اور ولایت ایک شرعی وصف ہے جس میں تجزی اور تقسیم نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہ ولایت دونوں وصی میں سے ہرایک کے لیے کامل طور پر ثابت ہوگی اور کامل طور پر اس کے ثبوت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے تصرف میں آزاد ہوں اور کوئی کسی کا محتاج نہ ہو، جیسے ایک لڑکی کے دو بھائی ہوں تو وہ دونوں اس کا نکاح کرنے میں مکمل طور پر خود مختار اور مستقل ہوں گے اور کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوگا، اسی طرح ایک وصی بھی اپنے تصرف میں دوسرے کا محتاج نہیں ہوگا۔

2. دوسری دلیل یہ ہے کہ وصایت خلافت ہے اور خلیفہ کے لیے جو خلافت ثابت ہوتی ہے وہ ان تمام اوصاف اور لوازمات کے

ساتھ ثابت ہوتی ہے جو اصل کے لیے ثابت تھے اور چوں کہ اصل یعنی موصی کے لیے یہ ولایت کامل طور پر ثابت تھی، لہٰذا کامل طور پر ہی اس کے خلفاء کے لیے بھی اس کا ثبوت ہوگا۔ اور کمال اسی وقت ثابت ہوگا جب ہر ہر وصی تصرف میں آزاد اور خود مختار ہو۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جب میت نے دو لوگوں کو وصی بنا دیا تو اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ ان دونوں کی شفقت کو خاص اور اہم سمجھ رہا ہے اور یہ اہمیت انھیں موصی کی قرابت سے ہم کنار کرے گی اور موصی کے قرابت داروں کے لیے کامل طور پر ولایت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ان کے لیے بھی علی وجہ الکمال ولایت اور وصایت ثابت ہوگی اور جملہ امور میں ان میں سے ہر ایک تنِ تنہا تصرف کا مالک ہوگا۔

وَلَهُمَا أَنَّ الْوِلَايَةَ تَثْبُتُ بِالتَّفْوِيْضِ فَيُرَاعٰى وَصْفُ التَّفْوِيْضِ وَهُوَ وَصْفُ الْإِجْتِمَاعِ، إِذْ هُوَ شَرْطٌ مُفِيْدٌ وَمَا رَضِيَ الْمُوْصِيْ إِلَّا بِالْمُثَنّٰى وَلَيْسَ الْوَاحِدُ كَالْمُثَنّٰى بِخِلَافِ الْأَخَوَيْنِ فِي الْإِنْكَاحِ، لِأَنَّ السَّبَبَ هُنَالِكَ الْقَرَابَةُ وَقَدْ قَامَتْ بِكُلٍّ مِنْهُمَا كَمَلًا، وَلِأَنَّ الْإِنْكَاحَ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ لَهَا عَلَى الْوَلِيِّ حَتّٰى لَوْ طَالَبَتْهُ بِإِنْكَاحِهَا مِنْ كُفُوٍ يَخْطُبُهَا يَجِبُ عَلَيْهِ، وَهٰهُنَا حَقُّ التَّصَرُّفِ لِلْوَصِيِّ وَلِهٰذَا يَبْقٰى مُخَيَّرًا فِي التَّصَرُّفِ، فَفِي الْأَوَّلِ أَوْفٰى حَقًّا عَلٰى صَاحِبِهٖ فَصَحَّ، وَفِي الثَّانِيْ اِسْتَوْفٰى، لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لَهُمَا فَإِذَا تَصَرَّفَ وَحْدَهُ حَقًّا لِصَاحِبِهٖ فَلَايَصِحُّ.

ترجمہ: حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ ولایت تفویض سے ثابت ہوتی ہے لہٰذا وصفِ تفویض کی رعایت کی جائے گی اور وصفِ تفویض وصفِ اجتماع ہے کیونکہ اجتماع شرطِ مفید ہے اور موصی دو وصی سے ہی راضی ہے اور ایک دو کے مثل نہیں ہے۔

برخلاف دو بھائیوں کے نکاح کرنے کی ولایت کے، اس لیے کہ یہاں سبب (ولایت) قرابت ہے اور قرابت ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کامل طور پر قائم ہے۔ اور اس لیے کہ نکاح کرنا عورت کے لیے ولی پر واجب شدہ حق ہے، یہاں تک کہ اگر عورت اپنے ولی سے ایسے کفو سے نکاح کرنے کا مطالبہ کرے جس نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہو تو ولی پر نکاح کرنا واجب ہے۔ اور یہاں تصرف کا حق وصی کو ہے اسی لیے ولی تصرف میں بااختیار ہے اور پہلی صورت میں ولی نے ایسا حق ادا کیا ہے جو اس کے ساتھی پر واجب ہے اس لیے صحیح ہے اور دوسری صورت میں وصی نے وصول کیا ہے، کیونکہ تصرف کی ولایت دونوں کو حاصل ہے، لہٰذا جب تنہا ایک نے اپنے ساتھی کے حق میں تصرف کیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔

اللغات:

﴿تثبت﴾ ثابت ہوتی ہے۔ ﴿تفویض﴾ سپرد کرنا۔ ﴿یراعٰی﴾ رعایت رکھی جائے گی۔ ﴿إنکاح﴾ نکاح کرانا۔ ﴿کفو﴾ ہم سر۔ ﴿یخطب﴾ نکاح کی درخواست کرتا ہے۔ ﴿استوفٰی﴾ پوری وصولی کر لے۔

طرفین کی دلیل:

یہاں سے حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وصی کو جو وصایت اور ولایت حاصل ہوئی ہے وہ تفویض یعنی موصی کی جانب سے دینے اور سپرد کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے لہٰذا اس میں وصفِ تفویض کی پوری رعایت کی جائے گی۔ اور موصی نے اس تفویض کو وصفِ اجتماع کے ساتھ انجام دیا ہے لہٰذا وصی کے حق میں بھی وصفِ اجتماع کے ساتھ یہ منتقل ہوگی اور وصفِ اجتماع امر مفید بھی ہے، اس لیے کہ ایک کے مقابلے دو کی قوت کا اقویٰ ہونا ظاہر و باہر ہے اور پھر موصی نے بھی دو وصی پر رضامندی ظاہر کی ہے، لہٰذا ایک کو تصرف کا چارج دینا موصی کی منشاء اور رضامندی کے بھی خلاف ہے اور وصفِ تفویض کے بھی مخالف ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ایک وصی کو تصرف کا اختیار دینا درست نہیں ہے۔

بخلاف الأخوين الخ: یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب ہے۔ فرماتے ہیں کہ وصایت والے مسئلے کو دو بھائیوں کے نکاح والے مسئلے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ولایت انکاح کا سبب قرابت ہے اور قرابت دو بھائیوں کے لیے مکمل طور پر ثابت ہے، لہٰذا نکاح کرنے میں ان میں سے ہر ایک علی وجہ الکمال خود مختار اور خود مستقل ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکی کا نکاح کرنا اس کے ولی پر واجب ہے حتی کہ اگر کسی شخص نے لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا اور وہ اس کا کفو ہے تو لڑکی کے مطالبے پر اس کے ولی کے لیے اس کا نکاح کرنا واجب ہے جب کہ وصی پر کوئی بھی چیز واجب نہیں ہے، اسی لیے وصی کو تصرف میں اختیار رہتا ہے۔ اب اگر پہلے یعنی نکاح والے مسئلے میں اگر ایک ہی بھائی نے بہن کا نکاح کر دیا تو گویا اس نے دوسرے بھائی کے سر سے ایک واجب کا بوجھ اتار کر اسے سہولت مہیا کر دی، اس لیے ایک بھائی کا یہ فعل صحیح ہے، لیکن دوسرے یعنی وصایت والے مسئلے میں چوں کہ وصیوں پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، اس لیے اس میں ایک وصی نے اگر کوئی کام کیا تو درحقیقت اس نے دوسرے وصی کا حق چھین لیا لہٰذا یہاں ایک کا فعل صحیح نہیں ہے، بلکہ دونوں کے لیے مل کر کام کرنا ضروری ہے۔

أَصْلُهُ الدَّيْنِ الَّذِي عَلَيْهِمَا وَلَهُمَا، بِخِلَافِ الْأَشْيَاءِ الْمَعْدُوْدَةِ، لِأَنَّهَا مِنْ بَابِ الضَّرُوْرَةِ لَا مِنْ بَابِ الْوَصَايَةِ، وَمَوَاضِعُ الضَّرُوْرَةِ مُسْتَثْنَاةٌ أَبَدًا، وَهِيَ مَا اسْتَثْنَاهُ فِي الْكِتَابِ وَأَخَوَاتِهَا فَقَالَ إِلَّا فِي شِرَاءِ كَفَنِ الْمَيِّتِ وَتَجْهِيْزِهِ، لِأَنَّ فِي التَّأْخِيْرِ فَسَادَ الْمَيِّتِ، وَلِهٰذَا يَمْلِكُهُ الْجِيْرَانُ عِنْدَ ذٰلِكَ، وَطَعَامِ الصِّغَارِ وَكُسْوَتِهِمْ لِأَنَّهُ يُخَافُ مَوْتُهُمْ جُوْعًا وَعُرْيَانًا.

ترجمہ: اس کی اصل وہ قرض ہے جو ان پر ہو اور ان دونوں کے لیے ہو۔ برخلاف اشیائے معدودہ کے، کیونکہ وہ ضرورت کے باب سے ہیں نہ کہ وصایت کے باب سے اور مقامات ضرورت ہمیشہ مستثنیٰ رہتے ہیں۔ اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کا قدوری میں استثناء کیا ہے اور ان کی نظیریں ہیں۔ چنانچہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مگر میت کا کفن خریدنے میں اور اس کی تجہیز میں، کیونکہ دیر کرنے میں میت کا فساد ہے، اسی لیے تاخیر کے وقت پڑوسی تجہیز کے مالک ہوں گے۔ اور بچوں کا کھانا اور ان کا کپڑا خریدنے میں، اس لیے کہ بھوکے اور ننگے ہو کر بچوں کے مرنے کا خوف ہے۔

اللغات:

﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿معدودۃ﴾ گنی چنی۔ ﴿أبدًا﴾ ہمیشہ۔ ﴿شراء﴾ خریدنا۔ ﴿جوع﴾ واحد جائع؛ بھوکے۔ ﴿عریان﴾ واحد عری؛ ننگے۔

مسئلہ کی تخریج:

صاحب ہدایہ رالٹیلیہ فرماتے ہیں کہ ولایتِ انکاح اور ولایتِ وصایت کی مثال ایسی ہے جیسے نعمان کا سلیم اور سلمان دونوں پر قرض ہو اور سلیم کا قرض بھی سلمان ادا کردے تو یہ ولایتِ انکاح کی مثال ہے گویا اس صورت میں سلمان نے سلیم کا حق واجبی ادا کر کے اس کے لیے سہولت مہیا کردی ہے۔ اس کے برخلاف اگر نعمان پر سلیم اور سلمان دونوں کا قرض ہو اور صرف سلمان دونوں کا حصہ وصول کرلے تو یہ صحیح نہیں ہے، یعنی اس سے سلیم کا حق ادا نہیں ہوگا، کیونکہ سلمان نے اس کے حصے کا قرض وصول کر کے اس کا حق چھین لیا ہے یہ وصایت کی مثال ہے۔

بخلاف الأشیاء المعدودۃ الخ: فرماتے ہیں کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو وصفِ اجتماع سے خارج ہیں اور انھیں دونوں میں سے کوئی بھی وصی کرسکتا ہے، کیونکہ یہ اشیاء از قبیلِ ضرورت ہیں اور ضرورت کے مواقع ہمیشہ مستثنیٰ ہوتے ہیں اور امام قدوری رالٹیلیہ نے ان چیزوں کو شمار بھی کرایا ہے۔

(۱) میت کے کفن کا کپڑا خریدنا ہو اور دونوں وصی موجود نہ ہوں تو ایک ہی وصی خرید سکتا ہے۔

(۲) میت کی تجہیز کا معاملہ درپیش ہو اور دونوں وصی موجود نہ ہوں تو بھی ایک ہی وصی اسے انجام دے سکتا ہے۔ کیونکہ تاخیر کرنے اور دوسرے وصی کا انتظار کرنے میں میت کے سڑنے اور خراب ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے دوسرے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر میت کے دونوں وصی موجود نہ ہوں تو اس کے پڑوسی اس کی تجہیز وتکفین کردیں گے اور کسی کا انتظار نہیں کریں گے۔

(۳) اگر موصی کے چھوٹے بچوں کو کھانے کی ضرورت ہو یا کپڑے کی ضرورت ہو اور ایک ہی وصی موقع پر موجود ہو تو ان صورتوں میں بھی دوسرے کا انتظار کئے بغیر وہ وصی تنِ تنہا ان بچوں کے کھانے اور کپڑے کا نظم کردے گا اور دوسرے کا انتظار نہیں کرے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دوسرے کے انتظار میں یہ بچے بھوکے اور ننگے مرجائیں اور جو موجود ہو اس پر ہلاک کرنے کی تہمت عائد ہوجائے۔

وَرَدِّ الْوَدِيْعَةِ بِعَيْنِهَا وَرَدِّ الْمَغْصُوْبِ وَالْمُشْتَرِى شِرَاءً فَاسِدًا وَحِفْظِ الْأَمْوَالِ وَقَضَاءِ الدُّيُوْنِ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ فَإِنَّهُ يَمْلِكُهُ الْمَالِكُ وَصَاحِبُ الدَّيْنِ إِذَا ظَفِرَ بِجِنْسِ حَقِّهِ، وَحِفْظُ الْمَالِ يَمْلِكُهُ مَنْ يَقَعُ فِي يَدِهِ فَكَانَ مِنْ بَابِ الْإِعَانَةِ، وَلِأَنَّهُ لَايَحْتَاجُ فِيْهِ إِلَى الرَّأْيِ، وَتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ بِعَيْنِهَا وَعِتْقِ عَبْدٍ بِعَيْنِهِ، لِأَنَّهُ لَايَحْتَاجُ فِيْهِ إِلَى الرَّأْيِ، وَالْخُصُوْمَةُ فِي حَقِّ الْمَيِّتِ، لِأَنَّ الْإِجْتِمَاعَ فِيْهَا مُتَعَذِّرٌ وَلِهٰذَا يَتَفَرَّدُ بِهَا أَحَدُ الْوَكِيْلَيْنِ، وَقُبُوْلِ الْهِبَةِ، لِأَنَّ فِي التَّاخِيْرِ خِيْفَةَ الْفَوَاتِ، وَلِأَنَّهُ يَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَالَّذِيْ فِيْ حِجْرِهٖ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ

بَابِ الْوِلَايَةِ.

ترجمہ: اور بعینہ ودیعت واپس کرنے میں، مغصوب واپس کرنے میں، شرائے فاسد کے طور پر خریدی ہوئی چیز واپس کرنے میں، اموال کی حفاظت میں، قرضوں کی ادائیگی میں، کیونکہ یہ امور ولایت کے باب سے نہیں ہیں چنانچہ مالک اور صاحبِ دین اس چیز کے مالک ہوجائیں گے جب وہ اپنے حق کی جنس کو پالیں۔ اور حفظ مال کا وہ شخص مالک ہوگا جس کے قبضہ میں مال واقع ہو، لہٰذا یہ اعانت کے باب سے ہوگا، اور اس لیے کہ اس میں رائے کی ضرورت نہیں ہے اور متعین وصیت کو نافذ کرنے اور متعین غلام کو آزاد کرنے میں، کیونکہ اس میں رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور میت کے حق میں خصومت کے ساتھ متفرد ہوگا۔ اور ہبہ قبول کرنے میں کیونکہ تاخیر میں فوات کا خوف ہے اور اس لیے کہ ماں اس کے قبول کرنے کی مالک ہے اور وہ شخص بھی مالک ہے جس کی پرورش میں وہ بچہ ہو، لہٰذا یہ ولایت کے باب سے نہیں ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿ردّ﴾ لوٹانا۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔ ﴿شراء﴾ خریدا۔ ﴿دیون﴾ واحد دین؛ قرضے۔ ﴿إعانة﴾ مدد کرنا۔ ﴿خیفة﴾ خدشہ، اندیشہ۔ ﴿حجر﴾ پرورش، گود۔

وصی کے تصرفات کا دائرۂ کار:

جن چند چیزوں کا استثناء کیا گیا ہے ان میں سے یہ اشیاء بھی ہیں جن میں ایک ہی وصی تصرف کرنے کا حق دار ہوگا اور اس کا تصرف جائز ہوگا اگر چہ دوسرا وصی موجود نہ ہو:

1. موصی کے پاس کسی شخص کی متعین اور معلوم چیز مثلاً سائیکل ودیعت ہو تو اسے واپس کرنے میں دونوں وصیوں کا اجتماع ضروری نہیں ہے اور ایک ہی وصی واپس کرنے کا مجاز ہوگا۔
2. موصی نے کوئی چیز غصب کی ہو۔
3. موصی نے شرائے فاسد کے طور پر کوئی چیز خریدی ہو تو ان کے واپس کرنے میں دوسرے وصی کا حاضر ہونا ضروری نہیں ہوگا۔
4. موصی کے اموال کی حفاظت وصیانت کے لیے بھی دونوں کا اجتماع ضروری نہیں ہے۔
5. اگر موصی پر لوگوں کے قرضے ہوں تو ایک وصی ان قرضوں کو ادا کرے اور دوسرے کا انتظار نہ کرے۔

کیونکہ یہ امور باب ولایت اور وصایت سے نہیں ہیں اور وصی کے علاوہ دیگر لوگ بھی ان امور کو انجام دے سکتے ہیں چنانچہ مودِع کا حق یعنی دین مل جائے تو وہ اسے لے لے گا اور جہاں تک حفظِ اموال کا تعلق ہے تو حفاظت کے لیے بھی وصی ہی مخصوص نہیں ہے، بلکہ جس کے ہاتھ میں بھی مال چلا جائے وہی اس کی حفاظت کرسکتا ہے، لہٰذا حفظ اموال باب ولایت سے نہیں، بلکہ بابِ اعانت سے ہے اور پھر یہ ایسا کوئی پیچیدہ مسئلہ بھی نہیں ہے کہ اس میں دو لوگوں کی رائے شامل کی جائے اس لیے ایک ہی وصی اس کام کو بھی انجام دے سکتا ہے۔

وتنفیذ وصیة الخ: فرماتے ہیں کہ اگر معین وصیت ہو تو اسے نافذ کرنے کے لیے بھی ایک ہی وصی کافی ہے اسی طرح اگر

کسی معین غلام کو آزاد کرنے کا مسئلہ ہو تو اس میں بھی ایک وصی سے کام چل جائے گا۔ اور دونوں کا اجتماع ضروری نہیں ہوگا، کیونکہ ان میں بھی اجتماع رائے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر میت کے حق کے لیے کسی شخص سے خصومت کرنی پڑے تو اس میں بھی ایک ہی وصی کی ضرورت ہوگی جیسا کہ اس میں ایک ہی وکیل سے کام چل جاتا ہے، کیونکہ خصومت کے لیے چاہ کر بھی دو وصی اور دو وکیل نہیں ہوسکتے ورنہ تو قاضی کی مجلس میں شور شغب ہوگا جو آداب مجلس کے خلاف ہے۔

وقبول الهبة الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بچوں کے لیے کچھ ہدیہ یا ہبہ کرے تو ایک ہی وصی اسے قبول کرسکتا ہے، اس لیے کہ اگر اس کے لیے دوسرے وصی کا انتظار کیا جائے گا تو ہوسکتا ہے کہ ہبہ کرنے والا اس سے پھر جائے اور بچوں کا نقصان ہوجائے۔ اسی لیے بچے کی ماں بھی اس ہبہ کو قبول کرسکتی ہے اور وہ شخص بھی بچے کے لیے اسے قبول کرسکتا ہے تو جب بچے کی ماں اور اس کا نگراں ہبہ قبول کرسکتے ہیں تو اس کا وصی بدرجۂ اولیٰ قبول کرسکتا ہے چاہے دوسرا وصی موجود ہو یا نہ ہو۔

وَبَيْعِ مَا يَخْشٰى عَلَيْهِ التَّوٰى وَالتَّلَفَ، لِأَنَّ فِيْهِ ضَرُوْرَةً لَاتُخْفٰى وَجَمْعِ الْأَمْوَالِ الضَّائِعَةِ، لِأَنَّ فِي التَّأْخِيْرِ خَشْيَةَ الْفَوَاتِ، وَلِأَنَّهُ يَمْلِكُهُ كُلُّ مَنْ وَقَعَ فِيْ يَدِهٖ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ.

ترجمه: اور اس چیز کو فروخت کرنے میں جس کی ہلاکت اور ضیاع کا خوف ہو، کیونکہ اس میں ایسی ضرورت ہے جو مخفی نہیں ہے۔ اور متفرق مالوں کو جمع کرنے میں، اس لیے کہ دیر کرنے میں فوت ہونے کا ڈر ہے اور اس لیے کہ ہر وہ شخص اس کا مالک ہے جس کے ہاتھ میں یہ واقع ہو لہٰذا یہ باب ولایت سے نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿یخشی﴾ خدشہ ہو۔ ﴿توی﴾ ہلاکت۔ ﴿تلف﴾ ضیاع۔ ﴿خشیة﴾ خدشہ۔

وصی کے تصرفات کا دائرۂ کار:

فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کے خراب اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو جیسے دودھ، گوشت اور سبزی وغیرہ تو انھیں بھی ایک وصی فروخت کرسکتا ہے، اسی طرح اگر میت کے متفرق مال اِدھر اُدھر پڑے ہوں تو ایک ہی وصی ان اموال کو جمع کرسکتا ہے اور جمع کرنے کے لیے دوسرے وصی کی موجودگی ضروری نہیں ہے اور اگر انتظار کیا جائے گا تو ان کے فوت اور ہلاک ہونے کا احتمال بڑھ جائے گا، لہٰذا جو وصی موقع پر حاضر ہو اس کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ انھیں جمع کردے۔ اور جب وصی کے علاوہ دوسرے لوگ یہ امور انجام دے سکتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ ولایت کے باب سے نہیں ہے اور جب بابِ ولایت سے نہیں ہے تو ان کی انجام دہی میں ایک اور دو دونوں برابر ہیں۔

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَلَيْسَ لِأَحَدِ الْوَصِيَّيْنِ أَنْ يَبِيْعَ أَوْ يَتَقَاضٰى، وَالْمُرَادُ بِالتَّقَاضِيْ الْإِقْتِضَاءُ، كَذَا كَانَ

الْمُرَادُ مِنْهُ فِيْ عُرْفِهِمْ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ رَضِيَ بِأَمَانَتِهِمَا جَمِيْعًا فِي الْقَبْضِ، وَلِأَنَّهُ فِيْ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ لَاسِيَّمَا عِنْدَ اِخْتِلَافِ الْجِنْسِ عَلٰى مَا عُرِفَ فَكَانَ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ.

ترجمہ: جامع صغیر میں ہے کہ دو وصیوں میں سے ایک کو بیع کرنے یا قبضہ کرنے کا حق نہیں ہے اور تقاضی سے قبضہ کرنا مراد ہے یہی اہل کوفہ کے عرف میں بھی ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ قبضہ کرنے میں موصی ان دونوں کی امانت پر راضی ہوا ہے اور اس لیے کہ قبضہ کرنا مبادلہ کے معنی میں ہے خاص کر اختلاف جنس کے وقت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے تو یہ ولایت کے باب سے ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿یبیع﴾ بیچ ڈالے۔ ﴿یتقاضی﴾ قبضہ کرلے۔

دو وصی مقرر کرنے کی صورت میں ایک وصی کا میدانِ اختیار:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دو لوگوں کو اپنا وصی بنایا ہو تو ان میں سے ایک وصی کے لیے نہ تو کوئی چیز فروخت کرنا اور بیچنا درست ہے اور نہ ہی کسی چیز پر قبضہ کرنا صحیح ہے، کیوں موصی نے ان دونوں کی امانت پر راضی ہو کر انھیں وصایت کی ذمے داری سونپی ہے لہٰذا ایک کی امانت اور ذہانت پر وہ راضی نہیں ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیچنے اور قبضہ کرنے کا تعلق باب ولایت سے ہے اور اس میں مبادلہ کے معنی موجود ہوتے ہیں خواہ جنس متحد ہو یا مختلف اور اختلاف جنس کی صورت میں تو مبادلہ کے معنی کا وجود کچھ زیادہ ہی ظاہر وباہر ہے، لہٰذا فروخت کرنے یا قبضہ کرنے کے لیے دونوں وصیوں کا اجتماع ضروری ہے اور کسی ایک کے لیے تنہا یہ حق نہیں ہے۔

وَلَوْ أَوْصٰى إِلٰى كُلِّ وَاحِدٍ عَلَى الْإِنْفِرَادِ قِيْلَ يَتَفَرَّدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالتَّصَرُّفِ بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيْلَيْنِ إِذَا وَكَّلَ كُلَّ وَاحِدٍ عَلَى الْإِنْفِرَادِ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ لَمَّا أَفْرَدَ فَقَدْ رَضِيَ بِرَأْيِ الْوَاحِدِ، وَقِيْلَ الْخِلَافُ فِي الْفَصْلَيْنِ وَاحِدٌ، لِأَنَّ وُجُوْبَ الْوَصِيَّةِ عِنْدَ الْمَوْتِ بِخِلَافِ الْوَكِيْلَيْنِ، لِأَنَّ الْوَكَالَةَ تَتَعَاقَبُ.

ترجمہ: اور گر موصی نے ہر ایک کو علاحدہ علاحدہ وصی بنایا ہو تو ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک تصرف میں منفرد ہوگا جیسے دو وکیل ہوتے ہیں جب موکل نے ہر ایک کو انفرادی طور پر وکیل بنایا ہو اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جب موصی نے ایک ایک کر کے وصی بنایا تو وہ ایک کی رائے سے راضی ہوگیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں ایک ہی اختلاف ہے، کیونکہ وصیت کا وجوب موت کے وقت ہوگا۔ برخلاف دو وکیلوں کے، کیونکہ وکالت آگے پیچھے ہوتی ہے۔

اللغاتُ:

﴿انفراد﴾ اکیلے ہونے کی حالت۔ ﴿ینفرد﴾ اکیلا ہوگا۔ ﴿تتعاقب﴾ آگے پیچھے ہوتی ہے۔

دو آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ وصی بنانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موصی نے دو لوگوں کو انفرادی انفرادی طور پر وصی بنایا تو بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ دونوں

میں سے ہر ہر وصی تصرف کرنے میں متفرد اور منفرد ہوگا اور کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوگا جیسے اگر موکل دو الگ الگ آدمیوں کو علاحدہ علاحدہ طور پر وکیل بنائے تو وہ دونوں اپنے اپنے حساب سے تصرف کرنے کے مستحق اور مجاز ہوں گے اور کوئی کسی سے اجازت لینے اور اس کے انتظار کرنے کا پابند نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب وصی نے دو لوگوں کو وصایت کی ذمے داری سونپی ہے اور الگ الگ طور پر انھیں وصی بنایا ہے تو وہ ان میں سے ہر ایک کی انفرادی رائے سے خوش ہے اور اجتماع رائے کا ضرورت مند نہیں ہے، اس لیے ہر ہر وصی کا انفرادی تصرف درست اور جائز ہوگا۔

وقیل الخ: فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں یعنی خواہ موصی ایک ساتھ دو لوگوں کو وصی بنائے یا الگ الگ کرکے بنائے حضرات طرفین اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف جاری ہے چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وصی کے لیے تنہا تصرف کرنا جائز ہے، کیونکہ وصیت موت کے وقت واجب ہوتی ہے اور موت کے وقت ہر وصی کا دوسرے کے ساتھ اجتماع ہوگا خواہ انفرادی وصیت ہو یا اجتماعی۔ اس کے برخلاف اگر وکالت انفرادی طور پر ہو تو اس میں اجتماع نہیں ہوگا، کیونکہ وکالت برسبیل تعاقب اور یکے بعد دیگرے ثابت ہوتی ہے لہٰذا جس زمانے میں جو وکیل ہوگا دوسرے زمانے میں وہ وکیل نہیں ہوگا۔ اور حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں اس قول کی بنیاد پر اجتماع اور انفراد دونوں کا حکم ایک ہے یعنی تنہا کسی وصی کے لیے تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا جَعَلَ الْقَاضِيْ مَكَانَهُ وَصِيًّا اٰخَرَ، أَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّ الْبَاقِيْ عَاجِزٌ عَنِ التَّفَرُّدِ بِالتَّصَرُّفِ فَيَضُمُّ الْقَاضِيْ إِلَيْهِ وَصِيًّا اٰخَرَ نَظَرًا لِلْمَيِّتِ عِنْدَ عِجْزِهٖ، وَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْحَيُّ مِنْهُمَا وَ إِنْ كَانَ يَقْدِرُ عَلَى التَّصَرُّفِ فَالْمُوْصِيْ قَصَدَ أَنْ يَخْلُفَهُ مُتَصَرِّفَانِ فِيْ حُقُوْقِهٖ، وَذٰلِكَ مُمْكِنُ التَّحَقُّقِ بِنَصْبِ وَصِيٍّ اٰخَرَ مَكَانَ الْمَيِّتِ، وَلَوْ أَنَّ الْمَيِّتَ مِنْهُمَا أَوْصٰى إِلَى الْحَيِّ فَلِلْحَيِّ أَنْ يَتَصَرَّفَ وَحْدَهُ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ بِمَنْزِلَةِ مَا إِذَا أَوْصٰى إِلٰى شَخْصٍ اٰخَرَ، وَلَايَحْتَاجُ الْقَاضِيْ إِلٰى نَصْبِ وَصِيٍّ اٰخَرَ، لِأَنَّ رَأْيَ الْمَيِّتِ بَاقِيْ حُكْمًا بِرَأْيِ مَنْ يَخْلُفُهُ، وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهُ لَايَنْفَرِدُ بِالتَّصَرُّفِ، لِأَنَّ الْمُوْصِيَ مَارَضِيَ بِتَصَرُّفِهٖ وَحْدَهُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصٰى إِلٰى غَيْرِهٖ لِأَنَّهُ يَنْفُذُ تَصَرُّفُهُ بِرَأْيِ الْمُسْتَثْنٰى كَمَا رَضِيَهُ الْمُتَوَفّٰى.

ترجمه: پھر اگر دو وصیوں میں سے ایک مر جائے تو قاضی اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کردے گا۔ رہا حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں تو اس وجہ سے کہ جو باقی ہے وہ تنہا تصرف کرنے سے عاجز ہے، لہٰذا میت پر شفقت کرتے ہوئے قاضی اس وصی کے عاجز ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ دوسرا وصی ملا دے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان میں سے زندہ وصی اگر چہ تصرف پر قادر ہے، لیکن موصی کا ارادہ یہ ہے کہ اس کے حقوق میں دو لوگ تصرف کرنے والے اس کے خلیفہ ہوں اور اس کا متحقق ہونا میت کی جگہ دوسرا وصی مقرر کرکے ممکن بھی ہے۔

اور اگر دونوں وصیوں میں سے مرنے والے نے زندہ وصی کو اپنا وصی بنا دیا تو ظاہر الروایہ میں زندہ وصی کے لیے تنہا تصرف کرنے کا حق ہے جیسے اس صورت میں جب اس نے دوسرے شخص کو وصی بنایا ہو اور قاضی کو دوسرا وصی مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میت کی رائے اس کے خلیفہ کی رائے سے حکماً باقی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ زندہ وصی تنہا تصرف نہیں کرسکتا، کیونکہ موصی تنہا اس کے تصرف سے راضی نہیں ہوا ہے۔ برخلاف اس صورت میں جب وصی میت نے زندہ وصی کے علاوہ کو وصی بنایا ہو کیونکہ دو لوگوں کی رائے ہو جانے سے زندہ وصی کا تصرف نافذ ہوگا جیسا کہ میت بھی اس سے راضی تھا۔

دو مقرر کردہ وصیوں میں سے ایک کے مرجانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دو وصی مقرر کئے تھے اور ان میں سے ایک وصی مرگیا تو قاضی کو چاہئے کہ اس کی جگہ دوسرا وصی مقرر کردے اور یہ تقرری حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں تو ظاہر ہے کہ ان کے یہاں تنہا ایک وصی تصرف نہیں کرسکتا اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگرچہ ایک وصی تنہا تصرف کرسکتا ہے لیکن میت نے دو وصی مقرر کرکے یہ ارادہ ظاہر کردیا تھا کہ اس کے بعد اس کے مال میں تصرف کرنے والے دو لوگ ہوں اور بغیر پریشانی کے دوسرا وصی مقرر کرکے یہ کام ممکن بھی ہے اس لیے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی مرحوم وصی کی جگہ دوسرا وصی مقرر کردے تاکہ میت اور موصی کے حق میں بھی شفقت متحقق ہوجائے۔

ولو أن المیت الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ میت نے دو لوگوں کو وصی بنایا تھا ان میں سے ایک وصی مرگیا اور بوقتِ موت اس نے اپنے زندہ ساتھی یعنی دوسرے وصی کو اپنا وصی بنا کر اپنے تمام اختیارات اس کے حوالے کردیئے تو ظاہر الروایہ کے مطابق زندہ وصی تنہا تصرف کرسکتا ہے اور قاضی کو دوسرا وصی مقرر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جو وصی زندہ ہے اس کی رائے میں موصی کی رائے بھی شامل ہے اور اس حوالے سے اس کا مقصد مکمل طور پر حاصل ہوچکا ہے اور اگر مرنے والا وصی زندہ وصی کی جگہ دوسرے شخص کو وصی مقرر کرتا تو صحیح تھا، لہٰذا جب اس نے خود اپنے ساتھی کو وصی مقرر کردیا تو بھی وصیت درست ہوگی۔

وعن أبي حنیفة الخ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حسن بن زیادؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ زندہ شخص تنہا تصرف نہیں کرسکتا، کیونکہ موصی تنہا اس ایک کے تصرف سے راضی نہیں ہوا ہے۔ ہاں اگر مرنے والے وصی نے زندہ وصی کے علاوہ دوسرے شخص کو وصی بنا دیا تو اب تصرف نافذ ہوگا، کیونکہ اب اس میں دو لوگوں کی آراء شامل ہوگئی ہیں، لہٰذا جس طرح میت ابتداءً دو لوگوں کی آراء پر راضی تھا ایسے ہی انتہاءً بھی وہ دو لوگوں کی آراء پر راضی ہوگا۔ اور اس کا مقصد حاصل ہوجائے گا۔

وَإِذَا مَاتَ الْوَصِيُّ وَأَوْصَی إِلٰی اٰخَرَ فَهُوَ وَصِيُّهٗ فِيْ تَرِكَتِهٖ وَتَرِكَةِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رحمۃ اللہ علیہ لَايَكُوْنُ وَصِيًّا فِيْ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ اِعْتِبَارًا بِالتَّوْكِيْلِ فِيْ حَالَةِ الْحَيَاةِ، وَالْجَامِعُ بَيْنَهُمَا أَنَّهٗ رَضِيَ بِرَأْيِهٖ لَا بِرَأْيِ غَيْرِهٖ، وَلَنَا أَنَّ الْوَصِيَّ يَتَصَرَّفُ بِوِلَايَةٍ مُنْتَقِلَةٍ إِلَيْهِ فَيَمْلِكُ الْإِيْصَاءَ إِلٰی غَيْرِهٖ كَالْجَدِّ، أَلَايُرٰی أَنَّ الْوِلَايَةَ الَّتِيْ كَانَتْ ثَابِتَةً لِلْمُوْصِيْ تَنْتَقِلُ إِلَی الْوَصِيِّ فِي الْمَالِ وَإِلَی الْجَدِّ فِي النَّفْسِ، ثُمَّ الْجَدُّ قَائِمٌ مَقَامَ

الْأَبِ فِيمَا انْتَقَلَ إِلَيْهِ فَكَذَا الْوَصِيُّ.

ترجمہ: اور اگر وصی مر گیا اور اس نے دوسرے کو وصی بنایا تو وہ اس کا وصی ہوگا اس وصی کے ترکہ میں اور میت اول کے ترکہ میں بھی وصی ہوگا ہمارے یہاں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ میت اول کے ترکہ میں وصی نہیں ہوگا حالتِ حیات میں توکیل پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور ان کے مابین جامع یہ ہے کہ میت اپنے وصی کی رائے سے راضی ہوا ہے نہ کہ اس کے علاوہ کی رائے سے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی اس ولایت کے ذریعے تصرف کرتا ہے جو اس کی طرف منتقل ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے غیر کو وصی بنانے کا مالک ہوگا جیسے دادا۔ کیا دکھتا نہیں کہ وہ ولایت جو موصی کے لیے ثابت تھی وہی ولایت مال کے سلسلے میں وصی کی طرف منتقل ہوتی ہے اور نفس میں دادا کی طرف منتقل ہوتی ہے پھر دادا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اس ولایت میں جو دادا کی طرف منتقل ہوتی ہے، لہٰذا وصی کا بھی یہی حال ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿توکیل﴾ وکیل بنانا۔ ﴿ایصاء﴾ وصیت کرنا۔ ﴿جدّ﴾ دادا۔

وصی بوقت موت کسی اور کو وصی مقرر کر سکتا ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے سلیم کو اپنا وصی بنایا تھا اور سلمان کو بھی وصی بنایا تھا پھر سلیم کا وصال ہونے لگا اور اس نے بوقت موت سلمان کو وصی بنا دیا تو ہمارے یہاں سلمان سلیم کا بھی وصی ہوگا اور موصی اول یعنی نعمان کا بھی وصی ہوگا، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سلمان موصی ثانی اور سلیم کا وصی تو ہوگا لیکن موصی اول یعنی نعمان کا وصی نہیں ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حالتِ حیات کی توکیل پر قیاس کیا ہے چنانچہ اگر نعمان اپنی زندگی میں سلیم کو وکیل بناتا اور پھر سلیم سلمان کو وکیل بنا دیتا تو یہ توکیل صحیح نہ ہوتی کیونکہ وہ سلیم کی رائے پر راضی ہوا ہے نہ کہ سلمان کی، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی جب نعمان نے دونوں کو وصی بنایا ہے تو وہ ایک کی وصایت پر راضی نہیں ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی اسی ولایت کے ذریعے تصرف کرتا ہے جو ولایت اسے موصی کی طرف سے منتقل ہو کر حاصل ہوتی ہے اور چوں کہ موصی کو وصی بنانے کا حق ہے، لہٰذا وصی کو بھی وصی بنانے کا حق ہوگا جیسے دادا ولایتِ نکاح میں باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اور باپ کو اپنے بچوں کا نکاح کرنے کے لیے وصی بنانے کا حق ہوتا ہے، لہٰذا دادا کو بھی اپنے پوتوں کا نکاح کرنے کے لیے وکیل بنانے کا حق ہوگا۔ اسی طرح وصی مال کے سلسلے میں بھی دوسرے آدمی کو وصی بنانے اور مقرر کرنے کا مستحق اور مجاز ہوگا۔

وَهٰذَا لِأَنَّ الْإِيْصَاءَ إِقَامَةُ غَيْرِهِ مَقَامَهُ فِيْمَا لَهُ وِلَايَتُهُ وَعِنْدَ الْمَوْتِ كَانَتْ لَهُ وِلَايَةٌ فِي التَّرِكَتَيْنِ فَيَنْزِلُ الثَّانِيْ مَنْزِلَتَهُ فِيْهِمَا، وَلِأَنَّهُ لَمَّا اسْتَعَانَ فِيْ ذٰلِكَ مَعَ عِلْمِهِ أَنَّهُ قَدْ تَعْتَرِيْهِ الْمَنِيَّةُ قَبْلَ تَتْمِيْمِ مَقْصُوْدِهِ بِنَفْسِهِ وَهُوَ تَلَافِيْ مَا فَرَّطَ مِنْهُ صَارَ رَاضِيًا بِإِيْصَائِهِ إِلٰى غَيْرِهِ، بِخِلَافِ الْوَكِيْلِ، لِأَنَّ الْمُوَكِّلَ حَيٌّ يُمْكِنُهُ أَنْ يُحَصِّلَ مَقْصُوْدَهُ بِنَفْسِهِ فَلَا يَرْضٰى بِتَوْكِيْلِ غَيْرِهِ وَالْإِيْصَاءِ إِلَيْهِ.

ترجمہ: اور یہ اس لیے کہ ایصاء اپنے علاوہ کو اپنا قائم مقام بنانا ہے اس چیز میں جس میں موصی کو ولایت حاصل ہے اور بوقت موت موصی کو دونوں ترکوں میں ولایت حاصل ہے، لہٰذا دونوں ترکوں کے سلسلے میں وصی ثانی کو وصیِ اول کے درجے میں اتار لیا جائے گا اور اس لیے کہ موصی نے جب یہ جانتے ہوئے اس سلسلے میں مدد طلب کی کہ موصی کا مقصد پورا ہونے سے پہلے وصی کو موت آسکتی ہے اور مقصود اس کوتاہی کی تلافی ہے جو موصی سے صادر ہوئی ہے تو موصی وصی کے اپنے علاوہ کو وصی بنانے سے راضی ہو گیا ہے۔ برخلاف وکیل کے، اس لیے کہ موکل زندہ ہے اور اس کے لیے بذات خود اپنے مقصود کی تحصیل ممکن ہے لہٰذا موکل اپنے علاوہ کو وکیل بنانے اور وصی بنانے سے راضی نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿ایصاء﴾ وصی بنانا۔ ﴿استعان﴾ مدد لی۔ ﴿تعتریه﴾ اس کو پیش آسکتی ہے۔ ﴿منیّة﴾ موت۔ ﴿تتمیم﴾ پورا ہونا۔ ﴿فرّط﴾ زیادتی کی۔

مسئلے کی توجیہ:

ماقبل میں جو دلیل بیان کی گئی ہے، اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ موصی کو جس چیز کی ولایت ہوتی ہے اور اس کے اختیارات جتنے وسیع ہوتے ہیں اسی قدر وہ دوسرے کو وصایت کی ذمے داری دیتا ہے اور صورت مسئلہ میں جب وصی قریب المرگ ہوا تو اسے اپنے اور موصی دونوں کے ترکے میں ولایت حاصل تھی، لہٰذا اس کے وصی کو خود مرنے والے وصی کے درجے میں اتار کر اسے بھی دونوں ترکوں میں ولایت دی جائے گی۔

و لأنه لمّا استعان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ موصی نے جب ایک شخص کو وصی بنا دیا تو اس ایصاء سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے مال کے سلسلے میں موصی سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس کی تلافی ہو جائے حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موصی کا یہ مقصد پورا کرنے سے پہلے ہی وصی جاں بحق ہو جائے اور وصی بھی اس چیز سے واقف ہے لیکن یہ جانتے ہوئے اس کا ایصاء پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ موصی اس بات سے راضی ہے کہ وصی اپنے علاوہ دوسرے کو اپنا وصی بنا دے اور موصیِ اول کا مقصد پورا ہو جائے۔

اس کے برخلاف توکیل کا مسئلہ ہے تو وہ اس سے الگ ہے، کیونکہ جب موکل زندہ ہے تو وہ اپنے مقصد کو خود ہی حاصل کر سکتا ہے اور اس نے کسی مصلحت سے سلیم کو وکیل بنا دیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ سلمان میں اسے یہ مصلحت نظر نہ آئے اور وہ سلیم کے ذریعے اسے وکیل بنانے پر راضی نہ ہو، لہٰذا توکیل پر صورت مسئلہ کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

قَالَ وَمُقَاسَمَةُ الْوَصِيِّ الْمُوْصٰى لَهٗ عَنِ الْوَرَثَةِ جَائِزَةٌ وَمُقَاسَمَةُ الْوَرَثَةِ عَنِ الْمُوْصٰى لَهٗ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّ الْوَارِثَ خَلِيْفَةُ الْمَيِّتِ حَتّٰى يَرُدَّ بِالْعَيْبِ وَيُرَدُّ عَلَيْهِ بِهٖ وَيَصِيْرُ مَغْرُوْرًا بِشِرَاءِ الْمُوْرِثِ، وَالْوَصِيُّ خَلِيْفَةُ الْمَيِّتِ أَيْضًا فَيَكُوْنُ خَصْمًا عَنِ الْوَارِثِ إِذَا كَانَ غَائِبًا فَصَحَّتْ قِسْمَتُهٗ حَتّٰى لَوْ حَضَرَ وَقَدْ هَلَكَ مَا فِيْ يَدِ الْمُوْصِيْ لَيْسَ لَهٗ أَنْ يُّشَارِكَ الْمُوْصٰى لَهٗ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ورثاء کی طرف سے وصی کا موصیٰ لہ سے بٹوارہ کرنا جائز ہے، لیکن موصیٰ کی طرف سے وصی کا ورثاء سے بٹوارہ کرنا باطل ہے، کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہے یہاں تک کہ عیب کی وجہ سے وارث واپس کرسکتا ہے اور عیب کی وجہ سے اس پر واپس کیا جاسکتا ہے اور مورث کے خریدنے کی وجہ سے وارث مغرور ہوجائے گا۔ اور وصی بھی میت کا خلیفہ ہے تو اگر وارث غائب ہو تو وصی اس کی جانب سے خصم ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کا بٹوارہ صحیح ہے حتی کہ اگر وارث حاضر ہو اور اس کے قبضہ میں جو مال ہو وہ ہلاک ہوجائے تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ موصیٰ لہ کا شریک ہو۔

اللغاتُ:

﴿مغرور﴾ دھوکہ دیا گیا۔ ﴿خصم﴾ فریق مخالف۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔

وصی ورثاء اور موصیٰ لہ میں سے کس کی نیابت کرسکتا ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی کے ورثاء کی طرف سے وصی موصیٰ لہ سے ترکہ کی تقسیم کرسکتا ہے، لیکن وصی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ موصیٰ لہ کا نائب بن کر ورثاء سے تقسیم کرے، اس لیے کہ وارث میت کا خلیفہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مورث نے کوئی چیز خریدی تھی اور اس میں پہلے سے عیب تھا تو وارث اس عیب کی وجہ سے مبیع بائع کو واپس کرنے کا مجاز ہوگا اسی طرح اگر مورث نے کوئی چیز فروخت کی تھی اور وہ معیوب نکل گئی تو عیب کی وجہ سے وہ چیز وارث پر واپس کردی جائے گی نیز مورث نے اگر کوئی باندی خریدی اور وہ باندی اس کے وصال کے بعد اس کے کسی وارث کے حصے میں آگئی اور وارث سے اس باندی کا کوئی بچہ پیدا ہوا لیکن پھر کسی نے اس پر استحقاق کا دعوی کرکے اسے لے لیا تو وہ بچہ آزاد ہوگا، لیکن وارث کو اس کی قیمت دینی پڑے گی، کیونکہ بائع نے مورث کو دھوکہ دیا ہے، لہٰذا یہ دھوکہ وارث کے حق میں بھی ثابت ہوگا، کیونکہ وارث بھی مورث کا خلیفہ ہے اور وصی بھی موصی کا خلیفہ ہے اور وارث کے غائب ہونے کی صورت میں وصی کو یہ حق ہے کہ وہ وارث کی طرف سے تقسیم کرلے اور اس کی تقسیم صحیح ہے یہی وجہ ہے کہ تقسیم میں وصی نے جو مال حاصل کیا تھا اگر وہ ہلاک ہوجائے اور پھر وارث حاضر ہو تو وہ موصیٰ لہ کے ساتھ مال میں شریک نہیں ہوگا۔

أَمَّا الْمُوْصٰى لَهُ فَلَيْسَ بِخَلِيْفَةٍ عَنِ الْمَيِّتِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِسَبَبٍ جَدِيْدٍ، وَلِهٰذَا لَايُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَلَايُرَدُّ عَلَيْهِ وَلَايَصِيْرُ مَغْرُوْرًا بِشِرَاءِ الْمُوْصِيْ فَلَايَكُوْنُ الْوَصِيُّ خَلِيْفَةً عَنْهُ عِنْدَ غَيْبَتِهٖ حَتّٰى لَوْ هَلَكَ مَا أَفْرَزَ لَهُ عِنْدَ الْوَصِيِّ كَانَ لَهُ ثُلُثُ مَابَقِيَ، لِأَنَّ الْقِسْمَةَ لَمْ تَنْفُذْ، غَيْرَ أَنَّ الْوَصِيَّ لَايَضْمَنُ، لِأَنَّهُ أَمِيْنٌ فِيْهِ وَلَهُ وِلَايَةُ الْحِفْظِ فِي التَّرِكَةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا هَلَكَ بَعْضُ التَّرِكَةِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَيَكُوْنُ لَهُ ثُلُثُ الْبَاقِيْ، لِأَنَّ الْمُوْصٰى لَهُ شَرِيْكُ الْوَارِثِ فَيَتْوٰى مَاتَوٰى مِنَ الْمَالِ الْمُشْتَرَكِ عَلَى الشِّرْكَةِ، وَيَبْقٰى مَابَقِيَ عَلَى الشِّرْكَةِ.

ترجمہ: رہا موصیٰ لہ تو وہ من کل وجہ میت کا خلیفہ نہیں ہے کیونکہ موصیٰ لہ سبب جدید کے ذریعے موصیٰ بہ کا مالک ہوا ہے اسی لیے نہ تو عیب کی وجہ سے وہ موصیٰ بہ کو واپس کرسکتا ہے اور نہ ہی موصیٰ بہ کو اس پر واپس کیا جاسکتا ہے اور موصی کے شراء سے وہ مغرور بھی نہیں ہوگا لہٰذا موصیٰ لہ کی غیوبت کے وقت وصی اس کا خلیفہ نہیں ہوگا حتی کہ اگر وہ مال ہلاک ہوجائے جو وصی کے پاس موصیٰ لہ کے لیے

علیحدہ کیا گیا تھا تو موصیٰ لہ کو ماقی کا ثلث ملے گا، کیونکہ بٹوارہ نافذ نہیں ہوا ہے۔

لیکن وصی ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اس سلسلے میں امین ہے اور اسے ترکہ کی حفاظت کی ولایت حاصل ہے تو یہ ایسا ہوگیا جیسے تقسیم سے پہلے کچھ ترکہ ہلاک ہوگیا ہو تو موصیٰ لہ کو ماقی کا ثلث ملے گا، اس لیے کہ موصیٰ لہ وارث کا شریک ہے، لہٰذا مالِ مشترک میں سے جو ہلاک ہوگا وہ شرکت پر ہلاک ہوگا اور جو بچے گا وہ بھی شرکت پر بچے گا۔

اللغات:

﴿موصٰی لہ﴾ جس کے حق میں وصیت کی گئی۔ ﴿أفرز﴾ جدا کردیا۔ ﴿یتوی﴾ ہلاک ہوجائے گا۔

موصیٰ لہٗ کی حیثیت:

فرماتے ہیں کہ وصی اور وارث تو میت کے خلیفہ ہیں، لیکن موصیٰ لہ میت کا خلیفہ نہیں ہے کیونکہ موصیٰ لہ سبب جدید یعنی بذریعۂ وصیت موصیٰ بہ کا مالک ہوا ہے اور اسے نہ تو قدیم ملکیت حاصل ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ابدی نسب ہے اسی لیے اگر موصیٰ بہ میں عیب ہو تو نہ تو موصیٰ لہ اسے موصی کے ورثاء کو واپس کرسکتا ہے اور نہ ہی موصی کا مشتری عیب کی وجہ سے وہ چیز موصیٰ لہ پر واپس کرسکتا ہے نیز موصیٰ لہ موصی کے شراء سے مغرور بھی نہیں ہوگا، لہٰذا اگر موصیٰ لہ کہیں غائب ہو اور وصی ورثاء کے ساتھ میت کا ترکہ تقسیم کرلے اور اس کا حصہ الگ کرلے اور پھر وہ حصہ ہلاک ہوجائے تو تقسیم شدہ ترکہ میں سے موصیٰ لہ کو ثلث ملے گا، کیونکہ یہ تقسیم اس کی عدم موجودگی میں ہوئی تھی اس لیے یہ نافذ ہی نہیں ہوئی اور جب تقسیم نافذ نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ جو موصیٰ لہ کا حق ہے یعنی ترکہ کا ثلث وہ اسے مل کر رہے گا۔

غیر أن الوصي الخ: فرماتے ہیں کہ وصی کے پاس موصیٰ لہ کے لیے علاحدہ کیا ہوا جو مال ہلاک ہوا ہے وصی اس کا ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ وصی اس مال کے متعلق امین ہے اور اسے حفظِ مال کی ولایت حاصل ہے اور امین پر چوں کہ ضمان نہیں ہوتا اس لیے وصی پر بھی ضمان نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تقسیم سے پہلے اگر کچھ ترکہ ہلاک ہوجاتا تو موصیٰ لہ کو ماقی کا ثلث ملتا لہٰذا صورتِ مسئلہ میں موصیٰ لہ کے لیے علاحدہ کیا ہوا جو مال ہلاک ہوا ہے اسے بھی ترکہ میں ہلاک قرار دے کر موصیٰ لہ کو ماقی کا ثلث دیا جائے گا اور جو مال ہلاک ہوا ہے اسے مشترک ہلاک قرار دیں گے اور جو باقی بچا ہے اسے مشترک طور پر باقی سمجھیں گے، اس لیے کہ موصیٰ لہ میت کے ترکہ میں ورثاء کا شریک ہے۔

قَالَ فَإِنْ قَاسَمَ الْوَرَثَةَ وَأَخَذَ نَصِيْبَ الْمُوْصٰى لَهٗ فَضَاعَ رَجَعَ الْمُوْصٰى لَهٗ بِثُلُثِ مَابَقِيَ لِمَا بَيَّنَّا.

ترجمه: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر وصی نے ورثاء سے بٹوارہ کرکے موصیٰ لہ کا حصہ لے لیا اور وہ ضائع ہوگیا تو موصیٰ لہ ماقی کا ثلث واپس لے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔

اللغات:

﴿قاسم﴾ بٹوارہ کرلیا۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿ضائع﴾ ضائع ہوگیا۔

موصی لہ کی حیثیت:

یہ مسئلہ ابھی اوپر بیان کیا جاچکا ہے لیکن وہاں عبارت صاحب ہدایہ کی ہے اور یہ عبارت جامع صغیر کی ہے اسی لیے یہاں اسے مکرر بیان کر دیا گیا ہے۔

وَقَالَ وَإِنْ كَانَ الْمَيِّتُ أَوْصٰى بِحَجَّةٍ فَقَاسَمَ الْوَرَثَةَ فَهَلَكَ مَافِيْ يَدِهٖ حُجَّ عَنِ الْمَيِّتِ مِنْ ثُلُثِ مَابَقِيَ وَكَذٰلِكَ إِنْ دَفَعَهٗ إِلٰى رَجُلٍ لِيَحُجَّ عَنْهُ فَضَاعَ فِيْ يَدِهٖ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحمۃ اللہ علیہ إِنْ كَانَ مُسْتَغْرِقًا لِلثُّلُثِ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ وَإِلَّا يَرْجِعُ بِتَمَامِ الثُّلُثِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحمۃ اللہ علیہ لَايَرْجِعُ بِشَيْءٍ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ حَقُّ الْمُوْصِيْ، وَلَوْ أَفْرَزَ الْمُوْصِيْ بِنَفْسِهٖ مَالًا لِيَحُجَّ عَنْهُ فَهَلَكَ لَايَلْزَمُهٗ شَيْءٌ وَبَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ فَكَذَا إِذَا أَفْرَزَهٗ وَصِيُّهُ الَّذِيْ قَامَ مَقَامَهٗ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر میت نے حج کی وصیت کی ہو اور وصی نے ورثاء سے بٹوارہ کرلیا لیکن جو مال اس کے قبضے میں تھا وہ ہلاک ہوگیا تو مابقی کے ثلث سے میت کی طرف سے حج کرایا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کسی شخص کو وصی نے مال دیا تا کہ وہ میت کی طرف سے حج کرے اور اس شخص کے پاس وہ مال ہلاک ہو جائے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ہلاک شدہ مال ثلث کو مستغرق ہو تو وصی کچھ بھی واپس نہیں لے گا ورنہ ثلث مکمل ہونے تک واپس لے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ بھی واپس نہیں لے گا، اس لیے کہ بٹوارہ کرنا موصی کا حق ہے۔ اور اگر خود موصی مال الگ کرلیتا تا کہ موصی کی طرف سے حج ادا کیا جاتا پھر وہ مال ہلاک ہو جاتا تو موصی پر کچھ نہیں لازم ہوتا اور وصیت باطل ہو جاتی تو ایسے ہی جب اس وصی نے مال الگ کیا جو اس کا قائم مقام ہے۔

اللغات:

﴿أوصٰی﴾ وصیت کی۔ ﴿قاسم﴾ بٹوارہ کیا۔ ﴿حُجّ﴾ حج کیا جائے گا۔ ﴿مستغرق﴾ محیط، گھیرے ہوئے۔ ﴿موصی﴾ وصیت کرنے والا۔

وصیت کے لیے علیحدہ کیے گئے مال کے ہلاک ہونے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال سے میری طرف سے حج کرادیا جائے چنانچہ اس میت کے وصی نے اس کے ورثاء سے ترکہ کی تقسیم کرلی اور میت کی طرف سے حج کے لیے تہائی مال روک لیا، لیکن وہ مال وصی کے پاس ہلاک ہوگیا، یا وصی نے کسی شخص کو حج کرنے کے لیے وہ مال دیا اور اس کے پاس وہ مال ہلاک ہوگیا تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میت کا جو پورا ترکہ ہے یعنی اس ہلاک شدہ مال کے علاوہ اس کے تہائی حصے سے میت کی طرف سے حج کرایا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وصی نے جو مال نکالا تھا اگر وہ ثلث پورا ہو تو اب اسے ترکہ میں سے ایک روپیہ بھی لینے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر وہ مال ثلث سے کم تھا تو جتنی مقدار کم ہو بس اتنی ہی مقدار میں اتنا ہی مال نکالا جائے گا تا کہ ثلث

مکمل ہوجائے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواہ وصی نے ثلث کے بقدر مال نکالا ہو یا اس سے کم نکالا ہو بہر دوصورت مابقی ترکہ سے اب وصی کو مال نکالنے اور لینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ تقسیم کرنا موصی کا حق ہے اور اگر خود موصی تقسیم کرکے اپنے حج کے لیے الگ مال نکال لیتا اور پھر وہ مال ہلاک ہوجاتا تو وصیت باطل ہوجاتی اور موصی کو دوبارہ مال لینے کا حق نہ ہوتا، لہٰذا جب موصی کے لیے دوبارہ مال لینے کا حق نہیں ہے تو اس کے وصی کے لیے بھی یہ حق نہیں ہوگا، کیونکہ وصی موصی ہی کا نائب اور اس کا قائم مقام ہے۔

وَلِأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّ مَحَلَّ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ فَيَجِبُ تَنْفِيْذُهَا مَابَقِيَ مَحَلُّهَا، وَإِذَا لَمْ يَبْقَ بَطَلَتْ لِفَوَاتِ مَحَلِّهَا، وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّ الْقِسْمَةَ لَاتُرَادُ لِذَاتِهَا، بَلْ لِمَقْصُوْدِهَا وَهِيَ تَأْدِيَةُ الْحَجِّ فَلَمْ تُعْتَبَرْ دُوْنَهُ، وَصَارَ كَمَا إِذَا هَلَكَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَيَحُجُّ بِثُلُثِ مَابَقِيَ، وَلِأَنَّ تَمَامَهَا بِالتَّسْلِيْمِ إِلَى الْجِهَةِ الْمُسَمَّاةِ، إِذْ لَا قَابِضَ لَهَا، فَإِذَا لَمْ يُصْرَفْ إِلٰى ذٰلِكَ الْوَجْهِ لَمْ يَتِمَّ فَصَارَ كَهَلَاكِهٖ قَبْلَهَا.

ترجمہ: حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کا محل ثُلث ہے لہٰذا جب تک وصیت کا محل باقی رہے گا اس وقت تک اس کی تنفیذ واجب ہوگی اور جب محل باقی نہیں رہے گا تو فواتِ محل کی وجہ سے وصیت باطل ہوجائے گی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم بذات خود مراد نہیں ہوتی بلکہ اپنے مقصود کی وجہ سے مراد ہوتی ہے وروہ حج کی ادائیگی ہے، لہٰذا اس کے بغیر قسمت معتبر نہیں ہوگی۔

اور یہ ایسا ہوگیا جیسے تقسیم سے پہلے مال ہلاک ہوجائے تو مابقی کے ثلث سے حج کرایا جائے گا۔ اور اس لیے کہ جہت متعینہ کی طرف تسلیم سے قسمت مکمل ہوگی، کیونکہ اس جہت کے لیے کوئی قابض نہیں ہے، لہٰذا جب مال کو اسی طریقے پر صرف نہیں کیا جائے گا تو تقسیم تام نہیں ہوگی تو یہ ایسا ہوگیا جیسے تقسیم سے پہلے مال ہلاک ہوگیا ہو۔

اللغات:

﴿تنفیذ﴾ نافذ کرنا۔ ﴿لا تراد﴾ مقصود نہیں ہوتی۔ ﴿تأدیة﴾ ادا کرنا۔ ﴿مسمّاة﴾ مقررہ۔

فریقین کے دلائل:

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ وصیت کا محل میت کے ترکہ کا تہائی مال ہے اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ کوئی بھی چیز اپنے محل سے تجاوز نہیں کرتی لہٰذا اگر وصی نے ثلث کے بقدر مال نہ نکالا ہو تب تو اسے ثلث مکمل ہونے کی مقدار تک مال نکالنے کا حق ہے، اور اگر ثلث تک مال نکال لیا ہو تو وصیت کے نفاذ کا محل فوت ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہوجائے گی اور اب اسے ترکہ میں سے مال نکالنے کا حق اور اختیار نہیں ہوگا۔

ولأبي حنیفة رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وصیت کی صورت میں قسمت اور تقسیم نہ تو مراد ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے کوئی مقصد وابستہ ہوتا ہے، بلکہ جو چیز قسمت سے مطلوب ہوتی ہے وہ مراد ہوتی ہے اور اسی پر نظر رہتی ہے

اور صورتِ مسئلہ میں قسمت سے حج کی ادائیگی مراد ہے لہٰذا جب تک یہ مراد پوری نہیں ہوگی اس وقت تک تقسیم کا اعتبار ہی نہیں ہوگا اور یوں سمجھا جائے گا کہ تقسیم سے پہلے ہی ترکہ میں سے کچھ مال ہلاک ہوگیا ہے اور ظاہر ہے کہ تقسیم سے پہلے اگر کچھ ترکہ ہلاک ہوجائے تو ماقی ترکہ کے ثلث سے حج کرایا جائے گا اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی ماقی ترکہ کے ثلث سے حج کرایا جائے گا۔

اس دلیل کو یوں بھی بیان کرسکتے ہیں کہ قسمت اور بٹوارہ کی تکمیل اسی وقت ہوگی جب مال کو اسی جہت میں صرف کیا جائے جو جہت موصی نے متعین کی ہے یعنی حج کی ادائیگی میں مال صرف ہو لیکن یہاں مال ہلاک ہوگیا ہے اور موصی کی متعین کردہ جہت پر اس کو صرف نہیں کیا گیا ہے، اس لیے اس تقسیم کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اسے تقسیم سے پہلے مال کی ہلاکت پر قیاس کرکے ماقی ترکہ کے ثلث میں سے موصی کی طرف سے حج کرایا جائے گا۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِثُلُثِ أَلْفِ دِرْهَمٍ فَدَفَعَهَا الْوَرَثَةُ إِلَى الْقَاضِيْ فَقَسَمَهَا وَالْمُوْصٰى لَهٗ غَائِبٌ فَقِسْمَتُهٗ جَائِزَةٌ، لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ صَحِيْحَةٌ، وَلِهٰذَا لَوْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ قَبْلَ الْقَبُوْلِ تَصِيْرُ الْوَصِيَّةُ مِيْرَاثًا لِوَرَثَتِهٖ، وَالْقَاضِيْ نُصِبَ نَاظِرًا لَاسِيَّمَا فِيْ حَقِّ الْمَوْتٰى وَالْغُيَّبِ، وَمِنَ النَّظْرِ إِفْرَازُ نَصِيْبِ الْغَائِبِ وَقَبْضِهٖ فَنَفَذَ ذٰلِكَ وَصَحَّ حَتّٰى لَوْ حَضَرَ الْغَائِبُ وَقَدْ هَلَكَ الْمَقْبُوْضُ لَمْ يَكُنْ لَهٗ عَلَى الْوَرَثَةِ سَبِيْلٌ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے ایک ہزار درہم کے ثلث کی وصیت کی اور ورثاء نے ہزار درہم قاضی کو دے دیئے اور قاضی نے اسے تقسیم کیا اس حال میں کہ موصیٰ لہ غائب تھا تو قاضی کی تقسیم جائز ہے، کیونکہ وصیت صحیح ہے۔ اسی لیے اگر موصیٰ لہ (وصیت) قبول کرنے سے پہلے مرجائے تو اس کے ورثاء کے لیے وصیت میراث ہوجائے گی۔ اور قاضی کو نگراں بنایا گیا ہے بالخصوص مردوں اور غائب ازنظر لوگوں کے حق میں اور غائب کے حصے کو الگ کرکے اس پر قبضہ کرنا بھی نظر میں سے ہے، لہٰذا یہ تقسیم نافذ بھی ہوگی اور صحیح بھی ہوگی حتی کہ اگر غائب حاضر ہو اور اس کے حصے کا قبضہ کیا ہوا مال ہلاک ہوچکا ہو تو اس کے لیے ورثاء پر کوئی راہ نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿دفع﴾ دے دیا۔ ﴿تصیر﴾ ہوجائے گی۔ ﴿نُصِب﴾ نصب کیا گیا ہے۔ ﴿ناظر﴾ نگہدار۔ ﴿إفراز﴾ علیحدہ کرنا۔

قاضی کی طرف سے وصیت کے لیے علیحدہ کیے ہوئے مال کے ہلاک ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر نعمان کا ترکہ ایک ہزار درہم ہو اور نعمان نے یہ وصیت کی کہ میرے ترکہ میں سے ایک تہائی سلیم کو دے دیا جائے اور اس کے ورثاء نے نعمان کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ترکہ کا پورا مال یعنی ایک ہزار درہم قاضی کو دے دیا اور قاضی نے اس مال کو ورثاء اور موصیٰ لہ کے مابین تقسیم کردیا تو قاضی کی یہ تقسیم صحیح ہے خواہ موصیٰ لہ بوقت تقسیم حاضر ہو یا غائب ہو، کیونکہ موصی کی طرف سے موصیٰ لہ کے لیے وصیت صحیح ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر موصی نے موصیٰ لہ کے لیے وصیت کردی اور موصیٰ لہ وصیت قبول کرنے سے پہلے مرگیا تو یہ وصیت اس کا حق بن کر اس کی وراثت میں داخل ہوگی اور اس کے ورثاء کو ملے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت صحیح ہے اور جب وصیت صحیح ہے تو قاضی کی تقسیم بھی صحیح ہوگی، کیونکہ قاضی کا کام ہی یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مسائل حل کرے

اور جو لوگ مر گئے ہوں یا بوقتِ قضاء موجود نہ ہوں ان کے حقوق کی حفاظت اور رعایت کرے اور غائب کے حق کو الگ کرنا اور اس پر قبضہ کرنا بھی حفاظت اور نگرانی کا ایک اہم طریقہ ہے اور تقسیم سے قاضی نے صرف یہی کیا ہے، اس لیے اس کی تقسیم نافذ بھی ہوگی اور درست بھی ہوگی۔

اور موصیٰ لہ کے لیے علاحدہ کیا ہوا مال اگر قاضی کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو موصیٰ لہ کا کام تمام ہو جائے گا اور اس سلسلے میں اسے ورثاء سے باز پرس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا بَاعَ الْوَصِيُّ عَبْدًا مِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنَ الْغُرَمَاءِ فَهُوَ جَائِزٌ، لِأَنَّ الْوَصِيَّ قَائِمٌ مَقَامَ الْمُوْصِيْ، وَلَوْ تَوَلّٰى حَيًّا بِنَفْسِهِ يَجُوْزُ بَيْعُهُ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنَ الْغُرَمَاءِ وَإِنْ كَانَ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ فَكَذَا إِذَا تَوَلَّاهُ مَنْ قَامَ مَقَامَهُ، وَهٰذَا لِأَنَّ حَقَّ الْغُرَمَاءِ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَالِيَةِ لَا بِالصُّوْرَةِ، وَالْبَيْعُ لَايُبْطِلُ الْمَالِيَّةَ لِفَوَاتِهَا إِلٰى خَلْفٍ وَهُوَ الثَّمَنُ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمَدْيُوْنِ، لِأَنَّ لِلْغُرَمَاءِ حَقَّ الْاِسْتِسْعَاءِ، أَمَّا هٰهُنَا فَبِخِلَافِهِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر وصی نے قرض خواہوں کی غیر موجودگی میں ترکہ کا کوئی غلام فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے، کیونکہ وصی موصی کا قائم مقام ہے اور اگر موصی زندگی میں بذات خود بیع کرتا تو قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اس کی بیع جائز ہوتی اگر چہ یہ موصی کے مرض الموت میں ہوتا، لہٰذا ایسے ہی جب موصی کا قائم مقام بیع کا متولی ہوا ہو۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ قرض خواہوں کا حق مالیت سے متعلق ہے نہ کہ صورت سے اور بیع مالیت کو فوت نہیں کرتی، اس لیے کہ مالیت خلیفہ کی طرف فوت ہوتی ہے اور وہ ثمن ہے۔ برخلاف عبدِ مدیون کے، کیونکہ قرض خواہوں کے کمائی کرانے کا حق ہے۔ رہا یہاں کا معاملہ تو یہ اس کے برخلاف ہے۔

اللغاتُ:

﴿محضر﴾ موجودگی۔ ﴿غرماء﴾ قرضخواہ۔ ﴿مدیون﴾ مقروض۔ ﴿استسعاء﴾ کمائی کرانا۔

وصی کا قرضخواہوں کی غیر موجودگی میں بیع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے سلیم کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اور نعمان پر کچھ لوگوں کا قرض ہے۔ اب اگر نعمان کا وصی یعنی سلیم اس کے قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اس کے ترکے میں سے کوئی غلام فروخت کر دے تو اس کی یہ فروختگی درست اور جائز ہے۔ اس لیے کہ اگر خود موصی یعنی نعمان ایسا کرتا یا اپنے مرض الموت میں اپنے قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اپنا غلام فروخت کرتا تو یہ صحیح تھا، لہٰذا جب موصی کے لیے یہ فعل صحیح ہے تو اس کے لیے وصی اور قائم مقام کے لیے بھی یہ فعل درست ہوگا اور یہ بیع صحیح اور جائز ہوگی۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرض خواہوں کا حق غلام کی مالیت سے متعلق ہے نہ کہ اس کی ذات اور صورت سے اور بیع مالیت کو فوت نہیں کرتی، کیونکہ اس کی مالیت بدل یعنی ثمن کی طرف فوت ہوتی ہے اور غلام کی صورت بکنے کے باوجود جس چیز سے قرض خواہوں کا حق متعلق ہے یعنی مالیت وہ باقی ہے اس لیے یہ بیع درست ہے۔

اس کے برخلاف اگر خود غلام پر قرض ہو تو اس کے مولیٰ یا وصی کے لیے قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اس غلام کوفروخت کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں غرماء کا حق مالیت سے بھی متعلق ہے اور اس کی ذات سے بھی متعلق ہے، بایں معنی کہ غرماء کو یہ حق ہے کہ وہ اسے فروخت نہ کریں اور اس سے کمائی کرالیں حالانکہ بیچ دینے سے غرماء کا یہ حق فوت ہو جائے گا، اس لیے اس صورت میں قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں غلام کے مولیٰ یا اس کے وصی کو غلام فروخت کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن متن کا مسئلہ اس سے الگ ہے اس لیے اس صورت میں غلام کو فروخت کیا جاسکتا ہے اگر چہ اس کے غرماء غائب ہوں۔

قَالَ وَمَنْ أَوْصٰى بِأَنْ يُبَاعَ عَبْدُهُ وَيَتَصَدَّقُ بِثَمَنِهِ عَلَى الْمَسَاكِيْنِ فَبَاعَهُ الْوَصِيُّ وَقَبَضَ الثَّمَنَ فَضَاعَ فِيْ يَدِهِ فَاسْتَحَقَّ الْعَبْدُ ضَمِنَ الْوَصِيُّ، لِأَنَّهُ هُوَ الْعَاقِدُ فَتَكُوْنُ الْعُهْدَةُ عَلَيْهِ وَهٰذِهِ عُهْدَةٌ، لِأَنَّ الْمُشْتَرِيْ مِنْهُ مَا رَضِيَ بِبَذْلِ الثَّمَنِ إِلَّا لِيُسَلِّمَ لَهُ الْمَبِيْعَ وَلَمْ يُسَلِّمْ فَقَدْ أَخَذَ الْوَصِيُّ الْبَائِعُ مَالَ الْغَيْرِ بِغَيْرِ رِضَاءٍ فَيَجِبُ عَلَيْهِ رَدُّهُ، وَيَرْجِعُ فِيْمَا تَرَكَ الْمَيِّتُ لِأَنَّهُ عَامِلٌ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ كَالْوَكِيْلِ، وَكَانَ أَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَيْہِ يَقُوْلُ أَوَّلًا لَايَرْجِعُ لِأَنَّهُ ضَمِنَ بِقَبْضِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى مَا ذَكَرْنَا، وَيَرْجِعُ فِيْ جَمِيْعِ التَّرِكَةِ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَيْہِ أَنَّهُ يَرْجِعُ فِي الثُّلُثِ، لِأَنَّ الرُّجُوْعَ بِحُكْمِ الْوَصِيَّةِ فَأَخَذَ حُكْمَهَا، وَمَحَلُّ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ. وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهُ يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِحُكْمِ الْغُرُوْرِ وَذٰلِكَ دَيْنٌ عَلَيْهِ، وَالدَّيْنُ يُقْضٰى مِنْ جَمِيْعِ التَّرِكَةِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جس شخص نے وصیت کی کہ اس کا غلام فروخت کر کے اس کا ثمن مساکین پر صدقہ کر دیا جائے چنانچہ وصی نے اسے فروخت کر کے ثمن پر قبضہ کرلیا اور وہ ثمن اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا پھر غلام مستحق نکل گیا تو وصی ضامن ہوگا، کیونکہ وصی ہی عاقد ہے لہٰذا ذمے داری بھی اسی پر ہوگی اور یہ ذمے داری ہے، کیونکہ وصی سے خریدنے والا صرف اس لیے ثمن دینے پر راضی ہوا ہے تاکہ مبیع اس کے سپرد کر دی جائے حالانکہ مبیع اس کے سپرد نہیں کی گئی ہے، لہٰذا وصیِ بائع نے غیر کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا ہے، اس لیے وصی پر اس مال کو واپس کرنا واجب ہے۔

اور وصی میت کے ترکہ سے وہ مال واپس لے لے گا، کیونکہ وصی میت کا عامل ہے، لہٰذا اس پر رجوع کرے گا جیسے وکیل۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے اس بات کے قائل تھے کہ وصی رجوع نہیں کرے گا پھر اس سے ہمارے بیان کردہ قول کی طرف رجوع کرلیا اور وصی تمام ترکہ میں رجوع کرے گا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وصی ثلث میں رجوع کرے گا، کیونکہ رجوع کرنا حکم وصیت کی وجہ سے ہے، لہٰذا رجوع وصیت کا حکم لے لے گا اور محل وصیت ثلث ہے۔

ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ وصی دھوکہ دینے کے حکم سے میت پر رجوع کرتا ہے اور یہ میت پر دَین ہے اور دین پورے ترکہ سے ادا کیا جاتا ہے۔

اللغات:

﴿یباع﴾ بیچ دیا جائے۔ ﴿یتصدق﴾ صدقہ کیا جائے۔ ﴿عھدۃ﴾ ذمہ داری۔ ﴿بذل﴾ خرچ کرنا۔ ﴿غرور﴾ دھوکہ۔ ﴿یقضٰی﴾ ادا کیا جائے گا۔

وصی کا قرضخواہوں کی غیر موجودگی میں بیع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا فلاں غلام فروخت کر دیا جائے اور اس کا ثمن مساکین پر صدقہ کر دیا جائے چنانچہ اس کے وصی نے موصی کی وصیت کے مطابق غلام تو فروخت کر دیا لیکن وہ ثمن اس وصی کے پاس ہلاک ہوگیا یا وہ غلام کسی دوسرے کا مستحق نکل گیا تو وصی اس ثمن کا ضامن ہوگا، کیونکہ وصی نے ہی عقد بیع کا معاملہ کیا ہے اور بیع میں جملہ حقوق عاقد ہی کی طرف لوٹتے ہیں اور ثمن کا بچانا بھی من جملہ حقوق کے ایک حق ہے اس لیے یہ حق بھی عاقد یعنی وصی سے متعلق ہوگا اور وصی ہی سے اس کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر غلام مستحق نکل گیا تو اس صورت میں مشتری نے بائع یعنی وصی کو جو ثمن دیا ہے وہ بلا عوض ہوگیا حالانکہ بیع مبادلۃ المال کا نام ہے تو مشتری کے ثمن دینے کا منشاء یہ ہے کہ غلام جو مبیع ہے وہ اس کے حوالے کیا جائے حالانکہ استحقاق کی وجہ سے غلام اس کے سپرد نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا بائع نے مشتری سے جو ثمن لیا ہے وہ اس کی مرضی کے بغیر ہوا اور ظاہر ہے کہ جب غیر کی مرضی کے بغیر بائع نے اس کا مال لیا ہے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے اس لیے بھی بائع یعنی وصی پر ثمن کا ضمان عائد ہوگا اور اسے مشتری کو ثمن واپس کرنا ضروری ہوگا۔

ویرجع فیما ترك الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ وصی جو ثمن کا ضمان ادا کرے گا اسے یہ حق ہے کہ اس ضمان کو موصی کے ترکہ سے واپس لے لے، کیونکہ وصی موصی کے لیے کام کرتا ہے اور اس کی وصیت ہی کی وجہ سے اس نے غلام فروخت کیا ہے لہٰذا جیسے وکیل موکل کے لیے کام کرتا ہے اور اگر وکیل کو ضمان دینے کی نوبت آ جائے تو وہ اسے موکل کے مال سے واپس لیتا ہے اسی طرح وصی بھی ضمان میں دی ہوئی رقم موکل کے مال سے واپس لے گا۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ پہلے اس بات کے قائل تھے کہ وصی کو ضمان میں دی ہوئی رقم واپس لینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اس نے اپنے قبضہ کی وجہ سے ضمان ادا کیا ہے اور غلام کے مستحق نکل جانے سے وصیت باطل ہو چکی ہے اور میت کے ترکہ سے ورثاء کا حق متعلق ہو چکا ہے اور وصی موصی کا عامل تھا نہ کہ ورثاء کا لہٰذا اسے ورثاء کے مال میں رجوع کا حق نہیں ہوگا، لیکن بعد میں حضرت الامام نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور وصی کے لیے جوازِ رجوع کے قائل ہو گئے تھے۔

ویرجع فی الخ: فرماتے ہیں کہ ظاہر الروایہ کے مطابق وصی پورے ترکہ میں رجوع کرے گا اور یہ رجوع صرف ثلث تک محدود نہیں ہوگا اگر ضمان ثلث سے زائد ہو، کیوں کہ موصی نے اس غلام کو اپنا غلام بتا کر وصی کو دھوکہ دیا ہے اور اسی غرر کی وجہ سے وصی پر ضمان واجب ہوا ہے لہٰذا یہ ضمان موصی پر قرض ہوگیا اور قرض پورے مال سے ادا کیا جاتا ہے لہٰذا اس ضمان کی ادائیگی بھی پورے مال سے ہوگی۔ البتہ امام محمد علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ ہے کہ وصی کو صرف ثلث مال تک حقِ رجوع ہوگا اور ثلث سے زائد میں اسے یہ

حق نہیں ہوگا، کیونکہ وصی کو یہ حق وصیت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اور وصیت کا محل ثلث مال ہے، لہذا یہ بھی وصیت کا حکم لے لے گا اور ثلث مال تک ہی وصی کو حقِ رجوع حاصل ہوگا۔

بِخِلَافِ الْقَاضِيْ أَوْ أَمِيْنِهِ إِذَا تَوَلَّى الْبَيْعَ حَيْثُ لَاعُهْدَةَ عَلَيْهِ، لِأَنَّ فِيْ إِلْزَامِهَا الْقَاضِيْ تَعْطِيْلَ الْقَضَاءِ، إِذْ يَتَحَامٰى عَنْ تَقَلُّدِ هٰذِهِ الْأَمَانَةِ حَذَرًا عَنْ لُزُوْمِ الْغَرَامَةِ فَتَتَعَطَّلُ مَصْلَحَةُ الْعَامَةِ، وَأَمِيْنُهُ سَفِيْرٌ عَنْهُ كَالرَّسُوْلِ، وَلَاكَذٰلِكَ الْوَصِيُّ، لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيْلِ، وَقَدْ مَرَّ فِيْ كِتَابِ الْقَضَاءِ، فَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ قَدْ هَلَكَتْ أَوْ لَمْ يَكُنْ بِهَا وَفَاءٌ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ كَمَا إِذَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ اٰخَرُ.

ترجمہ: برخلاف قاضی کے یا اس کے امین کے جب وہ بیع کی ذمہ داری لیں تو ان میں سے کسی پر ذمے داری نہیں ہوگی، کیونکہ قاضی پر ذمہ داری لازم کرنے میں قضاء کو معطل کرنا ہے اس لیے کہ لزوم غرامت کے خوف سے قاضی اس امانت کا تحمل کرنے سے گریز کرے گا اور عوام کی مصلحت معطل ہوجائے گی۔ اور قاضی کا امین اس کا سفیر ہوتا ہے جیسے قاصد، اور وصی ایسا نہیں ہے اس لیے کہ وہ وکیل کے درجے میں ہے۔ اور کتاب القضاء میں یہ گذر چکا ہے۔ پھر اگر ترکہ ہلاک ہوگیا ہو یا ترکہ سے اس کی ادائیگی نہ ہو سکے تو وصی رجوع نہیں کرے گا جیسے اگر میت پر دوسرا دین ہو۔

اللغات:

﴿تولّی﴾ ذمہ داری لی۔ ﴿عهده﴾ ذمہ داری۔ ﴿یتحامی﴾ گریز کرے گا، پرہیز کرے گا۔ ﴿تقلّد﴾ بار امانت اٹھانا۔ ﴿غرامت﴾ جرمانہ، تاوان۔ ﴿وفاء﴾ پوری پوری ادائیگی۔

وصی کا قرضخواہوں کی غیر موجودگی میں بیع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر وصی کی جگہ قاضی نے یہ کام کیا ہو اور اس کے پاس سے ثمن ہلاک ہوگیا یا غلام مستحق نکل گیا تو قاضی پر ضمان نہیں واجب ہوگا، کیونکہ اگر قاضی پر ضمان واجب کردیا جائے تو کوئی بھی شخص اس عہدے کو قبول نہیں کرے گا اور لزوم ضمان کے خوف سے کسی کے معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالے گا اور لوگوں کی مصلحتیں معطل ہوکر رہ جائیں گی، اسی لیے قاضی پر ضمان عائد نہیں ہوگا اور نہ ہی قاضی کے امین پر ضمان واجب ہوگا، کیونکہ قاضی کا امین اس کا سفیر اور ترجمان ہوتا ہے اور اس کی حیثیت قاصد کی سی ہوتی ہے جب کہ وصی کا یہ حال نہیں ہوتا، بل کہ وصی خود عاقد ہوتا ہے اور پھر وصی وکیل کے درجے میں ہوتا ہے اور وکیل پر ضمان عائد ہوتا ہے، لہٰذا وصی پر بھی ضمان عائد ہوگا۔

فان کانت الخ: فرماتے ہیں کہ اگر میت کا ترکہ ہلاک ہوگیا یا ترکہ کم ہو اور ضمان زیادہ ہو اور ترکہ سے اس کی ادائیگی نہ ہو پاتی ہو تو وصی کو رجوع کا اختیار نہیں ہوگا جیسے اگر میت پر دوسرا دین ہو تو اس صورت میں بھی وصی کو حقِ رجوع نہیں ملتا اسی طرح ترکہ کے ہلاک ہونے اور کم ہونے کی صورت میں بھی اسے حقِ رجوع نہیں ملے گا۔

قَالَ وَإِنْ قَسَمَ الْوَصِيُّ الْمِيْرَاثَ فَأَصَابَ صَغِيْرًا مِنَ الْوَرَثَةِ عَبْدٌ فَبَاعَهُ وَقَبَضَ الثَّمَنَ فَهَلَكَ وَاسْتُحِقَّ الْعَبْدُ رَجَعَ فِيْ مَالِ الصَّغِيْرِ، لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُ، وَيَرْجِعُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِحِصَّتِهِ لِانْتِقَاضِ الْقِسْمَةِ بِاسْتِحْقَاقِ مَا أَصَابَهُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر وصی نے میراث کو تقسیم کرلیا اور ورثاء میں سے کسی بچے کے حصے میں کوئی غلام آگیا اور وصی نے اس غلام کو فروخت کر کے ثمن پر قبضہ کرلیا اور ثمن ہلاک ہوگیا اور غلام مستحق نکل گیا تو وصی صغیر کے مال میں رجوع کرے گا، کیونکہ وصی صغیر کے لیے عامل ہے اور صغیر اپنے حصے کے بقدر ورثاء پر رجوع کرے گا کیونکہ جو بچے کے حصے میں آیا ہے اس کے استحقاق سے تقسیم ٹوٹ گئی ہے۔

اللغات:

﴿أصاب﴾ پہنچا، ملا۔ ﴿انتقاص﴾ کم ہونا۔

وصی کے نابالغ کے قبضہ کیے ہوئے مال کے ہلاک ہوجانے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ میت کے وصی نے اس کی میراث تقسیم کرائی اور ورثاء میں ایک چھوٹا بچہ بھی تھا جس کے حصے میں ایک غلام آیا۔ اب وصی نے اس غلام کو فروخت کر کے اس کا ثمن اپنے پاس رکھ لیا، لیکن اس کے پاس سے ثمن ہلاک ہوگیا، یا غلام کسی کا مستحق نکل گیا تو وصی پر اس ثمن کا ضمان واجب ہوگا، لیکن وصی اس ضمان کو صغیر کے مال سے واپس لے لے گا، کیوں کہ وصی یہاں صغیر کے لیے کام کرنے والا ہے، لہٰذا ضمان وغیرہ کا وجوب اصلاً صغیر ہی کے مال میں ہوگا۔ اس لیے وصی صغیر سے وصول کرے گا اور صغیر دیگر ورثاء سے اپنا حصہ دوبارہ وصول کرے گا، کیونکہ صغیر کا حصہ مستحق نکل جانے سے تقسیم ٹوٹ گئی اور جب تقسیم ٹوٹ گئی تو ظاہر ہے کہ ترکہ سے صغیر کو اس کا حصہ ملے گا۔

قَالَ وَإِذَا احْتَالَ الْوَصِيُّ بِمَالِ الْيَتِيْمِ فَإِنْ كَانَ خَيْرًا لِلْيَتِيْمِ جَازَ وَهُوَ أَنْ يَكُوْنَ أَمْلَأَ، إِذِ الْوِلَايَةُ نَظَرِيَّةٌ، وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَمْلَأَ لَا يَجُوْزُ، لِأَنَّ فِيْهِ تَضْيِيْعَ مَالِ الْيَتِيْمِ عَلَى بَعْضِ الْوُجُوْهِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر وصی نے یتیم کے مال کا حوالہ قبول کیا تو اگر یہ یتیم کے حق میں بہتر ہو تو جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ محتال علیہ مالدار ہو، اس لیے کہ ولایت شفقت پر مبنی ہے۔ اور اگر اول مالدار ہو تو جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں بعض وجوہ سے یتیم کے مال کی تضییع ہے۔

اللغات:

﴿احتال﴾ قرض دہندہ کا ضامن منظور کیا۔ ﴿أملأ﴾ زیادہ مال والا۔ ﴿تضییع﴾ ضائع ہونا۔

وصی کا یتیم کے قرض پر حوالہ قبول کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان پر ایک یتیم کا قرض ہے اور یتیم کے وصی نے جب نعمان سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ کیا تو

نعمان نے اسے سلمان کی طرف منتقل کر کے یہ کہا کہ سلمان میرا قرض ادا کرے گا اور سلمان نے اسے قبول کرلیا اور وصی نے بھی اسے قبول کرلیا تو اگر سلمان جو محتال علیہ ہے مالدار ہو تو وصی کے لیے حوالہ قبول کرنا جائز ہے، کیونکہ اس میں یتیم کے حق میں یہ فائدہ ہے کہ اس کا حق اور اس کا مال اسے جلدی مل جائے گا اور وصی کی ولایت بھی مبنی بر شفقت ہے اور شفقت اسی میں ہے کہ یتیم کو اس کا مال جلدی سے حاصل ہو جائے۔

اور اگر مدیون یعنی نعمان خود بھی مالدار ہو اور دین ادا کرنے کی پوزیشن میں ہو تو اب حوالہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں یتیم کے مال کی ادائیگی میں تاخیر کا امکان ہے اور ہوسکتا ہے کہ مدیون ٹالنے اور ٹرخانے کی غرض سے دوسرے پر اس کی ادائیگی کا بار لا د رہا ہو اور اپنی جان بچا رہا ہو، اس لیے اس صورت میں حوالہ جائز نہیں ہے۔

قَالَ وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ الْوَصِيِّ وَلَاشِرَاؤُهُ إِلَّا بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهِ، لِأَنَّهُ لَانَظْرَ فِي الْغَبْنِ الْفَاحِشِ، بِخِلَافِ الْيَسِيْرِ، لِأَنَّهُ لَايُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَفِيْ اِعْتِبَارِهِ اِنْسِدَادُ بَابِهِ، وَالصَّبِيُّ الْمَأْذُوْنُ وَالْعَبْدُ الْمَأْذُوْنُ وَالْمُكَاتَبُ يَجُوْزُ بَيْعُهُمْ وَشَرَاؤُهُمْ بِالْغَبْنِ الْفَاحِشِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، لِأَنَّهُمْ يَتَصَرَّفُوْنَ بِحُكْمِ الْمَالِكِيَّةِ، وَالْإِذْنُ فَكُّ الْحَجْرِ، بِخِلَافِ الْوَصِيِّ، لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ بِحُكْمِ النِّيَابَةِ الشَّرْعِيَّةِ نَظْرًا فَيَتَقَيَّدُ بِمَوْضِعِ النَّظْرِ، وَعِنْدَهُمَا لَايَمْلِكُوْنَهُ، لِأَنَّ التَّصَرُّفَ بِالْفَاحِشِ مِنْهُ تَبَرُّعٌ وَلَا ضَرُوْرَةَ فِيْهِ وَهُمْ لَيْسُوْا مِنْ أَهْلِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وصی کی بیع وشراء اسی مقدار خسارہ کے ساتھ جائز ہے جس کے مثل میں لوگ خسارہ برداشت کر لیتے ہوں، کیونکہ غبنِ فاحش میں شفقت نہیں ہے، برخلاف غبنِ یسیر کے، اس لیے کہ اس سے بچنا ناممکن ہے، لہٰذا اس کا اعتبار کرنے میں باب وصایت کو بند کرنا لازم آئے گا۔ اور صبیِ ماذون، عبد ماذون اور مکاتب کی بیع وشراء امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غبنِ فاحش کے ساتھ بھی جائز ہے، کیونکہ یہ لوگ مالکیت کے حکم سے تصرف کرتے ہیں اور اجازت دینا ممانعت کو ختم کرنا ہے۔ برخلاف وصی کے، کیونکہ وصی نیابتِ شرعیہ کی وجہ سے بربنائے شفقت تصرف کرتا ہے لہٰذا یہ تصرف مقامِ شفقت کے ساتھ مقید ہوگا اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں عبد ماذون وغیرہ اس تصرف کے مالک نہیں ہوں گے، کیونکہ غبن فاحش کے ساتھ تصرف ایسا تبرع ہے جس کی ضرورت نہیں ہے اور یہ لوگ تبرع کے اہل نہیں ہیں۔

اللغات:

﴿یتغابن﴾ غبن سمجھتے ہوں۔ ﴿فاحش﴾ کھلا، بہت واضح۔ ﴿یسیر﴾ بہت معمولی۔ ﴿تحرّز﴾ بچاؤ، پرہیز۔ ﴿انسداد﴾ بند کرنا۔ ﴿فکّ﴾ توڑنا، ختم کرنا۔ ﴿حجر﴾ پابندی۔

وصی کے تصرفات کے انعقاد کی شرط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وصی کو بچوں اور چھوٹوں کے لیے خرید وفروخت کرنے اور ان کے اموال میں تصرف کرنے کا کلی حق ہے، لیکن یہ حق اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وصی غبن فاحش کے ساتھ تصرف نہ کرے چنانچہ اگر وصی غبن فاحش کے ساتھ بیع وشراء

کرے گا تو اس کا تصرف نہ تو جائز ہوگا اور نہ ہی نافذ ہوگا۔ ہاں غبن یسیر کے ساتھ تصرف ہو تو اسے درست قرار دے دیا جائے گا، کیونکہ تھوڑا بہت خسارہ تو ہر تصرف میں ہوتا ہے اور اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے اس لیے معمولی خسارے کو برداشت کرلیں گے، لیکن غبنِ فاحش تو کسی قیمت پر قابل قبول نہیں ہے، اس لیے کہ وصی کی وصایت شفقت پر مبنی ہے اور غبنِ فاحش میں کوئی شفقت نہیں ہے۔

والصبيّ المأذون الخ: فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رطیٹیلیہ کے یہاں صبیٔ ماذون، عبد ماذون اور مکاتب کا تصرف غبنِ فاحش کے ساتھ بھی درست اور جائز ہے، کیونکہ یہ لوگ مالکانہ حیثیت سے تصرف کرتے ہیں اور جب انھیں تصرف کی اجازت مل گئی تو اب یہ لوگ تصرف میں مالک اور خودمختار ہوگئے، نائب نہیں رہے، لہٰذا غبن یسیر کے ساتھ یہ تصرف کریں تو بھی صحیح ہے اور غبن فاحش کے ساتھ تصرف کریں تو بھی صحیح ہے۔ جب کہ وصی شریعت کی طرف سے نائب بن کر تصرف کرتا ہے اس لیے اس کا تصرف شفقت کے ساتھ مقید ہوگا اور غبنِ فاحش میں چوں کہ شفقت کا پہلو مفقود اور معدوم ہے اس لیے وصی کے لیے غبنِ فاحش کے ساتھ تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وعندهما لايملكونه الخ: حضرات صاحبین عِیۡلۡنَا کے یہاں مکاتب اور عبدِ ماذون وغیرہ غبنِ فاحش کے ساتھ تصرف کرنے کے مالک اور مجاز نہیں ہیں، کیونکہ غبنِ فاحش کے ساتھ تصرف کرنا ایک طرح کا تبرع ہے اور یہ لوگ تبرع کے اہل نہیں ہیں۔

وَإِذَا كُتِبَ كِتَابُ الشِّرَاءِ عَلٰى وَصِيٍّ كُتِبَ كِتَابُ الْوَصِيَّةِ عَلٰى حِدَةٍ وَكِتَابُ الشِّرَاءِ عَلٰى حِدَةٍ، لِأَنَّ ذٰلِكَ أَحْوَطُ، وَلَوْ كُتِبَ جُمْلَةً عَسٰى أَنْ يَكْتُبَ الشَّاهِدُ شَهَادَتَهُ فِيْ اٰخِرِهِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيْلٍ فَيَصِيْرُ ذٰلِكَ حَمْلًا لَهُ عَلَى الْكِذْبِ، ثُمَّ قِيْلَ يَكْتُبُ: اِشْتَرٰى مِنْ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ وَلَايَكْتُبُ مِنْ فُلَانٍ وَصِيِّ فُلَانٍ لِمَا بَيَّنَّا، وَقِيْلَ لَابَأْسَ بِذٰلِكَ، لِأَنَّ الْوَصَايَةَ تُعْلَمُ ظَاهِرًا.

ترجمه: جب کسی وصی پر بیع نامہ لکھا جائے تو وصیت نامہ علاحدہ لکھا جائے اور بیع نامہ علاحدہ لکھا جائے، اس لیے کہ یہ احوط ہے اور اگر اکٹھا لکھا جائے تو ہوسکتا ہے کہ گواہ اپنی گواہی بالکل اخیر میں بغیر تفصیل کے لکھ دے تو یہ اسے جھوٹ پر محمول کرنا ہوجائے گا۔ پھر کہا گیا یوں لکھا جائے۔ اشتریٰ من فلان ابن فلان اور یوں نہ لکھا جائے من فلان وصي فلان اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور کہا گیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وصایت ظاہراً معلوم ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿أحوط﴾ زیادہ محتاط۔ ﴿جملة﴾ اکٹھا۔ ﴿عسی أن﴾ ممکن ہے کہ۔

وصیت نامہ اور بیع نامہ کے علیحدہ دستاویزات میں درج کرنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وصی کی خرید وفروخت پر جب ''لکھا پڑھی'' کی نوبت آئے تو بیع نامہ الگ سے لکھا جائے اور وصیت نامہ الگ سے لکھا جائے اور دونوں کو ایک ہی کاغذ اور ایک ہی اسٹامپیر پر نہ لکھا جائے، اس لیے کہ یہ احتیاط کے خلاف ہے اور جب دونوں ایک ہی کاغذ پر لکھ دیئے جائیں گے تو بعض دفعہ گواہ کسی تفصیل کے بغیر محض اس پر دستخط کردیں گے، جس سے یہ دھوکہ ہوگا کہ

مذکورہ گواہ بیع اور وصیت دونوں کے شاہد ہیں جب کہ واقعہ میں وہ صرف بیع کے گواہ ہیں تو یہ کام ان کو کذب پر محمول کرنے والا ہوگا، اس لیے احتیاطاً بیع نامہ اور وصیت نامہ الگ الگ تحریر کرنا چاہئے۔

ثم قیل یکتب الخ: فرماتے ہیں کہ قاضی یا وکیل یا مشتری بیع نامہ وغیرہ لکھے یا لکھوائے تو اس کی تحریر یہ ہو کہ فلاں نے فلاں بن فلاں سے یہ چیز خریدی اور اس طرح نہ لکھا جائے کہ فلاں نے فلاں سے جو فلاں کا وصی ہے یہ چیز خریدی تاکہ تحریر میں بھی وصیت اور بیع کا تذکرہ ایک ساتھ نہ ہو ورنہ کبھی کبھی اس سے بھی بڑا دھوکہ ہوسکتا ہے اور ایک ساتھ لکھنا بھی احتیاط کے خلاف ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہئے۔

وقیل الخ: فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر وصیت نامہ اور بیع نامہ کے کاغذات الگ الگ ہیں تو تحریر میں وصیت کے ذکر سے کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وصایت مشہور ومعروف ہوتی ہے اور ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ جو بیع نامہ ہے وہ الگ ہے اور وصایت کا ذکر اس میں تابع ہے۔

قَالَ وَبَيْعُ الْوَصِيِّ عَلَى الْكَبِيْرِ الْغَائِبِ جَائِزٌ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا فِي الْعَقَارِ، لِأَنَّ الْأَبَ يَلِيْ مَاسِوَاهُ وَلَايَلِيْهِ فَكَذَا وَصِيُّهُ فِيْهِ، وَكَانَ الْقِيَاسُ أَنْ لَايَمْلِكَ الْوَصِيُّ غَيْرَ الْعَقَارِ أَيْضًا، لِأَنَّهُ لَايَمْلِكُهُ الْأَبُ عَلَى الْكَبِيْرِ إِلَّا أَنَّا اِسْتَحْسَنَّاهُ لِمَا أَنَّهُ حِفْظٌ لِتَسَارُعِ الْفَسَادِ إِلَيْهِ وَحِفْظُ الثَّمَنِ أَيْسَرُ وَهُوَ يَمْلِكُ الْحِفْظَ، أَمَّا الْعَقَارُ فَمُحْصَنٌ بِنَفْسِهِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ کبیر غائب پر زمین کے علاوہ ہر چیز میں وصی کی بیع جائز ہے، کیونکہ زمین کے علاوہ پر باپ کو ولایت حاصل ہے۔ اور زمین پر ولایت نہیں ہے، لہٰذا عقار میں اس کے وصی کا بھی یہی حال ہوگا۔ اور قیاس یہ ہے کہ وصی زمین کے علاوہ کا بھی مالک نہ ہو، کیونکہ کبیر پر باپ اس کا مالک نہیں ہے، لیکن استحساناً ہم نے اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ حفاظت کا ذریعہ ہے، اس لیے کہ غیر عقار کی طرف جلدی فساد آجاتا ہے اور ثمن کی حفاظت زیادہ آسان ہے اور وصی حفاظت ہی کا مالک ہے۔ رہی زمین تو وہ بذاتِ خود محفوظ ہے۔

اللغات:

﴿عقار﴾ غیر منقولہ جائیداد، زمین۔ ﴿یلی﴾ ولی ہوتا ہے۔ ﴿تسارع﴾ جلد آنا۔ ﴿أیسر﴾ زیادہ آسان ہے۔ ﴿محصن﴾ محفوظ ہے۔

بالغ اور غائب وارث کے مال میں وصی کے تصرف کا حق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ میت کے وصی کو اس کے بچوں کے اموال میں تصرف کرنے اور خریدنے بیچنے کا حق حاصل ہے، لیکن اگر میت کا کوئی بالغ لڑکا ہو اور وہ کہیں غائب ہو تو وصی اس کے سامان کو بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں قیاس اور استحسان کے الگ الگ فیصلے ہیں۔ قیاساً وصی کو کبیر اور بالغ کے مال میں ہاتھ لگانے کا حق نہیں ہے چہ جائے کہ بیچنے کا اختیار ہو۔ لیکن استحساناً وصی کو زمین کے علاوہ دیگر سامان فروخت کرنے کا حق ہے، کیونکہ وصی موصی یعنی کبیر کے باپ کا قائم مقام ہے اور زمین کے علاوہ میں باپ کو کبیر

کے مال پر ولایت حاصل ہے، اس لیے وصی کو بھی زمین کے علاوہ پر ولایت حاصل ہوگی اور وہ کبیر بالغ غائب کے سامان کو فروخت کرنے کا حق دار ہوگا، کیونکہ سامان جلدی سڑ اور گل جاتا ہے اور اس کے خراب ہونے کا اندیشہ زیادہ رہتا ہے جب کہ اسے فروخت کر کے اس کے ثمن کو محفوظ رکھنا زیادہ آسان ہے اس لیے کبیر پر وصی کی ولایت کو حفاظت سے تعبیر کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ وصی حفاظت ہی کا مالک ہے۔ اور زمین بذاتِ خود محفوظ ہوتی ہے، اس لیے وصی کو اس کی حفاظت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور زمین کے علاوہ کو حفاظت کی ضرورت ہے، لہٰذا یہ چیزیں وصی کی حمایت اور حفاظت میں داخل ہوں گی۔

قَالَ وَلَايَتَّجِرُ فِي الْمَالِ، لِأَنَّ الْمُفَوَّضَ إِلَيْهِ الْحِفْظُ دُوْنَ التِّجَارَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وصی مال میں تجارت نہیں کرے گا، کیونکہ حفاظت اس کے سپرد کی گئی ہے نہ کہ تجارت۔

اللغات:

﴿لا يتّجر﴾ تجارت نہ کرے۔ ﴿المفوّض﴾ جو سپرد کیا گیا ہے۔

وصی کا اصل کار منصبی:

یعنی وصی کا کام وارث کے اموال کی حفاظت ہے، لہٰذا اسے چاہئے کہ دیانت داری کے ساتھ کام انجام دے اور تجارت وغیرہ کے چکر میں نہ پڑے۔

وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَصِيُّ الْأَخِ فِي الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ الْغَائِبِ بِمَنْزِلَةِ وَصِيِّ الْأَبِ فِي الْكَبِيْرِ الْغَائِبِ، وَكَذَا وَصِيُّ الْأُمِّ وَالْعَمِّ، وَهٰذَا الْجَوَابُ فِيْ تَرِكَةِ هٰؤُلَاءِ، لِأَنَّ وَصِيَّهُمْ قَائِمٌ مَقَامِهِمْ وَهُمْ يَمْلِكُوْنَ مَايَكُوْنُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ فَكَذَا وَصِيُّهُمْ.

ترجمہ: حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صغیر اور کبیر غائب میں بھائی کا وصی کبیر غائب میں باپ کے وصی کے درجے میں ہے اور ماں اور چچا کے وصی کا بھی یہی حال ہے اور ان لوگوں کے ترکہ کے متعلق بھی یہی حکم ہے، کیونکہ ان کا وصی ان کے قائم مقام ہے اور یہ لوگ ان چیزوں کے مالک ہیں جو بابِ حفاظت سے متعلق ہیں لہٰذا ان کا وصی بھی ان چیزوں کا مالک ہوگا۔

اللغات:

﴿عمّ﴾ چچا۔ ﴿یملکون﴾ مالک ہوتے ہیں۔

بھائی کے وصی کے اختیارات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے دو بھائی ہیں اور وہی اس کے وارث ہیں جن میں سے ایک صغیر ہے اور دوسرا کبیر اور بالغ ہے اور اس مرحوم بھائی کا ایک وصی ہے تو یہ وصی صغیر اور کبیر غائب کے حق میں باپ کے اس وصی کے درجے میں ہے جو کبیر غائب کا وصی ہو یعنی جس طرح باپ کا وصی کبیر غائب کی زمین کے علاوہ اس کے دیگر اموال میں تصرف کرتا ہے اسی طرح بھائی کا وصی

بھی بھائی کے چھوٹے بھائی اور بڑے بھائی (جو غائب ہو) کی زمین کے علاوہ دیگر اموال میں تصرف کرسکتا ہے۔

اور ماں یا چچا کے وصی کا بھی یہی حال ہے یعنی ان کے وصی کے لیے بھی یہی اختیارات ہیں کہ وہ بھی ان کے وارثوں کی زمین کے علاوہ دیگر سامان میں تصرف کا مجاز ہے، اوران لوگوں کے ترکہ کا بھی یہی حکم ہے یعنی وصی موصی کے ترکہ میں ہی اس طرح کا تصرف کرسکتا ہے، کیونکہ وصی موصی کے قائم مقام ہوتا ہے اور موصی کو صرف اپنے مال میں اس طرح کے تصرف کا حق ہے، لہٰذا وصی کو موصی کے ترکہ میں تو یہ اجازت ہوگی، کیونکہ یہ حفظِ اموال کے قبیل سے ہے، لیکن ورثاء کے ذاتی اموال میں وصی کو اس تصرف کا حق نہیں ہوگا۔

قَالَ وَالْوَصِيُّ أَحَقُّ بِمَالِ الصَّغِيرِ مِنَ الْجَدِّ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَدُّ أَحَقُّ، لِأَنَّ الشَّرْعَ أَقَامَهُ مَقَامَ الْأَبِ حَالَ عَدَمِهِ حَتَّى أَحْرَزَ الْمِيْرَاثَ فَيَتَقَدَّمُ عَلَى وَصِيِّهِ، وَلَنَا أَنَّ بِالْإِيْصَاءِ تَنْتَقِلُ وِلَايَةُ الْأَبِ إِلَيْهِ فَكَانَتْ وِلَايَتُهُ قَائِمَةً مَعْنًى فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ كَالْأَبِ نَفْسِهِ، وَهٰذَا لِأَنَّ اِخْتِيَارَهُ الْوَصِيَّ مَعَ عِلْمِهِ بِقِيَامِ الْجَدِّ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ تَصَرُّفَهُ أَنْظَرُ لِبَنِيْهِ مِنْ تَصَرُّفِ أَبِيْهِ، فَإِنْ لَمْ يُوْصِ الْأَبُ فَالْجَدُّ بِمَنْزِلَةِ الْأَبِ، لِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ عَلَيْهِ وَأَشْفَقُهُمْ عَلَيْهِمْ حَتَّى مَلَكَ الْإِنْكَاحَ دُوْنَ الْوَصِيِّ غَيْرَ أَنَّهُ يُقَدَّمُ عَلَيْهِ وَصِيُّ الْأَبِ فِي التَّصَرُّفِ لِمَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ وصی دادا کے مقابلے بچے کے مال کا زیادہ حق دار ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دادا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ شریعت نے باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو اس کے قائم مقام قرار دیا ہے حتی کہ وہ میراث لے لیتا ہے، لہٰذا دادا کو باپ کے وصی پر مقدم کیا جائے گا، ہماری دلیل یہ ہے کہ وصیت کی وجہ سے باپ کی ولایت وصی کی طرف منتقل ہوگئی ہے، لہٰذا معناً باپ کی ولایت موجود ہے، لہٰذا وصی باپ پر مقدم کیا جائے گا جیسے خود باپ۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ دادا کے وجود کو جانتے ہوئے باپ کا وصی کو اختیار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے بیٹوں کے لیے وصی کا تصرف اس کے باپ کے تصرف سے زیادہ باعث شفقت ہے۔

لیکن اگر باپ نے وصی نہ بنایا ہو تو دادا باپ کے درجے میں ہوگا، کیونکہ دادا بچے کے لیے تمام لوگوں سے زیادہ قریب اور اس پر سب سے زیادہ مہربان ہے حتی کہ وہ نکاح کرنے کا مالک ہے اور وصی نکاح کرنے کا مالک نہیں ہے، باپ کا وصی تصرف میں دادا پر مقدم ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔

اللغات:

﴿أحق﴾ زیادہ حقدار۔ ﴿جدّ﴾ دادا۔ ﴿أحرز﴾ اکٹھا کرتا ہے۔ ﴿إیصاء﴾ وصیت کرنا۔ ﴿أنظر﴾ زیادہ شفقت والا۔

وصی اور دادا میں سے بچوں کے مال کا زیادہ حقدار کون ہوگا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچوں کا وصی بھی ہو اور دادا بھی موجود ہو تو ہمارے یہاں دادا کے مقابلے میں وصی بچوں کے مال کا زیادہ حق دار ہوگا جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دادا وصی سے مقدم اور احق ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں

شریعت نے دادا کو اس کے قائم مقام قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ دادا باپ کی میراث پاتا ہے لیکن وصی کو میراث سے کچھ نہیں ملتا، لہٰذا دادا وصی پر مقدم ہوگا۔

اور پھر جب باپ یہ جانتا ہے کہ میرا باپ یعنی بچوں کا دادا موجود ہے اس کے باوجود وہ کسی اور کو وصی بنا رہا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ وصی کو دادا پر ترجیح دینا چاہتا ہے اور دادا کے مقابلے میں وصی کو اپنے بچوں کے حق میں زیادہ شفیق اور مہربان سمجھ رہا ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی وصی دادا پر مقدم ہوگا۔

فإن لم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر باپ نے وصی نہ مقرر کیا ہو تو پھر دادا ہی بچوں کی تربیت کرے گا اور وہی ان کے مال میں تصرف بھی کرے گا، کیونکہ دادا ہی کو ولایت انکاح بھی حاصل ہے لہٰذا وصی نہ ہونے کی صورت میں ہمارے یہاں ولایتِ تصرف کا حق بھی دادا ہی کو ہوگا۔ لیکن اگر وصی ہوگا تو تصرف میں وہ دادا سے مقدم ہوگا۔

صاحب کتاب نے اس سے پہلے احکام وصیت کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے احکامِ شہادت کو بیان کررہے ہیں، شہادت کو وصیت سے مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وصیت اصل ہے اور شہادت عارض ہے اور ظاہر ہے کہ عارض اصل سے مؤخر ہوا کرتا ہے۔ اسی لیے احکامِ شہادت کو احکامِ وصیت کے بعد بیان کیا جارہا ہے۔

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ الْوَصِيَّانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصٰى إِلٰى فُلَانٍ مَعَهُمَا فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ لِأَنَّهُمَا مُتَّهَمَانِ لِإِثْبَاتِهِمَا مُعِيْنًا لِأَنْفُسِهِمَا، قَالَ إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهَا الْمَشْهُوْدُ لَهُ، وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ وَهُوَ فِي الْقِيَاسِ كَالْأَوَّلِ لِمَا بَيَّنَّا مِنَ التُّهْمَةِ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ لِلْقَاضِيْ وِلَايَةَ نَصْبِ الْوَصِيِّ اِبْتِدَاءً وَضَمَّ اٰخَرَ إِلَيْهِمَا بِرِضَائِهِ بِدُوْنِ شَهَادَتِهِمَا فَتَسْقُطُ بِشَهَادَتِهِمَا مُؤْنَةُ التَّعْيِيْنِ عَنْهُ، أَمَّا الْوِصَايَةُ تَثْبُتُ بِنَصْبِ الْقَاضِيْ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر دو وصیوں نے یہ شہادت دی کہ میت نے ان دونوں کے ساتھ فلاں کو وصی بنایا ہے تو شہادت باطل ہے، کیونکہ یہ دونوں اپنی شہادت میں متہم ہیں، اس لیے کہ یہ دونوں اپنے لیے ایک معین شخص کو ثابت کررہے ہیں۔ فرماتے ہیں الّا یہ کہ مشہود لہ وصایت کا دعویٰ کرے اور یہ استحسان ہے، لیکن قیاس میں یہ اول کے مثل ہے اس تہمت کی وجہ سے جسے ہم بیان کرچکے ہیں۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کو ابتداءً وصی مقرر کرنے کی ولایت ہے یا دو وصیوں کے ساتھ ان کی شہادت کے بغیر تیسرے کو ملانے کی ولایت حاصل ہے، لہٰذا ان کی شہادت سے قاضی کے ذمہ سے تعیین کی مؤنت ساقط ہوجائے گی رہی وصایت تو وہ قاضی کے مقرر کرنے سے ثابت ہوگی۔

اللغات:

﴿متّهمان﴾ دونوں پر تہمت لگائی جائے گی۔ ﴿يدّعيها﴾ اس بات کا دعویٰ کرے۔ ﴿ضمّ﴾ ساتھ ملانا۔ ﴿مؤنة﴾ مشقت۔

دو وصیوں کا کسی تیسرے آدمی کے لیے وصایت کی گواہی دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نعمان نے سلیم اور سلمان کو اپنا وصی بنایا ہے اور ان کی وصایت مشہور ہے اب ان دونوں نے یہ

شہادت دی کہ موصی نے ہمارے ساتھی سعدان کو بھی وصی بنایا ہے تو اگر سعدان بھی یہ دعویٰ کرے کہ ہاں مجھے موصی نے وصی بنایا ہے تب تو شہادت دینے والے دونوں وصیوں کی شہادت مقبول ہوگی، لیکن اگر مشہود لہ یعنی سعدان دعویٰ نہ کرے تو ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں اپنے لیے ایک معین شخص کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے یہ لوگ متہم ہوں گے اور متہم کی شہادت مقبول نہیں ہوتی اور یہ ''تو مدعی سست گواہ چست'' کے مترادف ہوگا۔

تاہم حضراتِ فقہاء نے مشہود لہ کے دعویٰ کرنے کی صورت میں ان کی شہادت کو استحساناً معتبر مانا ہے، ورنہ قیاساً اس صورت میں بھی ان کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کو ابتداءً بھی وصی مقرر کرنے کی ولایت حاصل ہے اور وصی کے ساتھ وصی ملانے کی بھی ولایت حاصل ہے بشرطیکہ وہ شخص جسے ملایا جارہا ہے وہ وصایت پر راضی ہو اور اس ضم کے لیے پہلے سے مقرر اور متعین کیے ہوئے وصیوں کی شہادت ضروری نہیں ہے، لہٰذا جب بدون شہادت قاضی نصبِ وصی اور ضمِ وصی مع الوصی کا حق دار ہے تو شہادت کے ساتھ بھی اسے یہ حق ہوگا، البتہ شہادت کی صورت میں قاضی سے تعیین کی مشقت ختم ہو جائے گی اور وصی متعین ہو جائے گا، لیکن اس وصی کو جو اختیارات ملیں گے وہ قاضی ہی کی دستخط اور اجازت کے بعد ملیں گے۔ گویا اصلی تقرر قاضی کی طرف سے ہوگا اور تعیین گواہی سے ہوگی۔

قَالَ وَكَذٰلِكَ الْإِبْنَانِ مَعْنَاهُ إِذَا شَهِدَا أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصٰى إِلٰى رَجُلٍ وَهُوَ يُنْكِرُ، لِأَنَّهُمَا يَجُرَّانِ إِلٰى أَنْفُسِهِمَا نَفْعًا بِنَصْبِ حَافِظٍ لِلتَّرِكَةِ، وَلَوْ شَهِدَا يَعْنِي الْوَصِيَّيْنِ لِوَارِثٍ صَغِيْرٍ بِشَيْءٍ مِنْ مَالِ الْمَيِّتِ أَوْ غَيْرِهٖ فَشَهَادَتُهُمَا بَاطِلَةٌ، لِأَنَّهُمَا يَظْهَرَانِ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لِأَنْفُسِهِمَا فِي الْمَشْهُوْدِ بِهٖ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ایسے ہی دو لڑکے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دو لڑکوں نے یہ گواہی دی کہ میت نے فلاں شخص کو وصی بنایا ہے حالانکہ وہ فلاں منکر ہے، کیونکہ وہ دونوں ترکہ کے لیے نگراں مقرر کر کے اپنی طرف نفع کھینچ رہے ہیں۔

اور اگر دو وصیوں نے کسی صغیر وارث کے لیے میت کے مال کے متعلق یا اس کے علاوہ کے بارے میں شہادت دی تو ان کی شہادت باطل ہے، اس لیے کہ یہ دونوں مشہود بہ میں اپنے لیے ولایتِ تصرف ظاہر کر رہے ہیں۔

اللغات:

﴿شهدا﴾ دونوں نے گواہی دی۔ ﴿ینکر﴾ وہ منکر ہے۔ ﴿یجرّان﴾ وہ دونوں گھسیٹ رہے ہیں۔ ﴿نصب﴾ مقرر کرنا۔

بیٹوں کا کسی شخص کے لیے وصایت کا دعویٰ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کے دو لڑکے ہوں اور وہ دونوں یہ شہادت دیں کہ ہمارے والد نے سلیم کو وصی بنایا تھا اور سلیم اس کا منکر ہو تو ان کی شہادت باطل ہوگی اور اس سے وصایت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ دونوں کے والد کے ترکہ کے لیے نگراں کے تقرری کی شہادت سے اپنے لیے نفع کھینچ رہے ہیں تاکہ ان کی شہادت سے میت کا ترکہ محفوظ ہو جائے اور ان کا مال ضیاع سے بچ جائے، اس لیے کہ ان کی شہادت باطل ہوگی۔

ولو شهدا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی میت کے دو وصی ہوں اور اس کا ایک چھوٹا بچہ ہو، اب اگر وہ دونوں وصی اس بچے کے لیے ترکہ میں سے کسی مال کی شہادت دیں یا ترکہ کے علاوہ کسی مال کے متعلق یہ شہادت دیں کہ وہ صغیر کا ہے تو ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس شہادت میں ان کا نفع ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب وہ مال صغیر کا ثابت ہو جائے گا تو اس پر بھی انھیں ولایتِ تصرف حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے گویا یہ اپنی شہادت میں متہم ہیں اور متہم کی شہادت مقبول نہیں ہوتی لہٰذا ان کی شہادت بھی مقبول نہیں ہوگی۔

قَالَ وَإِنْ شَهِدَا لِوَارِثٍ كَبِيرٍ فِي مَالِ الْمَيِّتِ لَمْ يَجُزْ، وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِ مَالِ الْمَيِّتِ جَازَ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَالَا إِنْ شَهِدَا لِوَارِثٍ كَبِيرٍ تَجُوزُ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّهُ لَايَثْبُتُ لَهُمَا وَلَايَةُ التَّصَرُّفِ فِي التَّرِكَةِ إِذْ كَانَتِ الْوَرَثَةُ كِبَارًا فَعَرِيَتْ عَنِ التُّهْمَةِ، وَلَهُ أَنَّهُ يَثْبُتُ لَهُمَا وَلَايَةُ الْحِفْظِ وَوِلَايَةُ بَيْعِ الْمَنْقُولِ عِنْدَ غَيْبَةِ الْوَارِثِ فَتَحَقَّقَتِ التُّهْمَةُ، بِخِلَافِ شَهَادَتِهِمَا فِي غَيْرِ التَّرِكَةِ لِانْقِطَاعِ وِلَايَةِ وَصِيِّ الْأَبِ عَنْهُ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ أَقَامَهُ مَقَامَ نَفْسِهِ فِي تَرِكَتِهِ، لَا فِي غَيْرِهَا.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر دونوں وصیوں نے بالغ وارث کے لیے مال میت میں شہادت دی تو جائز نہیں ہے اور اگر مالِ میت کے علاوہ میں ہو تو جائز ہے اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وارثِ کبیر کے لیے شہادت دی تو دونوں صورتوں میں جائز ہے، کیونکہ جب ورثاء بالغ ہوں تو وصیوں کے لیے ترکہ میں ولایتِ تصرف ثابت نہیں ہوگی، لہٰذا شہادت تہمت سے عاری ہوگئی۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وارث کی عدم موجودگی میں وصیوں کے لیے حفاظت کی ولایت اور منقول کو فروخت کرنے کی ولایت ثابت ہوگی، تو تہمت متحقق ہو جائے گی۔

برخلاف ترکہ کے علاوہ میں ان کی شہادت کے، کیونکہ اس سے باپ کے وصی کی ولایت منقطع ہے، کیونکہ میت نے اپنے ترکہ میں وصی کو اپنا قائم مقام قرار دیا ہے نہ کہ ترکہ کے علاوہ میں۔

اللغات:

﴿عَرِيَتْ﴾ خالی ہے، مجرد ہے۔ ﴿غيبة﴾ غیر موجودگی۔ ﴿تحقّقت﴾ ثابت ہوگئی۔ ﴿انقطاع﴾ ختم ہو جانا، منقطع ہو جانا۔

دو وصیوں کا میت کے کسی بالغ وارث کے حق میں گواہی دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت کے دونوں وصی بالغ وارث کے حق میں شہادت دیں اور یہ شہادت مال میت یعنی ترکہ کے متعلق ہو تو جائز نہیں ہے، لیکن اگر ترکہ کے علاوہ کسی دوسرے مال کے متعلق ہو تو جائز ہے۔ یہ حکم حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر شہادت وارثِ کبیر کے لیے ہو تو مطلقاً جائز ہے خواہ مالِ میت کے بارے میں ہو یا اس کے علاوہ دوسرے مال کے بارے میں ہو۔

حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب ورثاء بڑے ہوں اور انھی میں سے کسی کے حق میں شہادت ہو تو ظاہر ہے کہ وصیوں کو اس شہادت سے ولایتِ تصرف حاصل نہیں ہوگی اور نہ تو وہ اپنی شہادت میں متہم ہوں گے اور نہ ہی نفع کش ہوں گے، اس لیے وارثِ کبیر کے حق میں یہ شہادت مقبول ہوگی۔

وله الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب گواہی ترکہ کے متعلق ہوگی تو وہ متہم ضرور ہوگی، کیونکہ اگر چہ وارث کی موجودگی میں وصیّوں کو ولایتِ تصرف حاصل نہیں ہوگی، لیکن اس کی عدم موجودگی میں وصیوں کو اس کے حق کی حفاظت کرنے اور سامان وغیرہ کو فروخت کرنے کی ولایت ضرور ملے گی اور تہمت ثابت ہوجائے گی، اس لیے مالِ میت کے متعلق تو ان کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ ہاں مالِ میت کے علاوہ میں ان کی شہادت مقبول ہوگی، کیوں کہ ترکہ کے علاوہ میں وصی کو حق ولایت نہیں ہے، اس لیے کہ موصی نے انھیں اپنے ترکہ میں وصی بنایا ہے اور ترکہ کے علاوہ میں وصی نہیں بنایا ہے، لہٰذا ترکہ کے علاوہ میں انھیں ولایتِ تصرف بھی نہیں ملے گی اور اپنی شہادت میں وہ متہم بھی نہیں ہوں گے، اس لیے ان کی شہادت مقبول ہوگی۔

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ لِرَجُلَيْنِ عَلٰى مَيِّتٍ بِدَيْنٍ أَلْفِ دِرْهَمٍ وَشَهِدَ الْاٰخَرَانِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِ ذٰلِكَ جَازَتْ شَهَادَتُهُمَا، وَإِنْ كَانَتْ شَهَادَةُ كُلِّ فَرِيْقٍ لِلْاٰخَرَيْنِ بِوَصِيَّةِ أَلْفِ دِرْهَمٍ لَمْ تَجُزْ، وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ لَاتُقْبَلُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا، وَأَبُوْحَنِيْفَةَ رحمۃ اللہ علیہ فِيْمَا ذَكَرَ الْخَصَّافُ مَعَ أَبِيْ يُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ، وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر دو لوگوں نے دو آدمیوں کے لیے میت پر ایک ہزار درہم قرض کی شہادت دی اور دوسرے دو مشہود لہما نے پہلے گواہوں کے لیے اسی جیسی شہادت دی تو ان کی شہادت جائز ہے۔ اور اگر ہر فریق کی شہادت دوسرے کے لیے ایک ہزار درہم کی وصیت کی ہو تو جائز نہیں ہے اور یہ حضرات طرفین رحمہما اللہ کا قول ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرض کے متعلق بھی ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی۔ اور امام خصاف کے بیان کے مطابق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مثل مروی ہے۔

اللغات:

﴿دینٌ﴾ قرضہ۔ ﴿ألف﴾ ایک ہزار۔ ﴿لا تقبل﴾ قبول نہیں کی جائے گی۔

چار آدمیوں کا ایک دوسرے کے لیے میت کے ذمے قرض یا وصیت کی گواہی دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ سلیم کا انتقال ہوا اور نعمان اور سلمان نے یہ شہادت دی کہ سعدان اور فیضان کا سلیم پر ایک ہزار درہم قرض ہے اور سعدان وفیضان نے بھی یہ شہادت دی کہ نعمان اور سلمان کا سلیم پر ایک ہزار درہم قرض ہے تو یہ شہادت جائز ہے، لیکن اگر ہر فریق نے دوسرے کے متعلق یہ شہادت دی کہ میت نے ان کے لیے ایک ہزار درہم کی وصیت کی ہے تو یہ شہادت جائز نہیں ہے اور وصیت میں شہادت کا عدم جواز متفق علیہ ہے، لیکن دین کے متعلق حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں شہادت جائز ہے لیکن امام ابو یوسف

رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز نہیں ہے۔

وأبو حنیفۃ الخ: فرماتے ہیں کہ امام خصافؒ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی جوڑا ہے اور خود امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دوسری روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح جوازِ قبول کی مروی ہے۔

وَجْهُ الْقَبُوْلِ أَنَّ الدَّيْنَ يَجِبُ فِي الذِّمَّةِ وَهِيَ قَابِلَةٌ لِحُقُوْقٍ شَتّٰى فَلَاشِرْكَةَ وَلِهٰذَا لَوْ تَبَرَّعَ أَجْنَبِيٌّ لِقَضَاءِ دَيْنِ أَحَدِهِمَا لَيْسَ لِلْآخَرِ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ، وَجْهُ الرَّدِّ أَنَّ الدَّيْنَ بِالْمَوْتِ يَتَعَلَّقُ بِالتَّرِكَةِ إِذِ الذِّمَّةُ خَرِبَتْ بِالْمَوْتِ وَلِهٰذَا لَوِ اسْتَوْفٰى أَحَدُهُمَا حَقَّهُ مِنَ التَّرِكَةِ يُشَارِكُهُ الْآخَرُ فِيْهِ فَكَانَتِ الشَّهَادَةُ مُثْبِتَةً حَقَّ الشِّرْكَةِ فَتَحَقَّقَتِ التُّهْمَةُ، بِخِلَافِ حَالِ حَيَاةِ الْمَدْيُوْنِ، لِأَنَّهُ فِي الذِّمَّةِ لِبَقَائِهَا لَا فِي الْمَالِ فَلَايَتَحَقَّقُ الشِّرْكَةُ.

ترجمه: شہادت مقبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دین ذمہ میں واجب ہوتا ہے اور ذمہ مختلف حقوق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لہٰذا شرکت معدوم ہے، اسی لیے اگر ان میں کسی فریق کا دین ادا کرنے میں کوئی اجنبی تبرع کر دے تو دوسرے فریق کو شرکت کا حق نہیں ہوگا۔ اور شہادت رد کرنے کی دلیل یہ ہے کہ موت کی وجہ سے قرض ترکہ سے متعلق ہو جاتا ہے، کیونکہ موت کی وجہ سے ذمہ خراب ہوگیا اسی لیے اگر فریقین میں سے کسی فریق نے ترکہ میں سے اپنا حق وصول کرلیا تو دوسرا فریق اس میں اس کا شریک ہوگا، لہٰذا شہادت حقِ شرکت کو ثابت کرنے والی ہوگی تو تہمت متحقق ہو جائے گی۔ برخلاف مدیون کی زندگی کی حالت کے، اس لیے کہ ذمہ باقی رہنے کی وجہ سے دین ذمہ میں ہے نہ کہ مال میں، لہٰذا شرکت متحقق نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿دین﴾ قرض۔ ﴿شتّٰی﴾ متفرق، مختلف۔ ﴿تبرّع﴾ بلاعوض ادائیگی۔ ﴿خربت﴾ ہلاک ہو جاتا ہے۔ ﴿استوفٰی﴾ پورا وصول کرلیا ہے۔ ﴿یشارکہ﴾ اس کا شریک ہوگا۔ ﴿مثبتۃ﴾ ثابت کرنے والی۔ ﴿مدیون﴾ مقروض۔

مذکورہ بالا مسائل کے دلائل:

ماقبل میں شہادت کے قبول اور ردّ کے حوالے سے جو دو قول بیان کئے گئے ہیں یہاں سے ان دونوں قولوں کی دلیل بیان کی گئی ہے چنانچہ مقبولیتِ شہادت کی دلیل یہ ہے کہ دین ماوجب فی الذمہ کا نام ہے اور ذمہ مختلف حقوق کو قبول کرسکتا ہے یعنی ایک ذمہ سے کئی لوگوں کے حقوق متعلق ہو سکتے ہیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی لہٰذا جب دونوں فریق نے الگ الگ ایک دوسرے کے لیے شہادت دی تو یہ شہادت مشہودلہ کے لیے ہوئی اور شاہدوں کے لیے نہیں ہوئی اور جب شہادت شاہدوں کے لیے نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ شاہد شہادت میں متہم بھی نہیں ہوئے، اس لیے ان کی شہادت مقبول ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر میت کی طرف سے کسی شخص نے تبرعاً ایک فریق کا قرض ادا کر دیا تو اس میں دوسرا فریق شامل اور شریک نہیں ہوگا، کیونکہ ہر ایک فریق کی شہادت دوسرے سے الگ اور ممتاز ہے۔

وجہ الرد الخ: فرماتے ہیں کہ شہادت مقبول نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب مدیون کا انتقال ہوگیا تو اب دین ذمہ میں

باقی نہیں رہا، کیونکہ موت سے ذمہ معدوم ہوگیا، بل کہ اس پر واجب شدہ دین اس کے ترکہ سے متعلق ہوگیا اور چوں کہ ترکہ میں دونوں فریق کا اشتراک ہے جو مثبتِ شرکت ہے اور جب شرکت ثابت ہوگی تو تہمت متحقق ہوگی، اس لیے کہ ہر فریق کو ترکے سے ہی اس کا دین ملے گا اور اشتراک قبولِ شہادت سے مانع ہے۔

یہاں شرکت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر دونوں فریق میں سے کسی فریق نے ترکہ سے اپنا دین وصول کرلیا تو دوسرا فریق اس میں شریک ہوگا اور دوسرے فریق کا شریک ہونا ہی شرکت کی دلیل ہے۔ اس کے برخلاف اگر مدیون زندہ ہو تو دین کا تعلق اس کے ذمہ سے ہوتا ہے اور ذمہ میں شرکت متحقق نہیں ہوتی، اس لیے اس صورت میں شہادت مقبول ہے اور مقروض کی موت والی صورت میں شہادت مردود ہے۔

قَالَ وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أَوْصٰى لِهٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ بِجَارِيَتِهِ وَشَهِدَ الْمَشْهُوْدُ لَهُ لَهُمَا أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصٰى لِلشَّاهِدَيْنِ بِعَبْدِهِ جَازَتِ الشَّهَادَةُ بِالْإِتِّفَاقِ، لِأَنَّهُ لَا شِرْكَةَ فَلَا تُهْمَةَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر دو لوگوں نے یہ شہادت دی کہ میت نے ان دونوں کے لیے اپنی باندی کی وصیت کی ہے اور مشہود لہما نے شہادت دی کہ میت نے گواہوں کے لیے اپنے غلام کی وصیت کی ہے تو بالاتفاق شہادت جائز ہے، کیونکہ شرکت نہیں ہے اس لیے تہمت بھی معدوم ہے۔

اللغات:

﴿جاریة﴾ باندی۔ ﴿أوصٰی﴾ وصیت کی ہے۔ ﴿شهادة﴾ گواہی۔

مذکورہ بالا مسائل کے دلائل:

مسئلہ یہ ہے کہ دو فریق ہیں ایک نے دوسرے کے لیے شہادت دی کہ میت نے اپنی باندی ان کے لیے وصیت کی ہے اور دوسرے نے پہلے کے حق میں گواہی دی کہ میت نے اپنا غلام ان کے لیے وصیت کیا ہے تو یہاں شہادت جائز ہے اگرچہ وصیت سے متعلق ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ یہاں مشہود بہ الگ الگ ہے اس لیے شرکت معدوم ہے اور جب شرکت معدوم ہے تو تہمت بھی معدوم ہے اور شہادت کی قبولیت کا راستہ بالکل کلیئر اور صاف ہے۔

وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أَوْصٰى لِهٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ بِثُلُثِ مَالِهِ وَشَهِدَ الْمَشْهُوْدُ لَهُمَا أَنَّهُ أَوْصٰى لِلشَّاهِدَيْنِ بِثُلُثِ مَالِهِ فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ، وَكَذَا إِذَا شَهِدَ الْأَوَّلَانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصٰى لِهٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ بِالْعَبْدِ، وَشَهِدَ الْمَشْهُوْدُ لَهُمَا أَنَّهُ أَوْصٰى لِلْأَوَّلَيْنِ بِثُلُثِ مَالِهِ فَهِيَ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّ الشَّهَادَةَ فِيْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ مُثْبِتَةٌ لِلشِّرْكَةِ.

ترجمہ: اور اگر دو گواہوں نے شہادت دی کہ میت نے اِن دونوں کے لیے ثلث مال کی وصیت کی ہے اور مشہود لہما نے یہ شہادت دی کہ میت نے شاہدین کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو شہادت باطل ہے۔ اور ایسے ہی جب پہلے والے دونوں گواہوں

نے یہ شہادت دی کہ میت نے اِن دونوں مَردوں کے لیے غلام کی وصیت کی ہے اور مشہود لہما نے شہادت دی کہ میت نے پہلوں کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو بھی شہادت باطل ہے، کیونکہ اس صورت میں شہادت شرکت کو ثابت کر رہی ہے۔

اللغاتُ:

﴿ثلث﴾ ایک تہائی، تیسرا حصہ۔ ﴿المشهود له﴾ جس کے فائدے میں گواہی دی گئی ہے۔ ﴿مثبتة﴾ ثابت کرنے والی ہے۔

مذکورہ بالا مسائل کے دلائل:

اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ شہادت اگر مُثبتِ شرکت ہوگی تو باطل ہوگی اسی سے متعلق یہاں دو مسئلوں کا بیان ہے:

1. دو لوگوں پر مشتمل ایک فریق نے یہ شہادت دی کہ میت نے فلاں فلاں کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے اور فلاں فلاں (جو مشہود لہما ہیں) نے شہادت دی کہ میت نے گواہ دینے والے فریق کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی ہے تو یہ شہادت باطل ہے اور کسی بھی فریق کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ مشہود بہ ایک ہے اور شہادت میں شرکت متحقق ہے اور شرکت والی شہادت کا بطلان ظاہر و باہر ہے۔
2. فریق اول نے شہادت دی کہ میت نے فریق ثانی کے لیے اپنے غلام کی وصیت کی ہے اور دوسرے فریق نے شہادت دی کہ میت نے فریق اول کے لیے اپنے تہائی مال کی شہادت دی ہے تو یہ شہادت بھی باطل ہے، کیونکہ مشہود بہ اگر چہ لفظاً مختلف ہے، لیکن معناً ایک ہے، اس لیے کہ غلام بھی مال ہے اور ثلث میں داخل ہے، لہٰذا اس شہادت میں بھی شرکت متحقق ہے، اس لیے باطل ہے۔

كِتَابُ الْخُنْثٰى

یہ کتاب احکام خنثیٰ کے بیان میں ہے

انسانوں میں یا تو مرد ہوتے ہیں یا عورتیں ہوتی ہیں اور عموماً ایک انسان میں ایک ہی آلہ ہوتا ہے خواہ مرد کا ہو یا عورت کا اور ایک ہی انسان میں دونوں آلوں کا اجتماع بمشکل ہوتا ہے اور نادر ہوتا ہے اسی لیے صاحب ہدایہ نے خنثیٰ کے احکام ومسائل کو سب سے اخیر میں بیان کیا ہے۔

فَصْلٌ فِيْ بَيَانِهٖ

یہ فصل خنثیٰ کے بیان میں ہے

قَالَ وَإِذَا كَانَ لِلْمَوْلُوْدِ فَرْجٌ وَذَكَرٌ فَهُوَ خُنْثٰى، فَإِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الذَّكَرِ فَهُوَ غُلَامٌ وَإِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ أُنْثٰى، لِأَنَّ النَّبِيَّ ❶ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْهُ كَيْفَ يُوْرَثُ فَقَالَ مِنْ حَيْثُ يَبُوْلُ، وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلُهٗ، وَلِأَنَّ الْبَوْلَ مِنْ أَيِّ عُضْوٍ كَانَ فَهُوَ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّهٗ هُوَ الْعُضْوُ الْأَصْلِيُّ الصَّحِيْحُ، وَالْآخَرُ بِمَنْزِلَةِ الْعَيْبِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثیٰ ہے چنانچہ اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو وہ لڑکا ہے اور اگر

فرج سے پیشاب کرے تو وہ عورت ہے اس لیے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا کہ اسے میراث کس طرح دی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں سے وہ پیشاب کرتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی جیسا منقول ہے اور اس لیے کہ جس عضو سے پیشاب ہوگا وہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اصل عضو ہے اور صحیح ہے اور دوسرا عیب کے درجے میں ہے۔

اللغاتُ:

﴿مولود﴾ پیدا ہونے والا، بچہ۔ ﴿فرج﴾ پھٹن، کشادگی، نسوانی شرم گاہ۔ ﴿ذکر﴾ علامت تذکیر۔ ﴿خنثی﴾ مخنث، تیسری جنس۔ ﴿یبول﴾ پیشاب کرتا ہے۔ ﴿یورث﴾ میراث دی جائے گی۔

تخریج:

❶ اخرجہ البیہقی فی کتاب الفرائض باب میراث الخنثیٰ، حدیث رقم: ۱۲۵۱۸.

خنثیٰ کی تعریف اور پہچان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نومولود بچے کے ذکر بھی ہو اور فرج بھی ہو تو اسے خنثیٰ کہیں گے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو لڑکا کہلائے گا اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکی اور مونث کی صف میں ہوگا۔ اس کی دلیل حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارساد گرامی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے خنثیٰ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ہم اسے لڑکا سمجھ کر مردوں والی میراث دیں یا لڑکی خیال کر کے عورتوں والی میراث دیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارسادفرمایا کہ بھائی اس کے پیشاب کرنے کو حکم بنالو' یعنی اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو اسے مرد سمجھو اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو عورت خیال کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا فیصلہ مروی ہے۔ جو مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ وہ جس عضو سے پیشاب کرے گا وہی اس کا اصلی اور حقیقی عضو ہوگا اور دوسرا عضو عیب مانا جائے گا، اس لیے بھی اس کے مذکر یا مونث ہونے میں اس کے مقام بول کا خاص دخل اور اثر ہوگا۔

وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ، لِأَنَّ ذٰلِكَ دَلَالَةٌ أُخْرٰى عَلٰى أَنَّهٗ هُوَ الْعُضْوُ الْأَصْلِي.

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں سے پیشاب کرے تو اسبق کے لیے حکم ہوگا، کیونکہ یہ اس بات کی دوسری دلالت ہے کہ یہی اصلی عضو ہے۔

اللغاتُ:

﴿بال﴾ پیشاب کیا۔ ﴿أسبق﴾ پہلا آگے ہونے والا، بڑھنے والا۔

دونوں شرمگاہوں سے بول کرنے والے کی پہچان کا ذریعہ:

فرماتے ہیں کہ اگر خنثیٰ ذکر اور فرج دونوں سے پیشاب کرے تو یہ دیکھا جائے گا کہ کس عضو سے پہلے پیشاب نکلتا ہے جہاں سے پہلے پیشاب نکلے گا اسی کے مطابق اس پر مذکر یا مونث کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور یہ سمجھا جائے گا جس عضو سے پہلے پیشاب

نکلتا ہے وہ عضو اصلی ہے اور جہاں سے بعد میں نکل رہا ہے وہ بیماری کی وجہ سے نکل رہا ہے۔

وَإِنْ كَانَا فِي السَّبْقِ عَلَى السَّوَاءِ فَلَامُعْتَبَرَ بِالْكَثْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَالَا يُنْسَبُ إِلَى أَكْثَرِهِمَا بَوْلًا، لِأَنَّهُ عَلَامَةُ قُوَّةِ ذٰلِكَ الْعُضْوِ وَكَوْنِهِ عُضْوًا أَصْلِيًا، وَلِأَنَّهُ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ فِي أُصُولِ الشَّرْعِ فَيَتَرَجَّحُ بِالْكَثْرَةِ. وَلَهُ أَنَّ كَثْرَةَ الْخُرُوجِ لَيْسَ تَدُلُّ عَلَى الْقُوَّةِ، لِأَنَّهُ قَدْ يَكُونُ لِلْإِتِّسَاعِ فِي أَحَدِهِمَا وَضِيْقٍ فِي الْآخَرِ، وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْهُمَا عَلَى السَّوَاءِ فَهُوَ مُشْكِلٌ بِالْإِتِّفَاقِ، لِأَنَّهُ لَامُرَجِّحَ.

ترجمہ: اور اگر سبقت میں دونوں عضو برابر ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کثرت کا اعتبار نہیں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے زیادہ پیشاب والے عضو کی طرف مولود منسوب کیا جائے گا اس لیے کہ یہ اس عضو کے قوی اور اصلی ہونے کی علامت ہے۔ اور اس لیے کہ اصولِ شرع میں اکثر کو کل کا حکم حاصل ہے، لہٰذا کثرت کی وجہ سے ترجیح ہوگی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ کثرتِ خروج قوت کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ کبھی ان میں سے ایک عضو میں کشادگی اور دوسرے میں تنگی کی وجہ سے کثرت ہوتی ہے۔ اور اگر دونوں سے برابر پیشاب نکلتا ہو تو وہ بالاتفاق خنثیٰ مشکل ہے، کیونکہ کوئی مرجح نہیں ہے۔

اللغات:

﴿سبق﴾ آگے ہونا، بڑھنا، پہلے ہونا۔ ﴿سواء﴾ برابری۔ ﴿یُنسبُ﴾ منسوب کیا جائے گا۔ ﴿یترجح﴾ ترجیح یافتہ ہوگا۔ ﴿اتساع﴾ وسعت، گنجائش، پھیلاؤ۔ ﴿ضیق﴾ تنگی۔

دونوں اعضاء کی سبقت میں برابری کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر اسے دونوں عضو سے ایک ساتھ پیشاب آتا ہو اور خروج بول میں کوئی عضو کسی سے اسبق اور مقدم نہ ہو تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ خنثیٰ مشکل ہوگا اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں ابھی ایک مرتبہ اور جانچ ہوگی اور یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کس عضو سے زیادہ پیشاب کرتا ہے اگر وہ ذکر سے زیادہ پیشاب کرتا ہو تو اسے مذکر مانا جائے گا اور اگر فرج سے زیادہ پیشاب کرتا ہو تو اسے مؤنث سمجھا جائے گا یعنی حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں قلت وکثرت کا اعتبار ہوگا، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جس عضو سے زیادہ پیشاب نکلے گا وہ اس عضو کے قوی اور اصلی ہونے کی دلیل بنے گا اور پھر اصولِ شریعت میں للأکثر حکم الکل کا فارمولہ بھی جاری ہے، اس لیے اس فارمولے کے حوالے سے بھی اکثر والے عضو کو ترجیح حاصل ہوگی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ کسی عضو سے پیشاب کا کثرت سے نکلنا اس عضو کے قوی ہونے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عضو میں راستہ کشادہ ہوتا ہے اور دوسرے میں تنگ ہوتا ہے، لہٰذا راستے کی تنگی اور کشادگی کی وجہ سے

پیشاب کم یا زیادہ خارج ہوتا ہے نہ کہ عضو کی قوت اور نقاہت کی وجہ سے، اس لیے یہ چیز قوت اور اصلیت کی دلیل نہیں ہوگی۔

وإن کان یخرج الخ: فرماتے ہیں کہ اگر دونوں عضو سے برابر پیشاب نکلتا ہو اور کسی سے کم یا کسی عضو سے زیادہ نہ نکلتا ہو تو یہ امام صاحبؒ اور حضرات صاحبین عِيسَالِسْلَہْ سب کے یہاں خنثیٰ مشکل ہے، کیونکہ اس کے حق میں کوئی بھی مرجح نہیں ہے۔

قَالَ وَإِذَا بَلَغَ الْخُنْثٰى وَخَرَجَتْ لِحْيَتُهُ أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ، وَكَذَا إِذَا احْتَلَمَ كَمَا يَحْتَلِمُ الرَّجُلُ أَوْ كَانَ لَهُ ثَدْيٌ مُسْتَوٍ، لِأَنَّ هٰذِهٖ مِنْ عَلَامَاتِ الذُّكْرَانِ، وَلَوْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ كَثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ نَزَلَ لَهُ لَبَنٌ فِيْ ثَدْيِهٖ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ أَمْكَنَ الْوُصُوْلُ إِلَيْهِ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ امْرَأَةٌ، لِأَنَّ هٰذِهٖ مِنْ عَلَامَاتِ النِّسَاءِ، وَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ إِحْدٰى هٰذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثٰى مُشْكِلٌ، وَكَذَا إِذَا تَعَارَضَتْ هٰذِهِ الْمَعَالِمُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر خنثیٰ بالغ ہوجائے اور اس کے ڈاڑھی نکل جائے یا عورتوں تک پہنچ جائے، تو وہ مرد ہے، ایسے ہی جب مردوں کی طرح اسے احتلام ہوجائے یا اس کی چھاتی برابر ہو، کیونکہ یہ چیزیں مردوں کی علامات میں سے ہیں۔ اور اگر عورت کے پستان کی طرح اس کے پستان ظاہر ہوگئے یا اس کی پستانوں میں دودھ اتر آیا یا وہ حائضہ ہوگیا یا اسے حمل ٹھہر گیا یا اس کی فرج تک پہنچنا ممکن ہوگیا تو وہ عورت ہے، کیونکہ یہ عورتوں کی علامات میں سے ہے اور اگر ان علامات میں کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو وہ خنثیٰ مشکل ہے اور ایسے ہی جب یہ علامات متعارض ہوجائیں۔

اللغات:

﴿بلغ﴾ بالغ ہوگیا۔ ﴿لحیة﴾ ڈاڑھی۔ ﴿احتلم﴾ بدخوابی، احتلام ہوجائے۔ ﴿ثدی﴾ چھاتی، پستان۔ ﴿مستوی﴾ برابر۔ ﴿ذکران﴾ مذکر۔ ﴿لبن﴾ دودھ۔ ﴿حاض﴾ حیض آ گیا۔ ﴿حَبِل﴾ حاملہ ہوگیا۔ ﴿معالم﴾ واحد معلم؛ علامات، نشانیاں۔

بلوغت کے بعد مخنث کی جنس کی پہچان کا طریقہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثیٰ بالغ ہوگیا اور اس کی ڈاڑھی نکل آئی یا وہ عورتوں سے ملنے پر قادر ہوگیا یا مردوں کی طرح اسے احتلام ہوگیا یا اس کی چھاتی برابر ہو یعنی اس میں ابھار نہ ہو تو اسے مرد اور مذکر سمجھا جائے گا، کیونکہ ڈاڑھی نکلنا اور احتلام وغیرہ ہونا سب مردوں کی علامات ہے۔ اس کے برخلاف اگر عورتوں کی چھاتیوں کی طرح خنثیٰ کی چھاتی نکل گئی یا اس کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا یا حیض آ گیا یا حمل ٹھہر گیا یا اس سے فرج میں وطی کرنا ممکن ہوگیا تو ان صورتوں میں سے ایک صورت کے پائے جانے سے بھی وہ خنثیٰ عورت قرار دیا جائے، کیونکہ یہ عورتوں کی علامات ہیں۔

وإن لم یظهر الخ: فرماتے ہیں کہ اگر خنثیٰ میں نہ تو مردوں کی علامات میں سے کوئی علامت ظاہر ہو اور نہ ہی عورتوں کی کوئی علامت ظاہر ہو یا مرد اور عورت دونوں کی ایک ایک علامت ظاہر ہو تو وہ خنثیٰ مشکل ہوگا۔ اور اس کے متعلق مرد یا عورت ہونے کا کوئی حتمی اور یقینی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

فَصْلٌ فِيْ أَحْكَامِهِ

یہ فصل خنثیٰ مشکل کے احکام کے بیان میں ہے

اَلْأَصْلُ فِي الْخُنْثٰى الْمُشْكِلِ أَنْ يُؤْخَذَ فِيْهِ بِالْأَحْوَطِ وَالْأَوْثَقِ فِيْ أُمُوْرِ الدِّيْنِ وَأَنْ لَايَحْكُمَ بِثُبُوْتِ حُكْمٍ وَقَعَ الشَّكُ فِيْ ثُبُوْتِهِ.

ترجمہ: خنثیٰ مشکل کے متعلق اصل یہ ہے کہ امور دین کے سلسلے میں اس میں احوط اور اوثق پر عمل کیا جائے اور ایسے حکم کے ثبوت کا فیصلہ نہ کیا جائے جس کے ثبوت میں شک ہو۔

اللغات:

﴿أحوط﴾ زیادہ احتیاط والا۔ ﴿أوثق﴾ زیادہ معتبر، زیادہ یقینی۔

خنثیٰ مشکل کے احکامات میں اصل ضابطہ:

خنثیٰ مشکل کے متعلق ہدایت دیتے ہوئے صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل کے سلسلے میں امور دین کے حوالے سے بہت زیادہ احتیاط اور وثوق پر عمل کیا جائے اور کسی ایسے حکم کا فیصلہ نہ کیا جائے جس کے ثبوت اور وقوع میں شک ہو۔

قَالَ وَإِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْإِمَامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ اِمْرَأَةٌ فَلَايَتَخَلَّلُ الرِّجَالَ كَيْ لَاتَفْسُدَ صَلَاتُهُمْ، وَلَا النِّسَاءَ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ فَيَفْسُدُ صَلَاتُهُ فَإِنْ قَامَ فِيْ صَفِّ النِّسَاءِ فَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُعِيْدَ صَلَاتَهُ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ، وَإِنْ قَامَ فِيْ صَفِّ الرِّجَالِ فَصَلَاتُهُ تَامَّةٌ وَيُعِيْدُ الَّذِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ وَالَّذِيْ خَلْفَهُ بِحِذَائِهِ صَلَاتَهُمْ اِحْتِيَاطًا لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ اِمْرَأَةٌ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب خنثیٰ امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو تو مردوں کے درمیان نہ ہو تاکہ ان کی نماز فاسد نہ ہو جائے اور نہ ہی عورتوں کے درمیان کھڑا ہو اس لیے کہ ہوسکتا کہ وہ مرد ہو اور اس کی نماز فاسد ہو جائے۔ پھر اگر وہ عورتوں کی صف میں کھڑا ہو گیا تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ وہ اپنی نماز لوٹا لے اس

لیے کہ ہوسکتا ہے وہ مرد ہو۔ اور اگر مردوں کی صف میں کھڑا ہوا تو اس کی نماز تام ہے اور جو اس کے دائیں اور بائیں طرف ہو اور جو اس کے مقابل اس کے پیچھے ہو وہ سب احتیاطاً اپنی نماز کا اعادہ کرلیں اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو۔

اللغات:

﴿وقف﴾ کھڑا ہو۔ ﴿خلف﴾ پیچھے۔ ﴿لا یتخلّل﴾ بیچ میں مت آئے۔ ﴿یعید﴾ دہرالے۔ ﴿تامّة﴾ مکمل۔ ﴿یمین﴾ دائیں جانب۔ ﴿یسار﴾ بائیں جانب۔ ﴿حذاء﴾ برابر، ایک سیدھ میں۔

خنثیٰ مشکل کی نماز میں کھڑے ہونے کی جگہ:

مسئلہ یہ ہے کہ خنثیٰ جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اور مردوں یا عورتوں کی صف کے ساتھ کھڑا نہ ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو اور مردوں کی صف میں کھڑا ہوجائے تو اس کے دائیں بائیں اور پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز فاسد ہوجائے۔ اور عورتوں کی صف میں بھی کھڑا نہ ہو اس لیے کہ اس کے مرد ہونے کا احتمال ہے اور اگر وہ مرد ہوا تو عورتوں کی صف میں کھڑا ہونے کی وجہ سے اس کی اپنی نماز فاسد ہوجائے گی۔ اس لیے احوط یہی ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔

فإن قام الخ: فرماتے ہیں کہ اگر خنثیٰ مشکل عورتوں کی صف میں کھڑا ہوجائے تو اس کے لیے اپنی نماز کا اعادہ کرنا مستحب ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ مرد ہو اور اس کی نماز فاسد ہوگئی ہو، لہٰذا احتیاطاً اسے اپنی نماز کا اعادہ کرلینا چاہئے۔ اور اگر وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہوجائے تو اس کی دائیں، بائیں اور پیچھے نماز پڑھنے والوں کو احتیاطاً اپنی نماز دوبارہ پڑھ لینی چاہئے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے یہ عورت ہو اور ان کی نماز فاسد ہوگئی ہو۔

قَالَ وَأَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ يُصَلِّي بِقِنَاعٍ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ امْرَأَةٌ وَيَجْلِسُ فِي صَلَاتِهِ جُلُوْسَ الْمَرْأَةِ، لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ رَجُلًا فَقَدْ تَرَكَ سُنَّةً وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْجُمْلَةِ، وَإِنْ كَانَ امْرَأَةً فَقَدْ ارْتَكَبَ مَكْرُوْهًا، لِأَنَّ السَّتْرَ عَلَى النِّسَاءِ وَاجِبٌ مَا أَمْكَنَ، وَإِنْ صَلَّى بِغَيْرِ قِنَاعٍ أَمَرْتُهُ أَنْ يُعِيْدَ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ، وَهُوَ عَلَى الْاِسْتِحْبَابِ وَإِنْ لَمْ يُعِدْ أَجْزَأَهُ.

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ خنثیٰ اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو، اور خنثیٰ اپنی نماز میں عورتوں کی سی بیٹھک بیٹھے، اس لیے کہ اگر وہ مرد ہے تو اس نے ایک سنت چھوڑی ہے اور یہ فی الجملہ جائز ہے۔ اور اگر وہ عورت ہے تو اس نے ایک مکروہ کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ عورتوں پر حتی الامکان پردہ کرنا واجب ہے۔ اور اگر اس نے اوڑھنی کے بغیر نماز پڑھی تو میں اسے اعادۂ صلاۃ کا حکم دوں گا، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو اور یہ (اعادہ کا حکم) مستحب ہے اور اگر اس نے اعادہ نہ بھی کیا تو بھی اس کی نماز اس کے لیے کفایت کرجائے گی۔

اللغات:

﴿قناع﴾ اوڑھنی، دوپٹہ۔ ﴿ستر﴾ پردہ داری۔ ﴿أجزأه﴾ اس کو کافی ہوجائے گی۔

خنثیٰ کے لیے نماز پڑھنے کا اولیٰ طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثیٰ بالغ نہ ہوا ہو بلکہ مراہق ہو تو اسے چاہئے کہ اوڑھنی یا دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے اور نماز میں عورتوں کی ہیئت اور حالت پر بیٹھے اور مردوں کی طرح بیٹھنے سے گریز کرے، کیونکہ اس کے عورت ہونے کا احتمال ہے۔ اس لیے اسے چاہئے کہ عورتوں کی طرح نماز پڑھے۔ اور اگر وہ مرد نکل گیا تو عورتوں کی طرح بیٹھنے کی وجہ سے وہ سنتِ جلوس کا تارک ہوگا، لیکن اگر وہ مردوں کی طرح بیٹھ کر نماز پڑھے گا اور بعد میں عورت ظاہر ہوگا تو وہ مکروہِ تحریمی کا مرتکب ہوگا اس لیے کہ عورتوں کو حتی الامکان پردہ کرنا ضروری اور لازم ہے اور سنت کا ترک کرنا مکروہِ تحریمی کے ارتکاب سے آسان ہے، لہٰذا فقہی ضابطہ **یُختارُ أهون الشرین** کے تحت اسے ترکِ سنت کی گنجائش دے دی جائے گی اور مکروہِ تحریمی کے ارتکاب سے اسے بچالیا جائے گا۔

وإن صلّی الخ: فرماتے ہیں کہ اگر خنثیٰ مشکل نے اوڑھنی کے بغیر نماز پڑھ لی تو میں استحباباً اسے نماز لوٹانے کا حکم دوں گا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو، لہٰذا اپنی نماز کو کامل اور مکمل بنانے کے لیے یا تو وہ اوڑھنی کے ساتھ نماز پڑھے یا پھر نماز کا اعادہ کرلے، لیکن اگر اس نے بدون اوڑھنی نماز پڑھ لی اور اعادہ نہیں کیا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی نماز درست اور جائز ہے۔

وَتُبْتَاعُ لَهُ أَمَةٌ تَخْتِنُهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، لِأَنَّهُ يُبَاحُ لِمَمْلُوْكَتِهِ النَّظْرُ إِلَيْهِ رَجُلًا كَانَ أَوْ اِمْرَأَةً، وَيُكْرَهُ أَنْ يَخْتِنَهُ رَجُلٌ، لِأَنَّهُ عَسَاهُ أُنْثَى، أَوْ تَخْتِنُهُ اِمْرَأَةٌ لِأَنَّهُ لَعَلَّهُ رَجُلٌ فَكَانَ الْإِحْتِيَاطُ فِيْمَا قُلْنَا، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ اِبْتَاعَ لَهُ الْإِمَامُ أَمَةً مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ أُعِدَّ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِذَا خَتَنَتْهُ بَاعَهَا وَرَدَّ ثَمَنَهَا فِيْ بَيْتِ الْمَالِ لِوُقُوْعِ الْإِسْتِغْنَاءِ عَنْهَا.

ترجمہ: اور خنثیٰ کے پاس اگر مال ہو تو اس کے لیے ایک باندی خریدی جائے جو اس کا ختنہ کرے، اس لیے کہ اس کی مملوکہ کے لیے اس کی طرف دیکھنا جائز ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اور مرد کے لیے اس کا ختنہ کرنا مکروہ ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو، یا عورت کے لیے اس کا ختنہ کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے وہ مرد ہو، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے جو ہم نے عرض کیا ہے۔ اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو امام اس کے لیے بیت المال کے مال سے ایک باندی خریدے، کیوں کہ بیت المال مسلمانوں کی ضروریات کے لیے بنایا گیا ہے۔ پھر جب باندی خنثیٰ کا ختنہ کردے تو امام اسے فروخت کرکے اس کا ثمن بیت المال کو واپس کردے، اس لیے کہ (بعد ختنہ) اس سے استغناء حاصل ہوگیا ہے۔

اللغاتُ:

﴿تبتاع﴾ خریدی جائے گی۔ ﴿تختنہ﴾ اس کے ختنے کرے گی۔ ﴿عساہ﴾ ممکن ہے کہ وہ۔ ﴿أمة﴾ باندی۔ ﴿أعدّ﴾ تیار کیا گیا ہے۔ ﴿نوائب﴾ واحد نائبة؛ ضروریات، مشکلات۔

خنثیٰ کا ختنہ کون کرے؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثیٰ مشکل مراہق یا بالغ ہوگیا ہو اور اس کا ختنہ نہ ہوا ہو تو ختنہ کرنے کے لیے اس کے مال سے

ایک باندی خریدی جائے گی اور وہ باندی اس کا ختنہ کرے گی۔ اور نہ تو کوئی مرد اس کا ختنہ کرسکتا ہے اور نہ ہی عورت، اس لیے کہ ہوسکتا ہے خنثیٰ عورت ہو اور مرد ختنہ کرے یا وہ مرد ہو اور عورت ختنہ کرے اور دونوں صورتوں میں ختنہ کا معاملہ مشکل ہے یعنی نہ تو عورت مرد کا ختنہ کرسکتی ہے اور نہ ہی مرد عورت کا، کیونکہ اس میں دوسرے کی شرم گاہ کو دیکھنا لازم آئے گا جو صحیح نہیں ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کے ختنہ کے لیے ایک باندی خریدی جائے تاکہ وہی اس کا ختنہ کرے، اور باندی جب اس کی مملوکہ ہوگی تو اس کے لیے ختنہ کرنا اور شرم گاہ کی طرف دیکھنا جائز ہوگا۔

وإن لم يكن له مال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر خنثیٰ کے پاس مال نہ ہو تو امام المسلمین بیت المال سے اس کا ختنہ کرنے کے لیے ایک باندی خرید دے، کیونکہ بیت المال مسلمانوں ہی کی ضرورت کے لیے بنایا جاتا ہے اور اس میں مسلمانوں ہی کا مال جمع ہوتا ہے اور جب باندی اس کا ختنہ کردے اور ضرورت پوری ہوجائے تو امام کو چاہئے کہ اس باندی کو فروخت کردے اور اس کا ثمن بیت المال میں جمع کردے تاکہ پھر کسی کا کام چل جائے۔

وَيُكْرَهُ لَهُ فِيْ حَيَاتِهٖ لُبْسُ الْحُلِيِّ وَالْحَرِيْرِ وَأَنْ يَنْكَشِفَ قُدَّامَ الرِّجَالِ أَوْ قُدَّامَ النِّسَاءِ وَأَنْ يَخْلُوَ بِهٖ غَيْرُ مَحْرَمٍ مِنْ رَجُلٍ أَوْ امْرَأَةٍ أَوْ يُسَافِرَ مِنْ غَيْرِ مَحْرَمٍ مِنَ الرِّجَالِ تَوَقِّيًا عَنْ اِحْتِمَالِ الْمُحَرَّمِ، وَإِنْ أَحْرَمَ وَقَدْ رَاهَقَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا عِلْمَ لِيْ فِيْ لِبَاسِهٖ، لِأَنَّهٗ إِنْ كَانَ ذَكَرًا يُكْرَهُ لَهٗ لُبْسُ الْمَخِيْطِ، وَإِنْ كَانَ أُنْثٰى يُكْرَهُ لَهٗ تَرْكُهٗ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَلْبَسُ لِبَاسَ الْمَرْأَةِ، لِأَنَّ تَرْكَ لُبْسِ الْمَخِيْطِ وَهِيَ اِمْرَأَةٌ أَفْحَشُ مِنْ لُبْسِهٖ وَهُوَ رَجُلٌ وَلَاشَيْءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهٗ لَمْ يَبْلُغْ.

ترجمہ: اور خنثیٰ کے لیے اپنی زندگی میں زیورات اور ریشمی کپڑے پہننا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کے ساتھ ننگا ہو اور اس کے ساتھ غیر محرم مرد یا عورت خلوت کرے یا غیر محرم مردوں کے ساتھ وہ سفر کرے حرام کے احتمال سے بچتے ہوئے۔ اور اگر خنثیٰ نے احرام باندھا حالانکہ وہ مراہق ہے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے لباس کا علم نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ مرد ہوگا تو اس کے لیے سِلا ہوا لباس پہننا مکروہ ہوگا اور اگر وہ عورت ہے تو اس کے لیے سلے ہوئے کپڑے کو نہ پہننا مکروہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت کا لباس پہنے گا کیونکہ اس کے لیے سلے ہوئے کپڑے پہننے کو ترک کرنا حالانکہ وہ عورت ہو اس کے پہننے سے زیادہ افحش ہے اور اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نابالغ ہے۔

اللغات:

﴿لبس﴾ پہننا۔ ﴿حلی﴾ زیورات۔ ﴿حریر﴾ ریشم۔ ﴿ینکشف﴾ بے پردہ ہو۔ ﴿قدّام﴾ آگے، سامنے۔ ﴿یخلو به﴾ اس کے ساتھ اکیلا ہو۔ ﴿توقّی﴾ بچنا، پرہیز کرنا۔ ﴿راهق﴾ قریب البلوغ ہوا۔

خنثیٰ کے لیے زیب وزینت اور لباس واحرام وغیرہ کے احکام:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل کے لیے زیورات پہننا اور ریشمی کپڑے پہننا مکروہ ہے اسی طرح مردوں اور عورتوں کے

سامنے ننگا ہونا بھی مکروہ ہے اور کسی غیر محرم مرد یا عورت کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی مکروہ ہے نیز غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر کرنا بھی اس کے لیے مکروہ ہے اور یہ مکروہ مکروہِ تحریمی ہے، اسی لیے صاحب کتاب نے **توقیا عن المحرّم** کی تاکیدی عبارت تحریر کردی ہے۔

وإن أحرم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خنثیٰ مشکل نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور وہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو بلکہ مراہق ہو تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے احرام والے لباس کا علم نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ مذکر ہو تو اس کے لیے بحالتِ احرام سلے ہوئے کپڑے پہننا مکروہ ہے اور اگر وہ مونث ہو تو سلے ہوئے کپڑے نہ پہننا مکروہ ہے اور جب اس کی جنس کا علم نہیں ہے تو اس کے لیے کپڑے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے۔

اس کے برخلاف حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل احرام کی حالت میں عورتوں والا لباس زیب تن کرے گا اس لیے کہ اگر وہ مرد ہوا تو مکروہ کا مرتکب ہوگا، لیکن احرام کی حالت میں مرد کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا اتنا زیادہ برا نہیں ہے جتنا کہ عورت کے لیے مرد کا احرام اور لباس پہننا برا اور خطرناک اور پردہ پوشی کے خلاف ہے۔ اور اگر خنثیٰ نے عورت کا لباس پہنا اور وہ مرد نکلا تو اس لباس کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان نہیں واجب ہوگا، کیونکہ وہ نابالغ ہے اور نابالغ پر ضمان یا تاوان نہیں ہوتا۔

وَمَنْ حَلَفَ بِطَلَاقٍ أَوْ اِعْتَاقٍ إِنْ كَانَ أَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدِيْنَهُ غُلَامًا فَوَلَدَتْ خُنْثٰى لَمْ يَقَعْ حَتّٰى يَسْتَبِيْنَ أَمْرُ الْخُنْثٰى، لِأَنَّ الْحِنْثَ لَايَثْبُتُ بِالشَّكِّ.

ترجمه: جس نے اس شرط پر طلاق یا عتاق کی قسم کھائی کہ اگر تو پہلا بچہ لڑکا جنے پھر اس نے خنثیٰ کو جنم دیا تو طلاق یا عتاق کا وقوع نہیں ہوگا یہاں تک کہ خنثیٰ کا معاملہ واضح ہوجائے، اس لیے کہ شک کی وجہ سے حنث ثابت نہیں ہوتا۔

اللغات:

﴿حلف﴾ قسم کھائی۔ ﴿تلدین﴾ تم جنوگی۔ ﴿یستبین﴾ واضح ہوجائے۔ ﴿حنث﴾ قسم یا تعلیق کا ٹوٹ جانا۔

خنثیٰ مشکل کا ایمان وعود میں اثر:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا اگر تیرا پہلا بچہ لڑکا پیدا ہوا تو تجھے طلاق ہے یا اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرا پہلا بچہ لڑکا ہو تو تو آزاد ہے، لیکن جس سے کہا اس نے خنثیٰ مشکل کو جنم دیا تو جب تک اس خنثیٰ کے مذکر یا مؤنث ہونے کا یقینی علم نہ ہوجائے اس وقت تک طلاق یا عتاق کا وقوع نہیں ہوگا، کیونکہ خنثیٰ کے مذکر ہونے میں شک ہے اور شک کی وجہ سے انسان حانث نہیں ہوتا۔

وَلَوْ قَالَ كُلُّ عَبْدٍ لِيْ حُرٌّ أَوْ قَالَ كُلُّ أَمَةٍ لِيْ حُرَّةٌ وَلَهُ مَمْلُوْكٌ خُنْثٰى لَمْ يَعْتِقْ حَتّٰى يَسْتَبِيْنَ أَمْرُهُ لِمَا قُلْنَا، وَإِنْ قَالَ الْقَوْلَيْنِ جَمِيْعًا عَتَقَ لِلتَّيَقُّنِ بِأَحَدِ الْوَصْفَيْنِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُهْمَلٍ.

ترجمه: اور اگر کسی نے کہا کہ میرا ہر غلام آزاد ہے یا میری ہر باندی آزاد ہے اور اس کا ایک ہی مملوک ہے جو خنثیٰ ہے تو وہ آزاد نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا معاملہ واضح ہوجائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور اگر اس نے دونوں باتیں ایک ساتھ کہی

ہوں تو خنثیٰ آزاد ہو جائے گا اس لیے کہ دونوں وصفوں میں سے ایک کا یقین ہے، کیونکہ خنثیٰ مہمل نہیں ہے۔

اللغات:

﴿عبد﴾ غلام۔ ﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿أمة﴾ باندی۔ ﴿لم یعتق﴾ وہ آزاد نہیں ہوگا۔ ﴿مهمل﴾ بے معنی، بے حیثیت۔

اجمالی اعتاق میں مخنث کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ میرا ہر غلام آزاد ہے یا یوں کہا کہ میری ہر باندی آزاد ہے یعنی غلام اور باندی کی آزادی کو الگ الگ کر کے بیان کیا اور اس کے صرف ایک مملوک ہے وہ بھی خنثیٰ مشکل ہے یعنی اس کا مرد اور عورت ہونا واضح نہیں ہے تو وہ مملوک آزاد نہیں ہوگا، کیونکہ جب وہ خنثیٰ مشکل ہے اور اس کا مرد یا عورت ہونا واضح نہیں ہے تو وہ نہ تو عبد ہے اور نہ ہی امۃ ہے اس لیے وہ آزاد نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس نے دونوں باتیں ایک ساتھ کہی ہوں اور یوں کہا ہو کہ میرا ہر غلام اور باندی آزاد ہے تو اب خنثیٰ غلام آزاد ہو جائے گا، کیونکہ خنثیٰ غلام یا باندی میں سے ایک تو ضرور ہوگا اور ان میں سے خالی نہیں ہوگا اور چوں کہ مالک نے غلام اور باندی دونوں کو آزاد کیا ہے اس لیے خنثیٰ آزاد ہو جائے گا۔

وَإِنْ قَالَ الْخُنْثٰى أَنَا رَجُلٌ أَوْ أَنَا اِمْرَأَةٌ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهٗ إِذَا كَانَ مُشْكِلًا، لِأَنَّهٗ دَعْوٰى يُخَالِفُ قَضِيَّةَ الدَّلِيْلِ، وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ مُشْكِلًا يَنْبَغِيْ أَنْ يُقْبَلَ قَوْلُهٗ لِأَنَّهٗ أَعْلَمُ بِحَالِهٖ مِنْ غَيْرِهٖ.

ترجمه: اور اگر خنثیٰ کہے کہ میں مرد ہوں یا میں عورت ہوں تو اگر وہ مشکل ہو تو اس کا قول مقبول نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دعویٰ تقاضۂ دلیل کے خلاف ہے۔ اور اگر وہ مشکل نہ ہو تو اس کے قول کا مقبول ہونا مناسب ہے، اس لیے کہ وہ اپنے حال کو دوسرے سے زیادہ جاننے والا ہے۔

تعیین جنس میں خنثیٰ کے اپنے قول کا اعتبار:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثیٰ کا مشکل ہونا معلوم ہو جائے اور پھر وہ اپنے آپ کو مرد بتلائے یا عورت بتلائے تو اس کا قول مقبول نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا دعویٰ دلیل کے خلاف ہے، اس لیے کہ جب اس کا خنثیٰ مشکل ہونا معلوم ہو چکا ہے تو اب اس کا خود کو مرد یا عورت کہنا اس کے مشکل ہونے کی دلیل اور ثبوت کے خلاف ہے لہٰذا اس کی یہ بات مقبول نہیں ہوگی۔

وإن لم یکن الخ: فرماتے ہیں کہ اگر وہ خنثیٰ مشکل نہ ہو اور اس کے مشکل ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس کے مرد یا عورت ہونے کا دعویٰ قبول کر لیا جائے گا، کیونکہ اب اس کا دعویٰ کسی دلیل اور ثبوت کے خلاف نہیں ہے اور وہ دوسرے کے مقابلے اپنے حال سے زیادہ واقف اور باخبر ہے۔

وَإِنْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَبِيْنَ أَمْرُهٗ لَمْ يُغَسِّلْهُ رَجُلٌ وَلَا اِمْرَأَةٌ، لِأَنَّ حِلَّ الْغُسْلِ غَيْرُ ثَابِتٍ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَيُتَوَقّٰى لِاحْتِمَالِ الْحُرْمَةِ وَيُتَيَمَّمُ بِالصَّعِيْدِ لِتَعَذُّرِ الْغُسْلِ، وَلَا يَحْضُرُ إِنْ كَانَ مُرَاهِقًا غُسْلَ رَجُلٍ وَلَا اِمْرَأَةٍ لِاحْتِمَالِ أَنَّهٗ ذَكَرٌ أَوْ أُنْثٰى، وَإِنْ سُجِّيَ قَبْرُهٗ فَهُوَ أَحَبُّ، لِأَنَّهٗ إِنْ كَانَ أُنْثٰى نُقِمَ وَاجِبًا، وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا فَالتَّسْجِيَةُ لَا يَضُرُّهٗ.

ترجمہ: اور اگر خنثیٰ کا معاملہ واضح ہونے سے پہلے وہ مرجائے تو اسے نہ تو مرد غسل دے گا اور نہ ہی عورت اس لیے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان غسل کی حلّت ثابت نہیں ہے، لہٰذا احتمالِ حرمت کی وجہ سے اس سے احتراز کیا جائے گا۔ اور غسل متعذر ہونے کی وجہ سے اسے مٹی سے تیمّم کرایا دجائے گا۔

اور اگر خنثیٰ مراہق ہو تو مرد یا عورت کے غسل میں حاضر نہ ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ اور اگر اس کی قبر ڈھانپ دی جائے تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اگر وہ عورت ہوگا تو ہم نے ایک واجب ادا کر دیا اور اگر وہ مرد ہوا تو ڈھانپنا اس کے لیے مضر نہیں ہے۔

اللغات:

﴿یستبین﴾ واضح ہو جائے۔ ﴿لم یغسّله﴾ اس کو غسل نہ دے۔ ﴿یتوقّی﴾ پرہیز کیا جائے گا۔ ﴿صعید﴾ مٹی۔ ﴿تعذّر﴾ ناممکن ہونا۔ ﴿سجّی﴾ ڈھانپ دیا جائے۔ ﴿نُقِمْ﴾ ہم قائم کریں گے۔

تغسیل وتدفین کے احکام:

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں:

(۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثیٰ مشکل کا انتقال ہو جائے اور اس کا مرد یا عورت ہونا واضح نہ ہوسکے تو اسے نہ تو کوئی مرد غسل دے گا اور نہ ہی کوئی عورت غسل دے گی، کیونکہ مرد کا عورت کو اور عورت کا مرد کو غسل دینا حلال نہیں ہے اور جب وہ مرد اور عورت دونوں ہوسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے نہ تو مرد غسل دے سکتا ہے اور نہ ہی عورت۔ تاکہ حرام کے ارتکاب سے بچا جا سکے اور اسے پاک مٹی سے تیمّم کرا کے اس کی تجہیز وتکفین کر دی جائے گی۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثیٰ مشکل مراہق ہو یا بالغ ہو گیا ہو تو وہ کسی مرد یا عورت کو غسل دیتے وقت وہاں حاضر نہ ہو کیونکہ وہ مرد بھی ہوسکتا ہے اور عورت بھی اور چوں کہ ابھی کوئی جہت واضح نہیں ہوسکی ہے اس لیے اسے کسی کے غسل میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

اور اگر خنثیٰ مشکل کی قبر کو عورت کی قبر کی طرح ڈھانپ دیا جائے تو یہ عمدہ اور پسندیدہ ہے، کیونکہ اگر وہ عورت ٹھہرا تو قبر ڈھانپ کر حق واجبی ادا کر دیا گیا اور اگر مرد ہوا تو بھی ڈھانپنا اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہے، اس لیے بارش اور گرمی کی وجہ سے مرد کی قبر کو ڈھانپا جا سکتا ہے اور خنثیٰ کا مشکل ہونا بارش وغیرہ سے زیادہ بڑا عذر ہے اس لیے اس صورت میں ڈھانپنا نفع بخش ہوگا نہ کہ نقصان دہ۔

وَإِذَا مَاتَ فَصُلِّيَ عَلَيْهِ وَعَلٰى رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ وُضِعَ الرَّجُلُ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ وَالْخُنْثٰى خَلْفَهُ، وَالْمَرْأَةُ خَلْفَ الْخُنْثٰى فَيُؤَخَّرُ عَنِ الرَّجُلِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ وَيُقَدَّمُ عَلَى الْمَرْأَةِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ.

ترجمہ: اور جب خنثیٰ مشکل مرجائے اور اس پر، ایک دوسرے آدمی پر اور ایک عورت پر (ایک ساتھ) نماز جنازہ پڑھی جائے تو

مرد کو امام سے متصل رکھا جائے، خنثیٰ کو مرد کے پیچھے رکھا جائے اور عورت کو خنثیٰ کے پیچھے رکھا جائے چنانچہ خنثیٰ کو مرد سے پیچھے کیا جائے اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو اور عورت سے آگے رکھا جائے اس احتمال سے کہ وہ مرد ہو۔

اللغات:

﴿یلی﴾ ساتھ ملا ہو۔ ﴿خلف﴾ پیچھے۔ ﴿یؤخّر﴾ پیچھے کیا جائے گا۔ ﴿یقدّم﴾ آگے بڑھایا جائے گا۔

جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

مسئلہ یہ ہے کہ جب خنثیٰ مشکل مرجائے اور اس کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت کا بھی انتقال ہو اور ان سب پر ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھنے کی نوبت ہو تو مرد کو امام کے متصل پہلے رکھا جائے گا، اس کے بعد خنثیٰ کو رکھا جائے گا اور خنثیٰ کے پیچھے عورت کو رکھا جائے، لہٰذا خنثیٰ کو مرد سے مؤخر کیا جائے تاکہ اگر وہ عورت ہو تو مرد سے پیچھے رہے اور عورت سے اسے آگے رکھا جائے تاکہ اگر وہ مرد ہو تو دنیاوی زندگی کی طرح صف میں اس سے آگے رہے اور کسی طرح کا فساد نہ ہونے پائے۔

وَلَوْ دُفِنَ مَعَ رَجُلٍ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ مِنْ عُذْرٍ جُعِلَ الْخُنْثٰى خَلْفَ الرَّجُلِ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ وَيُجْعَلُ بَيْنَهُمَا حَاجِزٌ مِنْ صَعِيْدٍ، وَإِنْ كَانَ مَعَ امْرَأَةٍ قُدِّمَ الْخُنْثٰى لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ يُجْعَلُ عَلَى السَّرِيْرِ نَعْشُ الْمَرْأَةِ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ عَوْرَةٌ، وَيُكَفَّنُ كَمَا تُكَفَّنُ الْجَارِيَةُ وَهُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ يَعْنِي يُكَفَّنُ فِيْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ أُنْثٰى فَقَدْ أُقِيْمَتْ سُنَّةٌ، وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا فَقَدْ زَادُوْا عَلَى الثَّلٰثِ، وَلَابَأْسَ بِذٰلِكَ.

ترجمہ: اور اگر کسی عذر کی وجہ سے خنثیٰ کو کسی آدمی کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے تو خنثیٰ کو مرد کے پیچھا کر دیا جائے اس لیے کہ ہوسکتا ہے وہ عورت ہو اور ان کے مابین مٹی سے آڑ کر دی جائے۔ اور اگر خنثیٰ عورت کے ساتھ ہو تو خنثیٰ کو مقدم کیا جائے گا، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ مرد ہو۔ اور اگر (خنثیٰ کی) چارپائی پر عورت کی چادر ڈال دی جائے تو یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس احتمال سے کہ وہ عورت ہو۔ اور خنثیٰ کو لڑکی کی طرح کفن دیا جائے اور یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، یعنی اسے پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے، کیونکہ اگر وہ مونث ہوا تو ایک سنت ادا کر دی گئی اور اگر وہ مذکر ہوا تو تین کپڑوں پر اضافہ کر دیا گیا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اللغات:

﴿خلف﴾ پیچھے۔ ﴿حاجز﴾ آڑ، رکاوٹ۔ ﴿صعید﴾ مٹی۔ ﴿قدّم﴾ آگے کیا جائے گا۔ ﴿سریر﴾ چارپائی۔ ﴿نعش المرأۃ﴾ عورت کے جنازے کی چارپائی کو ڈھانپنے والی چادر۔

اجتماعی قبر میں خنثیٰ کی تدفین:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے خنثیٰ مشکل کو کسی دوسرے مرد کے ساتھ دفن کرنا پڑے تو اس میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ سمتِ قبلہ میں پہلے مرد کو رکھیں اس کے بعد خنثیٰ کو اور دونوں کے درمیان مٹی سے آڑ کر دی جائے تاکہ دونوں ایک دوسرے

سے ملنے نہ پائیں اور خنثیٰ کو مرد کے پیچھے اس لیے رکھا جائے تاکہ اگر وہ عورت ہو تو مرد پر اس کی تقدیم نہ لازم آئے۔

وإن کان مع امرأۃ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مجبوری کی وجہ سے کسی عورت کے ساتھ خنثیٰ کو قبر میں رکھنا پڑے تو خنثیٰ کو عورت سے پہلے رکھا جائے گا، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ مرد ہو اور عورت کے پیچھے کرنے میں اس کی تحقیر ہو اس لیے اسے عورت سے مقدم رکھا جائے گا۔ اور اگر خنثیٰ کے جنازے کی چارپائی اور کھاٹ پر عورتوں کی چارپائی پر ڈالی جانے والی چادر ڈال دی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ عورت ہو اور اسے پردہ کے اہتمام کے ساتھ لے جایا جا رہا ہو۔

ویکفن الخ: فرماتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل کو عورتوں اور لڑکیوں کی طرح پانچ کپڑوں میں کفن دینا بہتر اور پسندیدہ ہے، اس لیے کہ اگر وہ واقعتاً عورت ہوگا تو پانچ کپڑوں میں اسے کفن دینے سے سنت ادا ہو جائے گی اور اگر وہ مرد ثابت ہوا تو اس کے کفن میں دو کپڑوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور اس اضافہ میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے احتیاط یہی ہے کہ خنثیٰ مشکل کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے اور اگر اسے تین کپڑوں میں کفن دیا گیا اور پھر وہ عورت نکلا تو ترکِ سنت کا وبال عائد ہوگا۔

وَلَوْ مَاتَ أَبُوْهُ وَخَلَّفَ اِبْنًا فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَثْلَاثًا، لِلْاِبْنِ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثٰى سَهْمٌ وَهُوَ أُنْثٰى عِنْدَهُ فِي الْمِيْرَاثِ إِلاَّ أَنْ يَتَبَيَّنَ غَيْرُ ذٰلِكَ، وَقَالَا لِلْخُنْثٰى نِصْفُ مِيْرَاثِ ذَكَرٍ وَنِصْفُ مِيْرَاثِ أُنْثٰى وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَاخْتَلَفُوْا فِيْ قِيَاسِ قَوْلِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَلْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلٰى اِثْنٰى عَشَرَ سَهْمًا لِلْاِبْنِ سَبْعَةٌ وَلِلْخُنْثٰى خَمْسَةٌ، لِأَنَّ الْاِبْنَ يَسْتَحِقُّ كُلَّ الْمِيْرَاثِ عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ، وَالْخُنْثٰى ثَلَاثَةَ الْأَرْبَاعِ فَعِنْدَ الْاِجْتِمَاعِ يُقْسَمُ بَيْنَهُمَا عَلٰى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا هٰذَا يَضْرِبُ بِثَلَاثَةٍ وَذٰلِكَ يَضْرِبُ بِأَرْبَعَةٍ فَيَكُوْنُ سَبْعَةً.

ترجمہ: اور اگر خنثیٰ مشکل کا باپ مر گیا اور اس نے (خنثیٰ مشکل کے علاوہ) ایک لڑکا چھوڑا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کے مابین مال تین حصوں پر تقسیم ہوگا بیٹے کے لیے دو حصے ہوں گے اور خنثیٰ کے لیے ایک حصہ ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خنثیٰ میراث میں عورت ہے الّا یہ کہ اس کے علاوہ (مرد ہونا) ظاہر ہو جائے۔

حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ کو مرد کی میراث کا نصف اور عورت کی میراث کا نصف ملے گا اور یہی امام شعبیؒ کا قول ہے اور حضرات فقہاء نے امام شعبیؒ کے قول کے قیاس میں اختلاف کیا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے مابین ۱۲ / بارہ حصوں پر مال تقسیم ہوگا بیٹے کو سات اور خنثیٰ کو پانچ حصے ملیں گے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے مابین سات حصوں پر مال تقسیم ہوگا بیٹے کو چار اور خنثیٰ کو تین حصے ملیں گے۔ اس لیے کہ تنہا ہونے کی صورت میں بیٹا پوری میراث کا مستحق ہوتا ہے اور خنثیٰ تین چوتھائی کا مستحق ہوتا ہے لہٰذا اجتماع کے وقت ان کے حقوق کے بقدر ان کے درمیان مال تقسیم ہوگا یہ تین کے حساب سے لے گا اور وہ (بیٹا) چار کے حساب سے لے گا اور کل سات حصے ہو جائیں گے۔

اللغات:

﴿خلّف﴾ پیچھے چھوڑا۔ ﴿أثلاث﴾ تہائی تہائی کرکے۔ ﴿سھم﴾ حصہ۔ ﴿یتبیّن﴾ واضح ہو جائے۔ ﴿انفراد﴾ اکیلا

ہونے کی صورت میں۔ ﴿أرباع﴾ واحد ربع: چوتھا حصہ، چوتھائی۔

خنثیٰ مشکل کی میراث:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر خنثیٰ مشکل ہو اور اس کا مرد یا عورت ہونا واضح نہ ہوا ہو اور اس کے علاوہ اس کا ایک بھائی ہو اور باپ کا انتقال ہو جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا ترکہ تین حصوں پر تقسیم ہوگا اور خنثیٰ کے بھائی کو دو حصے ملیں گے اور خنثیٰ کو ایک حصہ ملے گا، کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خنثیٰ عورت ہے لہٰذا ان کے باپ کا ترکہ للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق ان کے مابین تقسیم ہوگا۔

وقالا للخنثیٰ الخ: حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ خنثیٰ کو مرد اور عورت کی میراث کا نصف نصف حصہ ملے گا، فقہاء میں امام شعبیؒ بھی اس کے قائل ہیں اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ نے انھی کے قول کی اتباع کرتے ہوئے یہاں اپنا نظریہ واضح کیا ہے لیکن حصص کے طریقۂ تخریج میں ان حضرات کا اختلاف ہے چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میت کا ترکہ ۱۲؍ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے بیٹے کو سات حصے ملیں گے اور خنثیٰ کو پانچ حصے دیے جائیں گے جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ترکہ سات حصوں پر تقسیم ہوگا جن میں ۴؍ حصے بیٹے کو ملیں گے اور تین حصے خنثیٰ کو۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ابن اور خنثیٰ کے حصوں کو ان کے تنہا ہونے کی صورت میں انھیں ملنے والے حصوں پر قیاس کیا جائے گا اور اگر ابن تنہا ہو تو وہ پوری میراث کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر خنثیٰ تنہا ہو تو وہ ترکہ کے تین چوتھائی $\frac{3}{4}$ کا مستحق ہوتا ہے جیسا کہ للخنثی نصف میراث ذکر ونصف میراث أنثیٰ سے اسے بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اجتماع کی صورت میں بھی انھیں اسی حساب سے حصہ دیا جائے گا چنانچہ اگر ترکہ کے چار حصے ہوں تو اس کا نصف دو ہے اور لڑکے کے مقابلے لڑکی کا حصہ دو ہے اور اس کا نصف (۱) ہے تو دو اور ایک مل کر تین ہو گئے، اسی لیے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میت کا ترکہ سات حصوں پر تقسیم ہوگا جن میں سے $\frac{4}{7}$ حصے بیٹے کو ملیں گے اور $\frac{3}{7}$ حصے خنثیٰ کو دیے جائیں گے۔

وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْخُنْثٰى لَوْ كَانَ ذَكَرًا يَكُوْنُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ وَإِنْ كَانَ أُنْثٰى يَكُوْنُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا اِحْتَجْنَا إِلٰى حِسَابٍ لَهٗ نِصْفٌ وَثُلُثٌ وَأَقَلُّ ذٰلِكَ سِتَّةٌ فَفِيْ حَالِ الْمَالِ يَكُوْنُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَلَاثَةٌ، وَفِيْ حَالِ أَثْلَاثًا لِلْخُنْثٰى سَهْمَانِ وَلِلْاِبْنِ أَرْبَعَةٌ سَهْمَانِ لِلْخُنْثٰى ثَابِتَانِ بِيَقِيْنٍ وَوَقَعَ الشَّكُّ فِي السَّهْمِ الزَّائِدِ فَيُنَصَّفُ فَيَكُوْنُ لَهٗ سَهْمَانِ وَنِصْفٌ فَانْكَسَرَ فَأَضْعَفَ لِيَزُوْلَ الْكَسْرُ فَصَارَ الْحِسَابُ مِنْ اِثْنَي عَشَرَ لِلْخُنْثٰى خَمْسَةٌ وَلِلْاِبْنِ سَبْعَةٌ.

ترجمہ: حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر خنثیٰ مرد ہوتا تو مال ان کے مابین آدھا آدھا ہوتا اور اگر وہ عورت ہوتا تو مال ان کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوتا اس لیے ہم کو ایسے عدد کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا نصف بھی ہو اور ثلث بھی اور اس میں سب سے چھوٹا عدد ۶؍ چھے ہے، لہٰذا ایک حال میں مال ان کے مابین نصف نصف ہوگا اور ان میں سے ہر ایک کو تین تین حصے ملیں گے اور دوسرے حال میں ان کے مابین تین تین حصوں میں تقسیم ہوگا خنثیٰ کو دو حصے اور بیٹے کو چار حصے ملیں گے، لہٰذا خنثیٰ کے لیے دو حصے تو

یقینی طور پر ثابت ہیں اور شک سہم زائد میں ہوا ہے تو اسے آدھا آدھا کر دیا جائے گا اور خنثیٰ کو دو حصے اور نصف حصہ دیا جائے گا اور اس میں کسر واقع ہوگئی لہٰذا مخرج کو بڑھایا جائے گا تا کہ کسر ختم ہو جائے چنانچہ ۱۲؍ سے حساب ہوگا جس میں خنثیٰ کے لیے پانچ حصے اور بیٹے کے لیے سات حصے ہوں گے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہماری اصل کے مطابق خنثیٰ کو لڑکے کی میراث کا نصف اور لڑکی کی میراث کا بھی نصف ملتا ہے چنانچہ اگر وہ مذکر ہوگا تو اس کے اور اس کے بھائی کے مابین ترکہ نصف نصف کر کے تقسیم ہوگا اور اگر وہ لڑکی ہوگا تو ترکہ کے تین حصوں میں سے اسے ایک حصہ ملے گا، لہٰذا اس کو صحیح اور کسر سے خالی بنانے کے لیے ہم نے ۶؍ کے عدد کو منتخب کیا، کیونکہ اس کا نصف بھی ہوتا ہے اور ثلث بھی ہوتا ہے اور چھے کا نصف ۳؍ ہے اور یہی نصف خنثیٰ کے بھائی کا حصہ ہے جس کا نصف ڈیڑھ ہے $1\frac{1}{2}$ اور چھے میں سے لڑکی کا حصہ ایک ثلث یعنی دو ہے جس کا نصف (۱) ایک ہے اور ڈیڑھ اور ایک کا مجموعہ ڈھائی ہے $2\frac{1}{2}$، لہٰذا دو حصے تو خنثیٰ کے لیے یقینی طور پر ثابت ہیں اور زائد میں شک ہے کہ وہ اسے دیا جائے یا نہ دیا جائے اس لیے اس ایک حصے کو آدھا آدھا کر دیا گیا اور نصف خنثیٰ کو دیا گیا اور نصف اس کے بھائی کو تو خنثیٰ کا حصہ ڈھائی ہوگیا اور بھائی کا حصہ ساڑھے تین ہوگیا اور دونوں حصوں میں کسر واقع ہو رہا ہے لہٰذا خنثیٰ کے اصل حصے یعنی دو کو مخرج یعنی ۶؍ میں ضرب دے دیا گیا اور حاصل ضرب ۱۲؍ ہوگیا جس میں سے پانچ حصے خنثیٰ کو دے دیے گئے اور سات حصے اس کے بھائی کو اور ہر فریق کو بدون کسر اس کا حصہ مل گیا۔

وَلِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ الْحَاجَةَ هٰهُنَا إِلٰى إِثْبَاتِ الْمَالِ ابْتِدَاءً، وَالْأَقَلُّ وَهُوَ مِيْرَاثُ الْأُنْثٰى مُتَيَقَّنٌ بِهٖ وَفِيْمَا زَادَ عَلَيْهِ شَكٌّ فَأَثْبَتْنَا الْمُتَيَقَّنَ بِهٖ قَصْرًا عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْمَالَ لَايَجِبُ بِالشَّكِّ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ الشَّكُّ فِيْ وُجُوْبِ الْمَالِ بِسَبَبٍ اٰخَرَ فَإِنَّهٗ يُؤْخَذُ فِيْهِ بِالْمُتَيَقَّنِ بِهٖ كَذَا هٰذَا.

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ابتداءً مال ثابت کرنے کی ضرورت ہے اور اقل مقدار جو عورت کی میراث ہے وہ متیقن ہے اور اس سے زائد میں شک ہے، لہٰذا اقل پر حصر کرتے ہوئے ہم نے متیقن کو ثابت کر دیا، کیونکہ شک کی وجہ سے مال ثابت نہیں ہوتا اور یہ ایسا ہوگیا جیسے کسی دوسرے سبب سے وجوب مال میں شک ہو جائے تو اس صورت میں متیقن پر عمل ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی توجیہ اور دلیل:

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میراث کے حوالے سے خنثیٰ مشکل عورت کے حکم میں ہے، اسی لیے ان کے یہاں خنثیٰ مشکل کو باپ کے ترکہ میں سے ایک حصہ دیا گیا ہے اور اس کے بھائی کو دو حصے دیئے جانے کا فیصلہ کیا ہے اس فیصلے پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ترکہ میں سے خنثیٰ کے لیے ابتداءً مال ثابت کرنے کی ضرورت ہے اور اس طرح کے مواقع پر اقل پر عمل کیا جاتا ہے، کیونکہ اقل متیقن ہوتا ہے۔ اور صورت مسئلہ میں اقل یعنی عورت کی میراث متیقن ہے اور اس سے زائد میں شک ہے اور شک

کی وجہ سے مال نہیں واجب ہوتا، لہٰذا اقل اور متیقن کو ہم نے خنثیٰ کے لیے متعین کر دیا ہے۔ اسی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی دوسرے سبب سے مال میں شک ہو جائے مثلاً اگر کوئی کسی کے لیے مال کا اقرار کرے اور یوں۔ کہے کہ لفلان علي دراهم اور دراہم کی تعیین نہ کرے تو اس صورت میں دراہم کے اقل یعنی تین متعین ہوگا اور وہی مقرلہ کو دیا جائے گا، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی خنثیٰ کو میراث کا اقل یعنی ایک حصہ دیا جائے گا۔

إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ نَصِيْبُهُ الْأَقَلَّ لَوْ قَدَّرْنَاهُ ذَكَرًا فَحِيْنَئِذٍ يُعْطَى نَصِيْبُ الْإِبْنِ فِيْ تِلْكَ الصُّوْرَةِ لِكَوْنِهِ مُتَيَقَّنًا بِهِ وَهُوَ أَنْ يَكُوْنَ الْوَرَثَةُ زَوْجًا وَأُمًّا وَأُخْتًا لِأَبٍ وَأُمٍّ هِيَ خُنْثٰى، أَوْ اِمْرَأَةً وَأَخَوَيْنِ لِأُمٍّ وَأُخْتًا لِأَبٍ وَأُمٍّ وَهِيَ خُنْثٰى فَعِنْدَنَا فِي الْأَوَّلِ لِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْأُمِّ الثُّلُثُ وَالْبَاقِيْ لِلْخُنْثٰى، وَفِي الثَّانِيَةِ لِلْمَرْأَةِ الرُّبْعُ وَلِلْأَخَوَيْنِ لِأُمٍّ الثُّلُثُ وَالْبَاقِيْ لِلْخُنْثٰى، لِأَنَّهُ أَقَلُّ النَّصِيْبَيْنِ فِيْهِمَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: الا یہ کہ اگر ہم خنثیٰ کو مرد فرض کریں تو اس کا حصہ کم ہو تو اس صورت میں اسے لڑکے والا حصہ دیا جائے گا، کیونکہ وہ متیقن ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ ورثاء میں شوہر، ماں اور حقیقی بہن ہو جو خنثیٰ ہو، یا بیوی ہو دو اخیافی بھائی ہوں اور ایک حقیقی بہن ہو جو خنثیٰ ہو لہٰذا ہمارے یہاں پہلی صورت میں شوہر کو نصف ماں کو ثلث اور باقی خنثیٰ کو ملے گا، اور دوسری صورت میں بیوی کے لیے ربع، دونوں اخیافی بھائیوں کو ثلث اور باقی خنثیٰ کو ملے گا، کیونکہ دونوں صورتوں میں یہی دونوں حصوں میں سے کم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللغات:

﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿أقلّ﴾ کم تر۔ ﴿قدّرناه﴾ ہم اس کو فرض کریں۔ ﴿متيقّن﴾ یقینی۔ ﴿ربُع﴾ چوتھا حصہ۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی توجیہ اور دلیل:

مسئلہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خنثیٰ کو عورت فرض کیا گیا ہے اور عورت کی میراث کے اقل اور متیقن ہونے کی وجہ سے اسے عورت کا حصہ دیا گیا ہے، لیکن اگر کہیں خنثیٰ کو عورت سمجھنے سے زیادہ حصہ ملتا ہو اور مرد فرض کرنے سے کم ملتا ہو تو وہاں اسے مرد فرض کیا جائے گا اور اقل دیا جائے گا، مثلاً سلمیٰ کا انتقال ہوا اس کے ورثاء میں:

میت ۶

زوج	ام	حقیقی بہن ہے جو خنثی ہے مذکر فرض کیا گیا ہے
۳	۲	۱

تو ترکہ کے کل ۶ رحصے کیے جائیں گے جن میں سے شوہر کو نصف یعنی تین سہام ماں کو ثلث یعنی دو سہام اور باقی بچا ایک سہم خنثیٰ مذکر یعنی بھائی فرض کر کے دیا جائے گا، لیکن اگر اسے ہم مؤنث یعنی بہن فرض کرلیں تو یہ اصحاب الفرائض میں داخل ہوگا اور اس کا حصہ بڑھ جائے گا اور اس صورت میں ۶ رکا آٹھ سے عول ہوگا اور تخریج اس طرح ہوگی:

میت ۶ ۸

زوج	ام	اخت حقیقی خنثیٰ بہن
۳	۲	۳

دوسری مثال جہاں مذکر فرض کرنے کی وجہ سے خنثیٰ کا حصہ کم ہو رہا ہے اور مؤنث فرض کرنے سے اس کا حصہ بڑھ جا رہا ہے۔
سلیم کا انتقال ہوا اور اس نے:

میت ۱۲

زوجہ	دو اخیافی بھائی	ایک حقیقی بہن خنثیٰ
۳	۴	۵

چھوڑا تو اس صورت میں مسئلہ کی تخریج ۱۲ر سے ہوگی جس میں سے ربع یعنی ۳ سہام بیوی کو دیے جائیں گے ایک ثلث یعنی چار حصے دونوں اخیافی بھائیوں کو ملیں گے، اور مابقی خنثیٰ مذکر کو ملے گا لیکن اگر ہم اسے مؤنث فرض کرلیں تو خنثیٰ کو پانچ کی جگہ چھے حصے ملیں گے اور مسئلہ ۱۳ر سے عول ہو جائے گا، لیکن خنثیٰ کو اقل سہام دینے کے لیے ہم نے اسے دونوں صورتوں میں مرد فرض کیا ہے اور اسے مؤنث سے کم حصہ دیا ہے تاکہ اقل اور متیقن اسے دیا جاسکے۔

مسائل شتّٰی

متفرق مسائل

عام طور پر مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی کتاب یا باب کے چھوٹے ہوئے مسائل کو مسائل شتی یا مسائل متفرقہ یا مسائل منشورہ کا عنوان اور نام دے کر بیان کرتے ہیں صاحب ہدایہ بھی مصنفین کی روش پر چلتے ہوئے کتاب الوصایا کے قابل ذکر متروکہ مسائل کو اس عنوان کے تحت بیان کریں گے۔

قَالَ وَإِذَا قُرِئَ عَلَى الْأَخْرَسِ كِتَابُ وَصِيَّتِهٖ فَقِيْلَ لَهٗ نَشْهَدُ عَلَيْكَ بِمَا فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ فَأَوْمٰى بِرَأْسِهٖ أَيْ نَعَمْ أَوْكَتَبَ فَإِذَا جَاءَ مِنْ ذٰلِكَ مَايُعْرَفُ أَنَّهٗ إِقْرَارٌ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَايَجُوْزُ ذٰلِكَ فِي الَّذِيْ يُعْتَقَلُ لِسَانُهٗ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحمۃ اللہ علیہ يَجُوْزُ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّ الْمُجَوِّزَ إِنَّمَا هُوَ الْعِجْزُ وَقَدْ شَمِلَ الْفَصْلَيْنِ، وَلَافَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ كَالْوَحْشِيِّ وَالْمُتَوَحِّشِ مِنَ الْأَهْلِيِّ فِيْ حَقِّ الزَّكَاةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب گونگے پر وصیت نامہ پڑھا گیا اور اس سے کہا گیا کیا ہم تجھ پر اس وصیت نامہ میں موجود چیز پر گواہ ہو جائیں تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں یا اس نے تحریر لکھ دی پھر جب اس کی طرف سے ایسی بات صادر ہو جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اقرار ہے تو جائز ہے اور اس شخص کے متعلق یہ جائز نہیں ہے جس کی زبان بند ہو گئی ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں جائز ہے، کیونکہ جائز قرار دینے والی چیز عاجزی ہے اور عاجزی دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ اور اصلی اور عارضی کے مابین کوئی فرق نہیں ہے جیسے ذبح کے حق میں پالتو جانوروں میں سے متوحش کا حکم ہے۔

اللغات:

﴿قرئ﴾ پڑھا گیا۔ ﴿أخرس﴾ گونگا۔ ﴿أومٰی﴾ اشارہ کیا۔

گونگے کی وصیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص گونگا ہے اور اس نے کسی کے لیے وصیت کی اور وصیت نامہ لکھا یا لکھوایا اور کچھ لوگوں نے اس سے کہا کہ ہم اس وصیت نامے پر گواہ ہو جائیں تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا یا اثبات اور ہاں کے متعلق کوئی تحریر لکھ دی یا اس کی

طرف سے کوئی ایسی بات صادر ہوگئی جس سے اثبات اور اقرار کا علم ہوگیا تو یہ جائز ہے اور اس سے وصیت متحقق ہو جائے گی، لیکن یہ حکم اس گونگے شخص کا ہے جو واقعتاً گونگا ہو اور اگر کوئی شخص گونگا نہ ہو لیکن اتفاق سے اس کی زبان بند ہوگئی ہو تو ہمارے یہاں وہ گونگا نہیں شمار ہوگا اور اس کا اشارہ اثبات کی دلیل نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح گونگے کے حق میں اشارہ اور تحریر اثبات کی دلیل ہے، اسی طرح اس شخص کے حق میں بھی اشارہ اثبات اور اقرار ہے جو کسی وجہ سے گفتگو پر قادر نہ ہو، کیونکہ گونگے کے حق میں اس وجہ سے اشارہ اور تحریر کو اثبات اور نعم مانا گیا ہے کہ وہ گفتگو کرنے سے عاجز ہے اور یہ عجز اس شخص کے حق میں بھی متحقق ہے جس کی زبان بند ہوگئی ہو، لہٰذا جب عجز دونوں کے حق میں متحقق ہے تو دونوں کا اشارہ اثبات اور نعم پر دلیل ہوگا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے وحشی حیوانات میں ذکاۃ اختیاری سے عجز کی وجہ سے ذکاۃ اضطراری جائز ہے، اب اگر کوئی پالتو جانور وحشی ہو جائے اور اس میں ذکاۃ اختیاری پر قدرت نہ ہو تو عجز کی وجہ سے اس کے حق میں بھی ذکاتِ اضطراری جائز ہے، اسی طرح عجز کی وجہ سے اس شخص کے حق میں بھی اشارہ اور تحریر اثبات اور ok کی دلیل ہوں گے جو گفتگو نہ کرسکتا ہو۔

وَالْفَرْقُ لِأَصْحَابِنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ أَنَّ الْإِشَارَةَ إِنَّمَا تُعْتَبَرُ إِذَا صَارَتْ مَعْهُوْدَةً مَعْلُوْمَةً وَذٰلِكَ فِي الْأَخْرَسِ دُوْنَ الْمُعْتَقَلِ لِسَانُهُ حَتّٰى لَوِ امْتَدَّ ذٰلِكَ وَصَارَتْ لَهُ إِشَارَاتٌ مَعْلُوْمَةٌ قَالُوْا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْأَخْرَسِ، وَلِأَنَّ التَّفْرِيْطَ جَاءَ مِنْ قِبَلِهِ حَيْثُ أَخَّرَ الْوَصِيَّةَ إِلٰى هٰذَا الْوَقْتِ، أَمَّا الْأَخْرَسُ فَلَاتَفْرِيْطَ مِنْهُ، وَلِأَنَّ الْعَارِضَ عَلٰى شَرَفِ الزَّوَالِ دُوْنَ الْأَصْلِيِّ فَلَايَتَقَاسَانِ، وَفِي الْأَبِدَةِ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ.

ترجمه: اور ہمارے اصحاب کے لیے وجہِ فرق یہ ہے کہ اشارہ اسی وقت معتبر ہوتا ہے جب وہ معہود اور معلوم ہو اور یہ گونگے میں ہے نہ کہ معتقل اللسان میں حتی کہ اگر اعتقال ممتد ہو جائے اور اس کے بھی معلوم اشارے ہو جائیں تو مشائخ نے فرمایا کہ وہ اخرس کے درجے میں ہے اور اس لیے کہ تفریط اسی کی طرف سے آئی ہے اس لیے کہ اس نے اس وقت تک وصیت کو مؤخر کر دیا ہے، رہا گونگا تو اس کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے اور اس لیے کہ عارضی چیز زوال کے کنارے پر ہے نہ کہ اصلی، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور وحشی میں ہم نے نص سے اسے جانا ہے۔

اللغات:

﴿معهودة﴾ معروف، مشہور۔ ﴿معتقل﴾ بندھا ہوا۔ ﴿تفريط﴾ کمی۔ ﴿أبدة﴾ وحشی، جنگلی۔

ہمارے ائمہ کی دلیل:

احناف کے یہاں اخرس اور معتقل اللسان میں فرق ہے اور یہ فرق کئی وجوہ سے ہے (۱) پہلا فرق تو اس طور پر ہے کہ اسی شخص کے اشارے معتبر ہوتے ہیں جس کے اشارے معہود و متعارف ہوں اور لوگ ان سے کچھ سمجھتے ہوں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اخرس ہی کے اشارے معہود ہوتے ہیں اور معتقل اللسان کے اشارے معہود نہیں ہوتے لہٰذا اخرس کے اشارے معتبر ہوں گے اور

معتقل اللسان کے اشاروں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ ہاں اگر معتقل اللسان کا اعتقال دراز ہوجائے اور اس کے اشارے بھی معہود ہوجائیں تو وہ اخرس کے حکم میں ہوجائے گا۔

(۱) دوسرا فرق یہ ہے کہ جب معتقل پہلے گفتگو پر قادر نہ تھا اور اس وقت اس نے وصیت نہیں کی یہاں تک کہ وہ اس مرض کا شکار ہوگیا تو وصیت کرنے میں وہ کوتاہی کرنے والا ہے جب کہ اخرس سے اس سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی ہے، بلکہ وہ گفتگو پر کبھی بھی قادر نہیں تھا اس لیے اس حوالے سے بھی دونوں میں فرق ہوگا اور دونوں کا حکم ایک نہیں ہوگا۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ اخرس کا گونگا پن اصلی اور دائمی ہے جب معتقل اللسان کا اعتقال عارضی ہے اور مائل بہ زوال ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جائے گا اور اور دونوں کے احکام ایک دوسرے سے الگ اور جدا جدا ہوں گے۔

وفي الأبدة الخ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صورتِ مسئلہ کو اہلی اور متوحش من الاہلی پر قیاس کیا تھا اور یوں فرمایا تھا کہ جس طرح عجز عن الذکاۃ کی وجہ سے متوحش من الاہلی میں ذکاۃ اضطراری جائز ہے اسی طرح عجز عن التکلم کی وجہ سے معتقل کے حق میں بھی اشارہ معتبر ہوگا اور احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ متوحش من الأهلي میں ذکات اضطراری کا جواز اس کو وحشی پر قیاس کرنے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں وارد نص کی وجہ سے ہے چنانچہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: **إن بعيرا من إبل الصدقات أبد فرماه رجل بسهم وسمّى فقتله فقال عليه الصلاة والسلام إن لها أوابد كأوابد الوحش فإذا فعلت شيأ من ذلك فافعلوا بها مافعلتم بهذا ثم كلوه۔** یعنی صدقہ کے اونٹوں میں سے کوئی اونٹ بدک گیا اور اسے ایک شخص نے بسم اللہ پڑھ کر تیر مار کر قتل کردیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وحشی اونٹوں کے بدکنے کی طرح یہ بھی بدک جاتے ہیں لہٰذا جب اس طرح کا واقعہ پیش آئے تو وہی عمل کرو جیسا کہ تم نے اس اونٹ کے ساتھ کیا ہے اور پھر اسے کھالو اس نص سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ متوحش من الأهلي میں ذکات اضطراری کا جواز بر بنائے نص ہے نہ کہ بطریق قیاس۔

قَالَ وَإِذَا كَانَ الْأَخْرَسُ يَكْتُبُ كِتَابًا أَوْ يُوْمِيُ إِيْمَاءً يُعْرَفُ بِهِ فَإِنَّهُ يَجُوْزُ نِكَاحُهُ وَطَلَاقُهُ وَعِتَاقُهُ وَبَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ وَيُقْتَصُّ لَهُ وَمِنْهُ وَلَايُحَدُّ وَلَايُحَدُّ لَهُ أَمَّا الْكِتَابَةُ فَلِأَنَّهَا مِمَّنْ نَأٰى بِمَنْزِلَةِ الْخِطَابِ مِمَّنْ دَنَا، أَلَاتَرٰى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَدّٰى وَاجِبَ التَّبْلِيْغِ مَرَّةً بِالْعِبَارَةِ وَتَارَةً بِالْكِتَابَةِ إِلَى الْمَغِيْبِ، وَالْمُجَوِّزُ فِي حَقِّ الْغَائِبِ الْعَجْزُ وَهُوَ فِي الْأَخْرَسِ أَظْهَرُ وَأَلْزَمُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر گونگا تحریر لکھتا ہو یا ایسا اشارہ کرتا ہو جسے پہچان لیا جاتا ہو تو اس کا نکاح، اس کی طلاق، اس کا اعتاق اور اس کی بیع وشراء سب جائز ہے، اس کے لیے قصاص لیا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا نہ تو اسے حد لگائی جائے گی اور نہ ہی اس کے لیے حد لگائی جائے گی۔ رہی کتابت تو وہ دور والے کی طرف سے قریب کی جانب خطاب کے درجے میں ہے۔ کیا دیکھتا نہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضۂ تبلیغ کو کبھی عبارت کے ذریعے ادا کیا ہے اور کبھی غائب کی طرف بذریعہ تحریر ادا کیا ہے اور غائب کے

حق میں (کتابت کو) جائز قرار دینے والی چیز عاجزی ہے اور یہ عاجزی اخرس کے حق میں زیادہ ظاہر اور زیادہ لازم ہے۔

اللغات:

﴿أخرس﴾ گونگا۔ ﴿یومی﴾ اسارہ کرتا ہے۔ ﴿یقتص﴾ قصاص لیا جائے گا۔ ﴿نأی﴾ دور ہوگیا۔ ﴿دنا﴾ قریب تھا۔ ﴿تارۃً﴾ کبھی۔ ﴿مجوز﴾ اجازت دینے والا۔

گونگے کے اشاروں کا حکم جبکہ وہ لکھنا جانتا ہو:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ گونگا شخص اگر لکھنے پر قادر ہو یا ایسا اسارہ کرتا ہو جو معہود و متعارف ہو تو تحریر اور اسارے کے ذریعے اس کا نکاح بھی صحیح ہوگا، اس کی طلاق بھی معتبر ہوگی، اس کا اعتاق بھی نافذ ہوگا اور اس کی بیع وشراء بھی منعقد ہوگی اسی طرح اگر وہ کسی کے لیے قصاص کا اقرار کرتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر وہ کسی پر قصاص کا دعوی کرے اور بینہ سے قصاص ثابت ہو جائے تو اس کی طرف سے قصاص لیا بھی جائے گا۔ ہاں حد لینے میں یا دوسرے پر حد جاری کرنے میں نہ تو اس کی تحریر معتبر ہوگی اور نہ ہی اس کا اسارہ معتبر ہوگا۔ اس کے علاوہ دیگر چیزوں میں اس کے اسارے اور تحریر کی اہمیت ہوگی، کیونکہ دور والے شخص کی طرف سے تحریر قریب والے شخص کی جانب سے خطاب اور تکلم کے درجے میں ہے اور جو درجہ قریبی شخص کے تکلم کا ہے وہی مقام دور والے کی تحریر اور کتابت کا ہے اس کی سب سے بیّن دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب والوں کو اپنی شیریں مقالی اور فصیح گویائی سے فریضۂ تبلیغ سے مستفیض فرمایا جب کہ غائب از نظر لوگوں کو بذریعہ تحریر وکتابت آپ نے حق کی راہ دکھائی اور ظاہر ہے کہ غائبین کے حق میں گویائی سے عجز کی بنیاد پر کتابت سے فریضۂ تبلیغ پہنچانے کا جواز ثابت ہوا ہے اور یہ عجز اخرس کے حق میں غائب سے بھی زیادہ اظہر اور الزم ہے، اس لیے کہ غائب جہاں ہے وہاں اگر مبلغ پہنچ جائے تو عجز عن التکلم ختم ہو جائے گا، لیکن اخرس کا عجز کبھی بھی نہیں ختم ہوگا۔ لہذا اخرس کی تحریر اور اس کا اسارہ ہر حال میں معتبر ہوگا۔

ثُمَّ الْكِتَابَةُ عَلٰى ثَلَاثِ مَرَاتِبَ: مُسْتَبِيْنٌ مَرْسُوْمٌ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ النُّطْقِ فِي الْغَائِبِ وَالْحَاضِرِ عَلٰى مَاقَالُوْا، وَمُسْتَبِيْنٌ غَيْرُ مَرْسُوْمٍ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْجِدَارِ وَأَوْرَاقِ الْأَشْجَارِ وَيُنْوٰى فِيْهِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ صَرِيْحِ الْكِنَايَةِ فَلَابُدَّ مِنَ النِّيَّةِ، وَغَيْرُ مُسْتَبِيْنٍ كَالْكِتَابَةِ عَلَى الْهَوَاءِ وَالْمَاءِ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ كَلَامٍ غَيْرِ مَسْمُوْعٍ فَلَايَثْبُتُ بِهِ الْحُكْمُ.

ترجمہ: پھر تحریر کے تین درجے ہیں (۱) مستبین مرسوم اور یہ غائب وحاضر دونوں کے حق میں گفتگو کے درجے میں ہے جیسا کہ مشائخ نے فرمایا ہے (۲) مستبین غیر مرسوم جیسے دیوار پر اور درختوں کے پتوں پر لکھنا اور اس میں نیت معلوم کی جائے گی، اس لیے کہ یہ صریح کنایہ کے درجے میں ہے لہذا نیت ضروری ہے (۳) غیر مستبین جیسے ہوا اور پانی پر لکھنا اور یہ غیر مسموع کلام کے درجے میں ہے لہذا اس سے حکم نہیں ثابت ہوگا۔

اللغات:

﴿مستبین﴾ واضح۔ ﴿مرسوم﴾ طریقے کے مطابق لکھی ہوئی۔ ﴿نطق﴾ بولنا۔ ﴿جدار﴾ دیوار۔ ﴿اوراق﴾ واحد

ورق: پتے۔

کتابت کی اقسام:

اس سے پہلے جو کتابت کا تذکرہ آیا ہے یہاں سے اسی کی اقسام اوران کے احکام بیان کئے گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ کتابت کی تین قسمیں ہیں (۱) مستبین مرسوم جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تحریر ہو جسے پڑھا جاسکتا ہواوراس کا عنوان بھی ہو جیسے یوں لکھا ہو من فلان بن فلان إلی فلان بن فلان میں فلان بن فلان کو آزاد کرتا ہوں اس کا حکم یہ ہے کہ حاضر اور غائب دونوں کے حق میں تکلم اور گفتگو کے قائم مقام ہے (۲) مستبین غیر مرسوم یعنی ایسی تحریر ہو جسے پڑھا جاسکتا ہو لیکن اس پر مُرسِل اور مُرسَل اِلیہ کا نام اور پتہ درج نہ ہو جیسے کوئی شخص دیوار پر کچھ لکھ دے یا درخت کے پتوں پر لکھ دے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں لکھنے والے سے تحریر کے متعلق اس کی نیت دریافت کی جائے گی اور نیت ہی پر فیصلہ ہوگا، کیونکہ یہ صریح کنایہ کے درجے میں ہے لہٰذا جس طرح کنایہ میں نیت معلوم کی جاتی ہے اسی طرح اس میں بھی نیت معلوم کرکے اسی کے مطابق فیصلہ کردیا جائے گا۔ (۳) تیسری قسم ہے غیر مستبین یعنی ایسی تحریر جو واضح نہ ہو اور پڑھی نہ جاسکتی ہو جیسے ہوا اور فضاء میں لکھنا یا پانی پر لکھنا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ کلام غیر مسموع کے حکم میں ہے اور جس طرح بغیر سنی ہوئی بات سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اسی طرح اس سے بھی کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

وَأَمَّا الْإِشَارَةُ فَجُعِلَتْ حُجَّةً فِيْ حَقِّ الْأَخْرَسِ فِيْ حَقِّ هٰذِهِ الْأَحْكَامِ لِلْحَاجَةِ إِلٰى ذٰلِكَ، لِأَنَّهَا مِنْ حُقُوْقِ الْعِبَادِ وَلَاتَخْتَصُّ بِلَفْظٍ دُوْنَ لَفْظٍ وَقَدْ تَثْبُتُ بِدُوْنِ اللَّفْظِ، وَالْقِصَاصُ حَقُّ الْعَبْدِ أَيْضًا، وَلَاحَاجَةَ إِلَى الْحُدُوْدِ لِأَنَّهَا حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلِأَنَّهَا تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ، وَلَعَلَّهُ كَانَ مُصَدِّقًا لِلْقَاذِفِ فَلَايُحَدُّ لِلشُّبْهَةِ وَلَايُحَدُّ أَيْضًا بِالْإِشَارَةِ فِي الْقَذْفِ لِانْعِدَامِ الْقَذْفِ صَرِيْحًا وَهُوَ الشَّرْطُ.

ترجمہ: رہا اسارہ تو اسے ان احکام کے اندر اخرس کے حق میں حجت قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ اس کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ احکام حقوق العباد میں سے ہیں اور یہ ایک لفظ کو چھوڑ کر ایک کے ساتھ مختص نہیں ہیں اور کبھی تو لفظ کے بغیر بھی یہ احکام ثابت ہوجاتے ہیں۔ اور قصاص بھی حق العبد ہے۔ اور حدود کی طرف حاجت نہیں ہے، اس لیے کہ حدود حق اللہ ہیں اور اس لیے کہ حدود شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ اخرس قاذف کی تصدیق کرنے والا ہو، اس لیے شبہہ کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی اور قذف میں اسارہ کی وجہ سے بھی حد نہیں لگائی جائے گی، کیونکہ صراحتاً قذف معدوم ہے حالانکہ یہ شرط ہے۔

اللغات:

﴿حجّة﴾ دلیل۔ ﴿أخرس﴾ گونگا۔ ﴿تندرئ﴾ دور ہوجاتی ہیں۔ ﴿قاذف﴾ تہمت زنا لگانے والا۔

گونگے کا اشارہ کہاں کہاں قبول ہوگا:

مسئلہ یہ ہے کہ اخرس کے اسارہ کو نکاح، طلاق اور بیع وشراء جیسے احکام میں بر بنائے ضرورت حجت اور دلیل مان کر اخرس کے ان عقود کو صحیح اور معتبر قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ سارے عقود حقوق العباد سے متعلق ہیں اور ضرورتِ عباد کی خاطر انھیں درست قرار

دینا انتہائی ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ یہ عقود صرف عربی الفاظ کے ساتھ خاص ہوکر منعقد نہیں ہوتے بلکہ عربی، فارسی اور اردو ہر زبان میں یہ منعقد ہوجاتے ہیں اور کبھی کبھی تو لفظ کے بغیر بھی ان کا انعقاد ہوجاتا ہے، مثلاً بیع تعاطی ہے کہ بدون الفاظ منعقد ہوجاتی ہے، اسی طرح نکاح فضولی میں گفتگو پر قدرت رہتی ہے مگر پھر بھی بدون تکلم وہ منعقد ہوجاتا ہے، لہٰذا جب یہ قادر الکلام شخص کے حق میں بدون کلام منعقد ہوجاتے ہیں تو جو کلام پر قادر ہی نہیں ہے، یعنی اخرس اس کی طرف سے تو بدرجۂ اولیٰ بدون الفاظ یہ عقود منعقد ہوجائیں گے۔

والقصاص الخ: فرماتے ہیں کہ قصاص بھی حق العبد ہے اس لیے یہ بھی اخرس کے اسارے سے ثابت ہوجائے گا، کیونکہ اس کے اثبات میں بھی ضرورت کارفرما ہے۔ البتہ حدود اخرس کے اسارہ اور تحریر سے ثابت نہیں ہوں گے، چنانچہ اگر اخرس اسارے سے اپنے آپ پر حد قذف کا اقرار کرے یا دوسرے پر اس کا اقرار کرے تو نہ تو اس پر حد جاری کی جائے گی اور نہ ہی جس کے خلاف اس نے اقرار کیا ہے اس پر جاری کی جائے گی، اس لیے کہ اولاً تو حدود حق اللہ ہیں اور ان کے اثبات کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی حقوق العباد کے اثبات کی ہے، ثانیاً اسارہ میں کئی احتمالات ہوتے ہیں اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس کا اسارہ تہمت پر مبنی ہو، بل کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس اسارے میں قاذف کی تصدیق کررہا ہو اس لیے اسارہ سے ثبوت قذف میں شک ہے اور شک کی وجہ سے حدود ساقط ہوجاتی ہیں۔ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے **الحدود تندرئ بالشبهات**۔ ثالثاً قذف کے ثبوت کی خاطر صراحتاً قذف کا اقرار شرط اور ضروری ہے اور اسارہ میں صراحت معدوم ہی نہیں بل کہ نیست ونابود ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی اسارہ سے قذف کا ثبوت نہیں ہوگا۔

ثُمَّ الْفَرْقُ بَيْنَ الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ أَنَّ الْحَدَّ لَايَثْبُتُ بِبَيَانٍ فِيْهِ شُبْهَةٌ أَلَا تَرٰى لَوْ شَهِدُوْا بِالْوَطْيِ الْحَرَامِ أَوْ أَقَرَّ بِالْوَطْيِ الْحَرَامِ لَايَجِبُ الْحَدُّ، وَلَوْ شَهِدُوْا بِالْقَتْلِ الْمُطْلَقِ أَوْ أَقَرَّ بِمُطْلَقِ الْقَتْلِ يَجِبُ الْقِصَاصُ وَإِنْ لَمْ يُوْجَدْ لَفْظُ التَّعَمُّدِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْقِصَاصَ فِيْهِ مَعْنَى الْعِوَضِيَّةِ، لِأَنَّهُ شُرِعَ جَابِرًا فَجَازَ أَنْ يَثْبُتَ مَعَ الشُّبْهَةِ كَسَائِرِ الْمُعَاوَضَاتِ الَّتِيْ هِيَ حَقُّ الْعَبْدِ، أَمَّا الْحُدُوْدُ الْخَالِصَةُ لِلّٰهِ تَعَالٰى شُرِعَتْ زَوَاجِرَ وَلَيْسَ فِيْهَا مَعْنَى الْعِوَضِيَّةِ فَلَاتَثْبُتُ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ.

ترجمه: پھر حدود اور قصاص کے مابین فرق یہ ہے کہ حد ایسے بیان سے ثابت نہیں ہوتی جس میں شبہہ ہو، کیا دیکھتے نہیں کہ اگر گواہوں نے وطئ حرام کی گواہی دی یا واطی نے وطئ حرام کا اقرار کیا تو حد نہیں واجب ہوگی۔ اور اگر گواہوں نے مطلق قتل کی شہادت دی یا قاتل نے مطلق قتل کا اقرار کیا تو قصاص واجب ہوگا، اگرچہ لفظ تعمد نہیں پایا گیا۔ اور یہ اس لیے کہ قصاص میں عوضیت کے معنی ہیں، کیونکہ وہ جابر بن کر مشروع ہوا ہے، لہٰذا شبہہ کے ساتھ اس کا ثابت ہونا جائز ہے جیسے وہ تمام معاوضات جو حق العبد ہیں، رہے وہ حدود جو خالص اللہ کا حق ہیں تو وہ زواجر بن کر مشروع ہوئے ہیں اور ان میں عوضیت کا معنی نہیں ہے لہٰذا یہ شبہہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوں گے، کیونکہ حاجت معدوم ہے۔

اللغات:

﴿تعمّد﴾ جان بوجھ کر کرنا۔ ﴿جابر﴾ تلافی کرنے والا۔ ﴿سائر﴾ سبھی۔ ﴿زواجر﴾ روکنے والے۔

حدود اور قصاص میں فرق:

ہمارے یہاں حدود اور قصاص میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ حدود میں ادنی سا شبہہ بھی برداشت نہیں ہے جب کہ قصاص میں تھوڑا بہت شبہہ معاف ہے اور معمولی سے شبہے کے ساتھ بھی قصاص ثابت ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر چند لوگوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں نے حرام وطی کی ہے یا کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ میں نے حرام وطی کی ہے یعنی مجوسیہ عورت سے وطی کی ہے یا حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے وطی کی ہے تو اس شہادت یا اقرار سے حدِ زنا واجب نہیں ہوگی۔ لیکن اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں شخص نے فلاں کو قتل کیا ہے یا کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا ہے تو فلاں پر قتل کا الزام ثابت ہو جائے گا اور اس پر قصاص واجب ہوگا اگر چہ گواہوں نے یہ صراحت نہ کی ہو کہ فلاں نے قتلِ عمد کیا ہے یعنی عمد کی صراحت نہ ہونے کے باوجود قصاص کو واجب کر دیا جائے گا حالانکہ اس میں عدمِ عمد کا شبہہ موجود ہے لیکن پھر بھی اس شبہے کو قصاص میں معاف کر دیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قصاص میں عوضیت اور مبادلت کے معنی پائے جاتے ہیں، کیونکہ یہ حق العبد ہے اور قاتل سے صادر ہونے والے گناہ کی تلافی کے لیے مشروع کیا گیا ہے اور حقوق العباد معمولی شبہہ کے ساتھ ثابت ہو جاتے ہیں لہٰذا قصاص بھی معمولی شبہہ کے ساتھ ثابت ہو جائے گا۔

اس کے برخلاف حدود کا معاملہ ہے تو حدود میں عوضیت کا معنی نہیں ہے، بل کہ یہ خالص اللہ کا حق ہیں اور زواجر بن کر مشروع ہیں، اس لیے شبہہ کے ساتھ ان کے ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا حدود شبہہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوں گے۔

وَذَكَرَ فِيْ كِتَابِ الْإِقْرَارِ أَنَّ الْكِتَابَ مِنَ الْغَائِبِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ فِيْ قِصَاصٍ يَجِبُ عَلَيْهِ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ الْجَوَابُ هُنَا كَذٰلِكَ فَيَكُوْنُ فِيْهَا رِوَايَتَانِ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ مُفَارِقًا لِذٰلِكَ، لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الْوُصُوْلُ إِلٰى نُطْقِ الْغَائِبِ فِي الْجُمْلَةِ لِقِيَامِ أَهْلِيَّةِ النُّطْقِ، وَلَا كَذٰلِكَ الْأَخْرَسُ لِتَعَذُّرِ الْوُصُوْلِ إِلَى النُّطْقِ لِلْآفَةِ الْمَانِعَةِ.

ترجمہ: اور مبسوط کی کتاب الاقرار میں ہے کہ غائب کی تحریر اس پر واجب شدہ قصاص کے متعلق حجت نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہاں یہی حکم ہو تو اس میں دو روایتیں ہوگئیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اخرس غائب سے الگ ہو، کیونکہ فی الجملہ غائب تک رسائی ممکن ہے اس لیے کہ (اس میں) اہلیتِ نطق قائم ہے۔ اور اخرس ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس کے نطق تک رسائی متعذر ہے اس آفت کی وجہ سے جو مانعِ نطق ہے۔

اللغات:

﴿حجة﴾ دلیل۔ ﴿مفارق﴾ جدا، علیحدہ۔ ﴿نطق﴾ بولنا۔ ﴿أخرس﴾ گونگا۔

غائب کے تحریری اقرار کی حیثیت:

اس سے پہلے جامع صغیر کے حوالے سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اخرس اگر تحریر یا اسارہ کے ذریعے اپنے آپ پر قصاص کا

اقرار کرے تو اس کی تحریر یا اس کا اسارہ معتبر ہوگا اور اس پر قصاص واجب ہوگا۔ یہاں مبسوط کے حوالے سے یہ بتا رہے ہیں کہ اگر غائب کسی تحریر کے ذریعے اپنے آپ پر قصاص کا اقرار کرے تو وجوبِ قصاص کے متعلق یہ تحریر معتبر نہیں ہوگی اور اس پر قصاص نہیں واجب ہوگا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ مبسوط میں اخرس کی تحریر کا بھی یہی حکم ہو یعنی اس کی تحریر سے اس پر قصاص واجب نہ ہو جب کہ جامع صغیر میں بذریعۂ تحریر اس پر قصاص واجب کیا گیا ہے، اگر ہم مبسوط کے احتمال کو اخرس کے حق میں معتبر مان لیں تو اخرس کے متعلق دو روایتیں ہو جائیں گی (۱) جامع صغیر کی۔ اس میں تحریر کے ذریعے وجوب قصاص کے حوالے سے اخرس کا اقرار معتبر ہے (۲) مبسوط کی روایت جہاں اقرار معتبر نہیں ہے۔

ویحتمل أن یکون مفارقا الخ: فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے مبسوط میں جو حکم مذکور ہے وہ فقط غائب کے حق میں ہو اور اخرس سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور تحریر کے ذریعے وجوبِ قصاص کے حوالے سے اخرس اور غائب دونوں میں فرق ہو اور وجہ فرق یہ ہو کہ غائب میں نطق کی اہلیت موجود ہے اور فی الجملہ وہ نطق پر قادر ہے، لہٰذا اس کے نطق تک رسائی ممکن ہونے کی وجہ سے اس کی تحریر معتبر نہیں ہوگی۔ جب کہ اخرس میں آفت سماویہ کی وجہ سے نطق کی اہلیت معدوم ہے اور اس کے حق میں نطق سرے سے متعذر اور معدوم ہے، اس لیے وجوبِ قصاص کے حوالے سے اس کی تحریر معتبر ہوگی۔

وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلٰی أَنَّ الْإِشَارَةَ مُعْتَبَرَةٌ وَإِنْ كَانَ قَادِرًا عَلَی الْكِتَابَةِ، بِخِلَافِ مَاتَوَهَّمَهُ بَعْضُ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ لَاتُعْتَبَرُ الْإِشَارَةُ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَی الْكِتَابَةِ لِأَنَّهُ حُجَّةٌ ضَرُوْرِيَّةٌ وَلَاضَرُوْرَةَ، لِأَنَّهُ جَمَعَ هٰهُنَا بَيْنَهُمَا فَقَالَ أَشَارَ أَوْكَتَبَ وَإِنَّمَا اسْتَوَيَا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حُجَّةٌ ضَرُوْرِيَّةٌ، وَفِي الْكِتَابَةِ زِيَادَةُ بَيَانٍ لَمْ يُوْجَدْ فِي الْإِشَارَةِ، وَفِي الْإِشَارَةِ زِيَادَةُ أَمْرٍ لَمْ يُوْجَدْ فِي الْكِتَابَةِ لِمَا أَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَی النُّطْقِ مِنْ اٰثَارِ الْأَقْلَامِ فَاسْتَوَيَا.

ترجمہ: اور یہ مسئلہ اس بات کا غماز ہے کہ اسارہ معتبر ہے اگر چہ مشیر کتابت پر قادر ہو برخلاف اس وہم کے جو ہمارے کچھ اصحاب کو ہوا ہے کہ کتابت پر قدرت ہوتے ہوئے اسارہ معتبر نہیں ہے، کیونکہ اسارہ حجتِ ضروریہ ہے اور یہاں ضرورت نہیں ہے۔ (اسارہ معتبر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں اسارہ اور کتابت کو جمع کر کے یوں فرمایا ہے أشار أو کتب وہ اسارہ کرے یا تحریر لکھے۔ اور یہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک حجتِ ضروریہ ہے اور کتابت میں بیان کی جو زیادتی ہے وہ اسارہ میں نہیں ہے اور اسارے میں جس امر کی زیادتی ہے وہ کتابت میں موجود نہیں ہے، اس لیے کہ اسارہ نقوشِ اقلام کے بالمقابل نطق کے زیادہ قریب ہے لہٰذا دونوں برابر ہوگئے۔

اللغات:

﴿کتابة﴾ لکھنا۔ ﴿حجّة﴾ دلیل۔ ﴿استویا﴾ دونوں برابر ہوئے۔ ﴿نطق﴾ بولنا۔

اشارہ اور کتابت کا ایک ہی حکم ہونے کا مسئلہ:

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے **وإذا کان الأخرس یکتب کتابا أو یومي إیماء الخ:** کی

جو عبارت پیش کی ہے اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسارہ اور کتابت دونوں کا حکم ایک ہے چنانچہ اگر اخرس کتابت پر قادر ہو اور اسارے سے اقرار کرے تو اس کا اسارہ درست اور معتبر ہے، یہی عامۃ الفقہاء کی رائے ہے، لیکن کچھ لوگوں کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ قدرت علی الکتابت کے ہوتے ہوئے اسارہ کا اعتبار نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اسارہ حجتِ ضرور یہ ہے جو ضرورت کے تحت بقدر ضرورت ہی ثابت ہوتا ہے اور کتابت پر قدرت کے ہوتے ہوئے اسارہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے اس وقت اسارہ معتبر نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ وہم غلط ہے، اس لیے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں دونوں کو ایک ساتھ فرق اور فوقیت کے بغیر بیان کیا ہے اور یہ سمجھنا کہ اسارہ بر بنائے ضرورت ثابت ہوتا ہے صحیح نہیں ہے، بل کہ اسارہ اور کتابت دونوں بر بنائے ضرورت ثابت ہوتے ہیں اور دونوں حجت ضرور یہ ہیں ان کی اصل تو نطق اور تکلم ہے۔ اور اگر کتابت اس وجہ سے افضل ہے کہ اس سے بات واضح ہو جاتی ہے اور مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے اور یہ چیز اسارہ میں نہیں ہے تو اسارہ بھی کتابت سے افضل ہے اس حوالے سے کہ اسارہ نطق سے زیادہ قریب ہے کیونکہ اسارہ بھی براہ راست اعضاء وجوارح سے ہوتا ہے اور نطق بھی اعضاء وجوارح سے انجام پاتا ہے تو ایک اعتبار سے کتابت افضل ہے اور دوسرے اعتبار سے اسارہ افضل ہے، اس لیے دونوں برابر ہیں اور ایک پر قدرت کے ہوتے ہوئے بھی دوسرے سے کام چلایا جاسکتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ الَّذِيْ صَمَتَ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ بِعَارِضٍ لِمَا بَيَّنَا فِي الْمُعْتَقَلِ لِسَانُهُ أَنَّ اٰلَةَ النُّطْقِ قَائِمَةٌ، وَقِيْلَ هٰذَا تَفْسِيْرٌ لِمُعْتَقَلِ اللِّسَانِ.

ترجمه: اور ایسے ہی وہ شخص جو کسی عارض کی وجہ سے ایک یا دو دن خاموش رہا ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم معتقل اللسان کے متعلق بیان کر چکے ہیں کہ آلۂ نطق موجود ہے اور کہا گیا کہ یہ معتقل اللسان کی تفسیر ہے۔

اللغات:

﴿صمت﴾ خاموش رہا۔ ﴿عارض﴾ عارضی وجہ، بیماری وغیرہ۔ ﴿نطق﴾ بولنا۔

عارضی طور پر نہ بول سکنے والے کا اشارہ:

مسئلہ یہ ہے کہ معتقل اللسان کا اسارہ معتبر نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں **ولا یجوز ذلك في الذي یعتقل لسانه** کے تحت اسے بیان کیا گیا ہے اسی پر یہاں کی عبارت **ولا كذلك الخ**۔ معطوف ہے یعنی جس طرح معتقل اللسان کا اسارہ معتبر نہیں ہے، اسی طرح اس شخص کا اسارہ بھی معتبر نہیں ہے، جو ایک دو دن تک خاموش رہا ہو اور کسی عارض کی وجہ سے اس کی زبان رُک گئی ہو، کیونکہ اس کے حق میں بھی آلۂ نطق یعنی زبان موجود ہے اور فی الجملہ یہ شخص نطق اور گفتگو پر قادر ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ معتقل اللسان کی تفسیر ہے۔

قَالَ وَإِذَا كَانَ الْغَنَمُ مَذْبُوْحَةً وَفِيْهَا مَيْتَةٌ، فَإِنْ كَانَتِ الْمَذْبُوْحَةُ أَكْثَرَ تَحَرّٰى فِيْهَا وَأَكَلَ، وَإِنْ كَانَتِ الْمَيْتَةُ

أَكْثَرَ أَوْ كَانَ نِصْفَيْنِ لَمْ يُؤْكَلْ وَهٰذَا إِذَا كَانَتِ الْحَالَةُ حَالَةَ الْإِخْتِيَارِ، أَمَّا فِيْ حَالَةِ الضَّرُوْرَةِ يَحِلُّ لَهُ التَنَاوُلُ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ، لِأَنَّ الْمَيْتَةَ الْمُتَيَقَّنَةَ تَحِلُّ لَهُ فِيْ حَالَةِ الضَّرُوْرَةِ فَالَّتِيْ تَحْتَمِلُ أَنْ تَكُوْنَ ذَكِيَّةً أَوْلٰى غَيْرَ أَنَّهُ يَتَحَرّٰى لِأَنَّهُ طَرِيْقٌ يُوْصِلُهُ إِلَى الذَّكِيَّةِ فِي الْجُمْلَةِ فَلَا يَتْرُكُهُ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر مذبوحہ بکریاں ہوں اور ان میں کچھ مردار بھی ہوں تو اگر مذبوحہ بکریاں زیادہ ہوں تو ان میں تحری کر کے کھالے۔ اور اگر مردار بکریاں زیادہ ہوں یا مذبوحہ اور مردار نصف نصف ہوں تو نہیں کھائی جائیں گی۔ اور یہ حکم حالتِ اختیار کا ہے اور حالتِ ضرورت میں اس کے لیے ان تمام صورتوں میں ''اکل'' جائز ہے کیونکہ (جب) یقینی طور پر حرام بکری حالت ضرورت میں اس کے لیے حلال ہے تو جو بکری مذبوحہ ہونے کا احتمال رکھتی ہو وہ تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی، تاہم وہ تحری کرے گا، کیونکہ تحری ایسی راہ ہے جو اسے فی الجملہ ذکیہ تک پہنچادے گی، لہٰذا وہ شخص بغیر ضرورت کے تحری کو نہیں چھوڑے گا۔

اللغات:

﴿غنم﴾ بکریاں۔ ﴿تحرّی﴾ اندازہ کرے۔ ﴿متيقّنة﴾ پختہ، یقینی۔ ﴿ذكية﴾ مذبوحہ، حلال کی ہوئی۔ ﴿يوصله﴾ اس کو پہنچادے گا۔

بہت سی مذبوحہ بکریوں میں سے کھانا جبکہ چند ایک مردار بھی شامل ہوں:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی جگہ بہت ساری بکریاں مری پڑی ہوں اور ان میں سے کچھ مذبوحہ ہوں اور کچھ مردار ہوں اور جو شخص ان کا مالک ہو یا وہاں موجود ہو اسے یہ نہ معلوم ہو کہ کون سی بکریاں مذبوحہ ہیں اور کون سی مردار ہیں تو اس صورت میں سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ مذبوحہ اکثر ہیں یا مردار؟ اگر مذبوحہ اکثر ہوں اور مردار سے زائد ہوں تو اسے چاہئے کہ ان میں تحری کر کے اور بعد تحری جنہیں وہ مذبوحہ سمجھے انھیں نوش فرمالے یعنی تحری میں جو بکریاں اسے مذبوحہ معلوم ہوں ان بکریوں کو کھانا اس کے لیے حلال اور درست ہے۔ اور اگر مردار بکریاں زیادہ ہوں یا مذبوحہ اور مردار دونوں برابر برابر ہوں تو ان کا کھانا حلال اور جائز نہیں ہے۔

وهذا إذا كانت الخ: صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حکم ہمارے یہاں ہے اور اس صورت میں ہے جب اختیار کی حالت ہو۔ اور اگر اضطراری حالت ہو تو بغیر تفصیل کے مذبوحہ اور میتۃ سب کو کھانا جائز ہے، کیونکہ حالتِ اضطراری میں جب یقینی طور سے مردہ معلومہ بکری کو کھانا جائز ہے تو جس بکری کے متعلق مذبوحہ ہونے کا احتمال اور خیال ہو اس کا کھانا تو بدرجۂ اولیٰ جائز اور حلال ہوگا۔ البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ حالتِ اختیار کی طرح حالتِ اضطرار میں بھی انسان تحری کرلے، کیونکہ تحری کے ذریعے مذبوحہ تک رسائی ہوسکتی ہے اور مذبوحہ بہر صورت میتۃ سے بہتر ہے اگرچہ حالتِ اضطراری میں میتۃ بھی حلال ہے، اس لیے بغیر مجبوری کے تحری ترک کرنا مناسب نہیں ہے ہاں اگر مخمصہ کی حالت ہو اور تحری کرنے سے جان جانے کا خدشہ ہو تو اس نہائی اور آخری حالت میں ترکِ تحری کی گنجائش ہے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ لَایَجُوْزُ الْأَكْلُ فِيْ حَالَةِ الْإِخْتِيَارِ وَإِنْ كَانَتِ الْمَذْبُوْحَةُ أَكْثَرَ، لِأَنَّ التَّحَرِّيَ دَلِيْلٌ ضَرُوْرِيٌّ فَلَايُصَارُ إِلَيْهِ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ، وَلَاضَرُوْرَةَ، لِأَنَّ الْحَالَةَ حَالَةُ الْإِخْتِيَارِ، وَلَنَا أَنَّ الْغَلَبَةَ تَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الضَّرُوْرَةِ فِيْ إِفَادَةِ الْإِبَاحَةِ، أَلَا تَرٰى أَنَّ أَسْوَاقَ الْمُسْلِمِيْنَ لَاتَخْلُوْ عَنِ الْمُحَرَّمِ وَالْمَسْرُوْقِ وَالْمَغْصُوْبِ، وَمَعَ ذٰلِكَ يُبَاحُ التَّنَاوُلُ اِعْتِمَادًا عَلَى الْغَالِبِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْقَلِيْلَ لَايُمْكِنُ الْإِحْتِرَازُ عَنْهُ وَلَايُسْتَطَاعُ الْإِمْتِنَاعُ عَنْهُ فَسَقَطَ اِعْتِبَارُهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ كَقَلِيْلِ النَّجَاسَةِ وَقَلِيْلِ الْإِنْكِشَافِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَا نِصْفَيْنِ أَوْ كَانَتِ الْمَيْتَةُ أَغْلَبَ لِأَنَّهٗ لَاضَرُوْرَةَ فِيْهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ، وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ.

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حالتِ اختیار میں کھانا جائز ہے اگر چہ مذبوحہ زیادہ ہوں، کیونکہ تحری دلیل ضروری ہے لہٰذا بدون ضرورت اس کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حالت حالتِ اختیار ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اباحت کا فائدہ دینے میں غلبہ کو ضرورت کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مسلمانوں کے بازار حرام، مسروق اور مغصوب اشیاء سے خالی نہیں ہوتے اس کے باوجود غالب پر اعتماد کرتے ہوئے تناول کرنا جائز ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ قلیل سے احتراز ممکن نہیں ہے اور اس سے بچنے کی سکت نہیں ہے، لہٰذا دفعِ حرج کے پیش نظر اس کا اعتبار ساقط ہوگیا جیسے قلیل نجاست اور قلیل انکشاف۔

برخلاف اس صورت کے جب وہ دونوں نصف نصف ہوں یا مردار غالب ہوں، کیونکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

واللہ أعلم بالصواب۔

اللغات:

﴿تحرّی﴾ اندازہ لگانا۔ ﴿لا یصار﴾ نہیں پھرا جائے گا۔ ﴿أسواق﴾ واحد سوق؛ بازار۔ ﴿تناول﴾ حاصل کرنا۔ ﴿احتراز﴾ بچنا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب:

ہمارے یہاں اگر مذبوحہ بکریاں زیادہ ہوں تو تحری کر کے حالتِ اختیار میں ان کا کھانا حلال ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حالتِ اختیار میں بھی ان کو کھانا جائز نہیں ہے، اگر چہ مذبوحہ بکریاں زیادہ ہوں، کیونکہ تحری دلیلِ ضروری ہے اور الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ والے فقہی ضابطے کے تحت بوقتِ ضرورت ہی اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور حالتِ اختیار میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے یہاں نہ تو تحری ہوگی اور نہ ہی اس کا کھانا حلال ہوگا۔

ولنا أن الغلبۃ الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ جس طرح ضرورت اور اضطرار سے اباحت ثابت ہوجاتی ہے اسی طرح غلبہ اور کثرت سے بھی اباحت ثابت ہوجاتی ہے اور اثباتِ حلت میں غلبہ کو ضرورت کے قائم مقام مان لیا جاتا ہے چنانچہ مسلمانوں کے بازار میں حرام چیزیں بھی بکتی ہیں اور مسروقہ اور مغصوبہ اشیاء بھی ملتی ہیں اس کے باوجود غلبہ اور کثرت کی وجہ سے حلال چیزوں کو خریدنا

درست اور جائز قرار دیا گیا ہے اور قلیل کا اعتبار ساقط کر دیا گیا ہے۔

وهذا لأن الخ: فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں قلیل کا اعتبار ساقط کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قلیل سے احتراز ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس سے بچنے کی سکت اور طاقت ہے اب اگر ہم قلیل کو ہدر اور معاف نہیں قرار دیں گے تو حرج لازم آئے گا حالانکہ شریعت میں حرج دور کر دیا گیا ہے اس لیے دفعِ حرج کے پیش نظر یہاں بھی قلیل کا اعتبار ساقط کر دیا گیا ہے، جیسے دفعِ حرج ہی کے پیش نظر قلیل نجاست اور قلیل انکشاف کا اعتبار ساقط کر دیا گیا ہے، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی قلیل کو معاف قرار دے دیا گیا ہے۔

بخلاف ما إذا كانا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مذبوحہ اور مردار بکریاں آدھی آدھی ہوں یا مردار بکریاں زیادہ ہوں اور حالت حالتِ اختیار ہو تو یہاں حلت اور اباحت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ یہاں نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی ضرورت کے قائم مقام یعنی کثرت اور غلبہ ہے اور بدون ضرورت اباحت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے ان صورتوں میں حلت اور اباحت ثابت نہیں ہوگی۔ **فقط والله أعلم وعلمه أتم.**

مُفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی

الحمد للہ آج مورخہ ۴ ربیع الثانی، ۱۴۳۰ھ مطابق یکم اپریل ۲۰۰۹ء بروز بدھ نماز ظہر احسن الہدایہ کی یہ جلد اختتام پذیر ہوئی۔ رب کریم سے دعا ہے کہ احسن کی دیگر جلدوں کی طرح اسے بھی قبولت عامہ تامہ سے نوازیں اور شارح کے والدِ محترم جناب محمد حنیف صاحب مرحوم کے لیے اسے ذخیرۂ آخرت بنائیں جو حال ہی میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم،
وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ